ہدیٰ

اسلامی ڈائجسٹ

Hadiya
Rs.60/-

اگست 2007ء

الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون

عظیم اولیاء اللہ
نمبر
(چودھواں حصہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بانی

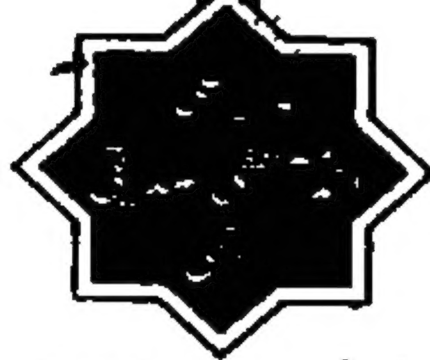
حضرت مولانا عبدالوحید صدیقیؒ

ماہنامہ ہدیٰ

اسلامی ڈائجسٹ

عظیم اولیاء اللہ نمبر چودھواں حصہ

مسلسل اشاعت کے
چالیس ویں سال کا
دوسرا شمارہ



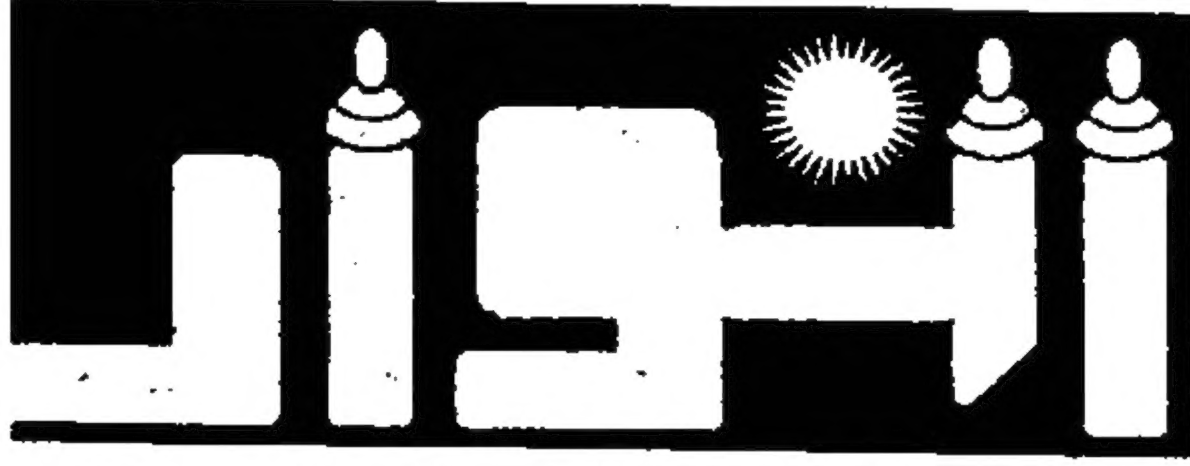
فون نمبر: 24374980
Email: hudadigest@rediff.com

ہدایت:

ترسیل زر کے وقت جملہ بینک ڈرافٹ "ہدیٰ میگزین" کے نام سے ہی قابل قبول ہوں گے۔

خط و کتابت کا پتہ:

ناظم ہدیٰ
اسلامی ڈائجسٹ
96 (بیسمنٹ)
چرچ روڈ، بھوگل
نئی دہلی-110014




اس ماہ کے خصوصی عنوانات

ممبر آف آل انڈیا نیوز پیپر ایڈیٹر کانفرنس

ترتیب و تدوین
احمد مصطفےٰ صدیقی راہی

معاون اعزازی
مفتی محمد نظر عالم قاسمی

منتظم
احمد ندیم صدیقی
محمد رضوان

تزئین کار
سہیل خان، بہزاد راہی

کمپوزنگ:
شاہکار آرٹس

مطبوعہ:
ایرانین آرٹ پرنٹرس،
1534، قاسم جان اسٹریٹ،
دہلی- 110006

مقام اشاعت:
96 (بسینٹ) چرچ روڈ، بھوگل
نئی دہلی- 110014

طابع، ناشر و مالک
احمد مصطفےٰ صدیقی راہی

تاریخ اشاعت:
3/جولائی 2007ء

ہدیٰ

ہُدیٰ

اگست 2007ء

رجب المرجب ۔ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

جلد ۴۰ .... شمارہ ۴۷۱

اس شمارے کا ہدیہ ساٹھ روپے

سالانہ ہدیہ پانچ سو روپے ہے جس میں رجسٹری ڈاک خرچ کے ایک سو نوے روپے اور سال میں کم سے کم دو یا تین نمبر بھی شامل ہیں، ہر شمارہ رجسٹری ڈاک سے بھیجا جاتا ہے۔

سادہ ڈاک سے صرف -/330 روپے

ہندوستان سے باہر سالانہ ہدیہ

ایسے حضرات جو ہندوستان سے باہر ممالک میں سالانہ خریدار بننا چاہتے ہیں وہ اپنے مطلوبہ مقام کے لئے بذریعہ ہوائی جہاز یا سمندری جہاز جس طرح چاہیں بذریعہ خط و کتابت معلوم کریں۔

مستقل عنوانات

منظومات

نوٹ: جگہ کی تنگی کی وجہ سے مندرجہ ذیل عنوانات انشاء اللہ اگلی بار:
بندگان حق آگاہ، حاصل مطالعہ، مشعل معرفت،
طب نبوی ﷺ، قاہرہ کا قہر

حمد باری تعالیٰ

نظر میں ہیں کبھی جلوہ فشانیاں اُس کی
فضا میں بکھری ہوئی ہیں کہانیاں اُس کی

ازل سے روزِ قیامت تلک ہوئیں مخصوص
نفس نفس کے لیے مہربانیاں اُس کی

ہوا کی بہتی روانی پہ بھی ہے قادر وہ
سمندروں پہ بھی ہیں حکمرانیاں اُس کی

اسی کا عکس منور ہے مہرِ تاباں میں
جمالِ ماہ میں بھی ضو فشانیاں اُس کی

ہمارا لہجہ، ہماری زباں، ہمارے لفظ
ہمارے پاس ہیں سب خوش بیانیاں اُس کی

دھڑکتے دل کی صدا کا یہ سلسلہ اُس کا
جو گرم سانسوں میں ہیں وہ روانیاں اُس کی

ہمارے خون میں حل، رنگ اُس کی ذات کے ہیں
ہماری آنکھوں میں روشن نشانیاں اُس کی

گلاب، رنگ، گلستاں، مہک، بہار، جمال
اُسی کے قصے ہیں، ساری کہانیاں اُس کی

مجال کس میں جو انکار کر دے اے شہباز
ہیں عظمتوں کی امیں مہربانیاں اس کی

(جل جلالہٗ)

شہباز ندیم ضیائی

نعت رسول کریم

کشش ہے ہر بیاں میں سید والاؐ کا رنگ
کیوں نہ ہو پھر ہیچ اُنؐ کے سامنے دنیا کا رنگ

بزم خوباں اور نہ شہر حسنِ دل آرا کا رنگ
ہے حصارِ روح میں آراستہ طیبہ کا رنگ

ہے مرے احساس پر جیسے بہاروں کا نزول
جب سے آنکھوں میں بسا ہے گنبدِ خضریٰ کا رنگ

کیوں نہ ہو رہرو کے حق میں رہنمائی کی دلیل
کہکشاں میں ڈھل گیا ہے اُنؐ کے نقشِ پا کا رنگ

رنگ میں اُن کی وہی شفافیت ہے بے گماں
جس طرح شفاف ہے بہتے ہوئے دریا کا رنگ

اُنؐ کے لفظوں میں ہے مُضمر حق پسندی کی مٹھاس
شہد آسا کیوں نہ ہو اُنؐ کے لب گویا کا رنگ

اور کوئی رنگ مجھ پر کیوں مسلّط ہو کہ جب
ہے مسلّط میرے احساسات پر شاہا کا رنگ

جب سے دل گم ہوگیا نعتِ رسول پاکؐ میں
بدلا بدلا سا ہے کچھ میرے دلِ شیدا کا رنگ

اس قدر شفاف و آئینہ صفت پہلے نہ تھا
آپؐ کی آمد سے نکھرا چہرۂ دنیا کا رنگ

حرفِ نعتِ مصطفیٰؐ قرطاس پر لکھنے سے قبل
نور جیسا ہو گیا شہباز کے خامہ کا رنگ

(صلی اللہ علیہ وسلم)

شہباز ندیم ضیائی

اپنی باتیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حدیٰ کے "عظیم اولیاء اللہ نمبر" کا چودھواں حصہ زیور طباعت سے آراستہ و پیراستہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کے لئے ہم اللہ رب العزت کے حضور ایک بار پھر سر بسجود ہیں کہ اس نے ان ضعیف اور ناتواں ہاتھوں سے اس عظیم کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

قارئین کرام! جیسا کہ اولیاء اللہ نمبر کے پہلے حصے میں ہم نے عرض کیا تھا کہ صاحب کرامات، باعمل، بلند کردار اور برگزیدہ عظیم خدا دوستوں کی تعداد جنہوں نے دین اسلام کی آبیاری کر کے کروڑوں انسانوں کو کفر و ضلالت کے اندھیروں سے نکال کر روشنی دکھائی تھی ان کی تعداد ان گنت ہے، ان حق پرستوں کے تذکرہ کے لیے درجنوں خصوصی شمارے بھی ناکافی ہیں۔ چنانچہ "حدیٰ" کے "تیرہ عظیم اولیاء اللہ نمبروں" کے بعد اب چودھواں حصہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی جہاں تک ممکن اور حسب ضرورت مواد فراہم ہوتا رہے گا، تحقیق و جستجو کا یہ سلسلہ بھی جاری رکھا جائے گا۔ چنانچہ اولیاء اللہ نمبر کے پندرہویں حصہ کی تیاری پر کام شروع ہو چکا ہے اور جلد ہی اس کی اشاعت بھی ممکن ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے میں ہماری مدد فرمائے۔ ہمیں اور قارئین کرام کو ان پراسرار، خدا رسیدہ مردانِ حق کی پاکیزہ زندگی کے پوشیدہ پہلوؤں کو زیادہ سے زیادہ جاننے اور تحقیق و جستجو جاری رکھنے اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ میں رہتے ہوئے اولیاء اللہ کی زندگی سے عمل صالح اور سچا مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

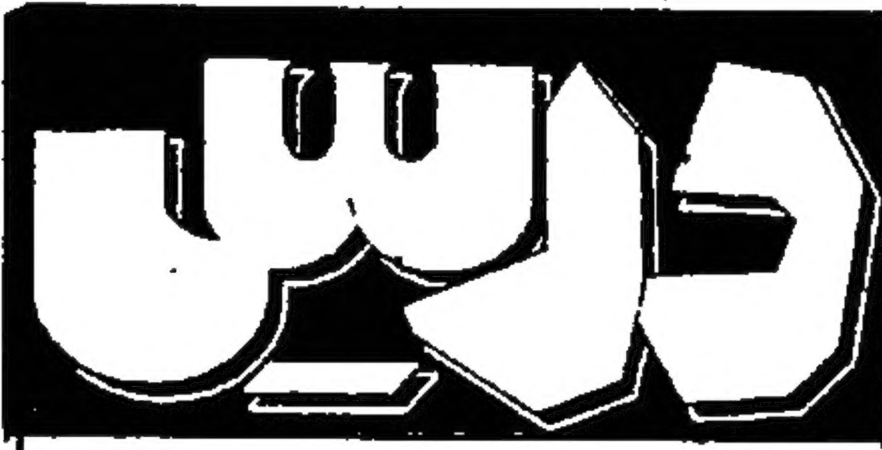
آمین ثم آمین!

طالب دعا! خاک پائے اولیاء

اللہ احمد مصطفیٰ صدیقی راہی

(... مطابق ۱۳ ر جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ (بروز جمعۃ المبارک)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



سورۂ حٰم سجدہ آیت ۱۳ تا ۲۹

پھر اگر اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ کافر ان سب قدرتِ خدا کو دیکھتے ہوئے بھی اس کے حکموں کو نہ مانیں، تو تم ان سے کہہ دو کہ ہم نے تو تم کو اللہ کے سخت عذاب سے ڈراوا دے دیا یہ عذاب اُسی طرح کا ہوگا جیسا کہ عاد و ثمود کی نافرمان قوموں پر تم سے پہلے آچکا ہے (۱۳) ان کے پاس بھی ہمارے رسول ہر طرف سے راہِ راست پر لانے کی باتیں لے کر آئے اور ان سے کہا دیکھو، اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو تو انھوں نے اس کے جواب میں کہا تو یہ کہا اگر ہمارا پروردگار چاہتا کہ ہمارے لئے رسول بھیجے تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتا اس لئے ہم تو تم کو رسول ماننے سے انکار کرتے ہیں (۱۴) قوم عاد، سو اس نے اللہ کی زمین پر ناحق شیخی و غرور کا مظاہرہ کیا، ان کا کہنا تھا کہ ہم سے بڑھ کر زور والا کون ہے؟ انھوں نے نہیں دیکھا کہ خود اللہ جس نے ان کو پیدا کیا وہ کیسا قوی ہے، بہر حال ان لوگوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا (۱۵) تو کئی دن ان پر نحوست کے ایسے گزرے کہ بڑے زور شور کی آندھی چلتی رہی یہ اس لئے ہوا کہ ان کو دنیا میں ذلت کے عذاب کا ہم مزا چکھائیں رہا آخرت کا عذاب سو وہ اس سے زیادہ ذلت والا ہوگا اور ان کی کسی طرف سے مدد نہ ہوگی (۱۶) اور قوم ثمود، ہم نے ان کے لئے بھی ہدایت نامہ بھیجا، مگر اُن کو بجائے ہدایت قبول کرنے کے اندھا رہنا ہی بھلا لگا، تو ان پر ذلت کے عذاب کی کڑک نے آلیا ان کے عمل اسی لائق تھے (۱۷) مگر اس عذاب سے ہم نے اُن لوگوں کو بچا لیا جو ایمان والے تھے اور ہماری نافرمانی سے بچتے تھے (۱۸) اور دیکھو، جس دن یہ دشمنانِ خدا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، تو ان کی الگ الگ جماعتیں ہوں گی (۱۹) اور جب یہ میدان حشر میں آجائیں گے تو جو کچھ انھوں نے کیا ہوگا خود ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کے بدن کی جلدیں گواہی دیں گی (۲۰) اور یہ لوگ اپنی جلدوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ تو یہ جواب دیں گی کہ ہمیں اس اللہ نے کہنے کو کہا

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

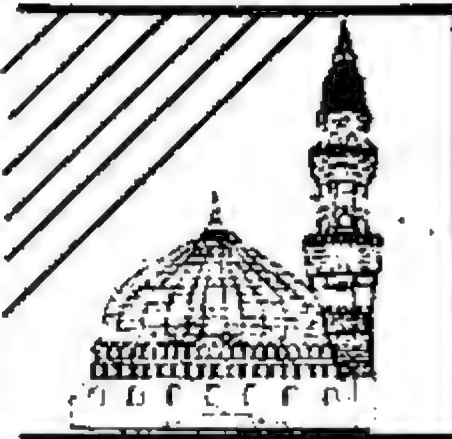
قرآن

گذشتہ سے پیوستہ

جس نے ہر چیز کو اپنے اپنے طور پر گویائی دی ہے، اورلوگو! سنو، تم کو اس اللہ نے پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور تم کو اسی طرف لوٹ کر جانا ہے (۲۱) اور دیکھو، تم خود ان سے اپنے عیب نہیں چھپاتے تھے اور ایسا نہیں ہوسکتا تھا کہ تم پر تمھارے کان، تمھاری آنکھیں اور تمھارے جسم کے چمڑے گواہ نہ بن سکیں، تم تو یہ سمجھتے تھے کہ جو کچھ کرتے ہو اللہ بھی اس کو نہیں جانتا (۲۲) تمھارا اپنے پروردگار کے ساتھ یہ گمان تھا، اسی گمان نے تم کو ہلاک کیا اور آج نقصان پانے والوں میں سے ہو گئے! (۲۳) وہ اگر صبر کریں جب بھی آگ ان کا گھر ہے اور صبر نہ کریں جب بھی آگ ان کا گھر ہے، اور اگر وہ چاہیں کہ روٹھے ہوئے اللہ کو منائیں تو منایا نہ جائے گا (۲۴) اور دیکھو، ہم نے ان کافروں کے پیچھے ہم نشین بھی برے ہی لگا دیئے جنھوں نے ان کے سامنے کے بُرے اعمال کو ان کے پیچھے کے بُرے اعمال کو اچھا کر کے بتایا اور ان پر عذاب کا آنا برحق ہو چکا، ٹھیک ان ہی کی طرح جس طرح جنوں اور انسانوں کے لئے اس سے پہلے گزر چکے اور یہ نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو گئے (۲۵) اور یہ کافر لوگوں سے کہتے ہیں کہ قرآن کو نہ سنو اور جب پڑھا جانے لگے تو شور مچا کر اس میں گڑبڑی ڈال دو تاکہ تم کو غلبہ حاصل ہو جائے (۲۶) تو ہم کافروں کو سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے اور یہ جو بُرے کام کرتے تھے ہم اس کا ان کو پورا پورا بدلہ دیں گے (۲۷) دشمنانِ خدا کے لئے دوزخ ہی جزا ہے، دوزخ ان کے لئے ہیشگی کا گھر ہوگا اس لئے یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے (۲۸) اور دیکھو، اس دن کافر کہیں گے کہ اے میرے پروردگار! ہمیں ذرا ان کو دکھا دے جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا، جنوں میں سے بھی، اور انسانوں میں سے بھی، اور آج ان کو ہمارے قدموں کے نیچے ڈال دے تاکہ وہ سب کے نیچے ہو جائیں (۲۹)

(جاری ہے اگلے ماہ)

ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم



بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ٥ نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

◆ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ جو میرے ولی سے عداوت کرے میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں اور جن اعمال کے ذریعہ میرا بندہ میرا تقرب چاہتا ہے، ان میں سب سے زیادہ میرے نزدیک وہ عبادتیں محبوب ہیں جو میں نے اس پر فرض کیں اور ہمیشہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا اقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں اور جب محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں دیتا ہوں اور اگر پناہ مانگتا ہے تو پناہ بخشتا ہوں۔''

◆ صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، بہت سے پراگندہ سر، غبار آلود، دروازوں پہ دھکے دیئے جانے والے جنہیں کوئی حیثیت نہ دی جائے ایسے ہیں کہ اگر اللہ پر اعتماد کر کے کسی بات کی قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم کو ضرور سچ کردے۔''

◆ ترمذی میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے ''انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جو لوگ میرے لئے باہم محبت کرتے ہیں، ان کے لئے قیامت میں نور کے منبر ہوں گے، ان کے درجہ پر انبیاء وشہداء بھی رشک کریں گے۔''

امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور امام مالکؒ کی مؤطا میں سند صحیح سے مروی ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان کے لئے میری محبت واجب ہو گئی جو میرے لئے باہم محبت کرتے ہیں اور میرے لئے ایک دوسرے کی ہمنشینی اختیار کرتے ہیں اور میرے لئے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور میرے لئے باہم خرچ کرتے ہیں۔''

◆ بخاری ومسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات ایسے اشخاص ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس روز اپنے سائے میں جگہ عنایت فرمائے گا جس روز اس کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ (۱) عادل بادشاہ (۲) وہ جوان شخص جس نے اپنی تمام عمر اللہ کی عبادت میں گزاری (۳) وہ شخص جس کا دل مسجد سے وابستہ ہو (۴) وہ دو شخص جو اللہ کے لئے آپس میں محبت رکھتے ہوں، خدا ہی کے لئے ملیں اور خدا ہی کے لئے جدا ہوں (۵) وہ شخص جسے کوئی منصب و جمال والی عورت بلائے تو وہ یہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (٦) وہ شخص جو خیرات کر کے اس طرح چھپائے کہ اس کے دائیں ہاتھ کی نیکی کو بایاں ہاتھ بھی نہ جانے (۷) جو اللہ کو تنہائی میں یاد کرے تو اس کی آنکھیں اشک بار ہو جائیں۔'' ◆◆◆

نورِ الٰہی اور نورِ نبوت ؐ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

"الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون، الذین آمنوا وکانوا یتقون، لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الآخرۃ لاتبدیل لکلمات اللہ ذالك ھو الفوز العظیم۔"

ترجمہ: "آگاہ ہو جاؤ کہ بیشک اللہ کے دوستوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ وہ لوگ غمگین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتے رہتے ہیں۔ ان کے لئے دین و دنیا دونوں جگہ خوشخبری ہے۔ اللہ جل شانہٗ کی باتیں بدل نہیں سکتیں اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔"

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا بزرگوں کے قصے اور احوال خدائی لشکر ہیں۔ جن سے مریدوں کے دلوں کو طاقت پہنچتی ہے۔ کسی نے پوچھا اس کی کیا دلیل ہے۔ آپؒ نے فرمایا وکلا نقص علیك من انبآء الرسل مانثبت بہ فؤادك وجآءك فی ھذہ الحق و موعظۃ وذکریٰ للمومنین۔ ترجمہ "اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے قصے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعے آپ کے دل کو مضبوط کرتے ہیں اور اس طرح آپ کے پاس ایسا واقعی مضمون پہنچتا ہے جو نصیحت بھی ہے اور مسلمانوں کے لئے اچھے کام کرنے کی یاددہانی بھی ہے۔" (بیان القرآن)

ھم اناس لایشقیٰ جلیسھم "یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والے بدقسمت نہیں ہو سکتے۔"

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کتنے آدمی بے حد پریشان حال، پراگندہ بال، چہرہ غبار آلود ہیں جن کو لوگ اپنے دروازوں سے دھکا دے کر نکال دیں اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے قسم کھا کر کوئی چیز مانگیں تو اللہ جل شانہٗ ان کی قسم ضرور پوری فرما دیں۔ (مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف)

مصعب بن سعد صحابیؓ کو خیال ہوا اپنے کمزوروں پر ہم لوگوں کو بڑائی حاصل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "تم لوگوں کو دشمنوں کے مقابلہ میں فتح کی مدد یا کھانے کے لئے روزی انہیں کمزوروں اور فقیروں کی دعاؤں کی برکت سے دی جاتی ہے۔" (بخاری شریف)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے وہ لوگ کہاں ہیں جو صرف میری خوشی کے لئے آپس میں محبت کرتے تھے۔ آج میں ان کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا اور آج میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔" (مسلم شریف)

من كان لله كان الله له "جو اللہ کا ہو گیا، اللہ اس کا ہو گیا"

"خاصانِ خدا، خدا نہ باشد لیکن از خدا جدا نہ باشد"

ترجمہ: "اللہ کے خاص بندے اللہ نہیں ہوتے مگر اللہ تعالیٰ سے دور بھی نہیں ہوتے ہیں۔"

"اولیاء را ہست قدرت از الٰہ تیر جستہ باز گرداند ز راہ"

ترجمہ: "خدا کی طرف سے اللہ والوں کو ایسی طاقت حاصل ہے کہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو راستہ سے لوٹا دیں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ جل شانہٗ جب کسی بندہ سے محبت کرتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ تم بھی اس بندہ سے محبت کرو تو جبرئیل علیہ السلام محبت کرنے لگتے ہیں اور سارے فرشتوں سے کہتے ہیں کہ تم لوگ بھی اس بندے سے محبت کرو پھر ایسے لوگوں سے زمین والے بھی محبت کرنے لگتے ہیں۔" (مسلم شریف)

اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ کے قصوں اور تذکروں سے ہمارے دلوں کو بھی طاقت و روشنی عطا فرمائے۔ آمین۔

طالبِ دعا: احمد مصطفیٰ صدیقی راہی

نعت شریف

حمدِ ربی سے ہو آغاز ثنائے مصطفیٰ
مدحتِ اصحابؓ بھی ہو پھر برائے مصطفیٰ

بعد از تحقیق سو میں لکھ کے اول ان کا نام
"مائیکل ایچ ہارٹ" ہے مدحت سرائے مصطفیٰ

ہے کرم اللہ کا، دنیا میں ہیں چاروں طرف
تابعینِ مصطفیٰ، دارالشفائے مصطفیٰ

دل یہ کہتا ہے کہ رہیے روضۂ اقدس کے پاس
شوق کہتا ہے کہ ڈھونڈو نقشِ پائے مصطفیٰ

بارشِ رحمت، ہجومِ عاشقاں، پیہم درود
اس طرح رب نے سجا رکھی ہے جائے مصطفیٰ

لرزہ براندام ہیں، اب بھی یہود و مشرکین
معجزہ ہے ایک فاراں پہ صدائے مصطفیٰ

حشر میں جب ہو سوا نیزے پہ سورج، تیز دھوپ
ہم پہ ہو سایہ فگن یا رب ردائے مصطفیٰ

کامیابی دین و دنیا کی جسے مطلوب ہو
وقف کردے زندگی اپنی برائے مصطفیٰ

کم ہے! جتنا بھی کریں ہم حضرتِ حمزہؓ پہ ناز
ہوگئے جنگِ احد میں وہ فدائے مصطفیٰ

یہ ہے معراجِ رفاقت، شہرِ طیبہ آئے تو
حضرتِ صدیقؓ کو بھی ساتھ لائے مصطفیٰ

دارِ ارقم میں صحابہؓ کی جبیں پر بل پڑے
دیکھ کر تیکن عمرؓ کو مسکرائے مصطفیٰ

مال و زر کی اک دیں قربانیاں عثمانؓ نے
لے گئے سب سے زیادہ وہ دعائے مصطفیٰ

بابِ خیبر کس نے توڑا؟ فاتحِ خیبر ہے کون؟
مرتضیٰ ہیں، مرتضیٰ ہیں، مرتضائے مصطفیٰ

کہہ دو راقی! عظمتِ شاہی مری ٹھوکر سے
میں گدائے مصطفیٰ ہوں، میں گدائے مصطفیٰ

راقی پرتاپ گڑھی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدهٗ و نصلی علیٰ رسوله الکریم

یا ودود یا حیُّ یا قیوم، ایاک نعبدو ایاک نستعین

''ہدیٰ'' کی ایک اور عظیم الشان فخریہ پیش کش

ایمان افروز

عظیم غزوات نمبر

☆ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں لڑے جانے والے تمام غزوات کا تفصیلی ذکر ☆ جانباز صحابیوں، جانثاروں اور نامور اسلامی سپہ سالاروں کی بے مثال قربانیوں، جنگی کارناموں اور بے مثال فتوحات کا تذکرہ ☆ بخاری شریف کی احادیث مقدسہ سے جملہ غزواتِ اسلام اور جہادوں کا بیان اور واقعات۔

جن کو پڑھنے کے لئے آپ بے چین ہیں

"طٰہٰ" ہندی ڈائجسٹ

کا

روزہ، نماز نمبر

ستمبر ۲۰۰۷ کا پرچہ نمبر ۱

چودہ[14] اگست تک آپ کے ہاتھوں میں ہوگا

ہدیہ صرف -/25 روپے

نا ظمِ طٰہٰ اسلامی ڈائجسٹ: 96، (بیسمینٹ) چرچ روڈ، بھوگل، نئی دہلی۔ 14

قارئین ھدیٰ

بسم الله الرحمن الرحیم

نحمدهٗ و نصلی علیٰ رسوله الکریم

قارئین کرام! اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جن کا ظاہر و باطن تقویٰ کے نور سے جگمگا رہا ہوتا ہے۔ کثرت ذکر الٰہی سے، شب و روز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس سے، حب الٰہی اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سرشاری سے ان کے قلب و روح منور ہو جاتے ہیں۔ انوار معرفت سے فیض یاب ہو کر لوگوں کو فیض پہنچاتے ہیں اور ان کے دلوں کو حب الٰہی سے معمور اور حب رسولؐ سے مخمور کر دیتے ہیں۔ وہ ایک ایسے اعلیٰ مقام کو حاصل کر پاتے ہیں۔ جہاں نہ تو خوف ہوتا ہے نہ کوئی غم۔ وہ اللہ کی نعمت پر شاکر ہوتے ہیں اور اس کی رحمت کے امیدوار، دنیوی زندگی ہو یا اخروی زندگی دونوں میں ان کے لئے خوشخبری ہے ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر فوز عظیم اور بڑی کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے۔ انگریز دانشور "کارلائل" نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھا ہے:

"وہ نور کے ایک بہتے ہوئے چشمے کے مانند تھے جو ان کے نزدیک آ جاتا منور ہو جاتا۔"

مشائخ کی بھی کوشش یہی تھی کہ ان کے عمل کی کشش خود بخود لوگوں کو کھینچ لے، انہیں زبان سے نہ کہنا پڑے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ:

"علماء جس بات کی زبان سے دعوت دیتے ہیں اولیاء اللہ عمل کے ذریعے اس کی دعوت دیتے ہیں۔"

ایک دن ایک مسلمان ایک غیر مسلم کو ہمراہ لے کر حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ ''یہ میرا بھائی ہے۔'' حضرت نے دریافت فرمایا ''تیرا یہ بھائی مسلمان سے بھی کچھ رغبت رکھتا ہے؟'' اس شخص نے جواب دیا ''میں اسی غرض سے اسے یہاں لایا ہوں کہ حضور کی نظر التفات سے یہ مسلمان ہو جائے۔'' حضرت کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا ''اس قوم پر کسی کے کہنے کا اثر نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کسی صالح مرد کی صحبت میں آیا جایا کریں تو شاید اس کی برکت سے مسلمان ہو جائے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک طویل حکایت سنائی جو تبدیلی مذہب کے بنیادی اصولوں پر ان کے خیالات کی بہترین ترجمانی کرتی ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ نہ تو کسی کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا جا سکتا ہے نہ زبانی تلقین سے۔ اچھا کردار تلوار اور زبان سے زیادہ موثر ہوتا ہے۔ اس کی مقناطیسی قوت، اعتقاد و عمل میں انقلاب برپا کر سکتی ہے۔ دوسروں کو مسلمان بنانے سے پہلے خود مسلمان بننا ضروری ہے۔ پھر تمہاری صحبت میں جو آئے گا خود مسلمان ہو جائے گا۔''

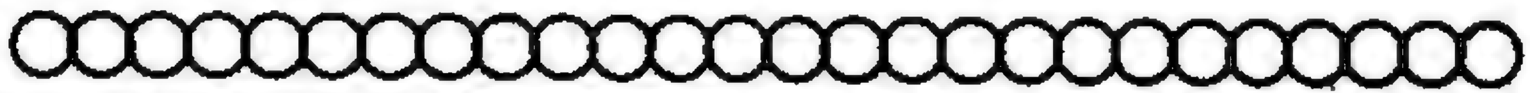
حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ اگر بیعت کے شرائط و قواعد کو وہ پہلے ہی سے بیان کر دیں تو بہت سے لوگ محروم رہ جائیں۔ دینی معاملات میں سہولت پیدا کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ انسانی فطرت کو بیک وقت بہت سے اصول و قواعد کی بندش میں جکڑنا اچھا نہیں، کسی نئی قوم کو دعوت دیتے وقت شریعت کے تمام احکامات کا بوجھ ایک دفعہ ان پر ڈال دینا نفسیاتی مصلحتوں کے خلاف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بن معاذ جبلؓ کو یمن روانہ کرتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ ''تم اہل کتاب کے پاس جاتے ہو، پہلے ان کو کلمۂ توحید کی دعوت دو اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو ان کو بتاؤ کہ خداوند تعالیٰ نے دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ خداوند تعالیٰ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے جو غرباء پر تقسیم کر دیا جائے گا اگر وہ اس کو بھی تسلیم کر لیں تو ان کے مال سے احتراز کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس میں اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔''

طالب دعا
احمد مصطفیٰ صدیقی راہی

شعبان المعظم

"رمضان اللہ کا مہینہ ہے اور شعبان میرا مہینہ ہے۔" (الحدیث)



نبی برحق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد پاک ہے، "رمضان اللہ کا مہینہ ہے اور شعبان میرا مہینہ ہے۔"

اسلامی کیلنڈر کے اعتبار سے ماہ شعبان آٹھواں مہینہ ہے۔ شعبان کا مادّہ شعب ہے جس کے معنی گھاٹی کے ہیں۔ گھاٹی پہاڑوں کے درمیان تنگ اور دشوار گزار راستے کو کہا جاتا ہے۔

اس مہینے کا نام شعبان رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہم خیر و برکت کے اعمال کے ذریعے رب جلیل کا تقرب اور اس کی رضا حاصل کر سکتے ہیں۔

شعبان المعظم کے مبارک مہینے کو رسول کریم ﷺ نے اپنی جانب منسوب کر کے اس حقیقت کا اعلان فرما دیا ہے کہ یہ بابرکت مہینہ اللہ کی عبادت، اس کی اطاعت اور بندوں کی خدمت کا ایک خصوصی لائحہ عمل پیش کرتا ہے۔ حضور اکرمؐ بہ ذات خود اس پر ہمیشہ عمل پیرا رہے اور آپؐ نے امت کو بھی اس کی تلقین فرمائی۔ اس کے ساتھ ہی مزید یہ بھی کیا کہ ان اعمال کی ادائیگی پر بڑے اجر و ثواب کی نوید بھی سنائی۔

نبی پاک کا تا حیات یہ معمول رہا کہ آپؐ اس بابرکت مہینے میں کثرت سے روزے رکھتے تھے، اتنی کثرت سے کہ انہیں رمضان المبارک کے روزوں سے ملا دیتے تھے۔

حضرت عائشہؓ ارشاد فرماتی ہیں، "میں نے رسول مکرم ﷺ کو شعبان سے زیادہ بجز رمضان کے کسی اور مہینے میں روزے رکھتے نہیں دیکھا۔"

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ آپؐ کے نزدیک روزہ رکھنے کے لئے سب سے محبوب مہینہ شعبان کا تھا۔ آپؐ شعبان میں روزے رکھتے تھے اور پھر انہیں رمضان المبارک سے ملا دیتے تھے۔

شعبان کے مقدس اور بابرکت مہینے کی خصوصی حیثیت یہ ہے کہ اس میں ہر شخص کے اعمال رب کریم کے حضور پیش کیے جاتے ہیں۔ حضور اکرمؐ کے اس مہینے میں روزہ رکھنے کی ایک توجیہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ روزہ خالصتاً اللہ کے لیے ہوتا ہے جس کا اجر بھی وہی عطا کرتا ہے اور یہ اجر بہ حالت روزہ 10 گنا سے 70 گنا تک ہوتا ہے۔ ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ رمضان المبارک میں یہ اجر 70 سے 700 گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ حضورؐ کی ذات مبارک کے لیے اگر رب جلیل کی جانب سے لاکھوں گنا اجر کا بھی اعلان کر دیا جاتا تب بھی یہ بہت معمولی بات تھی، کیوں کہ آپ ﷺ تو ویسے بھی حبیب اللہ ہیں۔ تو یہ اجر و ثواب آپ کی امت کے لیے رکھا گیا، نہ کہ آپؐ کی ذات مبارکہ کے لیے۔ تاج دار انبیاءؐ تو شافع محشر ہیں، خود ہم گناہ گاروں کی شفاعت فرمائیں گے جس کی بناء پر جنت امت مسلمہ کا مقدر ہوگی۔

حضور ﷺ بنی نوع انسانیت کے ہی نہیں، تمام انبیائے کرامؑ کے بھی سردار ہیں۔ آپ کو دنیا میں رہتے ہوئے ہی معراج کا شرف حاصل ہوا، اس شب آپؐ نے تمام انبیائے کرامؑ کی امامت فرمائی اور تمام آسمانوں کی بلندی سے بھی اوپر اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ یہ شرف آپؐ کے محبوب الٰہی ہونے کی دلیل ہے، مگر پھر بھی آپ عملی زندگی میں ہمہ وقت خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ اگر آپ چاہتے تو ان عبادات کی مشقتوں میں نہ پڑتے، کیوں کہ جنت الفردوس جو کہ جنت کا سب سے اعلیٰ مقام ہے، رسول عربی کا مقدر ہے۔

ایک صحابیؓ نے اللہ کے رسولؐ سے عرض کیا، ''آپؐ تو انسانیت کے اس درجے پر فائز ہیں کہ جس کا کوئی ہمسر نہیں، تو پھر آپؐ اتنی عبادت کی مشقت میں کیوں مبتلا ہوتے ہیں؟''

یہ سن کر سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''یہ عبادت کر کے میں اللہ کا محبوب بندہ کیوں نہ بن جاؤں؟''

زکوٰۃ اور نماز اللہ کی عبادات ہیں اور ماہ شعبان میں بندوں کے اعمال مختلف روایات کے مطابق اللہ کے حضور پیش کیے جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''لوگ اس ماہ مبارک کی عظمت و بزرگی سے غافل ہیں، یہ مہینہ رجب المرجب اور رمضان المبارک کے درمیان واقع ہے جس میں مخلوق کے اعمال اللہ کی جناب میں پیش کیے جاتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل بھی روزے دار ہونے کی حیثیت سے پیش ہو۔''

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرورِ عالم ﷺ پورے شعبان میں روزے رکھتے تھے۔ میں نے عرض کیا "اے اللہ کے رسولؐ! آپ کو اور مہینوں سے زیادہ شعبان میں روزہ رکھنا کیوں پیارا ہے؟"

نبی برحق ﷺ نے ارشاد فرمایا، "اس مہینے میں اس سال مرنے والوں کی موت لکھی جاتی ہے، میں چاہتا ہوں کہ میری موت کا حکم میرے روزے دار ہونے کی حالت میں لکھا جائے۔"

اس مہینے میں ایک رات جو پندرہویں شب کو آتی ہے، شب براَت کہلاتی ہے۔ شب بہ معنی رات اور براَت چھٹکارا کی رات ہے اور نجات کے معنوں میں ہے۔ علمائے کرام لکھتے ہیں کہ یہ گناہوں اور مصیبتوں سے نجات کی رات ہے۔ جس طرح انسانوں کے لیے دنیا میں دو عیدوں یعنی عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی راتیں آتی ہیں، اسی طرح فرشتوں کے لیے بھی دو راتیں آتی ہیں جو لیلۃ القدر اور لیلۃ البراَت کہلاتی ہیں۔ ایک جگہ یہ رات آزادی کی رات (گناہوں سے) لکھی گئی ہے۔ ان دونوں مقدس راتوں میں دو اقسام کے لوگوں کی مغفرت نہیں ہوتی: مشرک اور کینہ پرور۔

ایک اور فرمان کے مطابق اس رات چھ افراد کی بخشش نہیں ہوتی:

شرابی، چغل خور، موسیقی کے آلات بجانے والا، والدین کا نافرمان، قاطع رحم، مصور۔

اس رات آئندہ آنے والی لیلۃ البراَت تک تمام مرنے والوں کے نام اور ان کا حساب کتاب لکھ دیا جاتا ہے۔

اس ماہ مبارک کی ایک اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم اسی یعنی شعبان کے مہینے میں عین نماز کے دوران ہجرت کے 16 ماہ بعد ہوا تھا۔

اس بابرکت مہینے کا نام شعبان المعظم ہے یعنی شعبان کے ساتھ معظم جس کے معنی عظمت والا ہے، اس کی عظمت کا اندازہ ان باتوں سے بہ خوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپؐ نے اس ماہ کو اپنے ساتھ منسوب کیا۔ پھر دیگر مہینوں سے زیادہ اس مہینے میں آپ کی نفلی عبادات میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ مگر ہمارے بعض نادان ساتھی اس مہینے کی قدر اس طرح کرتے ہیں کہ اس ماہ کی آمد کے ساتھ ہی آتش بازی کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں جو آخر تک جاری رہتا ہے، خصوصاً پندرہویں شب کو اس قدر آتش بازی ہوتی ہے کہ عبادت کرنے والوں کی عبادت میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ اس رات کا تقاضا اور اس کا خصوصی پیغام یہ ہے کہ صدقِ دل سے توبہ کر کے اللہ کے قریب ترین بندوں میں شامل ہو جائیں، اطاعت رسول ﷺ میں اپنا سر تسلیم خم کر دیں کہ اسی میں ہماری دنیاوی فلاح بھی ہے اور اسی میں آخرت کی کامیابی کا راز بھی پوشیدہ ہے۔

(تحریر: عبدالقادر شیخ) ◆◆◆

حضرت سخی سیدن شاہؒ

المعروف بہ چواسیدن شاہ

حضرت سیدن شاہؒ کا سن ولادت کسی کتاب و تذکرہ میں حتمی طور پر تحریر نہیں تاہم آپ کی ولادت کے سات صدیاں قبل ہونے پر کامل اتفاق رائے ظاہر کیا گیا ہے۔ آپ کے سوانح و افکار کے لیے اگرچہ قلم و قرطاس استعمال میں نہیں لائے گئے۔ اس کے باوجود بھی خدا کے اس دوست نے صدیوں سے جو شہرت، ناموری اور نیک نامی حاصل کر رکھی ہے وہ اُنؒ کی ولایت و عرفان کا خاصہ ہے۔

شیراز (ایران) میں حضرت سخی سیدن شاہؒ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والد کے زیر سایہ حاصل کی۔ والد نے آپ کو سن شعور میں آنے سے پہلے ہی علم قرآن و حدیث اور فقہ میں یکتا کر دیا۔ آپ نے علوم ظاہری کے علاوہ مقامی زبانوں اور علاقائی زبانوں پر بھی دسترس حاصل کر لی، جب آپ جوان ہوئے تو آپ کو بشارت ہوئی کہ ”سیدن شاہ! اپنے خاندان، والدین اور ساتھی کو لے کر سفر اختیار کر اور ہندوستان کے ایک گمنام پہاڑی علاقے میں اپنا ٹھکانہ بنا تا کہ ایک بے آب و گیاہ، خشک و بنجر علاقے میں اللہ کی محبت کی بارش ہو۔ حضرت سخی سیدن شاہؒ نے والدین سے اس غیبی بشارت کا تذکرہ کیا، عظیم بیٹے کے عظیم والدین نے بلا تامل رخت سفر باندھا۔ یوں ایک مختصر سا قافلہ اپنی نا آشنا اور نادیدہ منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ مدتوں آپ لوگوں نے سفر کیا۔ راستوں کے پیچ و خم، صعوبت، پریشانیاں اور غریب الوطنی کے سارے رنج و غم اور مصائب جھیلے۔ کابل اور درہ خیبر کے راستے ضلع چکوال (پاکستان) کے ایک دُور افتادہ گاؤں جنڈیاں (چوا) میں وارد ہوئے۔ سفر تمام ہوا مگر منزل پر پہنچنے سے پہلے آپ سایۂ پدری سے محروم ہو چکے تھے۔ آپ کے والد ماجد پیرانہ سالی اور ضعیفی کی بدولت دورانِ سفر تاڑہ موگلہ کے مقام پر داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر آپ کو داغِ مفارقت دے گئے۔ آپ چند ساتھیوں اور نحیف و ضعیف ماں

کو لے کر جنڈیال (چوا) پہنچے۔

حضرت سیدن شاہؒ ولایت کا بحرِ بیکراں تھے۔ آپؒ کو حضور پاک ﷺ کے ساتھ والہانہ اور بے پناہ عشق تھا۔ اسی لیے آپ نے اپنی ساری عمر اپنی جملہ ذہنی و روحانی اور جسمانی توانائیاں اُمت محمدیہ کی خدمت اور دین اسلام کی تبلیغ کے لیے وقف کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر نئی جگہ اور نئے لوگ! جن میں اکثر غیر مسلم تھے! ایسے لوگوں کی زندگیوں کو انقلاب آفرین بنانا آسان کام نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے لیے محنت شاقہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

آپ کا معمول تھا آپ گاؤں سے لوگوں کے مال و مویشی ہانکتے ہوئے جنگل میں لے جاتے اور اُن کو کھلے میدانوں میں آزاد چھوڑ کر فرماتے ''اے مویشیو! میں خدا کے حوالے تمہیں کرتا ہوں، تم اپنا رزق تلاش کر کے اپنا پیٹ بھرلو، جب تک میں خدا کی راہ میں سجدہ ریز ہو کر حق بندگی ادا کرتا ہوں''۔ مویشی اپنے رکھوالے اور چرواہے کی بات بن لیتے اور گویا زبان حال سے کہتے اے ہمارے راعی تو کوئی عام راعی نہیں تیری رعایا تیرا مقام ولایت جانتی ہے تو جس کے حضور حق بندگی ادا کر رہا ہے وہ ہمارا بھی رب ہے ہم پر بھی اُس کی عبادت فرض ہے۔ وہ روزی رساں ہے وہ خود بخود ہمارے رزق کا انتظام کر دے گا لہٰذا جس طرح تو عبادت کرے گا اسی طرح ہم بھی اس خالق و مالک کے سامنے سر بسجود ہوں گے۔

حضرت سیدن شاہؒ تو مویشیوں سے بے فکر ہو کر خدا کی عبادت میں مشغول ہو جاتے، شام کو مویشیوں کو ہانکتے ہوئے اُن کے مالکان کے گھروں میں لا کر چھوڑ دیتے۔ اس دوران ایک قابلِ ذکر تبدیلی یہ ہوئی کہ تمام مویشی فربہ و صحت مند ہو گئے اور دودھ دینے والے جانوروں کی دودھ دینے کی شرح بہت زیادہ ہو گئی۔

حضرت سیدن شاہؒ نے بڑی تعداد میں غیر مسلموں کو دائرۂ اسلام میں داخل کیا اور اکثر مسلمانوں کو اسلام کی سچی راہ اور حقانیت سے روشناس کیا۔ آپ کے عقیدت مندوں اور مریدوں کا شمار کرنا مشکل ہے۔ آپ کی ذات ہشت پہلو ہیرے کی مانند تھی جس کی روشنی نے ظلمت کدوں کو جگمگا کے رکھ دیا۔

آپ کے سینے میں علوم و معارف کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک سمندر تھا۔ آپ کے دل میں محبت الٰہی اور عشق مصطفویﷺ کی فروزاں قندیل روشن تھی۔ آپ کی شخصیت کی سب سے اہم بات آپ کا بے مثال تقویٰ تھا۔ ہر شخص کے لیے آپ کی نظر باعثِ شفقت و اطمینان تھی۔ آپ بلاشبہ ان برگزیدہ ہستیوں میں سے تھے جن سے شرفِ انسانیت اور اعتبار دنیا قائم اور دائم ہے۔

حضرت شیخ داؤد جہنی والی قدس سرہٗ

جہنی مضافات لاہور میں ایک قصبہ کا نام ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد کرام عرب سے آ کر ہندوستان میں یہاں آباد ہوئے تھے۔ آپ کی ولادت سبت پور میں ہوئی۔ آپ کی والدہ شیخ کی ولادت سے پہلے وفات پا گئیں۔ ابتداء میں آپ نے مولانا اسماعیل آچہ سے تحصیل علم کی جو مولانا عبدالرحمن جامیؒ کے شاگرد ہیں۔ ایام طفولیت میں اصفہانی کو پوری قدرت سے پڑھتے تھے۔ آپ سلسلہ قادریہ کی طرف منسوب ہیں۔ ابتداء سلوک میں آپ اویسی تھے اور حضرت غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ کی روح پر فتوح سے اکتساب فیض کیا اور آپ کو اویسی کا رتبہ عالی حاصل ہوا اور حضرت غوث کے حکم سے ظاہر میں دست ارادت شیخ حامد قادری کے دست مبارک میں دیا۔ جو شیخ عبدالقادر ثانی کے فرزند رشید ہیں۔ مشائخ متاخرین میں سے ہیں، صاحب کرامات تھے۔ آپ کی وفات ۹۸۲ھ کو ہوئی۔ قبر نواحی جہنی میں موضع شیر لڈ میں واقع ہے۔

جب چوا کے علاقہ میں حضرت سیدن شاہؒ کی تعلیمات کی روشنی پھیلی تو یہ روشنی صرف اسی علاقہ تک محدود نہ رہی۔ یہ مبداُ فیض دور دراز کے لوگوں کے لیے بھی نجات کا باعث بن گیا۔ آپ کی محفل میں شاہ و گدا، رؤسا اور امراء بھی حاضریاں دینے لگے۔ ایک روز حضرت سخی سیدن شاہؒ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کی محفل میں بیٹھے تھے کہ کشمیری حاکم جو لشکری سلطان کے نام سے مشہور تھا۔ اپنے سالاروں، جرنیلوں اور کثیر سپاہ کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؒ سے دعا اور نصیحت کی درخواست کی۔ آپؒ نے فرمایا ''اے بادشاہ! تم سے بڑا بھی ایک بادشاہ ہے جو در حقیقت سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اُس نے تمہیں اپنی زمین پر اپنی مخلوق کے لیے امین بنایا ہے، تمہارا فرض ہے تم پہلے حق بندگی ادا کرو۔ پھر حق مخلوق ادا کرو۔ لوگوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کے معاملے میں خدا سے ڈرتے رہو کیونکہ یہ حکومت، یہ جاہ و جلال اور تزک و احتشام تمہارا امتحان ہے۔ اس میں کامیابی، کامرانی اور سرخروئی تمہیں تب ہی نصیب ہوگی جب تم خدا کے احکام کی پابندی، دین مصطفویؐ کی پیروی اور قوانین اسلام کی پاسداری کرو گے۔ یہ دنیا عارضی ہے۔ یہ حکومت ثانوی ہے۔ یہ اقتدار و اختیار چند روزہ ہے۔ اس لیے اپنا وقت استغفار میں گزارو اور اگر تم خدا سے ڈرتے رہو گے، خشیت الٰہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لو گے تو تمہارے لیے یہ دنیا بھی راحت و آرام کا مسکن بن جائے گی اور آنے والی زندگی میں بھی تمہیں خدا تعالیٰ

اپنی نوازشات وعنایات سے ہمکنار کر دے گا۔"

لشکری سلطان پر آپ کی روح پرور باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ اُس نے اپنے تخت و تاج کو اپنے مصاحبین کے حوالہ کیا اور خود مردِ فقر و فاقہ بن کر حضرت سیدن شاہؒ کی خدمت میں بقیہ زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلیا...... اب اُس کے شب و روز عبادت و ریاضت میں گزرنے لگے۔ خدا کی قدرت ملاحظہ ہو کہ وہ نازک اندام بادشاہ جس کے دن رات راحت و سکون، اعلیٰ ایوانوں میں گزرتے تھے، جس کی خوراک مختلف انواع کے کھانوں پر مشتمل ہوتی تھی اُس کو سوکھی روٹی کھا کر اور پانی پی کر جب دن رات عبادت کرنی پڑی تو چند روز کے اندر ہی بیمار ہو کر بستر پر لگ گیا۔ چوا کے علاقہ کا پانی بھی اُس کو راس نہ آیا اور وہ دردِ شکم سے ایسی پچھاڑیں کھا کر گر پڑتا تھا کہ دیکھنے والے بھی تڑپ کر رہ جاتے تھے۔ وہ اپنی اس حالتِ زار اور بیماری کو حضرت سیدن شاہؒ سے مخفی رکھنا چاہتا تھا مگر نگاہِ ولایت سے یہ امر مخفی نہ رہ سکا۔ ایک دن حضرت نے سلطان کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا۔

"بادشاہ فقیری اختیار کر کے پچھتا رہے ہو۔"

عرض کی "حضرت! ہرگز نہیں۔ اس فقیری میں تو وہ سکون ہے، امیری جس سے یکسر تہی دست ہے"۔

"پھر تمہاری صحت کیوں گرتی جا رہی ہے۔" حضرت نے استفسار فرمایا۔

عرض کی "حضرت شاید یہاں کا پانی اس عاجز کو راس نہیں آیا"۔ حضرت سیدن شاہؒ کو خدا نے بصیرت والی آنکھ اور دیدہ بینا عطا فرمائے تھے۔ آپ کو خدا نے کشف کے ذریعہ بتا دیا کہ سلطان کشمیر کے ٹھنڈے اور میٹھے چشموں کا پانی پینے کا عادی ہے۔ اسی لیے یہاں کا پانی اس کے لیے مضر صحت ثابت ہوا ہے۔ آپؒ نے اپنی خانقاہ کے احاطے میں زمین پر اپنا عصا مارا۔ خدا نے رحمت اور فضل کیا اور اسی وقت زمین سے ایک چشمہ اُبل پڑا۔ جس کا پانی میٹھا، شیریں اور ٹھنڈا تھا۔ وہ پانی جب بادشاہ نے پیا تو اس کے سارے عوارض جاتے رہے۔ یہ چشمہ جس کا پانی شیریں اور ٹھنڈا ہے آج بھی حضرت کے مزار کے احاطے میں موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان لشکری چونکہ کشمیر کا پانی پینے کا عادی تھا چنانچہ اللہ پاک نے ایک مردِ کامل کی التجا و دعا پر زیرِ زمین یہ پانی کشمیر سے چوا بھیجا جو حضرت کی خانقاہ کے اندر ایک چشمے کی شکل میں نکلا۔ سلطان لشکری نے جب میٹھے چشمے کا پانی پیا تو اس کا پیٹ کے درد ہمیشہ کے

لیے ختم ہو گیا۔ پھر اس نے ساری زندگی حضرت کی خدمت میں عبادات و ریاضت میں مشغول رہ کر گزار دی۔ حتیٰ کہ اُس کا انتقال بھی حضرت کے قدموں میں ہوا اور اس کا مزار حضرت سیدن شاہؒ کے مزار کے پہلو میں آج بھی لائق دید ہے۔

حضرت سخی سیدن شاہؒ کی کرامات کا سلسلہ آپؒ کے وصال کے بعد بھی جاری ہے۔ یہ آپؒ کے وصال کے پانچ سو سال بعد کا ایک واقعہ ہے جب انگریز ہند و پاک پر مسلط ہو گئے تھے، اس دور میں چند ملزموں کو سزائے موت سنوانے کے لیے عدالت میں لے جایا جا رہا تھا، ملزموں نے یہ خواہش ظاہر کی عدالت میں پیش ہونے سے پہلے وہ حضرت سخی سیدنؒ کے مزار پر حاضری دینا چاہتے ہیں۔

چنانچہ ان کو اس خواہش کی تکمیل کی اجازت دے دی گئی۔ ملزمان چونکہ بے گناہ تھے۔ جب وہ مزار میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنی فریاد حضرت سخی سیدن شاہؒ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے عرض کی، خدا کی قدرت سے ان کی ہتھکڑیاں ٹوٹ کر زمین پر جا گریں۔ سپاہی اس امر کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے اور کسی کو دوبارہ ہتھکڑیاں لگانے کی ہمت نہ ہوئی جس کے بعد ان کو اسی حالت میں عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ جب عدالت میں سپاہیوں نے مزار پر پیش آنے والا واقعہ بیان کیا تو انگریز جج نے چشم حیرت سے ملزموں کی طرف دیکھا۔ دوبارہ مقدمے کی ساری تحقیقات و کارروائی کا آغاز ہوا۔ جس سے ملزمان کی بے گناہی ثابت ہو گئی اور تمام لوگ رہا کر دیئے گئے۔

حضرت سخی سیدن شاہؒ فرمایا کرتے تھے...... منتظم اعلیٰ اپنی ذمہ داریوں کا امین ہوتا ہے اُسے اپنے اختیارات میں خیانت نہیں کرنی چاہئے۔...... اللہ تعالیٰ کو خوش ہو کر یاد کرنے سے انسان کے اندر صفت جمال روشن ہو جاتی ہے...... نگاہ ولایت سے کسی چیز کا پوشیدہ رہنا ممکن نہیں...... ولی کی زبان خدا کا فرمان ہوتا ہے...... جس کو خواہش ہو کہ اس پر خدا کا نورِ حکمت روشن ہو اسے چاہئے کہ وہ ضدی لوگوں کی صحبت میں نہ بیٹھا کرے...... حضرت سیدن شاہؒ کی تاریخ وصال کے بارے میں بھی کوئی تحریری معلومات دستیاب نہیں ہیں۔

(تحریر: عزیز سولنگی، روحانی ڈائجسٹ) ♦♦♦

مولانا سماء الدین رحمۃ اللہ علیہ

اولیائے کرام کی معراج ، روحانی معراج ہے

پیدائش ۷۹۴ھ ——— وفات ۹۰۱ھ

آپ ظاہری اور معنوی علوم کے ماہر تھے، متقی اور پرہیز گار تھے، دنیا کی قطعاً خواہش نہ رکھتے تھے، صرف ضروریات کی حد تک دنیا کی چیزوں کو استعمال کرتے تھے، آپ مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاریؒ کے پوتے شیخ کبیرؒ کے مرید تھے، کہتے ہیں کہ میر سید شریف جرجانیؒ کے تلمیذ مولانا سناء الدین نے آپ سے علوم کی تحصیل کی تھی۔ ملتان کی خانہ جنگیوں اور خلفشاریوں کی وجہ سے ملتان سے سکونت ترک کر کے کچھ عرصہ رنتھور اور بیانہ وغیرہ میں رہے اور اس کے بعد دہلی میں سکونت پذیر ہو گئے۔ چونکہ عمر بہت زیادہ ہو چکی تھی اس لئے آخری عمر میں آنکھوں کی بینائی ختم ہو گئی تھی، لیکن اللہ نے اپنے فضل و کرم سے بغیر کسی علاج کے دوبارہ بینائی عطا کر دی تھی۔

منقول ہے کہ آپ اپنے گھر کے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی تمام مخلوق پر سب سے زیادہ مہربانی یہ ہے کہ مخلوق کو سماء الدین کی آنکھوں میں راہ دے دی ہے، آپ نے شیخ فخر الدین کی مشہور کتاب لمعات کا حاشیہ لکھا ہے۔ جو اس کے معانی کی تشریح و توضیح کے لئے بہت کافی ہے۔ آپ کا ایک اور رسالہ بنام مفتاح الاسرار ہے جس کی اکثر عبارتیں پوری کی پوری شیخ عزیز نسفی کے رسالوں سے نقل کی گئی ہیں۔ آپ نے ۱۷ رجمادی الاول ۹۰۱ھ میں وفات پائی، آپ کا مقبرہ دہلی میں شمسی حوض پر ہے اور آپ کی اولاد کی قبریں لائنوں اور صفوں میں موجود ہیں۔

منقول ہے کہ آپ نے شیخ عزیز نسفی کے مکتوبات میں سے ایک مکتوب کو مفتاح الاسرار میں اس طرح نقل کیا ہے کہ انسان کے انتہائی معنی میں اہل شریعت، اہلِ حکمت اور اہلِ وحدت کا اختلاف ہے۔ اہل شریعت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم بنانے سے کئی ہزار برس پہلے روح کو پیدا کیا اور ہر ایک کے لئے ایک مقام مقرر کر دیا جہاں وہ روح لوٹ کر واپس آئے گی اور رہے گی جیسا کہ ارشاد ہے مامنّا الّا له مقام معلوم یعنی روح جب اپنے مقام ایمان سے جدا ہوتی ہے تو پھر لوٹ کر آسمان اول پر آتی ہے اور روح جبکہ مقام عبادت سے جدائی اختیار کر لیتی ہے تو وہ دوسرے آسمان کی طرف لوٹتی ہے اور روح اگر مقام زہد وتقویٰ سے جدا ہوتی ہے تو تیسرے آسمان پر آجاتی ہے اور جو روح مقام معرفت سے جدا ہوتی ہے تو وہ چوتھے آسمان پر رونق افروز ہو جاتی ہے اور جو روح ولایت کے مقام سے الگ ہوتی ہے تو وہ پانچویں آسمان کی طرف چلی جاتی ہے اور جو روح مقامِ سے ہٹ جاتی ہے تو وہ چھٹے آسمان پر جلوہ فگن ہوتی ہے اور جو روح مقام اولوالعزمی سے جدا ہوتی ہے تو وہ مقام کرسی کی جانب چلی جاتی ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کہ جس نے مقام ختم نبوت سے جدائی اختیار کی ہے وہ عرش کی طرف پرواز کر گئی ہے اور روح جس مقام سے اتری ہے وہیں چڑھ جاتی ہے اور اپنا دائرہ پورا کرتی ہے اور یہ کیفیت نو بار واقع ہوتی ہے، لیکن جو شخص ایمان کے مقام تک رسائی نہیں کر پاتا اس کی روح کی پرواز کسی صورت میں بھی آسمان کی طرف نہیں ہوتی کیونکہ یہ مقامات ودرجات نہ کسبی ہیں نہ خلقی اور اللہ تعالیٰ تخلیق میں کوئی تبدل وتغیر نہیں کرتا، صحیح اور حق راستہ یہ ہے کہ اگر ان مراتب میں سے کوئی مرتبہ اور درجہ بھی کسبی ہوتا تو ممکن تھا کہ کوئی نہ کوئی آج تک اپنے کسب سے اپنے سے اونچے مرتبے تک پہنچ جاتا اور اسی طرح کوئی نہ کوئی مسلمان اپنے کسب وعمل کے ذریعہ مقام نبوت تک بھی رسائی حاصل کر لیتا، حالانکہ کوئی مسلمان آج تک مقام نبوت ورسالت تک نہیں پہنچ سکا۔

اس گروہ کے نزدیک سلوک سے مراد یہ ہے کہ مرنے سے پہلے اپنے مقام بازگشت کا معائنہ کر لیا جائے اور علم یقینی کے بجائے علم مشاہدی حاصل کرے اور انبیاء کی معراج دو قسم کی ہے، ایک معراج روحانی بلا جسد اور دوسری معراج جسمانی مع الروح اور اولیائے کرام کو صرف ایک ہی قسم کی معراج ہوتی ہے اور وہ معراج روحانی ہے۔

اہلِ حکمت کہتے ہیں کہ اجسام سے پہلے چونکہ ارواح موجود نہ تھیں اس لئے ان کو اپنا مقام بھی معلوم نہیں اسی لئے دنیا میں آکر وہ اپنا مقام پیدا کرتی ہیں۔ اجسام سے پہلے بالفعل روح کا موجود ہونا محال اور ناممکنات میں سے ہے کیونکہ روح اگر بالفعل موجود مانی جائے تو اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ ان میں باہمی طور پر فرق ہوگا، دوئم ان میں باہمی فرق مراتب نہیں ہوگا، اگر ان میں کوئی فرق نہیں تو تمام مل کر ایک ہی ہوگی اور ناممکن ہے اور اگر ان میں باہمی افتراق تسلیم کرلیا جائے تو وہ چیزیں جن میں مغائرت ہوئی وہ ایک دوسری کی عین نہیں ہوا کرتیں۔ اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ روح مرکب ہے حالانکہ تمام کے نزدیک یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ روح مرکب نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ ہر ایک کی روح اس کے جسم کے ساتھ موجود ہے اور جسم سے الگ ہوجانے کے بعد روح باقی رہتی ہے۔ اگر جسم کمال حاصل کرچکا ہے تو روح کی پرواز عالم علوی کی جانب ہوگی بمع عقل ونفس کے اور عقل ونفس ہمیشہ پاک ہوتے ہیں اور کسب وعلم نور کے اقتباس میں مصروف رہتے ہیں اور طہارت حاصل کرتے رہتے ہیں، سو جس شخص کو عقل ونفس پاکیزہ میسر ہوجائے تو وہ اگر اپنے جسم سے جدائی اختیار کرے تو اس کی عقل اور پاکیزہ نفس اس کو عالم علوی کی طرف کھینچ لے، حالانکہ ایسا بھی کوئی واقعہ آج تک ظہور میں نہیں آیا۔

شفاعت کے معنیٰ یہ ہیں کہ جس آدمی کے اندر جیسی نسبت ہوگی تو اس کی پرواز بھی اسی نسبت کے مقام کی طرف ہوگی یعنی کسی نے اگر اپنے اندر قمر کی نسبت پیدا کرلی تو وہ اس سے فیضیاب ہوسکتا ہے اور جب اس مہارت تامہ کے ہوتے ہوئے اس کی روح اس سے جدا ہوتی ہے تو اس کا نفس اس کو قمر تک پہنچادیتا ہے اور اگر کسی نے اس حال میں مفارقت نہ کی اور حالانکہ اس نے علم وطہارت میں کمال حاصل کرلیا تھا یعنی اس کو فلک الافلاک سے نسبت ہوگئی تھی تو وہ فلک الافلاک سے فیوض حاصل کرتا ہے جب اس حالت میں مفارقت کرتا ہے تو اس کا نفس فلک الافلاک کی طرف لوٹ آتا ہے۔ جب آپ نے اول وآخر کو سمجھ لیا تو باقی کو اسی پر قیاس کرلے۔

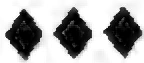
کہتے ہیں کہ جو کوئی ریاضات اور مجاہدات: اقتباس انوار وعلوم کے ذریعہ اپنے نفس کو فلک الافلاک تک پہنچادیتا ہے تو اس کی روح کی پرواز فلک الافلاک کی طرف ہوگی اور جو شخص ریاضت ومجاہدہ، اقتباس انوار وعلوم نہ کرے تو وہ فلک قمر کے نیچے جہاں دوزخ ہے

شیخ سمنون بن محبؒ الکذابؒ

آپ کی کنیت ابوالحسین ہے اور ایک قول کے مطابق ابوالقاسم۔ آپ نے اپنا لقب کذاب
تھا۔ اس بناء پر جونفحات الانس میں ہے۔ جب تک کذاب نہیں کہتے تھے آپ نظر نہیں آتے
صحبت میں آپ یکتائے زمانہ تھے۔ حضرت سری سقطی۔ محمد بن علی قصاب ابواحمد فلاکسی رحمہم
صحبتوں میں رہنے کی سعادت حاصل تھی۔ شیخ جنید بغدادیؒ، شیخ ابوالحسین نوریؒ کے ساتھیو
تھے۔ رات دن میں پانچ سو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ حضرت شیخ ابواحمد فلاسی نے فرمایا کہ ایک
نے بغداد میں فقراء پر چالیس ہزار درہم خیرات کیے، سمنون نے فرمایا کہ اے ابواحمد ہم
استطاعت نہیں چلو ایک گوشہ میں جاکر ایک ایک درم کے بدلہ میں ایک ایک رکعت نماز پڑھیں
دونوں مدائن پہنچے، وہاں چالیس ہزار رکعتا پڑھیں۔ آپ کی وفات ۲۹۷ھ میں ہوئی۔

پڑا رہے گا اور عالم علوی جہاں جنت ہے اس کی طرف ہرگز ہرگز رسائی حاصل نہیں کر
اور جو کوئی مقام انسانیت تک علم و پاکیزگی کو پہنچائے اور اس عالمِ صغیر سے عالمِ کبیر
جائے تو وہ شخص اللہ کا خلیفہ کہلوانے کا مستحق ہے وہی اکبر اعظم اور جام جہاں نما ہے
عالم میں پہنچ کر یہ پاکیزہ عبادت گزار کبھی عقل وادراک کے ذریعہ اور کبھی شعور اور
ادراکات کے ذریعہ اللہ سے باتیں کرتا اور اللہ کی باتیں سنتا ہے۔ اس مقام تک
والے کی روح جب جدا ہوتی ہے تو وہ ہمیشہ اللہ کی رحمت کے زیر سایہ مسرور و شا
رہتا ہے اور اللہ کا مقرب کہلاتا ہے۔ اسی کو بہشت کہتے ہیں اور یہ بہشت ایسے ہی
بزرگوں کے لئے ہے۔

اہلِ وحدت کہتے ہیں کہ ترقی و عروج میں آدمی کی کوئی حد مقرر نہیں۔ اگر کوئی
آدمی پوری محنت سے ایک ہزار سال تک بھی ریاضت و مجاہدے کرتا رہے تو ہر آنے
دن میں وہ ایک نئی اور عجیب کیفیت محسوس کرے گا جو گذشتہ دن اس کو معلوم نہ تھی اس
کہ اللہ کے علم وقدرت کی کوئی انتہا نہیں۔ اہل وحدت کے نزدیک انسان سے بڑھ
کوئی چیز اشرف و باعظمت نہیں، اسی لئے انسان کی بازگشت میدان حشر میں آدمی ہی
وجود میں ہوگی۔



شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش ۸۱۸ھ ——————— وفات ۹۳۲ھ

آپ سید جلال الدین بخاری بزرگ کی اولاد میں سے تھے جو مخدوم جہانیاں کے دادا تھے، سید جلال الدین بخاری کے دو بیٹے تھے ایک کا نام سید محمود تھا جن کے سید جلال الدین مخدوم جہانیاں بیٹے تھے اور دوسرے بیٹے کا نام سید احمد بزرگ تھا انہی کی اولاد میں سے شیخ عبدالوہاب تھے جو بہت بزرگ اور علم و عمل، حال و محبت میں کامل تھے، سلوک کے ابتدائی زمانے میں آپ اپنے شیخ استاد اور خسر مولوی صدرالدین بخاری کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے فرمایا اس وقت دنیا میں دو نعمتیں ہیں جو تمام نعمتوں سے افضل و اعلیٰ ہیں لیکن لوگ ان کی قدر و منزلت نہیں جانتے اور ان کے حصول سے بھی غافل ہیں۔

نعمت اول تو یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مدینہ منورہ میں بہ صفتِ حیات موجود ہے اور لوگ اس سعادت سے فائدہ نہیں اٹھاتے، دوسری نعمت قرآن کریم ہے جو اللہ کا کلام ہے اور خدا تعالیٰ اس کے ذریعہ بغیر کسی واسطہ کے اپنی مخلوق سے کلام کرتے ہیں لیکن لوگ اس نعمت سے بھی غافل ہیں، شیخ کی اتنی بات سننے کے بعد آپ مجلس سے اٹھے اور مدینہ جانے کی اجازت مانگی (اور اجازت ملنے کے بعد) خشکی کے راستے فوراً مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے، مدینہ منورہ پہنچ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضری دینے کے بعد فوراً اپنے وطن مالوف ملتان آ گئے لیکن اس وقت ملتان کی حالت بہت خراب تھی اس لئے سلطان لودھی کے زمانے میں دہلی تشریف لے آئے، سلطان سکندر لودھی آپ کا بہت معتقد تھا اور آپ کی بے انتہا عزت و خاطر مدارات کرتا تھا۔

آپ کو عبداللہ شاہ قریشی سے اتنی محبت تھی کہ دیکھنے والے یہ سمجھتے تھے کہ گویا آپ فنافی الشیخ ہیں، مولانا روم کو جتنی محبت و عقیدت شاہ شمس تبریز سے تھی اتنی ہی آپ کو اپنے شیخ سے تھی۔ آپ نے دوسری بار دہلی سے سفر کر کے حرمین شریفین کی زیارت کی تھی اور پھر نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے دہلی واپس تشریف لے آئے۔ آپ نے ۹۳۲ھ میں انتقال فرمایا جس کا عدد ''شیخ حاجی'' سے نکلتا ہے، آپ کا مزار دہلی میں شاہ عبداللہ قریشی کے مقبرہ کے قریب ہے۔

آپ نے قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی لکھی ہے جس میں اکثر بلکہ تمام قرآن کی تفسیر نبی علیہ السلام کی نعت وتوصیف سے کی ہے اور اس میں بہت سے دقائق عشق اور اسرار محبت کو جمع کیا ہے، غالباً آپ نے یہ تفسیر جذبۂ حال اور غلبۂ استغراق کے وقت کی ہوگی اسی وجہ سے بعض الفاظ ظاہریہ کی تعبیر کی رعایت نہیں کر سکے، اس کتاب میں سے چند منتخب کردہ باتیں بیان کر دیتا ہوں تاکہ اس عجوبہ کتاب کی حقیقت سب پر واضح ہو جائے۔ سورۂ مریم کھٰیٰعص کی تفسیر میں کہا ہے کہ اے خدا کے حبیب! جال لیجئے کہ حروف مقطعات خدا کے خزانوں میں سے ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کئے گئے ہیں اور انہیں کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو ان کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کے ابتدائی لفظ میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے، دوم یہ کہ کاف سے کن اور ''ہا دیا'' سے ہیا کی طرف اشارہ ہو جو ندا کے لئے آتا ہے اور ع سے عین العبد (حقیقی بندے) کی طرف۔ اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہو سکتی ہے اور ''ص'' سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کی طرف اشارہ ہو، اس تاویل پر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اے بندے ہو جا ایسی صورت جو اللہ کے جمال سے مزین ہو اور لوگ اس سے استفادہ کریں، اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خطاب کیا تھا جبکہ آپ ماں کے بطن میں تھے اور حضرت زکریا علیہ السلام نے آپ کی شفاعت حاصل کرنے کے لئے اذ نادیٰ ربہ نداءً خفیا کی صورت میں دعا کی تھی اس لئے کہ تمام انبیاءؑ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی درخواست کی ہے جیسا کہ ایک دوسری جگہ ہے، ''یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ واٰتیناہ الحکم صبیاً و حنانا من لدنا وزکوٰۃ'' اور قوت کے معنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو جانا اور والسلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیاً کا مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو جس دن کہ آپ کی ولادت ہوئی تھی اور جس دن کہ تمام لوگ مر جائیں گے اور جس دن بعثت عامہ ہوگی اور یہ تفسیر لذیذ ہے مٹھائی، دودھ اور مصری وغیرہ سے بھی (اسی طرح) واذکر فی الکتاب مریم

اذانتبذت من اهلها مکاناً شرقیاً پر لکھتے ہیں یاد کیجئے اے مریم کے زوج جنت میں، یعنی اے احمد اے محمد اپنی اس خوبرو اور خوبصورت بیوی کو یاد کیجئے جو آپ کی زوجہ ہے جن کا ذکر تیری کتاب قرآن میں آیا ہے فاتخذت من دونہم حجاباً فارسلنا الیہا روحنا فتمثل لہا بشراً سویا کا ممکن ہے کہ مطلب یہ ہو کہ روح سے نبی علیہ السلام کی روح مراد ہو اور ممکن ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے کہا ہو کہ نبی علیہ السلام کو مکمل بشر کی شکل بنا کر مریم علیہا السلام کو دنیا میں دکھا دیا جائے تا کہ وہ آپ کو جب بہشت میں دیکھے تو پہچان لے کہ یہ تو وہی شکل وصورت ہے جو مجھے دنیا میں دکھا دی گئی تھی اور ونا دیناہ من جانب الطور الایمن وقربناہ نجیاً۔ اس ندا سے خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے اوصاف بتائے تھے اس لئے کہ نجوی (نجیاً) اسی کو کہتے ہیں جو نبی علیہ السلام کے فضائل ومناقب کو بیان کرے اور لا یسمعون فیہا لغواً ولا سلاماً۔ الآیۃ، ممکن ہے کہ ان کا سلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو اور نبی علیہ السلام کا سلام ان پر اور ولہم رزقہم فیہا بکرۃً وعشیاً۔ الآیۃ، ممکن ہے کہ ان کا رزق نبی علیہ السلام کی صحبت ہو اس لئے کہ یہ تمام رزقوں سے افضل وبہتر ہے اور تلک الجنۃ التی نورث من عبادنا من کان تقیاً۔ الآیۃ، ممکن ہے کہ تقیاً سے مراد نبی علیہ السلام ہوں اور نورث سے مراد نبی علیہ السلام ہوں کہ ہم نے ان کو جنت کا وارث بنا دیا اب ان کو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں جنت میں آنے دیں اور جس کو چاہیں روک دیں وہ دنیا اور آخرت کے بادشاہ ہیں۔ انہی کے لئے دنیا، جنت اور مشاہدات ہیں اور وان منکم الاواردھا کان علیٰ ربک حتما مقضیاً۔ الآیۃ، اس کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں۔

(۱) کہ تم کو جہنم سے گزرنا ہوگا اور اسی پر تمام مفسرین کا اجماع ہے۔

(۲) یہ کہ ورود سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو جہنم کے اردگرد جمع کیا جائے گا۔

(۳) ان کو آگ کے ایک حصہ میں حاضر کیا جائے گا، یہ صورت تمام صورتوں سے اچھی ہے اس لئے کہ اللہ کا یہ قول و ان منکم الاواردھا اپنی عمومیت کی بنا پر نبی علیہ السلام کو بھی شامل ہے اور نبی علیہ السلام کی شان تو یہ ہے کہ اگر آپ دوزخ میں بھی تشریف لے جائیں تو وہ باغ ہو جائے اور آپ کا دوزخ میں داخل ہونا اہل نار کے لئے تو نعمت عظمیٰ ہے کیونکہ جب ابراہیم علیہ السلام آگ میں داخل ہوئے تو آگ آپ کے نور کی برکت سے گلزار بن گئی تو جب نبی علیہ السلام آگ میں داخل ہوں تو جنت کیسے گلزار نہ بنے،

خدا کی قسم، خدا کی قسم اگر نبی علیہ السلام کی ایک نظر بھی جہنم پر پڑ جائے تو وہ اس آیت کا مصداق بن جائے، جنّٰتٍ تجری من تحتها الانهار اور پھر اس سے اہل نار اسی طرح نعمتیں حاصل کریں جس طرح اہلِ جنت جنت سے کرتے ہیں لیکن یہ خواب یاد رکھو کہ آگ اور آگ میں جلنے والے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے محجوب اور محروم ہو گئے ہیں اور ان کو آپ کا ہرگز دیدار نہ ہو سکے گا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے متعلق تصریح کردی ہے فضرب بينهم بسور له باب الآية۔

(۴) وان منكم الا واردها میں ایک یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ نبی علیہ السلام کے دیدار کے تمام مشتاقین کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے گا اور جب وہ آپ کے دیدار سے مشرف ہو جائیں گے تو اس کے بعد ان کو اگر اپنی بدکرداری کی وجہ سے چند روز کے لئے سزا دی جائے گی تو پھر آپ کی نظرِ شفقت سے اللہ تعالیٰ ان کو عذاب سے نکال دیں گے لیکن ہمیں اللہ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ عاشق و معشوق میں جدائی نہیں ڈالے گا اور والباقيات الصالحات خيرٌ عند ربك ثوابا وخير مردا ۔الآیۃ، کہ باقیات صالحات سے وہ نظریں مراد ہیں جو نبی علیہ السلام کے چہرے پر محبت سے ڈالی جائیں۔

سورۂ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے الا تذكرة لمن يخشىٰ الآیۃ، اس کلام میں نبی علیہ السلام کے القاب کو بیان کیا گیا لیکن لقب کے اندر محبوب کی ذات مضمر ہوتی ہیں اس لئے فرمایا ما انزلنا اليك القرآن لتشقىٰ کہ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ تعب میں پڑ جائیں، پھر فرمایا الا تذكرة لمن يخشىٰ، آپ کو اللہ نے ایسی خشیت عطا فرمائی تھی کہ جہان والوں میں سے کسی کو بھی ایسی نہیں دی، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی نے اپنے محبوب کو طلب کیا اور جب وہ آ گیا تو اس سے ایسا سخت اور زور سے معانقہ کیا کہ محبوب کو اس سے سخت تکلیف ہوئی اور معانقہ کرنے والا اپنے محبوب سے کہتا ہے کہ اے محبوب! میں نے آپ کو اس لئے طلب نہیں کیا تھا کہ آپ کو تکلیف دوں اور حالانکہ اس سے اتنی قوت سے معانقہ کر چکا ہے کہ محبوب بیچارہ اس سے سخت تکلیف و تعب اٹھا چکا ہے لیکن محبوب اگر چہ ظاہری تکلیف کی وجہ سے مغموم و پریشان ہوگا لیکن باطن میں وہ بڑا خوش اور مسرور ہوگا، اسی لئے خشیت نبی علیہ السلام کو بہت محبوب تھی گویا کہ آپ کو اس سے کوئی تعب ہی نہیں اور فلما اتاها نودي يا موسىٰ انّي انا ربّك فاخلع نعليك الآیۃ، جب موسیٰ علیہ السلام آئے تو وہ کلامِ سلاطین سے خطاب

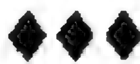
کئے گئے اوران کواسی طرح ادب کرنے کا حکم دیا گیا جس طرح بادشاہوں سے ملنے والوں کو دیا جاتا ہے انار بك میں تو خدا نے سلطنت کا اظہار کیا اور فاخلع میں ادب سے آنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن جب نبی علیہ السلام دیدار الٰہی کے لئے تشریف لے گئے توان الفاظ سے یاد کئے گئے السلام علیك ایها النبیّ ورحمة اللّٰه وبرکاته' تو کلیم اور کریم میں شاہانہ گفتگوتھی اور حبیب ومحبوب کے درمیان دوستانہ کلام تھا علاوہ ازیں کلیم خود طالب تھے اور حبیب مطلوب تھے، آپ کے لئے براق کو بھیجا گیا اور آپ کو کسی ماسبق وعدہ کے بغیر نیند سے بیدار کیا گیا۔

سورۂ انبیاء کی آیت لو اردنا ان نتخذ ولدًا لاتخذ ناہ من لدنّا ان کنا فاعلین کے اندر بہت اسرار ہیں جن کو اللہ اور رسول کے سوا کوئی نہیں جانتا اور ممکن ہے لاتخذناہ من لدنا سے نبی علیہ السلام کی ذات مراد ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا گمان ہے کہ عیسیٰ میرے بیٹے ہیں اگر میرے لئے بیٹا ہونا ممکن ہوتا تو اس کے حقدار نبی علیہ السلام تھے اس لئے کہ میں نے ان کے نور کو تمام کائنات کی تخلیق سے پہلے بنا دیا تھا اور وہ بشر ہیں مگر ان کی مثل اور کوئی بشر نہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اس کے حقدار نہیں کیونکہ وہ تو خود نبی علیہ السلام کے اتباع کرنے والوں میں سے ہیں لیکن اللہ کی ذات اس چیز سے منزہ ہے جس کو ظالم لوگ کہتے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی۔

سورۂ حج میں ہے یا ایها الّذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربّکم وافعلوا الخیر، بھلائی اور خیر تمام تر نبی علیہ السلام کی قولاً، فعلاً، عملاً متابعت کرنے پر منحصر ہے اور متابعت قولی وفعلی تو ممکن ہے کہ کسی اہل اللہ کی متابعت کے بغیر بھی حاصل ہو سکے لیکن متابعت حالیہ تو کسی شیخ کامل کی صحبت اختیار کرنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے اس لئے کہ شیخ نے بھی تو کسی کی صحبت حاصل کی تھی جس سے اس کے اندر بقدر طاقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال میں سے ایک حال پایا جاتا ہے کیونکہ یہ احوال ہی ارواح کی ہدایت ہیں اور یہ ہدایت صحبت اور الفت ہی کے ذریعہ حاصل کی جا سکتی ہے، پھر اس بات کو خوب ذہن نشین کر لیا جائے کہ یہ وراثت بغیر الفت کے نہیں ملتی، اسی لئے کہتے ہیں اگر کوئی آدمی کسی کامل شیخ کی خدمت میں بہت مدت تک رہے لیکن شیخ اور مرید کے

مابین الفت نہ ہو تو شیخ کے احوال مرید میں ہرگز سرایت نہ کریں گے اور اس کے مقابلے میں اگر ایک آدمی کسی شیخ کی خدمت میں ایک ساعت ہی بیٹھ گیا لیکن شیخ اور مرید کے درمیان الفت اور محبت للہ اس طرح واقع ہوئی کہ دونوں ایک دوسرے پر فریفتہ ہو گئے تو اس وقت شیخ کے باطنی احوال مرید کے باطن پر سرعت کے ساتھ اثر انداز ہوں گے اور بطور وراثت اس کی طرف منتقل ہو جائیں گے، اس صحبت سے اس کی عمر میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے اور جب تک شیخ کی محبت بڑھتی رہے گی اسی قدر اس مرید کے اندر خدا اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا بھی اضافہ ہوتا رہے گا، محبت اکیلی ہے لیکن اس کے پیدا کرنے میں حکمت یہ تھی کہ یہ ایک کے باطن سے دوسرے کے باطن میں سرایت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے نفس کے ساتھ پیدا کیا جو متالفہ رحیمہ، کریمہ ہونے کے علاوہ موصوف ہے اللہ کے جملہ اخلاق کے ساتھ اور اللہ کے اخلاق میں سے ایک خلق ہے شوق، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے حکایت کے طور پر بیان کرتے ہیں کہ خبردار طویل ہو گیا شوق نیک لوگوں کا میری ملاقات کے لئے اور مجھے بھی بہت شوق ہے ان سے لقاء کا، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم متخلق تھے اس خلق سے بحد کمال تک اسی لئے وہ اپنے مشتاقین کی طرف بھی مشتاق رہا کرتے تھے اور نبی علیہ السلام کا شوق بہت زیادہ تھا مشتاقین کے شوق کے بہ نسبت، اس لئے کہ ہر ایک کا شوق بقدر مرتبے کے ہوتا ہے، نبی علیہ السلام کی شان بھی رفیع اس لئے اشتیاق الی المشتاقین بہت زیادہ تھا اور یہ طریقہ تاقیامت اللہ کے فضل وکرم سے جاری اور ساری رہے گا، لیکن یہ ضرور خیال رکھیں کہ اس کے ماخذ یہ ہیں۔ صحبت، الفت، خرقۂ خلافت صحبت سے ملتا ہے اور صحبت جب مفید ہوگی کہ الفت ہو اور الفت ہوگی تو نعمت ملے گی اور نعمت سے لذت حاصل ہوگی اور لذت سے وصال ہوگا اور اس کے ثمرات وانواج میں ایسی غیر منتہی زیادتی ہوتی رہے گی جو تقریر و تحریر میں نہیں لائی جاسکتی۔

یہ تفسیر ربیع الثانی ۹۱۵ھ میں شروع کی گئی تھی اور ۱۷ شوال ۹۱۵ھ یعنی چھ ماہ چھ دن میں مکمل کر دی گئی۔



نعت شریف

رشکِ ماہ و انجم ہے ہر گلی مدینے کی
یاد مجھ کو آتی ہے ہر گھڑی مدینے کی

روشنی کا محور ہے ہر گلی مدینے کی
عرش تک پہونچتی ہے روشنی مدینے کی

منبعِ محبت ہے مہبطِ سکینہ ہے
خلد خاک کر پائے ہمسری مدینے کی

روضۂ مقدس کے پُر جمال گنبد نے
اور بھی بڑھا دی ہے دلکشی مدینے کی

ہر طرف اخوت کا ذکرِ خیر ہوتا ہے
قابلِ ستائش ہے خسروی مدینے کی

نور کی کرن پھوٹی جب رُخِ منور سے
چھا گئی اندھیروں پر روشنی مدینے کی

آ گیا شباب اُن پر ہو گئے تر و تازہ
بات گلستانوں میں جب چلی مدینے کی

جیسا اس کا ظاہر ہے ویسا اس کا باطن ہے
دیکھتے ہی بنتی ہے سادگی مدینے کی

آبرو بھی بن جائے زندگی سنور جائے
کاش ہم کو مل جائے زندگی مدینے کی

اس کو تو سنوارا ہے خود ہی دستِ قدرت نے
جستجو میں رہتا ہے ہر نبی مدینے کی

بے پَری یہ کہتی ہے عبرتِ شکستہ سے
اب نہ دیکھ پاؤں گا زندگی مدینے کی

ڈاکٹر عبرت بہرائچی

شاہ قمیصؒ

پیدائش ۸۹۷ھ ــــ وفات ۹۹۲ھ

آپ سید ابی الحیاۃ کے صاحبزادے تھے، آپ کا سلسلہ بھی سید عبدالرزاق تک منتہی ہوتا ہے۔ بنگال سے فقر و تجرد کے لباس میں ہندوستان کے قصبہ سالورہ خضر آباد آکر مقیم ہوئے۔ یہاں شاہ نصر اللہ کی بیٹی سے شادی کی، شادی ہی کی وجہ سے آپ نے سالورہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ سالورہ اور اس کے گرد و نواح کے اکثر لوگ آپ کے عقیدتمندی کے ساتھ مرید ہوئے۔ اکثر درویش جو آپ کی صحبت میں رہے اور اپنے کو آپ ہی کے سلسلہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان درویشوں میں سے شاہ عبدالرزاق جو شیخ بہلول کے نام سے مشہور تھے وہ بھی آپ ہی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ یہ شیخ بہلول علمِ شریعت اور طریقت میں کامل ولی تھے۔ جوانی ہی میں عبادت اور نیک کاموں کی طرف مائل تھے۔ اپنی سعادت مندی کی وجہ سے جب علومِ ظاہری سے فارغ ہوئے اور اخلاق حمیدہ کے لباس سے مزین ہو گئے تو اس کے بعد حق گوئی میں ان جیسا کوئی اور کوئی درویش نہ تھا۔ یہ لوگوں میں سلوک کی تلقین اس طرح کرتے تھے کہ لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع میں ثابت قدم رہو۔ واقعہ یہ ہے کہ، ایسا بلند کردار شخص کمیاب ہوتا ہے۔

شاہ قمیصؒ نے بنگال میں وفات پائی کیونکہ بادشاہ وقت نے آپ کو اپنے ایک ضروری کام سے بنگال بھیجا تھا۔ وہاں سے ۳ر ذی قعدہ ۹۹۲ھ کو سالورہ میں لاکر آپ کی میت سپرد خاک کی گئی۔

اس عظیم الشان خاندان کا سلسلہ ہندوستان میں ویسے ہی مشہور ہے جس طرح ہم نے بیان کیا اور سید شاہ محمد فیروز آبادی نے بھی اسی سلسلہ کی طرف نسبت کا دعویٰ کیا ہے۔ شاہ محمد فیروز

آبادی کے متعلق ہندوستان میں ایک عجیب وغریب واقعہ مشہور ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ دکن کے علاقہ سے دہلی آئے اور خود کو حضرت غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے سلسلہ کی آخری کڑی کہنے کی دھوم مچائی، چونکہ طریقے، وردووظائف، شکل وصورت، مشغولیت عبادت وغیرہ اوصاف حمیدہ اور افعال ممدوحہ آپ کے اندر موجود تھے اس لئے دہلی والے آپ کے بڑے جلدی معتقد ہو گئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ سلطان ابراہیم کو ظہیر الدین بابر کی جانب سے حملہ کا خطرہ لاحق تھا، سلطان ابراہیم کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے فقیروں اور درویشوں سے دعائیں کرایا کرتا تھا لیکن قضا وقدر کے آگے کسی کی پیش نہیں جاتی، اس لئے ابراہیم کا مقصد حاصل نہ ہوا اور سلطان ظہیر الدین بابر کو فتح ہوئی۔ اس کے دورِ حکومت میں بھی سید شاہ محمد ایک عرصہ تک فیروز آباد کے قلعہ میں مقیم رہے، نیز سلطان نصیر الدین کے زمانے میں بھی آپ کی بڑی قدر ومنزلت تھی، البتہ اسلام شاہ ابن شیر شاہ لودھی کے زمانے میں آپ کی بزرگی کو چار چاند لگ گئے تھے اور وہ آپ کا اتنا معتقد ہوا کہ جس کی کوئی انتہا نہ تھی۔ بادشاہ کو آپ کا معتقد دیکھ کر دیگر ارکانِ دولت اور عوام بھی جوق در جوق آپ کے مرید ہو گئے علاوہ ازیں بعض درویش بھی آپ سے بیعت کر کے خلافت کے مستحق ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ اس دور میں آپ کی مشیخت کی طوطی بولتی تھی۔

اسی زمانے میں دو بزرگ سید زادے باہر سے دہلی آئے، ایک کا نام میر شمس الدین محمد تھا جو بڑے ذی علم، فلسفی، ہر فن مولا اور علم طب میں بے مثل تھے۔ انہوں نے اپنی تمام زندگی تجرد میں بسر کی اور پوری دنیا کا سفر کیا تھا۔ وہ چند کتابیں اور دو تین خدمت گار بھی اپنے ہمراہ رکھتے تھے۔ بڑے باہمت تھے۔ ایک عرصہ تک کابل میں بھی رہے۔ نصیر الدین ہمایوں کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔

دوسرے بزرگ کا نام سید ابوطالب تھا۔ خوبصورت اور نوجوان تھے۔ زمانے کے حوادث کی وجہ سے اپنے وطن بغداد سے نکلے تھے۔ بعض سفر میں میر شمس الدین محمد اور ان کا اکٹھا سفر کرنے کا اتفاق بھی ہوا تھا، چونکہ ان دونوں میں اسلامی اخوت اور محبت پیدا ہو گئی اس لئے دونوں نے ہندوستان آنے کا ارادہ کر لیا اور اس سفر میں دونوں شریک ہو گئے۔

شید محمد شاہ فیروز آبادی نے جب ان دو بزرگوں کی آمد کی خبر پائی تو ان کو اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ آپ کی کئی لڑکیاں تھیں ان کی شادی کی یہاں کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ ان دونوں بزرگوں کے آنے سے قبل بھی آپ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ ہم عربی

النسل ہیں اور عرب ہی میں ہمارے عزیز واقارب موجود ہیں جو شریف اور نجیب لوگ ہیں۔ اگر وہ یہاں آجائیں تو میری لڑکیوں کی شادیاں ان سے ہو جائیں اور یہ دونوں بزرگ چونکہ نووارد تھے اور اس علاقہ میں بے یار و مددگار بھی تھے ان کو آپ نے اپنا مہمان بنالیا۔ ان کی خاطر تواضع میں آپ نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ کئی روز گزرنے کے بعد آپ نے سید ابوطالب کو اپنی لڑکی سے شادی کا پیغام بھجوایا۔ ابوطالب نے جواب دیا کہ میں مسافر ہوں اب تک تجرد کی زندگی بسر کرتا رہا اور اب بھی یہی خواہش ہے۔ شادی کے معاملے میں مجھے معذور سمجھا جائے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اچانک ان دونوں بزرگوں کو کسی نے آپ کے گھر ہی میں قتل کر دیا۔ لوگوں میں ان کے اچانک قتل ہو جانے پر ایک شور مچ گیا اور لوگ نہایت ہی افسردہ تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کربلا کا منظر سامنے ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے جنازے سیاہ جھنڈیوں کے ساتھ اٹھائے گئے اور لوگوں میں ایک کہرام برپا تھا۔ بچے، بوڑھے، مرد، عورتیں سب ہی رو رہے تھے اور دیوانوں کی مانند نوحہ اور غم کر رہے تھے۔ غرض کہ ان دونوں بزرگوں کو مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ۹۹۵ھ میں معرض وجود میں آیا۔ اس جانکاہ واقعہ کو لوگوں نے شاہ محمد کی طرف منسوب کیا اسی وجہ سے شہر کے تمام لوگوں نے آپ سے بدظن ہو کر بیعت توڑ دی اور جو ارادت مند تھے وہ نکیر کرنے لگے۔ جو دوست تھے دشمن ہو گئے۔ جو قریب تھے انہوں نے دوری اختیار کر لی، چنانچہ اس واقعہ کی تحقیق کے لئے تاج خاں اور شیخ فرید جو صوبہ دہلی کے دس ہزاری رئیس تھے شیخ شاہ محمد کے گھر آئے اور آپ سے پوچھا تو آپ نے قتل سے انکار کیا اور فرمایا کہ ایسا ذلیل کام میں ہرگز نہیں کر سکتا بلکہ مجھے اس قتل کی اطلاع تک نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی اب تک پتہ چل سکا ہے البتہ اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ چور ہمارے گھر میں آئے اور انہوں نے ان دونوں بزرگوں کو قتل کر دیا۔

شیر شاہ لودھی جو اس وقت کا بادشاہ تھا اس نے یہ قضیہ علماء کے سپرد کیا اور کہا کہ اس کا فیصلہ شریعت کے حکم کے مطابق کیا جائے، چنانچہ لاہور، دہلی، جونپور وغیرہ کے بڑے بڑے تمام علماء جمع ہو گئے اور شاہ محمد کو بلا کر دریافت کیا۔ آپ نے قتل سے انکار کر دیا اور بھرے مجمع میں کہا کہ آپ لوگوں کو جو کچھ کرنا ہے کیجئے لیکن میں مظلوم بے گناہ اس واقعہ سے بالکل بے خبر ہوں۔ مظلومی، بے عزتی اہل بیت کا ایک قدیمی شعار ہے جو ہم کو وراثت میں ملا ہے۔ آپ لوگ مجھ پر ظلم و ستم کریں گے میں اس پر صبر کروں گا۔ تمام علماء نے آپ کے اس مقدمہ میں بے انتہا تحقیق و تفتیش کی مگر کوئی ایسا شرعی ثبوت نہ مل سکا کہ جس کی بنا پر آپ کے قتل کا فتویٰ دیتے اور مقدمہ کی کارروائی

کے دوران آپ جیل خانہ میں ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کرتے رہے۔

منقول ہے کہ شیخ امان پانی پتی کو علماء کے اس بورڈ میں متعدد بار دعوت دی گئی مگر انہوں نے ہر بار شرکت سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ کسی معاملہ میں اگر اہلِ بیت کی توہین کی جارہی ہو اور اس میں امان بھی شریک ہو تو اس کا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کچھ نہ ہوگا حالانکہ میری تمنا تو یہ ہے کہ میں آخرت میں خدا کے حضور باعزت طریقے سے پیش ہوں، اس لئے شرکت سے معذور ہوں۔ ان دونوں بزرگوں کے قتل ہو جانے پر مجھے صدمہ ہے مگر اس کے عوض میں ایک دوسرے سید کی توہین اور قتل اس سے بھی زیادہ مذموم ہے، ان دونوں سیدوں کے قتل کی خبر سن کر میرا دل پارہ پارہ ہو گیا ہے اگر تیسرا خون بھی ہو گیا تو میرا وجود ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ سید شاہ محمد سے تو یہ فعل ہرگز سرزد نہیں ہو سکتا۔ ایسے افعال کا ارتکاب تو ایک چھپی ہوئی مخلوق کرتی ہے، چنانچہ سید شاہ محمد جیل خانہ کے اندر ہی وفات پا گئے۔ ان کی نعش کو پاؤں میں رسیاں باندھ کر لوگوں نے بازار میں گھسیٹا اور پھر دہلی کے قلعہ کے باہر دفن کر دیا۔

منقول ہے کہ آپ کے پاس کچھ مہمان آئے تھے جو کھانا کھا رہے تھے۔ ان میں سے کسی نے جمی ہوئی دہی کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے فوراً ہی دہی کا کونڈا مہمانوں کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ ابھی یہ لوگ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک عورت روتی ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ ابھی ایک سیاہ فام ننگا لڑکا میرا دہی کا جما ہوا کونڈا اٹھا کر آپ کے گھر لایا ہے، چنانچہ آپ نے اس عورت کو کچھ دے کر واپس کر دیا۔

کہتے ہیں کہ شاہ محمد کے قبضہ میں جن تھے اور یہ واقعہ اسی کی ایک کڑی ہے۔ اس کے بعد اکثر لوگ آپ کی عقیدت اور محبت سے برگشتہ ہو گئے۔ شیخ محمد عاشق جو سنبھل کے رہنے والے تھے وہ آپ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ یہ بڑے صاحب حال اور صاحب ذوق بلند ہمت بزرگ تھے اور سخت مجاہدہ اور ریاضت کیا کرتے تھے۔ شیخ حسن سرمست جو ہرکانو میں رہتے تھے یہ بھی آپ ہی کے مرید تھے۔



(ماخوذ از اخبار الاخیار)

حضرت پیر شیخ پٹھا رحمۃ اللہ علیہ

قوم سمہ حضرت شیخ پیر پٹھاؒ کے دستِ حق پرست پر اسلام سے مشرف ہوئی۔ ۷۵۱ھ میں سلطان محمد شاہ تغلق سندھ پر حملہ کرنے آیا۔ اس وقت سندھ کا فرماں رواں سمہ خاندان کا جام بابینہ تھا۔ شاہی لشکر کے سامنے ٹکر لینا مشکل تھا۔ اس لئے وہ حضرت شیخ پیر پٹھاؒ کی خدمت میں پناہ لینے پہنچا۔ حضرت شیخ پیر پٹھاؒ نے فرمایا یہ لشکر مسلمانوں کا ہے اگر تم اسلام لے آؤ تو ضرور یہ لشکر واپس جا سکتا ہے، جام بابینہ نے حضرت کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر دین اسلام سے مشرف ہوا، اس وقت شہر ٹھٹھہ میں مچھروں کی وجہ سے بیماری پھیلی ہوئی تھی، شہر والوں کو اتنا نقصان نہ ہوا مگر پردیسیوں میں بیماری پھیل گئی۔ سلطان محمد شاہ تغلق کا بھی اسی بیماری میں انتقال ہوا اور اس کو یہیں دفن کیا گیا۔ اس کا مقبرہ یہیں ہے۔ ۷۵۲ھ میں سلطان محمد شاہ تغلق کا بھتیجا سلطان فیروز شاہ تغلق دہلی کے تخت پر بیٹھا، سلطان محمد شاہ تغلق چونکہ ٹھٹھہ کو فتح نہ کر سکا اس لئے سلطان فیروز شاہ تغلق نے ۷۶۰ھ میں ٹھٹھہ کو فتح کرنے کے لئے حملہ کیا۔ اس وقت بھی جام بابینہ سمہ عرف جام فیروز سمہ سندھ کا حکمران تھا۔ جام سمہ اس وقت بھی حضرت شیخ پٹھا کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کے لئے عرض کی۔ حضرت شیخ پٹھاؒ نے فیروز شاہ تغلق کو خواب میں فرمایا کہ "قوم سمہ مسلمان ہو گئی ہے اور یہ میرے مریدوں میں شامل ہیں، مسلمانوں سے مسلمانوں کو لڑنا مناسب نہیں، آپ خراج وصول کر کے چلے جائیں۔" چنانچہ دوسرے دن لشکر سلطانی واپس گجرات کی طرف روانہ ہو گیا۔ جنگ کی تباہی سے بچ جانے سے سندھ کے عوام بہت خوش ہوئے اور اس کو حضرت شیخ پٹھاؒ کی برکت و کرامت تسلیم کیا۔

- اردو کا پہلا فقرہ جو آٹھویں صدی ہجری ۷۶۰ھ میں بولا گیا وہ تاریخ فیروز شاہی میں محفوظ ہے اور اس کی قدامت کو دیکھتے ہوئے بعضوں کو یہ گمان ہوا ہے کہ اردو نے سب سے پہلے سندھ ہی کی سرزمین میں جنم لیا ہے۔ تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ جب پہلی مرتبہ سلطان فیروز شاہ تغلق جام سمہ سے ٹھٹھہ سے بغیر جنگ کے (حضرت شیخ پٹھاؒ کی دعا و برکت سے) گجرات

روانہ ہو گیا تو اہل سندھ نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ اس کے جانے کے بعد خوشیاں مناتے ہوئے کہا کرتے تھے "برکت شیخ پٹھاؒ اک موا اک نٹھا"۔

تاریخ فیروز شاہی کی اصل عبارت یہ ہے "واول کرت کے سلطان فیروز از ٹھٹھہ بے غرض سمت گجرات بازگشت" "ٹھٹھیاں این سخن را در حجت ساختند ومیفلتند" "برکت شیخ پٹھاؒ اک مو ااک نٹھا"۔

"اک موا" سے ان کا اشارہ سلطان محمد شاہ تغلق کی طرف تھا جو ٹھٹھہ کو فتح نہ کر سکا اور ٹھٹھہ ہی میں بیمار ہو کر وفات پائی اور "ایک نٹھا" سے ان کا اشارہ سلطان فیروز شاہ تغلق کی طرف تھا جو جام بابینہ سے شکست بغیر لڑائی گجرات کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس فقرے سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ اہل سندھ حضرت شیخ پٹھاؒ سے کس قدر دلی عقیدت رکھتے تھے۔

آپ قوم اپلان سے تھے۔ آپ کا نام گرامی محمد حسین، لقب شاہ عالم، کنیت ابوالخیر ہے۔ والد صاحب کا نام راجبار اور والدہ صاحبہ کا نام سلطانی بنت مراد۔ لیکن آپ شیخ پٹھا کے نام سے مشہور ہیں۔

حضرت شیخ پٹھاؒ سندھ کے قدیم بزرگوں میں سے ہیں کہ جن سے اس ملک میں ہدایت وعرفان کا نور پھیلا۔

صاحب تحفۃ الکرام نے آپ کی بزرگی اور کمال کا اعتراف قاضی محمود کے ان الفاظ کو نقل کرتے ہوئے کیا ہے کہ آپ تمام اولیاء سندھ میں قدیم ترین بزرگ ہیں۔ واصلان راہ حق کے کریم ترین بزرگ ہیں۔ آپ کی تعریف میں کوئی دم نہیں مار سکتا۔ آپ کے فضائل کا ایک شمع بھی بڑے بڑے دفتروں میں نہیں سما سکتا۔ اکثر سندھ میں آپ جیسا باکمال بزرگ کم پیدا ہوگا۔

سلسلۂ عالیہ سہروردیہ صوفیائے سندھ کے مصنف لکھتے ہیں کہ شیخ پیر پٹھاؒ موضع آری جو اس وقت پیر پٹھاؒ کے موضع سے مشہور ہے کے قریب ایک پہاڑ جہاں آج آپ کا مزار پر انوار واقع ہے وہاں عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی سہروردیؒ حضرت مخدوم شیخ عثمان مروندی عرف شہباز قلندرؒ کے ساتھ اس پہاڑ پر سے گزرے تو مکاشفہ سے اس جوہر قابل کو محسوس کیا۔ جو لعل کہ اس پہاڑ میں محصور تھا۔ پھر آپ نے حضرت پیر پٹھاؒ کو اس پہاڑ کے غار سے باہر نکالا اور اپنے دست حق پرست پر بیعت کیا اور اسے اپنے سلسلۂ عالیہ سہروردیہ میں داخل کیا۔ پھر حضرت غوث بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کی نگاہ فیض نے چند روز

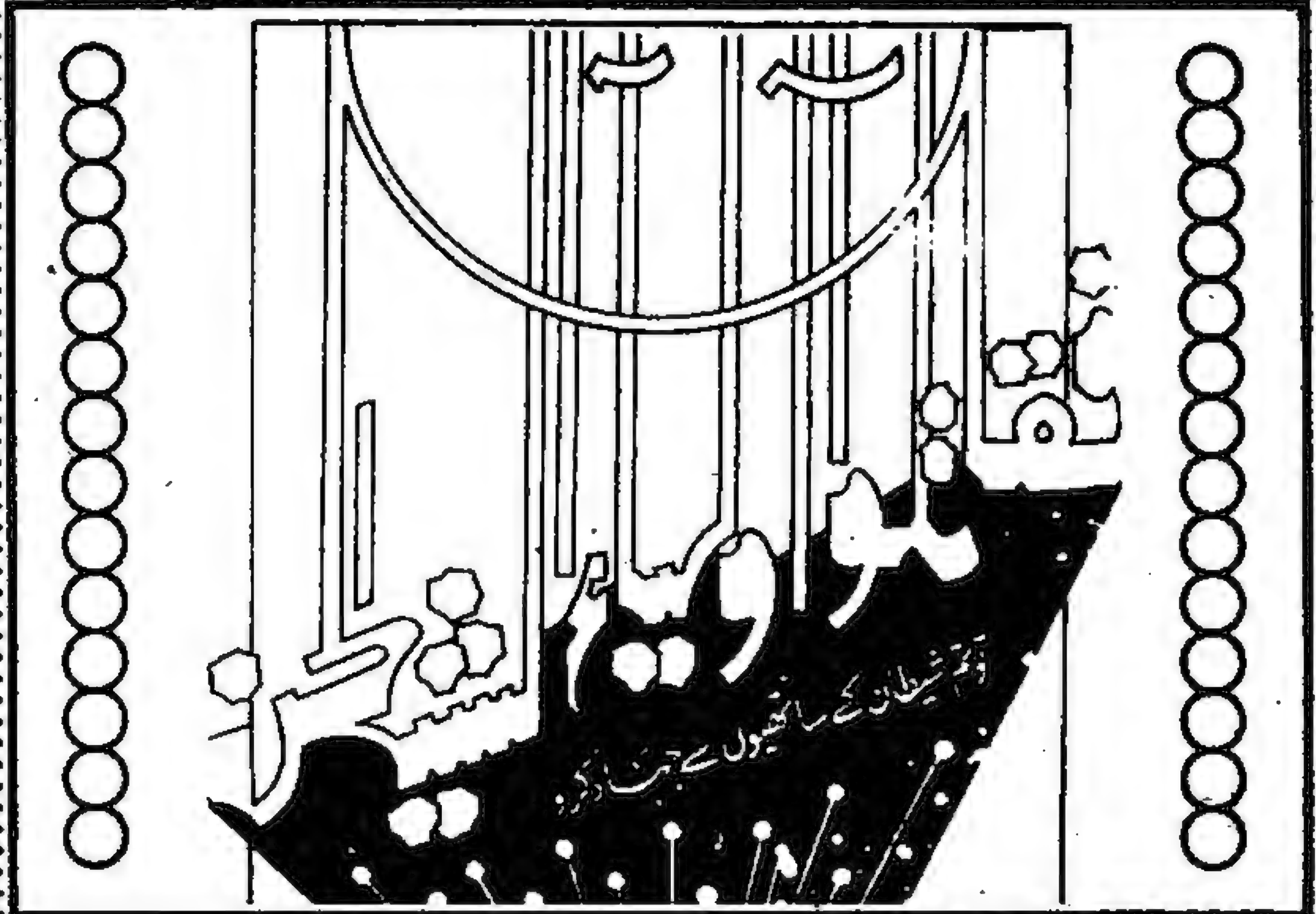
میں اثر دکھایا کہ آپ کو آسمانِ ولایت کا آفتاب بنادیا۔
پھر آپ کی ذات بابرکت سے ہدایت وعرفان کے سرزمین سندھ میں وہ چشمے جاری ہوئے کہ ہزاروں تشنگانِ معرفت نے آپ سے سیرابی حاصل کی۔
حضرت میاں ابوالحسنؒ اپنے وقت کے کامل اور صاحب علم وعمل بزرگ تھے۔ ایک دن آپ کے ایک مرید نے آکر کہا شہر ٹھٹھہ کے نواب کا ایک خاص آدمی روزانہ رات کو نشے میں دھت میرے گھر آتا ہے اور میری بیوی سے بدکاری کرتا ہے۔ آپ رحم فرمائیں۔ آپ نے فرمایا تم بیٹھ جاؤ۔ میں اس کا حل نکالتا ہوں۔ آپ آنکھیں بند کر کے مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ تھوڑے وقت کے بعد آپ نے آنکھیں کھول کر اپنے بھتیجے میاں عبداللہ کو فرمایا تم پیر پٹھاؒ کی خدمت میں جاکر میرا سلام کہنا اور اس ظالم کے ظلم کا پیغام دینا۔ میاں عبداللہ نے حضرت پیر پٹھاؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت ابوالحسنؒ کا سلام عرض کیا اور اس ظالم کے ظلم کا پیغام پہنچایا۔
میاں عبداللہ وہاں سے روانہ ہو کر صبح شہر میں آئے تو دیکھا کہ وہ ظالم ہلاک ہوا پڑا ہے، وہ ظالم جب رات کو اس مرید کے گھر جا رہا تھا تو راستے میں پھسلن سے گھوڑے کے پاؤں پھسل گئے جس سے وہ ظالم گھوڑے سے زمین پر گاڑی ہوئی ایک کیل پر گرا اسی وقت اس کا پیٹ پھٹ گیا اور آنتیں باہر نکل آئیں اور وہ ظالم ہلاک ہو گیا۔

حضرت پیر پٹھاؒ اور میمن قوم

میمن قوم ہندو سے مسلمان بنی۔ یہ مشہور واقعہ ہے۔ میمن قوم حضرت یوسف الدینؒ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوئی۔ اسی طرح ایک دوسرا واقعہ حضرت شیخ پیر پٹھاؒ کے وقت میں (۷۰۰) خاندان حضرت پیر پٹھاؒ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوئے۔
لوہ گڑھ نامی شہر کے نگر سیٹھ کے اولاد نہ تھی یہ لوھانا قوم کا تھا۔ اسے ایک جوتش (نجومی) نے بتایا کہ کاسی بنارس کی زیارت کرنے سے تیری مراد (بچہ پیدا ہوگا) پوری ہوگی اس لئے اس نے اپنی بیوی کے ساتھ کاسی جانے کی تیاری کی۔ اس کے ساتھ اور دوسرے (۷۰۰) خاندان والے، قوم لوھانا کے علاوہ اور نوکر چاکر دھوبی، حجام وغیرہ چلنے کو تیار ہو گئے۔ پہلے یہ لوگ ھینگلاج ماتا کی زیارت کے بعد کاسی کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ شہر ٹھٹھہ پہنچے وہ شہر کے باہر میدان میں آرام کرنے کی غرض سے رکے۔ اس وقت ٹھٹھہ شہر میں مچھروں کی بیماری زوروں پر تھی اور یہ بیماری ان لوگوں میں بھی پھیلی۔ ٹھٹھہ شہر میں حکیم وغیرہ تو بہت تھے مگر کسی حکیم کی دوا اس

بیماری پر اثر نہیں کرتی تھی۔ سب بے اثر ثابت ہوتی۔ یہ ۱۳ اعیسوی کا آخری زمانہ تھا۔ ان قافلے کے لوگوں کو خبر ملی کہ ٹھٹھہ شہر کے نزدیک آری گاؤں کی پہاڑی پر ایک بزرگ شخص کا آستانہ ہے جو دوا اور دعا کرتے ہیں اور لوگوں کو فیض حاصل ہوتا ہے۔ قافلے کے چند لوگ حضرت پیر پٹھاؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوا اور دعا کی درخواست کی۔ حضرت نے اپنے خادم سے کہا کہ لوبان دانی میں سے چٹکی چٹکی خاک کاغذ میں باندھ دیں اور حضرت نے ان لوگوں کو کہا کہ اس کو پانی میں ملا کر ہر ایک بیمار کو تھوڑی پلائیں شفا ہو جائے گی۔ اللہ کی قدرت سے ایسا ہی ہوا اور سب بیمار شفایاب ہو گئے۔ قافلے کے لوگوں کو حضرت پیر پٹھاؒ سے دلی عقیدت و محبت پیدا ہو گئی۔ یہ دیکھ کر نگر سیٹھ اپنی بیوی کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اولاد کے لئے عرض کی۔ حضرت نے تعویذ لکھ کر اسے دیا اور کہا کہ اس کو اپنی بیوی کی کمر میں باندھنا۔ قافلے کے لوگوں نے حضرت سے عرض وگزارش کی کہ حضرت آپ ہمارے مقام پر چلیں۔ یہ لوگ حضرت کو اپنے ساتھ لے کر اپنے مقام پر آئے۔ قافلے والے لوگوں نے حضرت کا استقبال کیا اور بڑی عزت واحترام کے ساتھ بٹھایا۔ جب رات ہوئی تو حضرت پیر پٹھاؒ نے قافلے کے چوکیدار سے کہا کہ آج رات کو قافلے کے سامان اور لوگوں کی دیکھ بھال کرنے کی ذمہ داری میری ہے۔ قافلے کے لوگ بے فکر ہو کر سو گئے۔ جب صبح اٹھے تو ان لوگوں کی عجیب حالت ہو گئی۔ دیکھا کہ سب ٹھٹھہ شہر کے میدان کے بدلے کاسی شہر کے مانیکنا گھاٹ پر ہیں۔ یہ کرامت دیکھ کر سب لوگ حیران ہوئے اور دیکھا کہ حضرت پیر پٹھاؒ بھی ہمارے ساتھ ایک خیمہ میں عبادت میں مشغول ہیں۔ قافلے والوں کو یقین ہو گیا کہ یہ سب پیر صاحب کی کرامت اور مہربانی ہے۔ قافلے والوں نے اپنے دھرم سے پوجا پاٹ کیا اور دوسرے دن اپنے وطن جانے کا ارادہ کیا۔ حضرت پیر پٹھاؒ نے کہا کہ آج رات کو میں چوکیداری کروں گا تم سب لوگ بے فکر ہو کر سو جاؤ اور ایسا ہی ہوا۔ جب دوسرے دن صبح لوگ اٹھے تو اپنے آپ کو ٹھٹھہ شہر کے میدان میں پایا۔ قافلے کے لوگوں کو پورا یقین ہو گیا کہ حضرت پیر پٹھاؒ صاحب اللہ تعالیٰ کے مماولی (اللہ کے بڑے ولی ہیں) قافلے کے سب لوگ حضرت پیر پٹھاؒ کے دستِ حق پرست پر ایمان لائے اور اسلام میں داخل ہو گئے اور اپنے گلے سے جنوئی اتار ڈالیں۔ کہتے ہیں کہ (جنوئی) آج بھی حضرت پیر پٹھاؒ کے مزار شریف پر موجود ہیں۔ حضرت پیر پٹھاؒ نے ان لوگوں کو ''مومن'' کے لقب سے نوازا، جو بگڑ کر میمن ہو گیا اور بہت دعاؤں اور نصیحتوں کے ساتھ رخصت کیا۔

حضرت پیر پٹھاؒ ۶۶۶ھ ماہ ربیع الاول میں اس دارِ فانی سے کوچ کر کے اپنے خالق حقیقی



سے جاملے اور موضع آری کے قریب اسی پہاڑ پر دفن ہوئے جس کے غار میں آپ عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے۔

ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو آپ کے مزار مقدس پر عرس مبارک ہوتا ہے، جس میں ہزاروں عقیدت مند عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔ حضرت سید عبدالقادر گیلانیؒ اپنی کتاب ''حدیقۃ الاولیاء'' میں اس عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے جو عوام و خواص کو آپ کی ذات بابرکات سے تھی ایک طویل نظم لکھی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ''حضرت پیر پٹھاؒ صدق یقین سے جناب بہاؤ الدین زکریاؒ سے مرید ہوئے۔ اس کے مشاہدۂ دریائے وحدت کے گوہر نے جب پردہ اخفاء سے چہرہ کھولا تو سارا جہاں آپ کے چہرہ کے انوار کی تابانی سے روشن ہوگیا۔ دل زمین ماسوا سے دھو کر پہاڑ کو اپنا مسکن بنایا جو آج بھی وہی پہاڑ آخری آرام گاہ کی صورت میں جنت کے دارالسلام کا منظر پیش کر رہا ہے۔ آپ کے مزار کا فیض بخشنے والا حسین منظر سے دل کی آنکھوں کو روشنی حاصل ہوتی ہے۔

مزار شریف جیسے سات سو سال پہلے مشہور تھا۔ آج بھی ویسا ہی مشہور ہے۔ ٹھٹھہ شہر سے بسیں جاتی ہیں جو تقریباً بارہ میل دور جنوبی سمت میں پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر دور سے نظر آتا ہے۔ عوام و خواص بڑی عقیدت سے آپ کے مزار پر رواں دواں نظر آتے ہیں۔ (ماخوذ) ◆◆◆

اعمال روحانی اور دعا نمبر

عربی متن اور اعراب کے ساتھ اسلام کے عظیم، باکمال اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کی حیرت انگیز اور بابرکت دعائیں اور اعمال مجربہ

✤ عظیم انبیائے کرام اور پیغمبران خدا کی دعائیں جو نسل انسانی کے لیے نجات اور ہدایت کا باعث بنیں ✤ خالق کائنات کے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام مسنون دعائیں۔

✤ جدید دنیا کے گمبھیر اور اعصاب شکن مسائل میں گھرے پریشان حال انسانوں کی مشکلات اور تمام بیماریوں کا روحانی علاج اور وہ سب کچھ جس کی آپ ادارہ ''ہدیٰ'' سے توقع کر سکتے ہیں۔

ہدیہ صرف -/60 روپے محصول ڈاک چالیس روپے

مندرجہ ڈاک پتہ پر -/100 روپے کا منی آرڈر بھیج کر بذریعہ رجسٹری بھی منگا سکتے ہیں۔

اصحاب رسول نمبر

حصہ اول و حصہ دوم

ہر حصہ ۵۰۰ صفحات پر مشتمل، عمدہ کاغذ، بہترین کتابت اور لیمینیشن شدہ دیدہ زیب سرورق ایسا شاہکار جس کی مثال صحافت کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

چار سو سے زائد درخشاں ستاروں اور روح پرور، بصیرت افروز اور بھرپور تذکروں سے آراستہ

✤ چالیس مقرب صحابہ کرامؓ اور ان کی تقریریں ✤ پچاس شاعر صحابہ اور ان کی شاعری ✤ بیس غلام صحابہ اور ان کے ایمان افروز واقعات ✤ نوے کے قریب شہدائے اُحد کا ذکر جمیل اور جملہ شہدائے موتہ، شہدائے طائف کے کارنامے اور مختصر حالات سیرت و کردار سے چہرۂ انسانیت کی سیاہیاں دھو ڈالنے والے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی درجنوں داستانیں جنھوں نے اپنی انتھک مخلصانہ جدوجہد سے جنت نظیر معاشرے کی صورت گری کی۔ اور وہ سب کچھ جس کی آپ ادارہ ''ہدیٰ'' سے توقع کر سکتے ہیں۔

ہر حصہ کے لئے ہدیہ: پہلا حصہ پچاس روپے، اور دوسرا حصہ پچاس روپے (ہر حصہ کا محصول ڈاک چالیس روپے)

ہر حصے کے لیے -/90 روپے کا منی آرڈر بھیج کر براہ راست منگا سکتے ہیں۔

(ہر دو حصے یکجا منگانے پر صرف -/140 روپے کا منی آرڈر بھیج کر براہ راست منگا سکتے ہیں)

بذریعہ ڈاک منگانے کا پتہ: صدیقی طباعت گھر، 96، چرچ روڈ، بھوگل نئی دہلی۔ 110014

(دستی طور پر 96، مسجد لین (END) بھوگل، نئی دہلی۔ 110014 سے حاصل کریں)

شیخ جلال الدین تبریزی قدس سرہ

جن کی ایک نظر سے انسان کی اندرونی کیفیت تبدیل ہو جاتی تھی

پیدائش ۵۳۲ھ — وفات ۶۲۳ھ

آپ کا شمار بڑے کامل شیوخ میں سے تھا۔ چشتی خاندان کے مشائخ کی کتابوں میں آپ کے حالات ومناقب لکھے ہیں جو دیکھے جا سکتے ہیں۔

فوائد الفواد میں سلطان المشائخ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ شیخ ابو سعید تبریزیؒ کے مریدوں میں سے تھے۔ آپ اپنے شیخ ابوسعید کی وفات کے بعد شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں گئے اور ان کی اتنی خدمت کی کہ کسی دوسرے مرید اور ارادتمند کو یہ بات نصیب نہ ہوئی تھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ شیخ شہاب الدینؒ ہر سال حج کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے، چونکہ بوڑھے اور کمزور ہو گئے تھے اور اشیاء خوردنی جو آپ کے ساتھ ہوتی تھیں بوجہ باسی ہو جانے کے آپ کے مزاج کے موافق نہ ہوتی تھیں، اس لئے شیخ جلال تبریزیؒ نے یہ ترکیب کی کہ ایک چولہا اور برتن اپنے ساتھ رکھتے تھے اور چولھے میں اتنی آگ جلاتے تھے جس سے اس کی گرمی کا اثر سر پر نہ ہوتا تھا اور ان کے مرشد جب کھانا طلب کرتے تو ان کے سامنے گرم گرم کھانا لاتے۔ خواجہ قطب الدین اور شیخ بہاؤ الدین سے آپ کے دوستانہ مراسم تھے جن کا تذکرہ چشتیہ خاندان کے مشائخ کی کتابوں میں بکثرت موجود ہے۔ شیخ جلال الدین تبریزیؒ اپنے دوست خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے دہلی کے زمانے میں دہلی آئے تھے۔ شیخ نجم الدین صغریٰ جو دہلی کے شیخ الاسلام تھے جن کی قبر برہان الدین بلخیؒ کی قبر کے پاس ہے۔ یہ شیخ الاسلام معلوم نہیں آپ کے کیوں مخالف ہو گئے اور آپ پر ایک بہت برے کام کی تہمت لگائی اور

ایسی سازش کی جس کی وجہ سے آپ کو وطن ترک کر کے بنگال جانا پڑا۔ بنگال میں قیام کے زمانے میں آپ ایک دن دریا کے کنارے بیٹھے تھے کہ اچانک اٹھ کر تازہ وضو کرنے لگے اور حاضرین سے فرمایا کہ آؤ شیخ الاسلام دہلوی کی نماز جنازہ پڑھ لیں جن کا حال ہی میں انتقال ہو گیا ہے۔ دہلی اور بنگال میں اتنی طویل مسافت کے باوجود شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے اپنی زبان میں شیخ الاسلام کی وفات کی اطلاع دی اور شیخ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی، پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ شیخ الاسلام نے ہم کو دہلی سے نکالا اور ہمارے مرشد شہاب الدین سہروردیؒ نے ان کو دنیا سے نکال دیا۔ یعنی ان کے لئے مر جانے کی خدا سے دعا کی چنانچہ وہ مقبول ہوئی اور شیخ الاسلام فوت ہو گئے۔ فاضل) نیز فوائد الفواد میں بحوالہ سلطان المشائخ لکھا ہے کہ شیخ جلال الدین نے دہلی میں بہت کم عرصہ قیام کیا اور پھر وہاں سے چلے گئے۔ وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں جب دہلی آیا تھا تو خالص سونا تھا (یعنی خدا سے قوی رابطہ قائم تھا۔ فاضل) اور اب چاندی ہوں۔ معلوم نہیں آئندہ چل کر کیا بن جاؤں۔ اسی موقع پر یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ بدایوں کے قیام کے زمانے میں ایک روز اپنے مکان کی چوکھٹ پر بیٹھے تھے اور سامنے ایک دہی بیچنے والا دہی کا مٹکہ اپنے سر پر رکھے ہوئے گزرا جو فی الواقع چور اور ڈاکو تھا اور اس کی جماعت کے دوسرے افراد بدایوں کے گردونواح میں رہا کرتے تھے۔ اس نے ایک نظر شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے چہرے کو دیکھا اور ایک ہی بار دیکھنے سے اس کا باطن تبدیل ہو گیا اور جب شیخ نے اس کو غور سے دیکھا تو وہ چور کہنے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایسے لوگ بھی ہیں (جن کو ایک نظر دیکھ کر ایمان کی اندرونی کیفیات تبدیل ہو جاتی ہیں۔ فاضل) آپ کے دستِ اقدس پر فوراً مسلمان ہو گیا۔ آپ نے اس کا پہلا نام بدل کر اسلامی نام ''علی'' رکھ دیا۔ وہ مسلمان ہونے کے بعد اپنے گھر گیا اور گھر سے ایک لاکھ جیتل (ایک قسم کا سکہ ہے) لایا اور شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ شیخ نے اس کا نذرانۂ محبت قبول فرمایا اور حکم دیا کہ اس نقدی کو اپنے پاس رکھو اور میں جسے کہوں دیتے جاؤ، غرض کہ آپ نے یہ نقدی تقسیم کرنا شروع فرما دی۔ کسی کو سو، کسی کو پچاس، کسی کو کم کسی کو زیادہ اور پانچ جیتل سے کم کسی کو نہ دیتے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام رقم ختم ہو گئی اور قاسم کے پاس صرف ایک جیتل باقی بچا۔ اس علی کا بیان ہے کہ میرے دل میں آیا کہ میرے پاس تو صرف ایک جیتل باقی بچا ہے اور شیخ پانچ سے کم کسی کو دینے کا حکم نہیں دیتے، اگر اب کے کسی کو دینے کا حکم دیں گے تو کیا کروں گا (وہ کہتا ہے کہ) میں ابھی (یہی) سوچ رہا تھا کہ ایک فقیر نے آ کر سوال کیا اور شیخ نے مجھے حکم دیا کہ اسے ایک جیتل دے دو۔ اسی کتاب میں

یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ جب حج سے واپس تشریف لائے تو اہل بغداد کا آپ کے پاس ہجوم اکٹھا ہو گیا اور ہر ایک نے اپنی اپنی ہمت و طاقت کے موافق زر، نقد و اجناس وغیرہ بہت کچھ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اسی اثناء میں ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئی اور اس نے شیخ کی خدمت میں ایک درہم پیش کیا جس کو اس بڑھیا نے شیخ کے سامنے اپنی پرانی چادر کی گرہ سے کھول کر نکالا تھا۔ شیخ نے بڑھیا کا پیش کردہ درہم تمام تحفوں کے اوپر نمایاں طور پر رکھ دیا، پھر تمام حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ آپ میں سے ہر ایک اپنی اپنی پسند کے موافق ان تحفوں کے ڈھیر میں سے جو چاہے اٹھا لے۔ چنانچہ سب آدمیوں نے اپنی اپنی پسند کے موافق زر و نقد، روپیوں کی تھیلیاں اور دوسری قسم کا اسباب اٹھا لیا۔ اس موقع پر شیخ جلال الدین تبریزیؒ بھی موجود تھے آپ کی جانب شیخ سہروردیؒ نے اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ آپ بھی کسی چیز کو پسند کر کے لے لیں، چنانچہ شیخ تبریزیؒ نے وہ درہم اٹھا لیا جو بڑھیا نے شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ شیخ سہروردیؒ نے یہ دیکھ کر شیخ جلال الدینؒ سے فرمایا کہ تم نے تو سب کچھ لے لیا۔

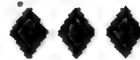
لوگوں کا بیان ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ اور شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے باہم متعدد سفر کئے ہیں۔ ایک مرتبہ یہ دونوں بزرگ ایک شہر پہنچے تو اس شہر میں شیخ فریدالدین عطارؒ بھی موجود تھے۔ شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کا یہ اصول تھا کہ جب کسی نئی جگہ میں تشریف لے جاتے تو وہاں پہنچنے کے بعد عبادت میں مشغول ہو جایا کرتے تھے اور شیخ جلال الدین تبریزیؒ شہر کی سیر و سیاحت کو نکل جاتے۔ شیخ تبریزی، شیخ فریدالدین عطار کو ایک جگہ بیٹھا دیکھ کر ان کے انوارِ کمالات کو دیکھ کر ششدر و حیران رہ گئے، پھر اپنی قیام گاہ پر واپس آ کر شیخ بہاؤالدین سے کہا کہ آج میں نے ایک شاہباز دیکھا ہے جس نے مجھے از خود رفتہ و حیران کر دیا ہے۔ جس کے جواب میں شیخ بہاؤالدین نے پوچھا کیا اس وقت تم نے اپنے شیخ و مرشد کے جمالِ باکمال کو سامنے رکھا تھا؟ تو جلال الدین تبریزیؒ نے کہا کہ اس بزرگ کو دیکھ کر میں سب کچھ بھول گیا۔ اس دن کے بعد شیخ جلال الدین تبریزیؒ اور شیخ بہاؤالدینؒ ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔

اسی کتاب فوائد الفواد میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کو ایک خط میں یہ لکھا تھا۔ جو عورتیں بکثرت رکھتا ہے وہ کبھی اپنی مراد تک نہیں پہنچا اور جس کا دل صنعت گری میں لگا رہے وہ دنیا کا غلام ہے۔ حضرت سید محمد گیسو درازؒ نے اپنے ملفوظات "جوامع الکلم" میں لکھا ہے کہ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ بچپن کے زمانے میں خدا کی یاد کثرت سے کیا کرتے تھے۔ آپ کے اسی استغراق کی وجہ سے لوگ آپ کو دیوانہ قاضی بچہ کہا کرتے

شاہ محمد یحییٰ عرف خاصہ میاںؒ

آپ شاہ عبداللہ چشتی کے فرزند ہیں۔ آپ کا مولود و منشا برہان پور ہے۔ آپ جامع علوم ظاہر و باطن اور صاحب کرامت تھے۔ ہمیشہ عبادت الٰہی میں مشغول رہتے۔ آپ متوکل و متقی اور زاہد و عابد تھے۔ گوشہ نشین رہتے اور لوگوں سے ملنے سے احتراز کرتے۔ ہدایت خلق اللہ میں سعی کرتے۔ آپ کا انتقال ۱۸ر جمادی الثانی ۱۱۴۶ھ میں ہوا۔ اپنے والد کے مقبرہ میں شیخ پورہ برہان پورہ میں مدفون ہوئے۔

تھے۔ ایک دفعہ شیخ جلال الدینؒ ملتان تشریف لے گئے اور وہاں لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کوئی درویش ہے؟ لوگوں نے کہا کہ دیوانہ سا ایک بچہ تو ہے جو جامع مسجد میں پڑا رہتا ہے۔ شیخ تبریزی اس لڑکے کو دیکھنے کے لئے جامع مسجد تشریف لائے اور اپنے پاس سے ایک انار اس بچہ کو دے دیا۔ یہ لڑکا چونکہ اس دن روزے سے تھا اس لیے اس نے انار کے دانے نکال کر لوگوں میں تقسیم کر دیئے اور ان دانوں میں سے ایک زمین پر گر گیا تھا اس کو اٹھا کر شام کو اسی سے روزہ افطار فرما لیا۔ اسی روز سے اس لڑکے کے روحانی مراتب میں ترقی ہوتی گئی۔ اس نے خود کہا ہے کہ اگر میں پورا انار کھا لیتا تو مجھے متعدد فائدے نصیب ہوتے۔ وہ لڑکا جب جوان ہوا تو شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کاکیؒ کا مرید ہو گیا تو یہ واقعہ اپنے شیخ کو سنایا۔ شیخ الاسلام نے فرمایا۔ بابا فرید جو کچھ تھا صرف اسی ایک دانہ ہی میں تھا جو تمہارے لئے رہ گیا تھا۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ جس زمانہ میں شیخ جلال الدین تبریزیؒ اور فرید الدین مسعود گنج شکر میں مکالمہ ہوا اس وقت شیخ گنج شکرؒ کے تمام کپڑے پرانے اور پھٹے ہوئے تھے۔ جب ہوا تیز چلتی تو شیخ گنج شکرؒ اپنی عبا (قمیص) کے دامن سے اپنے پھٹے ہوئے پاجامہ کو ڈھانک لیتے۔ شیخ تبریزیؒ نے وجہ دریافت کی تو بابا فرید نے جواب دیا کہ یہ فقیر بخارا میں تعلیم حاصل کر رہا تھا تو وہاں سات سال تک کوئی کپڑا نہیں پہنا، البتہ ایک تولیہ تھا جس سے اپنے جسم کو چھپائے رکھتا تھا۔ دل کو ایک مرکز پر لاؤ اور دیکھو مستقبل میں کیا ہوگا۔ سلطان المشائخ فرمایا کرتے تھے کہ بابا فرید گنج شکرؒ سے شیخ جلال الدینؒ کی دلی مرادیں پوری ہوئیں۔ شیخ تبریزیؒ کا مزار بنگال میں مرجع خاص و عام ہے۔



مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی، مخدوم ثانیؒ

۸۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور آپ نے ۹۴۰ھ میں وفات پائی

آپ شیخ محمد حسنی جیلانی کے فرزند دلپسند اور شیخ عبدالقادر ثانی سے ملقب تھے، بڑے بلند پایہ عالی مقام، صاحب کرامات بزرگ تھے اور کمالات کے ان مقامات تک رسائی کر چکے تھے جو عقل کی حدود سے وراء الوریٰ ہیں۔ بہت سے کفار وفساق آپ کی محض صورت ہی دیکھ کر اسلام لائے تھے۔ آپ شہر اوچ میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے حقیقی وارث کی حیثیت سے رہتے تھے، اسی لئے آپ کو عبدالقادر ثانی اور مخدوم ثانی کہا جاتا تھا۔ آپ اپنا ثانی نہ رکھتے تھے اسی لئے اس لقب سے مشہور ہوئے۔

منقول ہے کہ آپ نے جوانی کا زمانہ نہایت ہی تزک واحتشام سے گزارا تھا۔ آپ عیش ونشاط کے اتنے رسیا تھے کہ مزامیر وغیرہ کو اپنے ساتھ اونٹوں پر جہاں جاتے ساتھ لے جایا کرتے تھے لیکن سجادہ نشین ہو جانے کے بعد آپ نے اسباب تغنی اور ایسی مجالس میں جلوس وغیرہ سے توبہ کرلی اور اپنے مریدوں کو بھی قوالی وغیرہ سے بڑی سختی اور شدت سے منع فرمایا کرتے تھے اور اگر اتفاق سے کسی گانے والے یا طبلہ وسارنگی کی آواز آپ کے کان میں پڑ جاتی تو اتنا روتے اور خدا کے حضور آہ وبکا کرتے کہ دیکھنے والوں کو یقین ہو جاتا کہ آپ ابھی وفات پا جائیں گے۔

آپ پر جذب کی حالت کی ابتدا یوں ہوئی کہ آپ ایک روز اوچ کے کسی جنگل میں شکار کھیل رہے تھے کہ ایک تیتر عجیب وغریب آوازیں نکال رہا تھا، چنانچہ اس جنگل میں ایک فقیر اور درویش بھی گھوم رہا تھا۔ اس نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ سبحان اللہ ایک روز ایسا بھی آئے گا کہ یہ نوجوان بھی اس تیتر کی طرح آہ ونالہ کیا کرے گا۔ اس فقیر کی یہ بات آپ پر ایسی اثر انداز ہوئی کہ اسی وقت آپ پر وجد طاری ہو گیا اور ماسوی اللہ سے دل نفرت کرنے لگا۔ بعدہٗ کیفیت یہ تھی کہ روزانہ آپ پر عشق کے آثار، جذب ووجد کے اسباب، محبت الٰہی کے انوار

موسلا دھار برسنے لگے یہاں تک کہ تمام چیزوں سے دل ہٹ کر خدا کی جانب متوجہ ہو گیا۔

منقول ہے کہ آپ کے والد بزرگوار کے پاس کہیں سے مخمل کے تھان آئے۔ انہوں نے آپ کے پاس یہ کہہ کر بھجوائے کہ ان سے اپنا لباس بنالو، لیکن شیخ نے ان مخمل کے تھانوں کی اپنے شکاری کتوں کی جھولیں سلوالیں۔ اس کی خبر جب آپ کے والد صاحب کو ہوئی تو انہوں نے آپ کو بلا کر خوب ڈانٹا۔ اس کے بعد آپ کے والد صاحب کو اسی رات خواب میں حضرت غوث الاعظمؓ کی زیارت ہوئی اور فرمایا کہ تم اپنے دوسرے بچوں کی دیکھ بھال کرو، عبدالقادر تو ہمارا بیٹا ہے ہم ہی اس کی تربیت کریں گے تم اسے کچھ نہ کہا کرو۔ اس واقعہ کے ساتھ ہی شیخ عبدالقادر ثانی پر جذب و وجد کی فراوانی ہوگئی۔ توبہ کر کے عیش ونشاط ولذات سے دور رہنے لگے۔ مزامیر باجے طبلہ و سارنگی سب توڑ کر پھینک دیئے اور شکاری جانور چھوڑ دیئے اور سر منڈوا کر سلوک کی راہ لی۔ آپ کے والدِ بزرگوار جب رحلت فرمانے لگے تو آپ کے سب بھائیوں میں سے آپ ہی کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ آپ کے دوسرے بھائی اس وقت کے بادشاہ کے خاص ملازم تھے اور آپ نے بادشاہ کی ملازمت کو ایک عرصہ پہلے ہی ترک کر دیا تھا۔ آپ کی ترکِ ملازمت پر بادشاہِ وقت اگرچہ آپ پر خفا تھا مگر جب آپ کے والد صاحب کا انتقال ہوا تو بادشاہ نے آپ کے باپ کے زمانے کے مقرر کردہ وظائف کے علاوہ مزید وظائف میں اضافہ کیا اور اس کی اطلاع کے لئے اپنے ایک خاص آدمی کو آپ کی طرف بھیجا مگر آپ نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ہمیں آپ کے وظائف کی اب ضرورت نہیں اس کے خواستگار اور بہت ہیں اور برسہابرس آپ نے اسی طرح گزار دیئے اور لوگوں سے جتنی تکالیف اور اذیتیں پہنچتی رہیں سب کو صبر اور خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے۔

منقول ہے کہ بادشاہِ وقت نے ایک فرمان بایں مضمون آپ کے نام جاری کیا اور اپنی مجلس میں بلانا چاہا کہ اگر آپ ہم کو اپنی تشریف آوری سے نوازیں تو عین سعادت ہوگی اور اس سے پہلے ہماری مجلس میں حاضر ہونے میں جتنی تقصیرات ہوئی ہیں وہ ہم نے سب کی سب معاف کر دی ہیں، آپ نے ان کو جواب میں یہ لکھا:

اشعار

ہیچ باب ازیں باب روئے گشتن نیست
ہر آنچہ برسرِ ما می رود مبارکباد

ترجمہ (ہم اس دروازے کو چھوڑ کر اور کسی دروازے پر نہیں جا سکتے، اس کے صلہ میں

ہمیں جو کچھ برداشت کرنا پڑے گا اسے خندہ پیشانی سے قبول کریں گے)

کسے کہ خلعت سلطانِ عشق پوشید است
بحلہائے بہشتی کجا شود دل شاد

ترجمہ (جس نے عشق کی بادشاہی کا لباس پہن لیا ہو اس کا ان بہترین لباسوں سے دل مسرور نہیں ہوتا)

یہ واقعہ بھی بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ سلطان سنجر نے حضرت غوثِ اعظمؒ کو لکھا تھا کہ اگر آپ ہمارے پاس تشریف لائیں تو سیستان کی حکومت جس کو ملک نیمروز کہتے ہیں آپ کی خانقاہ کے لنگر کے لئے وقف کر دی جائے گی تو آپ نے اس کے جواب میں لکھا:

اشعار

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد
جز فقر اگر بود ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبراز ملک نیم شب
صد ملک نیمروز بیک جو نمی خورم

بعض لوگ اس حکایت کو شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

منقول ہے کہ ابتداءً آپ کو ورد و وظائف کا اس حد تک شوق تھا کہ تمام دن عبادت میں مصروف رہتے اور کسی سے کلام نہ کیا کرتے تھے بعدہٗ عشق الٰہی کے استغراق میں یہ کیفیت تھی کہ فرائض و سنن سے فراغت کے بعد جتنا وقت ملتا اسے مراقبہ میں صرف کرتے۔ فجر کی نماز سے اشراق تک اور اشراق کے بعد سے چاشت تک اسی طرح ایک نماز سے دوسری نماز تک مراقبہ میں مستغرق رہتے، البتہ جب بہت تھک جاتے تو تھوڑی دیر مسجد کی چٹائی پر آرام کر لیتے۔ بسا اوقات آپ خود ہی اذان و اقامت اور امامت کے فرائض انجام دیا کرتے تھے اور اکثر و بیشتر فجر کی اذان دینے کے بعد گھروں میں جا کر لوگوں کو بیدار کرتے اور فرماتے اٹھو، یہ وقت نیک بختی اور خوشی کا ہے۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تو فرماتے کہ رسول اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم مجھے اسی ساعت میں (یعنی صبح کو) اپنے جمال پر انوار سے نوازا کرتے ہیں اس لئے چاہتا ہوں کہ تم لوگوں کو بھی یہ فیض نصیب ہو مگر تم لوگ اس وقت اٹھنے میں کوتاہی کرتے ہو۔

منقول ہے کہ ایک دن ایک قوال آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ توبہ کرو اور رباب دستار کو توڑ کر پھینک دو اور سر کو منڈوا کر درویش بن جاؤ۔ اس بدنصیب قوال کو تو یہ سعادت نصیب نہ ہوئی البتہ لنگایت کا ایک رئیس اسی مجلس میں بیٹھا تھا۔ آپ کی یہ بات اس کے دل میں اثر کر گئی اور اس نے اپنے تمام گناہوں سے توبہ کی۔ ابھی وہ گریہ وزاری ہی کر رہا تھا کہ اس کو خدا نے ولایت کے بلند مقام پر فائز کر دیا اور وہ یہ کہنے لگا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا گجراتی بھائی فوت ہو گیا اور اس کا جنازہ جا رہا ہے اور اب لوگوں نے اسے دفن کر دیا، سو آپ کی یہ معمولی سی برکت تھی کہ آپ کی ادنیٰ توجہ سے ایک نومسلم کو اسی وقت جلی کشف حاصل ہو گیا۔

منقول ہے کہ ملتان میں ایک بار بڑی شدت اور تیزی سے طاعون پھیلا۔ لوگوں کے تمام کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گئے۔ اس زمانے میں لوگ وہاں سے گھاس لے جاتے جو آپ کے وضو کا پانی پڑنے سے اگی تھی اور اسے طاعون کی پھنسی پر لگاتے اور اللہ کے حکم سے صحت یاب ہو جاتے تھے۔

منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے میرے ہاتھ میں ایسی تاثیر رکھی ہے کہ میں جس بیمار پر ہاتھ پھیر دوں خدا اس کو شفا اور تندرستی عطا فرما دیتے ہیں اور یہ اثر صرف اس وجہ سے ہے کہ مجھے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے نسبت ہے کیونکہ آپ کے زمانے کے اکثر لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرتے تھے اور مردہ دلوں کو زندہ کرتے تھے۔

شیخ عبدالقادر ثانیؒ نے (۷۸) برس کی عمر پائی اور ۱۸ ربیع الاول ۹۴۰ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار اچہ میں مرجع خاص و عام ہے جس کی زیارت کر کے لوگ برکت حاصل کرتے ہیں۔



شیخ محمد نارنولیؒ

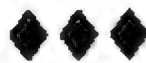
پیدائش ۵۶۷ھ — وفات ۶۴۲ھ

آپ کا اصل وطن ترکستان تھا۔ وہاں سے آکر نارنول میں سکونت پذیر ہوئے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ آپ خواجہ عثمان ہارونی کے مرید تھے۔ ملفوظات مشائخین میں ذکر دیکھنے میں نہیں آیا۔ نارنول کے رہنے والے لوگ آپ کو پیر ترک اور ترک سلطان کہا کرتے تھے۔ آپ کا مزار عام و خاص لوگوں کا مرجع ہے۔ نارنول میں ایک حوض کے کنارے آپ کا مزار تھا، وہ حوض ٹوٹ پھوٹ گیا اور اب اس جگہ شہری آبادی ہے۔

جب آپ نارنول پہنچے ہیں تو اس وقت مجرد، متوکل اور عورتوں کی مجلس سے دور رہتے تھے۔ آپ کے کوئی بال بچہ بھی نہ تھا۔ آپ بیعت نہیں کیا کرتے تھے اسی لئے آپ کا کوئی شخص مرید نہیں۔

حکایت: اسلام کے ابتدائی دور میں نارنول میں کافروں کی بڑی قوت تھی۔ مسلمان بہت تھوڑی مقدار میں تھے اور ہندو موقع کی تاک میں رہتے۔ عید کے روز جب تمام مسلمان عید کی نماز پڑھ رہے تھے ہندوؤں نے یکدم اور اچانک حملہ کر دیا اور مسلمانوں پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑے۔ اس حملے میں اکثر و بیشتر مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا اور شیخ محمد ترک بھی اسی دن شہید ہوئے۔ اکثر شہداء کو تھنذ پال کے حوض کے ایک کنارے سپرد خاک کیا گیا اور شیخ کو ان کی جائے سکونت میں دفن کیا گیا۔ اس گنج شہداء میں دو شہید اور بھی مدفون ہیں۔ ایک کا مزار بلندی پر ہے جن کو بلند شہید کہتے ہیں اور دوسرے کا مزار نیچے ہے جنھیں نشیب شہید کہتے ہیں۔ دونوں شہید قرآن کریم کے حافظ تھے۔ بعض بزرگوں نے ان دونوں شہیدوں کی قبروں سے قرآن کریم کی تلاوت کی آواز سنی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں قرآن کریم کا دور کر رہے ہیں ایک پڑھ رہا ہے اور دوسرا سن رہا ہے اور دونوں کے دونوں قرآن کو دہرا رہے ہیں۔

حکایت: ایک مرتبہ شیخ محمود چراغ دہلوی کو کسی بادشاہ نے جبراً ٹھٹھہ کی طرف جانے کا حکم دیا، چنانچہ آپ نارنول سے ٹھٹھہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ نارنول سے تقریباً دو میل دور گئے تھے کہ محافظانِ حکومت کی حراست سے نکل کر شیخ محمد ترک کے مقبرے کی جانب متوجہ ہوئے۔ مقبرے میں ان کی قبر کے سامنے ہی ایک پتھر لگا ہوا ہے۔ پہلے کچھ دیر اس پتھر کی جانب متوجہ رہے پھر آپ نے شیخ محمد ترک کی قبر کی جانب رخ فرمایا، جب زیارت سے فارغ ہو گئے تو لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ اس میں کیا راز تھا کہ ابتداءً آپ نصب شدہ پتھر کی جانب اور پھر قبر کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ خادم بڑا ہی خوش نصیب ہے، جسے آقا اور مخدوم اس کے گھر خود نوازنے کے لئے تشریف لائے اور اسے سرفراز کرے۔ میں نے اس پتھر کے اوپر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت جلوہ نما دیکھی اور جب کشفِ معانی رہا میں نے اس پتھر کی جانب رخ کئے رکھا پھر جب کشف معانی میری نظروں سے اوجھل اور دور ہو گیا تو میں شیخ محمد ترک کی قربت کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کے بعد چراغ دہلوی سرنگوں ہو کر مراقبہ میں مصروف ومنہمک ہو گئے۔ ذرا دیر بعد مراقبہ سے سر اٹھا کر فرمایا جس کو کوئی مشکل درپیش ہو وہ اس روضہ کی جانب متوجہ ہو (اور خدا سے دعا کرے۔ فاضل) تو امید ہے کہ اس کی مشکل آسان ہو جائے گی۔ ان نگراں سپاہیوں میں سے ایک گستاخ سپاہی نے کہا اب آپ خود مشکل میں مبتلا ہیں (اپنی مشکل تو آسان ہو نہیں رہی اور دوسروں کی مشکل کشائی کی رہنمائی کر رہے ہیں) آپ نے فرمایا۔ ہاں میرے کہنے کا بھی مطلب یہی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے میری مشکل آسان فرما دیں گے۔ (چنانچہ آپ مزار سے روانہ ہو گئے) ابھی آپ نارنول سے پانچ ہی میل آگے بڑھے ہوں گے کہ بادشاہ وقت کی مرگ کی اطلاع ملی اور شیخ دہلوی پھر واپس تشریف لے گئے۔ وہ پتھر (جس کا اوپر ذکر ہے) اب تک شیخ محمد ترک کے مزار کے سامنے موجود ہے اور لوگ اس کی زیارت کرنے آتے رہتے ہیں۔



کرامات ابو محمد القادر الحسنی، الحسینیؒ

حضرت شیخ کی وہ کرامتیں جو ہر وقت ظاہر ہوتی رہتی تھیں ان کا احاطہ وشمار قوت تقریر و تحریر سے باہر ہے اور یقین جانو کہ اس میں بناوٹ اور مبالغہ آرائی نہیں کیونکہ آپ کی ذات اقدس بچپن اور جوانی سے ہی مظہر کرامات ہے اور نوے سال تک جو آپ کی عمر ہے آپ سے ہمیشہ مسلسل کرامتوں کا ظہور ہوتا رہا ہے۔

روایت ہے کہ آپ پیدائش کے بعد رمضان میں دن کے وقت اپنی والدہ کا دودھ نہیں پیتے تھے، حتیٰ کہ سب میں مشہور ہوگیا کہ سادات کے فلاں گھرانے میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جو رمضان میں دن کے وقت دودھ نہیں پیتا۔

روایت ہے کہ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا۔ کہ آپ ولی اللہ ہیں۔ فرمایا کہ دس سال کی عمر تھی۔ جب میں مدرسہ جاتا تو راستہ میں فرشتوں کو اپنے ارد گرد چلتے ہوئے دیکھتا اور جب مکتب میں پہنچ جاتا تو فرشتوں کو یہ بات بچوں سے کہتے ہوئے سنتا کہ اے بچو! اللہ کے ولی کے لئے جگہ کشادہ کرو۔

ایک روز مجھے ایسا شخص دکھائی دیا جو پہلے کبھی نظر نہ آیا تھا۔ اس نے ایک فرشتہ سے پوچھا کہ یہ بچہ کون ہے جس کی تم اتنی تعظیم کر رہے ہو؟ فرشتہ نے جواب دیا کہ یہ اللہ کا ایک ولی ہے جس کا بہت بڑا مرتبہ ہوگا۔ اس راہ میں یہ وہ شخص ہے کہ جسے بے حساب عطایا، بے حجاب تمکین واقتدار اور بغیر حجت تقرب ملے گا۔ چالیس سال کے بعد میں نے پہچانا کہ وہ شخص اپنے وقت کے ابدال میں تھا۔

آپؒ نے فرمایا کہ میں چھوٹا سا تھا۔ ایک روز عرفہ کے دن شہر سے باہر آیا اور کھیتی باڑی کے ایک بیل کی دم پکڑ کر بھاگنے لگا۔ بیل نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور کہا۔ اے عبدالقادر! تجھے اس کام کے لئے پیدا نہیں کیا ہے نہ اس کا حکم دیا ہے۔ ترساں ولرزاں میں اپنے گھر واپس آیا اور مکان کی چھت پر پہنچ گیا تو وہاں سے لوگوں کو میدان عرفات میں کھڑے ہوئے دیکھا، بس میں اپنی والدہ کی خدمت میں آکر کہنے لگا کہ مجھے تحصیل علم کی اور زیارت اولیاء کے لئے بغداد

جانے کی اجازت دیجئے۔

آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی میں نے چھوٹے بچوں کے ساتھ کھیلنے کا ارادہ کیا تو یہ آواز آتی کہ اے بابرکت ہستی ہمارے پاس آؤ۔ یہ آواز سن کر خوف کی وجہ سے دوڑتا ہوا اپنی والدہ کی گود میں آ کر چھپ جاتا اور اب بھی اپنی خلوت میں یہ آواز سنتا ہوں۔

روایت ہے کہ شیخ علی بن ہیتیؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنے زمانہ میں شیخ عبدالقادرؒ سے زیادہ کرامت والا کوئی نہیں دیکھا۔ جس وقت جس کا دل چاہتا آپ کی کرامت کا مشاہدہ کر لیتا اور کرامات کبھی آپ سے ظاہر ہوتیں کبھی آپ کے بارے میں اور کبھی آپ کی وجہ سے۔

روایت ہے کہ شیخ ابومسعود احمد بن ابوبکر خزیمی اور شیخ ابوعمر وعثمان صرتفنی نے فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالقادرؒ کی کرامتیں اس ہار کی طرح ہیں جس میں جواہر تہ بر تہ ہیں کہ ایک کے بعد دوسرا ہے، ہم میں سے جو بکثرت روزانہ آپ کی کرامتوں کو شمار کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بادشاہِ طریقت اور موجودات میں تصرف کرنے والے تھے اور منجانب اللہ آپ کو تصرف کرامتوں کا ہمیشہ اختیار حاصل رہا۔

امام عبداللہ یافعیؒ کا بیان ہے کہ آپ کی کرامتیں حد تواتر تک پہنچ گئی ہیں اور بالاتفاق سب کو اس کا علم ہے۔ دنیا کے کسی شیخ میں ایسی کرامتیں نہیں پائی گئیں۔

غرض آپ سے لاتعداد کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ مخلوقات کے ظاہر و باطن میں تصرف کرنا، انسان اور جنات پر آپ کی حکمرانی، لوگوں کے راز اور پوشیدہ امور سے واقفیت، عالمِ ملکوت کے بواطن کی خبر، عالم جبروت کے حقائق کا کشف، عالمِ لاہوت کے سربستہ اسرار کا علم، مواہب غیبیہ کی عطا، باذنِ الٰہی حوادثِ زمانہ کا تصرف وانقلاب، مارنے اور جلانے کے ساتھ متصف ہونا، اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرنا، مریضوں کی صحت، بیماروں کی شفا، طے زمان ومکان، زمین وآسمان پر اجرائے حکم، پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، لوگوں کے تخیل کا بدلنا، اشیاء کی طبیعت کا تبدیل کر دینا، غیب کی اشیاء کا منگانا، ماضی و مستقبل کی باتوں کا بتلانا اور اسی طرح کی دوسری کرامات مسلسل اور ہمیشہ عام وخاص کے درمیان آپ کے قصد وارادہ سے بلکہ اظہارِ حقانیت کے طریقہ پر ظاہر ہوئیں اور مذکورہ کرامتوں میں سے ہر ایک سے متعلق اتنی روایات وحکایات ہیں کہ زبان وقلم ان کے احاطہ سے قاصر ہیں۔ مشائخ نے اس پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں، لیکن امام عبداللہ یافعیؒ کی کتابیں ان سے پر ہیں۔

وہ مشائخ واقطابِ وقت بلکہ بعض مشائخ متقدمین جنہوں نے کشف والہام کے ذریعہ آپ کے وجود مبارک کی خبر دی وہ بھی آپ کی تعظیم و تکریم، بلندیٔ مرتبہ عظمت شان کے معترف ہونے کے ساتھ آپ کی اطاعت وفرمانبرداری اور آپ کے قول ''میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے'' کی سچائی کا یقین کرنے اور آپ کو منجانب اللہ مامور سمجھنے میں اتنا آگے تھے جس سے زیادہ کا تصور ممکن نہیں۔ میں نے تھوڑا بہت اس میں سے اپنی کتاب زبدۃ الآثار جو بہجۃ الاسرار کا انتخاب ہے میں تحریر فرمادیا ہے، اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی امید ہے۔

آپ کے اخلاق وعادات اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کا نمونہ اور اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ کا مصداق تھے۔ آپ اتنے عالی مرتبت، جلیل القدر، وسیع العلم ہونے اور شان و شوکت کے باوجود ضعیفوں میں بیٹھتے، فقیروں کے ساتھ تواضع سے پیش آتے، بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر شفقت فرماتے، سلام کرنے میں پہل کرتے اور طالب علموں اور مہمانوں کے ساتھ کافی دیر بیٹھتے، بلکہ ان کی لغزشوں اور گستاخیوں سے درگزر فرماتے۔ اگر آپ کے سامنے کوئی جھوٹی قسم بھی کھاتا تو آپ اس کا یقین فرمالیتے اور اپنے علم وکشف کو ظاہر نہ فرماتے، اپنے مہمان اور ہمنشین سے دوسروں کی بہ نسبت انتہائی خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ آپ کبھی نافرمانوں، سرکشوں، ظالموں اور مالداروں کے لئے کھڑے نہ ہوتے نہ کبھی کسی وزیر وحاکم کے دروازے پر جاتے، القصہ مشائخ وقت میں سے کوئی بھی حسنِ خلق، وسعت قلب، کرم نفس، مہربانی اور عہد کی نگہداشت میں آپ کی برابری نہیں کرسکتا تھا۔

روایت ہے کہ ایک روز خلوت میں بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے۔ آپ کے لباس و دستار پر چھت سے مٹی گری۔ تین مرتبہ تو آپ نے مٹی کو جھاڑ دیا، چوتھی مرتبہ آپ نے نظر اٹھا کر اوپر دیکھا تو ایک چوہا چھت کاٹ رہا ہے۔ محض نظر پڑنے سے ہی چوہے کا سر ایک طرف اور دھڑ ایک طرف گرا۔ آپ لکھنا چھوڑ کر رونے لگے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے رونے کا سبب دریافت کیا۔ فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کسی مسلمان سے میرے دل کو تکلیف پہنچے اور اس کی بھی وہی حالت ہو جو اس چوہے کی ہوئی۔

ایک روز آپ مدرسہ میں وضو کر رہے تھے۔ اچانک ایک چڑیا نے ہوا میں اڑتے ہوئے آپ کے لباس پر بیٹ کردی۔ آپ کے نظر اٹھاتے ہی وہ چڑیا زمین پر گری۔ وضو سے فارغ ہو کر لباس سے بیٹ کو دھویا اور جسم سے اتار کر فرمایا کہ اسے لے جا کر فروخت کردو اور اس کی قیمت فقیروں کو خیرات کردو کہ اس کا یہی بدلہ ہے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنی شہرت کے زمانہ میں حج کے ارادہ سے نکلے۔ جب بغداد کے قریب ایک موضع میں جس کا نام حلّہ تھا پہنچے تو حکم دیا کہ یہاں کوئی ایسا گھر تلاش کرو جو سب سے زیادہ ٹوٹا پھوٹا اور اجڑا ہوا سا ہو، ہم اس میں قیام کریں گے، اگرچہ وہاں کے امیروں اور رئیسوں نے بڑے اچھے اچھے مکانات آپ کے سامنے قیام کرنے کے لئے پیش کیے لیکن آپ نے انکار فرما دیا۔ تلاش بسیار کے بعد ایسا ایک مکان مل گیا جس میں بڑھیا، بڈھا اور ایک بچی تھی۔ آپ نے بڑے میاں سے اجازت لے کر رات اس مکان میں گزاری اور وہ تمام نذرانے اور ہدایا جو نقد، جنس اور حیوانات کی صورت میں آپ کو پیش کیے گئے آپ نے یہ کہہ کر کہ میں اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہوں وہ تمام کے تمام بڑے میاں کو دے دیئے۔ حاضرین نے بھی آپ کی موافقت میں تمام مال و اسباب ان بڑے میاں کو دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بوڑھے کو آپ کے مبارک قدموں کی برکت سے ایسی دولت عطا فرمائی کہ ان اطراف میں کسی کو نہ ملی۔

روایت ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک تاجر نے آ کر عرض کیا کہ میرے پاس ایسا مال ہے جو زکوٰۃ کا نہیں اور میں اسے فقراء و مساکین پر خرچ کرنا چاہتا ہوں لیکن مستحق و غیر مستحق کو نہیں پہچانتا۔ آنجناب جس کو مستحق سمجھیں دے دیں۔ آپ نے جواب دیا کہ مستحق و غیر مستحق سے جس کو چاہو دے دو تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بھی وہ چیزیں دے جن کے تم مستحق ہو اور جن کے مستحق نہیں ہو۔

روایت ہے کہ آپ نے ایک روز ایک فقیر کو شکستہ خاطر ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا دیکھا۔ دریافت فرمایا کہ کس خیال میں ہو اور کیا حال ہے؟ عرض کیا کہ میں دریا کے کنارے گیا تھا۔ ملاح کو دینے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں تھا کہ کشتی میں بیٹھ کر پار اتر جاتا۔ ابھی اس فقیر کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ ایک شخص نے تیس اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی آپ کی نذر کی۔ آپ نے وہ تھیلی فقیر کو دے کر فرمایا کہ اسے لے جا کر ملاح کو دے دو۔

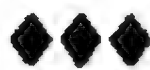
بعض مشائخ وقت نے آپ کے اوصاف میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادرؒ بڑے بارونق، ہنس مکھ، خندہ رو، بڑے شرمیلے، وسیع الاخلاق، نرم طبیعت، کریم الاخلاق، پاکیزہ اوصاف اور مہربان و شفیق تھے۔ جلیس کی عزت کرتے اور مغموم کو دیکھ کر امداد فرماتے۔ ہم نے آپ جیسا فصیح و بلیغ کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت ابواسحٰق بن شہریار گازرونیؒ

آپ کا نام ابراہیم ہے۔ اصل وطن فارس ہے۔ تصوف میں آپ کو شیخ ابوعلی حسین بن محمد فیروز آبادی الاکار سے نسبت ہے۔ ابوحسین جہضم کو دیکھا۔ حدیث میں آپ کو مستند اور ثقہ مانا جاتا ہے۔ صاحب کشف المحجوب کے ہمعصر تھے لیکن ملاقات نہیں ہوسکی۔ کسی وزیر کو شیخ سے بڑی عقیدت تھی۔ اس نے ہر چند چاہا۔ لیکن آپ نے اس سے کوئی چیز قبول نہیں فرمائی۔ پھر اس نے حضرت کو یہ پیغام بھیجا کہ جب آپ میری کسی چیز کو قبول نہیں فرماتے آپ کی خاطر میں نے چند غلام آزاد کیے اور ان کا ثواب آپ کو بخشش کیا۔ شیخ نے فرمایا تمہارا پیام مجھے ملا۔ تمہارے اس احسان کا میں شکر ادا کرتا ہوں لیکن بندوں کو آزاد کرنا میرا مذہب نہیں۔ میرا مذہب آزادوں کو احسان ولطف وکرم سے غلام بنانا ہے۔

آپ کی وفات ذی قعدہ ۴۲۶ھ میں ہوئی۔

بعض مشائخ نے اس طرح وصف بیان فرمایا ہے کہ حضرت شیخ محی الدینؒ بکثرت رونے والے، اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے۔ آپ کی ہر دعا فوراً قبول ہوتی۔ نیک اخلاق، پاکیزہ اوصاف، بدگوئی سے بہت دور بھاگنے والے اور حق کے سب سے زیادہ قریب تھے۔ احکامِ الٰہی کی نافرمانی میں بڑے سخت گیر تھے لیکن اپنے اور غیر اللہ کے لئے کبھی غصہ نہ فرماتے۔ کسی سائل کو اگرچہ وہ آپ کے بدن کے کپڑے ہی لے جائے واپس نہ فرماتے۔ توفیق خداوندی آپ کی رہنما اور تائید ایزدی آپ کی معاون تھی۔ علم نے آپ کو مہذب بنایا۔ قرب نے آپ کو مؤدب بنایا۔ خطابِ الٰہی آپ کا مشیر اور ملاحظۂ خداوندی آپ کا سفیر تھا۔ انسیت آپ کی ساتھی اور خندہ روئی آپ کی صفت تھی۔ سچائی آپ کا وظیفہ، فتوحات آپ کا سرمایہ، بردباری آپ کا فن، یادِ الٰہی آپ کا وزیر، غور وفکر آپ کا مونس، مکاشفہ آپ کی غذا اور مشاہدہ آپ کی شفا تھے۔ آدابِ شریعت آپ کا ظاہر اور اوصافِ حقیقت آپ کا باطن تھا۔ رضی اللہ عنہ وعن جمیع الصالحین وعن محبیھم اجمعین۔



نعت پاکؐ

صدائے نعت سے یہ جسم و جان ہے روشن
نبیؐ کے ذکر سے اِک اِک مکان ہے روشن

جبینِ نعت پہ حسانؓ کی طرح مولیٰ
اگر عطا ہو تو ہر مدح خوان ہے روشن

بس اک نام کی خوشبو رہی ہے لب پہ مرے
یہی وہ اسم ہے جس سے یہ جان ہے روشن

نکل کے غارِ حرا سے دیا تھا قوم کو جو
ابھی تک آپؐ کا اِک اِک بیان ہے روشن

نہ اُنؐ کے بعد نہ اُنؐ جیسا پہلے کوئی ہوا
یہی سبب ہے کہ ہر آن بان ہے روشن

صراطِ خیر کا طالب رہا ہوں جیتے جی
اسی طلب کے سبب میری جان ہے روشن

یقین، صبر و رضا، علم و عدل دنیا میں
نبیؐ کے فیض سے خوشدل ہر آن ہے روشن
(صلی اللہ علیہ وسلم)

محمد فرحت حسین خوشدل

صدق و صفا کے پیکر

مولانا فخر الدین اورنگ آبادیؒ

وہ زہد و اتقا کا پیکر تھے۔ ریاضت و مجاہدات میں یکتائے زمانہ تھے۔ نورِ معرفت سے ان کا سینہ معمور تھا۔ عشقِ رسول کا یہ عالم کہ وہ ''محبِ نبی'' کے لقب سے سرفراز ہوئے اس کے ساتھ ان کا دل دردمندی کا سرچشمہ بھی تھا۔

ایک مرتبہ وہ حج، خانہ کعبہ کی زیارت اور سرورِ دین و دنیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ منورہ پر حاضری کی نیت سے عازمِ سفر ہوئے اسی وقت ایک ضعیف عورت آنکھوں میں آنسو لئے انہیں دکھ بھری کہانی سنانے کو آگئی۔ اس نے کہا۔

''حضور پر تو سب کچھ روشن ہے میں سخت حیران و پریشان ہوں کہ کیا کروں۔ میری ایک جوان لڑکی گھر میں بیٹھی ہے۔ اس کی شادی کی فکر مجھ کو دن رات کھائے جاتی ہے۔ میں مفلس و نادار ہوں۔ شادی کے لئے پیسہ درکار ہے۔ پیسہ پاس ہو تو اس کو اپنے گھر سے وداع کروں۔ حضور سے میری درخواست ہے کہ میرے حق میں دعا فرمائیں کہ لڑکی کی شادی کر کے فکر سے نجات پاؤں۔''

اس ضعیف عورت کی حالت پر ان بزرگ کو رحم آیا۔ اس کے لئے بجائے دعا کرنے کے ان بزرگ نے یہ کیا کہ اپنے خدام کو حکم دیا کہ جہاز سے سامان اتار لیں۔ خدام یہ حکم پا کر متعجب ہوئے لیکن کرتے کیا ان بزرگ کے حکم کی بجا آوری ان کے لئے ایک فریضہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے جہاز سے سامان اتار لیا۔ اب وہ دوسرے حکم کے منتظر تھے۔ ان بزرگ نے اس بڑھیا سے بڑی عاجزی اور انکساری کے ساتھ کہا، ''غم نہ کرو گھر جاؤ اور اپنی لڑکی کی

شادی کا انتظام کرو۔"

اتنا فرما کر ان بزرگ نے جو رقم پاس تھی اس بڑھیا کو دے دی اور خود وطن واپس تشریف لا کر اپنے روزمرہ کے معمولات میں مشغول ہو گئے۔ جب اس بات کا چرچا عام ہوا تو لوگ کہنے لگے کہ حضرت دل بدست آور کہ حج اکبر است کا مصداق بن کر واپس آئے ہیں۔

صدق وصفا کے یہ پیکر قطب زمانہ حضرت مولانا محمد فخر الدینؒ تھے جنہوں نے ۱۱۲۶ھ میں اورنگ آباد میں عالم ناسوت میں قدم رکھا۔

حضرتؒ کی روحانی عظمت کی بشارت ان کے پیدا ہوتے ہی دے گئی تھی۔ حضرت کے والد نظام الدین اورنگ آبادی اورنگ آباد میں عشق حقیقی کی داستان سنانے، گنجینۂ معرفت و عرفان لٹانے، لوگوں کو راہ حق دکھانے، عوام، وزراء، امراء اور اراکین سلطنت کی اصلاح باطنی کرنے اور روحانی قدروں سے آشنا کرنے میں ہمہ تن مشغول رہتے تھے۔ حضرت نظام الدین سے نواب نظام الملک آصف جاہ کو بھی شرف بیعت حاصل تھا اور حضرت نظام الدین نواب آصف جاہ کو یہ بزرگ تعلیم و تلقین فرماتے رہتے تھے کہ بادشاہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے مشیر، عاقل، دانا اور ہمدرد ہوں، وہ ہمت و جرأت سے کام لیں۔ بادشاہ کے فرائض کے متعلق بھی حضرت نظام الدین بتاتے تھے کہ عدل و انصاف بادشاہ کا ایک ناگزیر فریضہ ہے۔

حضرت نظام الدین کے یہاں جب پہلا لڑکا پیدا ہوا تو گھر والوں اور خاندان والوں کو خوشی تو ہوئی کہ ان کا گھر روشن ہوا لیکن حضرت نظام الدین نے اپنے اس فرزند کی لوح پیشانی میں وہ چیز نہ دیکھی جس کی ان کو تلاش تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ لڑکا ایسا ہو جو ان کا خلیفہ، جانشین اور سجادہ نشین ہونے کے قابل ہو۔

ان کے یہاں جب دوسرا لڑکا پیدا ہوا تب بھی ان کو ناامیدی ہوئی۔ وہ امید لگائے رہے کہ خداوند تعالیٰ ان کو ایسا فرزند دے گا جو ان کی جگہ لے گا۔

تیسرے اور چوتھے فرزند کی پیدائش پر بھی ان کو سوا روایتی خوشی کے اور کچھ حاصل نہ ہوا لیکن انہیں یقین تھا کہ ان کے سجادہ اور ان کی مسند رشد و ہدایت پر وہی شخص بیٹھے گا جس کے لئے خداوند تعالیٰ کا حکم اور ان کے پیر و مرشد کی اجازت ہوگی۔

کچھ عرصہ کے بعد ان کی آرزو پوری ہوئی۔ ان کے بوستان معرفت میں ایک ایسا سدا بہار پھول کھلا کہ جس کی مہک سے عوام و خواص کے دماغ معطر ہو گئے۔

حضرت نظام الدین اپنے پانچویں فرزند کی ولادت پر بہت مسرور اور مطمئن نظر آتے

تھے۔ انہوں نے اپنے پیر روشن ضمیر حضرت شاہ کلیم اللہ شاہجہان آبادیؒ کو اس فرزند دلپسند کی ولادت کی خبر بھیجی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی استدعا کی کہ حضور اپنے غلام زادے کے لئے دعا فرمائیں کہ خداوند تعالیٰ اس کو عمر دراز عطا فرمائے اور وہ ظاہری و باطنی علوم سے بہرہ مند ہو۔

حضرت شاہ کلیم اللہ شاہجہان آبادیؒ اپنے زمانے کے شہرۂ آفاق بزرگ تھے۔ انہوں نے چشتیہ سلسلہ کی اساس و بنیاد کو دوبارہ مستحکم کیا۔ ان کو جب اورنگ آباد سے اپنے ایک مرید خاص و خلیفہ کے یہاں فرزند کی ولادت کی خبر موصول ہوئی تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ انہوں نے اپنے مرید خاص و خلیفہ حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ کو مبارک باد دیتے ہوئے یہ مژدہ بھی سنایا۔

''نظام الدین'' اس بچے کے ذریعے ایک عالم سیراب ہوگا۔ وہ ایک چراغ ہدایت ہوگا جس کو زمانے کی تند و تیز ہوائیں نہ بجھا سکیں گی۔ اس بچے کی پیدائش سے نا صرف تمہارا گھر روشن ہوا ہے بلکہ یقین جانو کہ اس بچے سے آگے چل کر جہاں روشن ہوگا۔ وہ سریر آرائے سلطنت روحانی ہوگا۔ اس سے مخلوق فیض پائے گی۔ وہ مخلوق کا روحانی پیشوا اور ان کے اخلاق و اطوار کو سدھارنے والا ہوگا۔ وہ ظلمت کدہ میں روشنی کی ایک کرن بن کر چمکے گا۔

اس کے بعد جو انہوں نے لکھا اس سے اس کے بچے کے مستقبل کی نشاندہی ہوتی تھی۔ انہوں نے صاف و صریح الفاظ میں لکھا: تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ بچہ میرا ہے۔ میں ہی اس کا نام تجویز کروں گا۔ انہوں نے اپنا ملبوس خاص بچے کے لئے بھیج کر یہ ثابت کر دیا کہ وہ بچہ ان کو بہت عزیز اور پیارا ہے۔

حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ بہت خوش تھے کہ یہ ان کا پانچواں فرزند ان کے پیرو مرشد کی عنایت بے غایت کا مورد خاص ہوا ہے۔ ان کا اپنے فرزند سے ایسا ہی تعلق تھا جیسا حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے فرزند دلپسند حضرت یوسف سے تھا۔ وہ اپنے فرزند کو بالکل نئی نگاہ سے دیکھنے لگے اور اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت کو اپنے لئے ایک خوشگوار فریضہ سمجھنے لگے۔

حضرت فخر الدین نے تحصیل علم بہت سے صاحب کمال اور شہرۂ آفاق علماء سے کیا۔ میاں محمد جان جیو ایسے عالم ان کے استاد تھے۔

میاں محمد جان جیو کی خدمت میں رہ کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ''فصوص الحکم'' پڑھی۔ ان کے علاوہ اور دوسری کتابیں مثل صدرہ اور شمس بازغہ بھی میاں محمد جان جیو سے پڑھیں۔

میاں محمد جان جیوا اپنے زمانے کے ایک صاحب کمال بزرگ تھے۔ ان کو فصوص الحکم کے بارے میں جب کوئی مسئلہ یا دشواری پیش آتی تو وہ ایک یا دو گھڑی آسمان کی طرف دیکھتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ مسئلہ بخوبی حل ہو جاتا تھا۔ ان کا آسمان کی طرف دیکھنا ''فصوص الحکم'' کے مصنف کی روح سے امداد چاہنا مقصود تھا۔ وہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کی روح سے مسئلہ کا حل دریافت کرتے اور کامیاب ہوتے تھے۔

حضرت فخر الدین نے مولوی عبدالحکیم سے ''ہدایہ'' پڑھی۔ مولوی عبدالحکیم ایک بڑے عالم اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ علم فقہ پر ان کو عبور حاصل تھا۔ ان کا توکل مثالی تھا۔ ان کے کئی بچے تھے اور وہ فقر و تنگ دستی میں زندگی گزارتے تھے۔ ان کے ایک شاگرد نے ان کی تنگ دستی اور عسرت کی زندگی دیکھ کر ان کو ایک نسخۂ اکسیر سونے کا پیش کیا۔ انہوں نے اس کو آزمایا تو صحیح پایا۔ انہوں نے اس بات کا ذکر حضرت فخر الدین سے کیا۔ حضرت فخر الدین کو مولوی صاحب کے نسخۂ اکسیر کے سونا قبول کرنے اور اس کو آزمانے پر تعجب ہوا۔ ان کے اس شاگرد نے اپنے استاد کو صاف بتایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

مولوی صاحب جب گھر واپس گئے تو سوچنے لگے کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے بعد اس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے اور آخرت میں وہ اس بات کے ذمہ دار ٹھہرائے جائیں۔ یہ سوچ کر انہوں نے اس خالص سونے کو دریا میں پھینک دیا اور نسخۂ اکسیر طلا کو چاک کر دیا۔ قناعت و توکل کی زندگی کو انہوں نے اپنا شعار بنایا اور عسرت و تنگ دستی کو قربِ الٰہی کا ذریعہ جانا۔

حضرت فخر الدین کی عمر جب سات سال کے قریب تھی تو ایک واقعہ رونما ہوا جس سے ان کے والد کو اس سے اور بھی زیادہ قلبی لگاؤ پیدا ہو گیا۔ اس بچے پر سرورِ دین و دنیا ''مناقب فخریہ'' میں اس طرح درج ہے:

''سات سال کی عمر میں عالم رویا میں انہوں نے دیکھا کہ پانچ دانے بن کے جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مرحمت فرمائے ہیں۔ جب وہ جاگے تو ان دانوں کو انہوں نے اپنے ہاتھ پر بدستور پایا۔ اتنے میں ان کے والد بھی جاگ اٹھے۔ ان کو نورِ باطن سے اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ انہوں نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا اے فرزند تنہا نہ کھانا چاہئے۔''

چنانچہ کچھ دانے ان کے ہاتھ سے لے کر انہوں نے خود کھائے اور باقی دانے اپنے فرزند کو کھانے کو دیئے۔ حضرت فخر الدین کو ان کے والد حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ نے صغر سنی میں ہی اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کر لیا تھا۔ اپنے اس فرزند کی اصلاح باطنی پر وہ

بہت زور دیتے تھے۔

"دلی کے بائیس خواجہ" میں لکھا ہے "جب آپ کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو والد ماجد نے آپ کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا۔"

ایک سال کے بعد حضرت فخر الدین کے والد بزرگ وار کے وصال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت فخر الدین کو بلوایا اور حضرت فخر الدین کے سینۂ مبارک کو اپنے سینے سے جو آئینہ سے بہتر تھا لپٹائے رکھا اور باطنی نعمت کلی طور پر ان کے سپرد فرمانے کے بعد ان کی روح پر فتوح عالم قدس کی طرف متوجہ ہوئی اور ان کے جسم شریف نے آرام کیا۔

حضرت فخر الدین کے سر سے جب والد ماجد کا سایۂ عاطفت اٹھا تو ان کی عمر اس وقت سولہ سال تھی۔ والد بزرگوار کے وصال کے بعد حضرت فخر الدین نے تعلیم کا سلسلہ منقطع نہیں کیا بلکہ تین سال تک تحصیل علوم میں مشغول رہے۔

تحصیل علم سے فارغ ہو کر حضرت فخر الدین نے لشکر میں ملازمت کر لی۔ وہ آصف جاہ اول کے دست راست اور معتبر سردار و سپہ سالار ہمت یار خاں کے ساتھ کچھ مدت رہے پھر نظام الدولہ ناصر جنگ کے ساتھ بھی رہے۔

اس زمانے میں حضرتؒ بارہ مہینے روزے رکھتے تھے۔ دن کو تو حضرت فرائض منصبی کی انجام دہی میں مشغول نظر آتے لیکن رات کو ان کی دوسری ہی حالت ہوتی۔ ساری رات یادالٰہی میں گزارتے اور یہ کوشش کرتے کہ ان کے حال اور ان کے معاملات کا کسی کو علم نہ ہو۔

کچھ عرصہ تک حضرت فخر الدین اپنی کوشش میں کامیاب رہے، لیکن کب تک، اخفائے حال میں ان کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ کچھ ہی دن میں عوام و خواص ان کی قدر و منزلت پہچاننے لگے۔ ان کی عبادت، ریاضت، سادگی اور اخفائے حال کا چرچا ہونے لگا۔ لوگ ان کے کمالات باطنی کے معترف ہوئے اور ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ حضرت کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ مخلوق ان کے پاس آ کر ان کی عبادت و ریاضت میں مخل ہو۔ لوگوں کا ہجوم دیکھ کر وہ اکثر سوچا کرتے کہ ملازمت ترک کر کے والد ماجد کے سجادہ پر بیٹھ کر خاموش اور پرسکون زندگی گزارنا چاہیے۔ بس ملازمت سے استعفیٰ دے کر وہ اورنگ آباد جا کر اپنے والد بزرگوار کے سجادہ پر رونق افروز ہوئے اور رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔

لوگوں کا ہجوم جب بڑھنے لگا تو حضرت نے اورنگ آباد سے سکونت ترک کر کے باہر جانے کا خیال کیا۔ سوچتے سوچتے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ شاہجہاں آباد یعنی دہلی جانا چاہیے وہاں

جب حضرت پاک پٹن کے قریب ایک موضع میں پہنچے جس کو ملکہ کہتے تھے، تو حضرت اپنے جوتے وہیں چھوڑ کر پاک پٹن والہانہ انداز میں روانہ ہوئے۔ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی نے حضرت کو تلاش کیا لیکن کہیں نہ پایا۔ آخر پاک پٹن پہنچے تو دیکھا کہ حضرت وہاں موجود ہیں۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے مزار مبارک پر حاضری دے کر اور فیوض و برکات حاصل کر کے حضرت دہلی واپس آ گئے۔

دہلی میں رہ کر حضرت نے اپنی باقی زندگی درس و تدریس، تعلیم و تلقین اور رشد و ہدایت میں گزاری۔

حضرت کے صرف ایک صاحب زادے تھے جن کا نام غلام قطب الدین تھا۔ جب یہ بزرگ اورنگ آباد سے دہلی گئے تو اپنے صاحب زادے کو اپنی بہن کے سپرد فرمایا۔ ان بزرگ کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے غلام قطب الدین ان کے سجادہ پر بیٹھے اور رشد و ہدایت میں مشغول ہوئے۔ محمد اکبر شاہ اور بہادر شاہ ظفر ان کے علاوہ ارادت میں داخل ہوئے۔ غلام قطب الدین کے بھی ایک صاحبزادے تھے ان کا نام میاں نصیر الدین عرف کالے صاحب کے بعد ان کے بڑے لڑکے غلام نظام الدین ان کے سجادہ پر بیٹھے۔ غلام نظام الدین کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ ان کے وصال کے بعد ان کے بھائی غلام معین الدین ان کے سجادہ پر بیٹھے۔

حضرت مولانا فخر الدین کے حلقۂ ارادت میں بہت سی ممتاز ہستیاں نظر آتی ہیں مثلاً خواجہ احسن اللہ بیان دہلوی، میر قمر الدین منت اور میر غلام حسین یاد جو اپنے زمانے کے مشہور و مقبول شاعر تھے۔ وہ حضرت کے مرید ہونے پر فخر کیا کرتے تھے۔ حضرت کے ممتاز خلفا میں شاہ نور محمدؒ کا نام سرفہرست ہے۔ شاہ نور محمد نے پنجاب میں اپنے سلسلہ کو روشناس کرایا۔ حاجی لعل محمد نے دہلی میں سلسلہ کے لئے بڑی جدوجہد کی۔ مولانا ضیاء الدین نے جے پور میں رہ کر سلسلہ کو پھیلایا۔ شاہ نیاز احمد نے مغربی یو پی میں سلسلہ کو روشناس کرایا۔

ان کے علاوہ سید بدیع الدین، مولوی خدا بخش، مولوی جمال الدین نواب غازی الدین، میر خاں المتخلص بہ نظام شاہ فتح اللہ، میر محمدی، مولوی محمد غوث، شاہ روح اللہ، شاہ قمر الدین، محمد غوث، سید احمد، مولانا حسن علی، میاں محمد امان، حافظ سعد اللہ کو ان بزرگوں کا خلیفہ ہونا اور سلسلہ کو عوام و خواص میں روشناس کرانے کا فخر حاصل ہے۔

سید بدیع الدین ایک نامور خلیفہ تھے۔ وہ دہلی میں رہتے تھے۔ حضرت نے شاہی خاندان کے افراد کی تربیت میر محمدی کے سپرد فرمائی۔ اپنے پیرومرشد کے حکم کے مطابق وہ شاہی خاندان کی تعلیم وتربیت کا بار اٹھانے میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ شاہی خاندان کے کئی افراد ان کے مرید تھے۔ مرزا سلیم ان کا مرید اور معتقد تھا۔ مرزا جہاں بخت، میران شاہ محمد، مرزا روشن بخت کو بھی ان ہی سے شرف ارادت حاصل تھا۔ شیخ ابراہیم ذوق بھی ان کے مرید تھے۔ مولوی جمال الدین ان بزرگ کے ایک اور ممتاز خلیفہ تھے۔ اپنے پیرومرشد کا حکم پاکر وہ رام پور گئے اور وہاں رشد وہدایت میں ہمہ تن مشغول ہوئے۔ وہ رہنے والے تو لاہور کے تھے لیکن ان کی زندگی کا بڑا حصہ لاہور سے باہر گزرا۔ علم کی پیاس ان کو دہلی لائی تھی۔ دہلی میں جب وہ ان بزرگ سے ملے تو بس ان ہی کے ہو گئے۔ ان کو اپنے پیرومرشد سے والہانہ عشق تھا۔ انہوں نے ۱۰۳ سال کی عمر پائی۔

حضرت مولانا فخر الدینؒ کو مجدد برحق، مہدی طریقت اور مسیح معرفت اگر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

''دلی کے بائیس خواجہ'' میں حضرت کے متعلق لکھا ہے ''آپ کی ذات والا صفات اوصاف ظاہری و باطنی کی جامع تھی۔ آپ نہایت خلیق و متواضع تھے۔ آپ ہر آنے والے کی تعظیم وتکریم بلا کسی امتیاز کے کیا کرتے تھے۔ بیماری میں بھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ آپ میں ایثار نفس بدرجہ اتم تھا۔ عبادت، ریاضت، مجاہدہ اور مراقبہ میں زیادہ وقت گزارتے تھے۔ سخاوت کا یہ حال تھا کہ جو روپیہ اور چیزیں نذر میں آتی تھیں، سب کو تقسیم فرما دیتے تھے۔ آپ اپنے واسطے کچھ نہ رکھتے تھے۔ انکساری اس درجہ تھی کہ جب آپ کا خاکروب پیر ادو روز متواتر خانقاہ میں صفائی کے واسطے نہیں آیا اور جب معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے آپ بہ نفس نفیس اس کو دیکھنے اس کے گھر تشریف لے گئے۔ اس کو کچھ روپیہ دیا اور اس سے معذرت کی کہ اس کی خبر گیری میں اتنی دیر ہوئی۔

درس وتدریس حضرت کا محبوب مشغلہ تھا۔ دہلی میں اجمیری دروازہ کے ایک مدرسہ میں رونق افروز ہو کر اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ درس وتدریس میں گزارا۔ درسی کتابوں کے علاوہ وہ حقائق ومعارف کے مضمرات ومتعلقات کی اس انوکھے انداز سے تشریح وضاحت فرماتے تھے کہ جس سے مردہ دل زندہ، بے خبر باخبر، سوتے ہوئے بیدار اور غافل ہوشیار ہو جاتے تھے۔ یہ مدرسہ جس میں حضرت درس دیتے تھے امیر غازی الدین خاں فیروز جنگ نے تعمیر کرایا تھا۔

شاہ خضرؒ

پیدائش ۵۴۹ھ ـــ وفات ۵۹۹ھ

آپ قلندر قسم کے بزرگ تھے، روم کے رہنے والے تھے، آپ سے بیشمار کرامتیں ظاہر ہوا کرتی تھیں، ابتداء آپ کسی کو اپنا مرید نہ فرمایا کرتے تھے، آپ خواجہ بختیار اوشیؒ کی زندگی ہی میں دہلی تشریف لائے تھے، چنانچہ آپ نے خواجہ صاحبؒ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ خواجہ صاحبؒ نے اپنی کلاہ اور خرقہ شاہ خضر کی قیامگاہ پر بھجوا کر رخصت کیا، اس کے بعد شاہ خضر کو جونپور جانے کا اتفاق ہوا، جب آپ موضع سرہر پور پہنچے تو وہاں شاہ قطبؒ آپ کے مرید ہوئے، آپ نے شاہ قطب کو خلافت دینے کے بعد پھر اپنے اصلی وطن روم کا رخ کیا، اس وقت بھی ہندوستان میں آپ کا سلسلہ قائم ہے جس کو سلسلہ قنطوریہ چشتیہ کہتے ہیں۔

اس مدرسہ کو ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ بہت سے علمائے نامدار اور مشائخ کبار اس سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔

حضرت تحمل، بردباری، توکل، قناعت اور صبر و استقلال کا پیکر تھے۔ شہرت و اقتدار، نام و نمود کی خواہش، جاہ و مرتبہ کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ خود پرستی کو بت پرستی سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ اتباع شریعت و سنت پر بہت زور دیتے تھے۔

حضرتؒ کا بادشاہ، امراء اور وزراء سے تعلقات کے متعلق وہی اصول تھا جو چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کا رہا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو سکتا تھا وہ شاہی دربار سے الگ تھلگ رہتے تھے اور بادشاہ کی چوکھٹ چومنے یا امراء کے در پر جانے کو وہ درویشی کے منافی سمجھتے تھے۔

شاہ عالم بادشاہ حضرت کا معتقد تھا۔ وہ اکثر ان کے پاس آیا کرتا تھا۔ لیکن حضرت شاہی محل میں جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ شاہ عالم بادشاہ کی بہن فخر النساء اس بات پر فخر کیا کرتی تھی۔ اس کو حضرت سے شرف ارادت حاصل تھا۔ شاہ عالم بادشاہ کی والدہ نواب زینت محل کی حضرت سے عقیدت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اس نے نہایت عاجزی کے ساتھ حضرت کی خدمت میں ایک رتھ پیش کیا اور ان سے التجا کی کہ وہ اس کو قبول کر کے نہ صرف اس کی عزت افزائی فرمائیں بلکہ اس کو ایک ادنیٰ نذرانۂ عقیدت تصور کریں۔

بادشاہ نے بہت چاہا کہ حضرت کچھ دیہات قبول فرمالیں لیکن حضرتؒ نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ بعض ارادت مند امراء نے بھی حضرت سے دیہات قبول کرنے کی التجا

کی، لیکن ان کو بھی اس کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی۔

بہادر شاہ ظفر کو بھی حضرت سے بہت عقیدت تھی۔ اس نے اپنے کلام میں کئی جگہ حضرت کو خراج عقیدت پیش کیا ہے حالانکہ بہادر شاہ ظفر نے حضرت کو اپنے بچپن میں دیکھا ہوگا۔ جس وقت حضرت کا وصال ہوا اس وقت بہادر شاہ ظفر کی عمر دس سال تھی۔

حضرت ایک بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ ان کی تصانیف ان کے وسیع مطالعہ اور ان کی علمی قابلیت کی آئینہ دار ہیں۔ ان کی تصانیف ''فخر الحسن'' ''عقائد نظامیہ'' ''سیرت محمدیہ'' اور ''عین الیقین'' بہت مقبول ہوئیں۔

تصانیف کے علاوہ حضرتؒ کے خطوط بھی بہت دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔ خطوط کیا ہیں گنجینۂ معرفت ہیں۔ یہ خطوط ''رقعات مرشدی'' کے نام سے شائع ہو گئے ہیں۔

حضرت اپنے مریدوں، عقیدتمندوں اور خلفاء کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ فرماتے تھے۔ وہ ان کو تاکید کیا کرتے تھے ''جس قدر بھی ہو سکے ذکر کرنا چاہیے۔ لیکن اتنا ہی نہیں کہ جس کا صحت پر برا اثر پڑے محاسبہ کرنا بھی ضروری ہے۔''

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا ''اصل تمام کی حضور مع اللہ کا حاصل ہونا ہے۔ طریقے مختلف ہیں خواہ یہ ذکر جلی سے ہو یا ذکر خفی سے خواہ فکر سے ہو یا مراقبہ یا مرابطہ سے ہو۔''

ایک مرتبہ بے خودی کے متعلق بات چیت ہو رہی تھی۔ مریدین و معتقدین حضرت کا بے خودی کے متعلق نظریہ جاننے کے متمنی تھے۔ حضرتؒ نے ان کو بتایا کہ یہ معاملہ اتنا پیچیدہ نہیں ہے جتنا وہ سمجھ رہے ہیں سیدھی سادی بات ہے اور وہ یہ ہے کہ:

''بے خودی ایک بڑی نعمت ہے۔ اس کا شکر کرنا ضروری ہے لیکن سالک کو اس پر قناعت نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کو اصلی مقصد اور مدارج عالیہ حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھنا چاہیے۔ بے خودی تو بھنگ اور افیون سے بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس قسم کی بے خودی محمودہ نہیں ہے بلکہ مذمومہ ہے۔ جب بے خودی حاصل ہو تو ریاضت و مجاہدہ میں زیادہ مصروف ہونا چاہیے۔''

حضرتؒ اپنے مریدین و معتقدین کو ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ اعمال صالحہ مثلاً نوافل، نماز تہجد و اشراق اور اوراد مثلاً درود شریف و تلاوت قرآن مجید کو اپنے اوپر لازم کرنا چاہیے اور ان پر سختی سے کاربند رہنا چاہیے۔ وہ اپنے مریدوں کو ''پاس انفاس'' اور ذکر جلی و خفی کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

حضرت کا یہ قاعدہ تھا کہ جب ان سے کوئی شخص کوئی درود یا وظیفہ دریافت کرتا وہ اپنے خاندانی اوراد و وظائف میں سے کوئی ورد یا وظیفہ تجویز فرما دیتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے عرض کیا کہ حضور! سخت پریشان ہوں روزی نہیں رہی اب روزہ ہے۔ حضور کوئی دعا بتائیں جس سے میری روزی کشادہ ہو۔

حضرت نے اس کو بتایا ''میرے والد کے پیر و مرشد حضرت شاہ کلیم اللہؒ شاہجہاں آبادی فرمایا کرتے تھے کہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم سو بار روزانہ پڑھنے سے روزی کشادہ ہوتی ہے پس تم بھی اس کا ورد کرو۔ رزاق مطلق اس کے پڑھنے سے تمہاری روزی کشادہ کرے گا۔''

ایک شخص کو کوئی حاجت درپیش تھی۔ وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے امداد کا خواہاں ہوا۔ انہوں نے اس شخص کو بتایا کہ حضرت شاہ کلیم اللہ ولیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''جب کسی کو کوئی حاجت درپیش ہو تو اس کو چاہئے کہ نفلوں کے بعد تنہا گوشہ میں بیٹھ کر اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر سو بار یارب یارب کہے۔ اگر ہزار بار کہے تو کامیابی میں کوئی شک وشبہ نہیں تم بھی اس پر عمل کرو۔''

حضرتؒ کے ایک مرید قاضی انور ضیاء اپنے پیر و مرشد کے شیفتہ و فریفتہ تھے۔ وہ بھی ان کا خیال رکھتے تھے اور ہر طرح ان کی دلجوئی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ وہ سخت بیمار ہوئے۔ علاج معالجہ بے سود ثابت ہوا۔ بظاہر ان کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی لیکن ان کو اپنے پیر و مرشد پر راسخ اعتقاد تھا۔ ایک دن انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا دوا دارو چھوڑ دو۔ علاج معالجہ بے کار ہے۔ مجھے میرے طبیب حاذق کے پاس لے چلو۔

گھر والوں نے متعجب ہو کر پوچھا۔

''وہ کون طبیب ہیں جن کے پاس تم جانا چاہتے ہو ان کا نام کیا ہے اور وہ کہاں رہتے ہیں۔''

یہ سن کر قاضی انور ضیاء نے ذرا ترش لہجے میں ان لوگوں سے کہا، ''تعجب ہے کہ تم نہیں جانتے کہ وہ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔ ان سے تو ایک عالم فیض پاتا ہے میں بھی ان کا ایک ادنیٰ غلام ہوں مجھے میرے پیر و مرشد کے پاس لے چلو۔''

ان کے گھر والے ان کو حضرت کی خدمت میں لائے۔ جب وہاں پہنچے تو حضرت ان کو دیکھ کر کھڑے ہوئے اور ان سے بغل گیر ہوئے۔ بغل گیر ہوتا کیا تھا، گویا مرض کو سلب کرنا تھا۔ فوراً ہی بعد قاضی انور ضیاء نے یہ محسوس کیا کہ وہ بیمار ہی نہیں تھے۔

حضرتؒ جب دہلی سے پاک پٹن روانہ ہوئے تو پاپیادہ قطع مسافت کرتے ہوئے پانی پت پہونچے۔ان کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ پیدل چلنا دشوار ہو گیا تھا۔ انہوں نے اپنے ایک مرید خاص سے جو ان کے ساتھ اس سفر میں تھے فرمایا کوئی سواری کرائے پر طے کرلو۔اب میرے لئے پیدل چلنا ممکن نہیں۔''

حسب الارشاد ایک گھوڑا کرائے پر لیا گیا۔گھوڑے کا مالک کرایہ کچھ زیادہ مانگتا تھا۔ حضرت نے حکم دیا کہ جو کرایہ وہ مانگے اس کو دے دو۔ حضرت اس گھوڑے پر سوار نہیں ہوئے۔ گھوڑا ساتھ تھا لیکن اس پر کوئی بیٹھا نہیں۔اس شخص کو جس نے گھوڑا کرائے پر دیا تھا۔ یہ خیال آیا کہ جب وہ گھوڑے پر بیٹھے ہی نہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کرایہ کم دیں گے۔اس نے حضرتؒ سے کئی بار گھوڑے پر سوار ہونے کو کہا لیکن وہ سوار نہیں ہوئے۔ حضرت کے ساتھ جو ان کے مرید تھے ان کو یہ بات ناگوار گزری۔انہوں نے جو مزدوری طے ہوئی تھی۔اس گھوڑے کے مالک کو دے دی اور اس سے کہا کہ تم کو مزدوری سے غرض ہے سو میں نے دے دی۔تم بار بار یہ گستاخی کیوں کرتے ہو کہ حضرت کو گھوڑے پر سوار ہونے کو کہتے ہو۔

ایک مقام پر پہنچ کر حضرت گھوڑے پر سوار ہوئے، ابھی تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص راستہ میں کھڑا ہے اور اس شخص کے ساتھ ایک ضعیف عورت ہے جو زار و قطار رو رہی ہے۔اس عورت کو روتا دیکھ کر حضرت وہاں رکے اور اس شخص سے دریافت کیا،''تم اس ویرانے میں کھڑے کس کا انتظار کر رہے ہو؟ یہ عورت کون ہے۔ جو تمہارے ساتھ ہے۔یہ عورت کیوں رو رہی ہے؟''

اس شخص نے عرض کیا،'' یہ ضعیف عورت میری ماں ہے۔ یہ اتنی کم زور ہے کہ اب اس میں آگے چلنے کی ہمت نہیں پیدل چلنا اب اس کے لئے ممکن نہیں۔''

یہ سن کر حضرت گھوڑے سے اترے اور اس ضعیف عورت کو گھوڑے پر سوار کر کے خود پاپیادہ چلنے لگے۔

اس سفر میں حضرت کے ساتھ ایک شخص اور بھی تھا۔اس نے جو دیکھا کہ حضرت نے اپنا گھوڑا ضعیفہ کو دے دیا اور خود پیدل چلے تو حضرت سے اس کی عقیدت میں اور اضافہ ہوا۔اس کے بعد وہ اکثر حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے لگا۔ایک دن حضرت نے اپنے ایک مرید خاص سے دریافت فرمایا،''اب یہ شخص ہمارے پاس اتنا زیادہ کیوں آتا جاتا ہے؟''

اس مرید نے عرض کیا مجھے نہیں معلوم میں نہیں بتا سکتا کہ وہ شخص حضور کی خدمت میں

کیوں زیادہ آتا جاتا ہے۔

ایک دن حضرتؒ کے مرید نے اس شخص سے پوچھا یہ تو بتاؤ کہ ہمارے پاس اس قدر کیوں آتے جاتے ہو اور ہمارے پاس کیوں اٹھتے بیٹھتے ہو۔

اس شخص نے جواب دیا ''تم بڑے خوش قسمت ہو جو ایسے بزرگ کی خدمت میں رہتے ہو۔''

یہ سن کر حضرت کے مرید کو تعجب ہوا اور تعجب کی بات بھی تھی کیونکہ حضرت کے اس مرید نے کبھی اپنے پیرومرشد کے بارے میں اس شخص سے گفتگو نہیں کی تھی چہ جائے کہ ان کی عظمت و بزرگی کے متعلق لب کشائی کرنا۔

اس مرید نے اس شخص سے دریافت کیا، ''آخر تم نے ایسی کون سی بات ان بزرگ میں دیکھی جس کی بنیاد پر تم کہتے ہو کہ خوش قسمت ہوں جو ان کی خدمت میں رہتا ہوں۔''

اس شخص نے مرید کو بتایا، ''تمہارا سردار بہت خوب شخص ہے۔ اس کا درجہ بلند اور اس کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ بات یہ ہے کہ جس دن ان بزرگ نے اس ضعیفہ عورت کو اپنے گھوڑے پر سوار کرایا اور خود پیدل چلے اسی رات کو میں نے ایک خواب دیکھا۔ خواب میں میں نے یہ دیکھا کہ امام عالی مقام حضرت امام حسینؓ کی سواری ہے اور اس سواری کے ساتھ میں نے ان بزرگ کو بھی دیکھا کہ ایک بہت خوبصورت گھوڑے پر سوار تھے اور فرماتے تھے کہ یہ گھوڑا اس کا بدلہ ہے جو ہم نے ضعیفہ کو سوار ہونے کو دیا تھا۔''

نواب میر غازی الدین خاں حضرتؒ کے پاس اکثر حاضر ہوا کرتے تھے اور مسئلہ وحدت الوجود کے بارے میں ان سے بہت کچھ سنا کرتے تھے لیکن اس مسئلہ کے بارے میں ان کے شبہات نے ان کو پریشان کر رکھا تھا۔ حضرت کو بذریعہ کشف ان کی اندرونی کشمکش کا پتہ چلا۔ ایک دن بغیر اطلاع کے حضرت ان کے پاس بہ نفس نفیس تشریف لے گئے۔ نواب صاحب کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی کہ حضرت نے ازراہ شفقت ان کے گھر کو زینت بخشی۔ وہاں پہنچ کر حضرت نے اپنی انگلیاں نواب صاحب کی انگلیوں سے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں سے ان کی دونوں ہتھیلیاں ملائیں اس کے بعد حضرت نواب صاحب کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے۔

نواب صاحب اس کی تاب نہ لا سکے وہ بے ہوش ہو گئے نواب صاحب کا کہنا ہے کہ جب ہوش آیا تو تمام جمادات، نباتات اور حیوانات ایک چیز نظر آنے لگے۔

حضرت جب اورنگ آباد سے دہلی تشریف لا رہے تھے تو راستے میں ایک جگہ انہوں نے مختصر قیام فرمایا۔ اس مختصر قیام کے دوران ان کی بزرگی، عظمت اور کشف و کرامات کا شہرہ ہوا۔ وہاں ایک بڑھیا رہتی تھی اس کی بینائی جاتی رہی تھی۔ اس نے بہت علاج کیا لیکن آنکھوں میں روشنی نہ آئی۔ حضرت کا شہرہ سن کر وہ بڑھیا ان کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرت نے اس بڑھیا سے آنے کی وجہ دریافت فرمایا۔ اس نے اندوہ ناک لہجہ میں عرض کیا، ''حضور میں پریشان حال ہوں مجھے دکھائی نہیں دیتا ہے۔ بہت کچھ علاج کیا لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ اب حضور کی خدمت میں آئی ہوں میری آنکھوں کی روشنی مجھے واپس دلائیں۔''

حضرت اس بڑھیا کی فریاد سن کر اس سے کہنے لگے۔ مائی میرے پاس تو کوئی ایسی دوا نہیں ہے کسی اور کے پاس جاؤ ممکن ہے کہ وہ تمہیں ایسی کوئی دوا دے جس سے تمہاری آنکھوں میں دوبارہ روشنی آ جائے۔''

وہ بڑھیا یہ جواب سن کر مایوس نہیں ہوئی۔ کہنے لگی میں اب اور کہیں نہیں جاؤں گی۔ آپ کے پاس آئی ہوں اور آپ ہی سے اپنی آنکھوں کی روشنی لے کر جاؤں گی۔

حضرت کو اس بڑھیا کی بے قراری اور بے چینی دیکھ کر اس پر رحم آیا۔ انہوں نے اس بڑھیا کو اپنے قریب بلا کر بٹھایا اور پھر اپنا ہاتھ اس بڑھیا کی آنکھوں پر پھیرا۔ ہاتھ کا پھیرنا تھا کہ اسی وقت اس بڑھیا کی آنکھوں میں روشنی آ گئی۔ وہ خوشی خوشی بغیر کسی سہارے کے اپنے گھر واپس چلی گئی۔

حضرت نے ۲۷ رجمادی الثانی ۱۱۹۹ھ کو رات کے آخری حصے میں اس دار فانی سے رحمت یزدانی کی طرف رحلت فرمائی۔ ان کا مزار فیض آباد مہرولی (دہلی) میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

◆◆◆

قلندر مستام

وہ دونوں ایک مدرسے میں پڑھتے تھے۔ ایک دن اُنہیں کسی نے بتایا کہ کل سے راجا کے فیل خانے میں ایک عجیب بوڑھا شخص بیٹھا ہوا ہے۔ وہ نہ کسی سے خود بات کرتا ہے، نہ کسی کی بات سنتا ہے۔ نہ حرکت کرتا ہے اور نہ غذا کے لئے آنکھیں کھولتا ہے۔ دونوں اس امر پر حیرت کا اظہار کرنے لگے اُنہیں یقین نہیں آیا کہ کوئی آدمی اس طرح شب و روز بے حس و حرکت بیٹھ سکتا ہے۔ لڑکوں کے مزاج میں تجسس تھا۔ یہی تجسس مدرسے سے چھٹی کے بعد اُنہیں گھر کے بجائے راجا کے فیل خانے لے گیا۔ اُنھوں نے جو کچھ اپنے کانوں سے سنا تھا، اب آنکھوں سے دیکھا۔ سنی ہوئی بات حرف بحرف سچ تھی۔ اُن کے سامنے چبوترے پر ایک بوڑھا دنیا و مافیہا سے بے خبر آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔ چہرہ روشن، پیشانی کشادہ، بال لمبے اور داڑھی لٹکی ہوئی۔ اُس کی شخصیت ایسی مسحور کن تھی کہ لڑکے وہیں جم کے بیٹھ گئے۔ وہ انتظار میں تھے کہ اُس شخص کی پلکوں میں کبھی تو جنبش ہوگی۔ اُسے پانی کی طلب ہوگی یا وہ کسی اور ضرورت کے لئے اُٹھے گا۔ اسی امید میں لڑکے بیٹھے رہے یہاں تک کہ سورج ڈوبنے لگا اور فیل خانے کے اس سنسان حصے میں اندھیرا پھیلنے لگا۔ اب لڑکوں کو گھر جانے کی فکر لاحق ہوئی مگر وہ بڑی مستقل مزاجی سے بیٹھے رہے۔ اندھیرا بڑھتے بڑھتے سیاہ رات میں ڈھل گیا۔ ایک لڑکے نے دوسرے لڑکے کو کہنی مار کے استغراق سے چونکا دیا اور کہا۔ "کچھ خبر ہے، رات ہوگئی۔ گھر میں سب پریشان ہوں گے، اب چلو۔"

"نہیں بیٹھے رہو، بابا ضرور آنکھیں کھولیں گے۔"

''اور اگر ایسا نہ ہوا تو کیا تم رات بھر یہیں بیٹھے رہو گے'' اُس نے اپنے ہم جماعت کا ہاتھ پکڑ کے اُسے اُٹھایا۔

دوسرا لڑکا وہاں سے جانے کے لئے آمادہ نہیں تھا مگر اپنے ساتھی کے اصرار پر اُسے اُٹھنا پڑا۔ گھر پہنچ کے رات بھر اُس کے خوابوں میں بوڑھے کا چہرہ چھایا رہا۔ وہ پُرسکون چہرہ جو اُس نے اس دنیا میں پہلی بار دیکھا تھا۔ دوسرے دن مدرسے میں بھی وہ فیل خانے میں بیٹھے ہوئے بوڑھے کے تصور میں کھویا رہا اور جب مدرسے کے اختتام کا اعلان ہوا تو وہ اپنے ساتھی کو لے کے دوبارہ فیل خانے کی طرف روانہ ہو گیا۔ بوڑھے کی حالت میں آج بھی سرمو فرق نہیں آیا تھا۔ دونوں لڑکے اُس کے رُوبرُو مودّب بیٹھ گئے۔ کل اُن کے ذہنوں پر حیرانی اور اشتیاق کے احساسات غالب تھے، آج ان احساسات میں احترام کی آمیزش بھی ہو گئی تھی۔ اُنہوں نے کھنکار کے بوڑھے کو اپنی موجودگی کا احساس دلانے کی کوشش کی۔ بوڑھے پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ پھر پہلے لڑکے نے کہا۔ ''السلام علیکم!''

دوسرے نے اُسے فوراً ٹوکا۔ ''کیا ایسی حالت میں سلام مناسب ہے؟''

پہلے نے پھر جسارت کی۔ ''بابا ہم یہاں بیٹھے ہیں'' کوئی جواب نہیں ملا۔

دوسرے لڑکے نے کہا ''بابا! ہم اور لڑکوں کی طرح آپ کا تماشا دیکھنے نہیں آئے ہیں۔''

آخر رات پھر سر پر آ گئی۔ لڑکوں نے مایوس ہو کے گھر جانے کا ارادہ کیا اور اُٹھ گئے۔ تیسرے دن وہ پھر وہاں پہنچ گئے۔ آج بھی وہی ہوا جو پہلے اور دوسرے دن ہوا تھا۔ اس طرح ایک ہفتہ گزر گیا۔ روزانہ جیسے ہی مدرسہ بند ہوتا، لڑکے وہاں پہنچ جاتے۔ اب اُنہوں نے کچھ کہنا بھی ترک کر دیا تھا۔ بس ادب سے ایک طرف سمٹ کے بیٹھ جاتے۔ اسی خاموشی میں ایک مہینہ ہو گیا پھر چھ مہینے گزر گئے۔ یہاں تک کہ ایک سال بیت گیا۔ لڑکے متواتر وہاں حاضری دیتے رہے مگر بوڑھے نے اُن سے کلام نہیں کیا۔ وہ روز یہ توقع لے کر جاتے کہ آج بوڑھا ضرور آنکھیں کھول دے گا لیکن بوڑھے بر گد میں کوئی سرسراہٹ نہیں ہوئی۔ اس کی اس بے اعتنائی کے باوجود لڑکوں کی ہمتیں پست نہیں ہوئیں۔ ایک سال کے دوران میں لڑکوں کی طرح کتنے ہی لوگ بوڑھے کو دیکھنے آئے۔ کسی نے اُس کے قریب پھول رکھے، کسی نے اُس کے پاس جا کے سرگوشی کی، کچھ لوگوں نے روز آنا اپنا وتیرہ بنا لیا لیکن کوئی بھی اُن لڑکوں کی طرح ثابت قدم ثابت نہیں ہوا۔ آخر ایک روز بوڑھے کی مسلسل یخ بستگی سے پہلا لڑکا چھلک پڑا۔ اُس نے اضطراب میں چیخ کے کہا۔ ''بابا اب بہت ہو گیا۔ آنکھیں کھولئے۔ اللہ بھی اپنے بندوں کی بات سن لیتا ہے''

بوڑھے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لڑکا کچھ توقف کے بعد پھر چیخا ''ہم اس طرح کب تک آتے رہیں گے بابا؟ ہم آپ سے ذکر سیکھنے آئے ہیں۔ آج ذکر کی اجازت لئے بغیر نہیں لوٹیں گے۔''

ایک سال بعد بوڑھے کے لب متحرک ہوئے۔ اُس کے جسم میں لرزہ پیدا ہوا۔ اُس نے کئی جھرجھریاں لیں اور آنکھیں کھولیں۔ لڑکوں پر دہشت بیٹھ گئی۔ بوڑھے کی سرخ آنکھیں اُنہیں جلائے دے رہی تھیں۔ یکا یک بوڑھے نے تیزی سے پلکیں جھپکاتے ہوئے تین بار اپنی ران پر ہاتھ مارا اور ایک نعرہ لگایا۔ فیل خانے کے در و بام گونج اُٹھے۔ لڑکوں کے دل دہل گئے۔ بوڑھا پھٹی پھٹی آواز میں چلایا ''جا، اجازت ہے۔''

جس لڑکے نے یہ جسارت کی تھی۔ اُس کی حالت اچانک متغیر ہونے لگی۔ اُس کا چہرہ دوپہر کی دھوپ کی طرح سفید پڑ گیا۔ وہ وہیں پچھاڑیں کھانے لگا۔ بوڑھے نے دوبارہ سکوت اختیار کر لیا تھا۔ دوسرے لڑکے نے خوف زدگی کے عالم میں جیسے تیسے اُسے سہارا دیا اور گھسیٹتا ہوا فیل خانے سے باہر لے آیا۔ باہر آ کے اُسے یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ کوئی شناسا نہ دیکھ لے۔ وہ دونوں چھپ کر یہاں آتے تھے۔ ابھی تک اُن کے استاد مولوی فضل امام کو بھی اس کی خبر نہیں تھی۔ ''اگر مولوی صاحب کو پتہ چل گیا تو کیا ہوگا؟'' وہ اپنے ساتھی کی ہمت بندھاتا ہوا، اُس کا بوجھ سنبھالے آگے بڑھتا رہا۔ اُس کے دوست کا سر اُس کے کندھے پر لڑھک گیا تھا اور ٹانگیں اس طرح سڑک پر جھول رہی تھیں جیسے اُن سے جان کھینچ لی گئی ہو۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک اور قیامت ٹوٹی۔ لرزیدہ لڑکے کے مسامات سے خون ٹپکنے لگا۔ دوسرا لڑکا پہلے ہی سراسیمہ تھا۔ اب اُس کی رہی سہی ہمت بھی جواب دینے لگی۔ مجبوراً اُسے راہگیروں کو اپنی طرف متوجہ کرنا پڑا۔ راہ گیروں کی مدد سے اُس نے اپنے ساتھی کو اُس کے گھر پہنچایا۔ لڑکے کی حالت دیکھ کر گھر میں کہرام مچ گیا۔ اُسی لمحے مولوی فضل امام کو اطلاع بھجوائی گئی اور حکیم کو بلوایا گیا۔ دونوں آگے پیچھے غم زدہ مکان میں داخل ہوئے اور لڑکے کی کیفیت دیکھ کے دنگ رہ گئے۔ حکیم نے کہا ''یہ تو جل رہا ہے۔''

حکیم کی ہدایت پر لڑکے کو گلاب اور کیوڑے کے کٹورے بھر بھر کے پلائے گئے مگر کوئی افاقہ نہیں ہوا بلکہ خون بہنے کے ساتھ ساتھ اس کے منہ سے دل خراش چیخیں بھی بلند ہونے لگیں۔ حکیم نے اپنی معالجانہ زندگی میں پہلے ایسا کوئی مریض نہیں دیکھا تھا۔ اس عجیب وغریب بیماری کی نوعیت کسی کی سمجھ میں نہیں آئی۔ علاج جاری رہا مگر بے سود، ایک گھنٹے بعد دفعتہً لڑکے کی شہ رگ پھٹ گئی۔ اس سے محبت کرنے والوں نے اُس کے مرنے کی دعائیں مانگیں تا کہ وہ اس کرب و

اذیت کی زندگی سے نجات پا جائے۔ لڑکا مر تو گیا مگر اُس کا بے جان جسم لرزتا رہا اور جگہ جگہ سے خون رستا رہا۔ جبکہ سانس کبھی کی بند ہو گئی تھی۔

''کب سے اس کا یہ حال ہوا؟'' مولوی فضل امام نے تاسف سے پوچھا۔

دل شکستہ والد نے اپنے بیٹے کے ساتھی کی طرف اشارہ کر دیا۔ ماتم گساروں کی ساری توجہ اسی کی طرف مرکوز ہو گئی ''کیوں غوث! تم دونوں کہاں گئے تھے، سچ سچ بتاؤ یہ کیا ماجرا ہے؟'' مولوی صاحب نے درشتی سے کہا۔

غوث نے مرتعش لہجے میں اپنے استاد کو ساری روداد سنا دی۔ اُس نے بتایا کہ وہ روز چھپ کے فیل خانے میں بیٹھے ہوئے بوڑھے بابا کے پاس جاتے تھے۔ پورے ایک سال سے جا رہے تھے۔ آج تک کچھ نہیں ہوا تھا مگر آج یہ واقعہ پیش آ گیا۔ اس کہانی پر کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا مگر غوث کے لہجے میں صداقت کی مضبوطی تھی۔ اس لئے سب خاموش رہے۔ فیل خانے کے بوڑھے کی بابت شہر کے ہر شخص نے کچھ نہ کچھ ضرور سنا تھا۔

مرنے والے کو نہلا دھلا کے کفن سے سجا دیا گیا۔ کفن میں بھی اُس کا جسم لرز رہا تھا۔ عزیزوں اور پڑوسیوں کی آہ و بکا میں اضافہ ہو گیا۔ لرزیدہ جنازہ رکھا ہوا تھا۔ اس حالت میں لڑکے کو قبر میں اُتارتے ہوئے سب جھجک رہے تھے۔ آخر مولوی فضل امام نے جنازہ اُٹھانے کا حکم دیا۔ جنازے کا ہیبت زدہ ماتمی جلوس بین کرتا ہوا فیل خانے کی طرف چلا جہاں بوڑھا شخص تمام دنیا سے بے نیاز اپنے آپ میں گم بیٹھا تھا۔ جنازہ اُس کے سامنے لے جا کر رکھ دیا گیا۔ سو گوار سہمے ہوئے چپ کھڑے تھے مولوی فضل امام پہلے تو کچھ دیر سوچتے رہے پھر جرأت کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھے۔ اُنہوں نے یک لخت بوڑھے کا شانہ جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔ بوڑھے کے چہرے پر سلوٹوں کا جال بچھ گیا۔ اُس نے کراہ کے اپنی سرخ آنکھیں کھول دیں۔ وہ جنازے کے ماتم گساروں کو خشمگیں نظروں سے گھورنے لگا۔ پھر جلد ہی وہ اُکتا کے دوبارہ آنکھیں بند کر لینا چاہتا تھا مگر مولوی فضل امام نے آزردگی سے کہا۔ ''میاں ایک بچے پر اتنا غصہ؟ یہ آپ نے کیا کر ڈالا؟''

بوڑھا پلکیں پٹ پٹانے لگا اور گم سا ہو گیا ''ہم کیا کرتے'' دوبارہ کہا ''میاں! یہ آپ نے کیا کر ڈالا؟''

بوڑھے کو غصہ آ گیا۔ اُس نے تلخی سے کہا ہم کیا کرتے، یہ روز آ کے ہمیں ستاتے تھے۔ ہم کب تک تماشا دیکھتے؟ آج ہماری زبان سے بھی ایک بات نکل گئی۔ جا، اب اسے لے جا۔ مٹی

ڈال دے۔"

اس سے پہلے کہ اُکتایا ہوا بوڑھا پھر اپنے سمندر میں ڈوب جاتا، مولوی فضل امام نے تیزی سے کہا، لے جاتا ہوں لیکن اس حالت میں کیسے لے جاؤں؟ خون اور لرزہ تو بند ہو۔"

بوڑھے نے جھنجلا کے کہا "دیوانے ایسے شہیدوں کا خون بھی کہیں بند ہوتا ہے۔ بس اسے لے جا۔" بوڑھا دوبارہ سب سے غافل ہو گیا۔

ناچار مرنے والے کو اسی حالت میں دفن کر دیا گیا۔

کفن دفن کے بعد مولوی فضل امام نے اپنے دوسرے شاگرد غوث کو ساتھ لیا اور دوبارہ بوڑھے شخص کے پاس پہنچا۔ اس بار بوڑھے کا سر جھکا ہوا تھا لیکن وہ اپنے حال میں بدستور مست تھا۔ مولوی صاحب نے چند لمحوں تک توقف کیا۔ پھر سرگوشی کے لہجے میں اُس سے مخاطب ہوئے "میاں! کہیں اس بچے سے بھی ناراض نہ ہو جایئے گا۔"

بوڑھے کا استغراق ٹوٹ گیا۔ اُس نے سر اُٹھا کے دونوں کو باری باری غیر جذباتی انداز میں دیکھا اور بھاری آواز میں کہا۔ "تو پھر اُسے منع کر دو۔ یہ ہمیں نہ چھیڑا کرے۔"

مولوی فضل امام نے غوث کو ہدایت کی کہ وہ آئندہ بوڑھے کے پاس نہ آئے کیونکہ بوڑھا بے آرام ہوتا ہے۔ مولوی صاحب کا خیال تھا کہ غوث اپنے ساتھی کا عبرت انگیز انجام دیکھ کے آئندہ فیل خانے جانے سے خود ہی پرہیز کرے گا۔ بہرحال غوث نے اپنے استاد کو کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ کہے بغیر گھر چلا گیا۔ اُس کے دل و دماغ پر بوڑھے کے جذب و استغراق کا گہرا اثر ہوا تھا۔ اُس کی کشش اتنی تیز تھی کہ غوث بستر پر رات بھر کروٹیں بدلتا رہا۔

لڑکے کا نام سید غوث علی اور بوڑھے شخص کا نام جعفر شاہ تھا۔ جعفر شاہ اپنے زمانے کے ایک باجلال صاحب کرامت بزرگ تھے۔ یہ پٹیالے کا واقعہ ہے۔ غوث کے سامنے اُس کے عزیز ہم جماعت کا ہولناک ماجرا گزر چکا تھا اور اُس کے مربی استاد نے اُس بوڑھے کے پاس نہ جانے کی تاکید کر دی تھی۔ اس کے باوجود سید غوث دوسرے ہی دن وہاں جا پہنچا۔ وہ بوڑھے کے قریب ایک جانب سکڑ کے بیٹھ گیا۔ کوئی جذبہ تھا جو اُسے وہاں لے گیا تھا۔ وہ جذبہ کیا تھا؟ غوث علی اُس جذبے کو کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔ بس اُس کے قدم خود بخود فیل خانے کی طرف اُٹھ جاتے تھے۔ اُس نے وہاں حاضری دینا اپنا معمول بنا لیا۔ وہ بیخودی کے عالم میں بیٹھا جعفر شاہ کو تکتا رہتا۔ شروع شروع میں جعفر شاہ نے اُسے درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ انہوں نے نہ آنکھ کھولی نہ غوث سے کوئی کلام کیا پھر بھی غوث کے استقلال میں کوئی کمی نہیں آئی۔ آخر رفتہ رفتہ

جــــزاک اللہ

ایک مرتبہ سفرِ حج سے واپسی پر ابوجعفر منصور مدینہ منورہ میں کچھ دیر کے لئے ٹھہرا۔ چند شتربانوں نے منصور کے خلاف قاضی مدینہ کی عدالت میں دعویٰ دائر کردیا۔

قاضی نے منصور کو مدعا علیہ کے طور پر عدالت میں طلب کیا۔ جب منصور حاضر عدالت ہوا تو قاضی نے کوئی تعظیم وتکریم نہ کی اور مدعی اور مدعا علیہ سے بالکل مساویانہ سلوک کیا۔ پھر مقدمہ سنا اور مدعی نے چونکہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں قوی شہادت پیش کی تھی اور منصور کا مقدمہ بالکل کمزور تھا۔ لہٰذا قاضی نے اسی وقت فیصلہ شتربانوں کے حق میں اور منصور کے خلاف سنایا۔ منصور کی زبان سے بے ساختہ نکلا: ''جزاک اللہ (اللہ تجھے جزادے)

اور دارالخلافہ واپس پہنچ کر بطور انعام وحوصلہ افزائی دس ہزار دینار قاضی کی خدمت میں بھجوائے۔

جعفر شاہ کا فولاد پگھلنے لگا اور آنکھیں کھول کے دیکھنے لگے۔ اُن کی نگاہ میں شفقت آتی گئی اور وہ نرمی سے پیش آنے لگے۔ اس طرح بتدریج دونوں کے درمیان انس والتفات بڑھتا گیا۔

اُنہی دنوں ایک دفعہ شاہ غلام علی کے خلیفہ پٹیالے آئے، وہ غوث کے مدرسے میں مولوی فضل امام سے ملنے پہنچے اور روح وروحانیت کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے اُن سے پوچھنے لگے ''پٹیالے میں کوئی کامل فقیر بھی ہے؟'' اس سوال سے اُن کا مقصد شاید یہ تھا کہ کیا پٹیالا نوازا نہیں گیا ہے؟ مگر ظاہر ہے کہ پٹیالے کی زمین خالی نہیں رہ سکتی تھی۔

غوث ایک دم اُٹھا۔ اُس نے مودبانہ عرض کیا۔ میرے ساتھ آیئے، میں آپ کو اُن کے پاس لے چلتا ہوں۔''

غوث علی انہیں جعفر شاہ کے پاس لے گیا اور وہاں پہنچتے ہی بلند آواز میں بولا۔ ''میاں! آنکھیں کھولیے، آپ کے لئے ایک شکار لایا ہوں۔''

جعفر شاہ کے ساکت جسم میں بے قراری کی کئی لہریں نمودار ہوئیں۔ اُنہوں نے پلکیں اُٹھا کے دیکھا اور بولے' کیوں رسوا کرتا ہے؟ اچھا بیٹھ جا۔ بیٹھ جا۔''

اجازت پا کے دونوں کچھ مطمئن ہوئے اور بیٹھ گئے۔ جعفر شاہ کے جلال کا اثر کسی قدر دور ہوا۔ وہ آج کچھ اعتدال کی حالت میں تھے اور طبیعت میں کچھ خوشگواری تھی۔ وہ شاہ غلام علی کے خلیفہ سے اُن کا حال پوچھنے لگے۔ گفتگو کے دوران میں خلیفہ نے جھجکتے ہوئے اُن سے کہا۔

"حضرت میرے لطائف جاری نہیں ہوتے کچھ تو فرمائیے"
"کیا کہا؟" جعفر شاہ چونک کے بولے "تمہارے لطائف جاری نہیں ہوتے؟ اچھا ابھی لو۔" وہ اپنے ہاتھ کو چکر پہ چکر دینے لگے۔ اُن کے منہ سے صرف ایک لفظ کی گردان جاری تھی۔ "چل۔ چل۔ چل۔ چل۔"

جعفر شاہ کی گردان سے خلیفہ کی حالت غیر ہوگئی۔ وہ دل تھام کے اچانک لوٹنے لگے۔ غوث علی کا ماتھا ٹھنکا۔ اُس نے چیخ کے فریاد کی۔ "میاں! میاں! کچھ مہمان کا خیال کیجئے۔ کیا انہیں بھی مار ڈالیے گا۔"

غوث علی کی مداخلت پر جعفر شاہ کا ہاتھ رک گیا اور اُن کی گردان بند ہوگئی۔ وہ پر سکون لہجے میں غوث سے کہنے لگے۔ "اچھا کیا، تو نے بروقت یاد دلایا مگر ایک بات گرہ میں باندھ لے۔ یہاں آنا ہے تو ہم سے خطاب مت کیا کر۔ چپ چاپ بیٹھ رہا کر۔"

شاہ غلام علی کے خلیفہ کی حالت بھی معتدل ہوگئی۔ پھر انہوں نے جعفر شاہ کے سامنے ہاتھ جوڑ کے کہا۔ "حق آگاہ! آپ نے بجا ارشاد فرمایا۔ تعلیم کا طریقہ یہی ہے۔ غوث علی سے نادانی ہوئی۔ میں بھی بہک گیا۔" اُس دن کے بعد سے خلیفہ جب تک پٹیالے میں رہے، روز جعفر شاہ کی خدمت میں حاضری دیتے رہے۔ اُن کا معمول تھا کہ ایک گوشے میں ادب سے بیٹھ جاتے اور جب جعفر شاہ کی مرضی ہوتی، اُن سے بات کرتے ورنہ خاموشی سے واپس چلے آتے۔ اس طرح انہوں نے جعفر شاہ سے جذب وسلوک کی خاصی تعلیم حاصل کی اور ایک روز اچانک گریباں چاک کر کے جنگلوں کی طرف نکل گئے۔

غوث علی اور جعفر شاہ کا ارتباط جاری رہا۔ جعفر شاہ عام لوگوں کے لئے مجسم جلال تھے مگر غوث علی کے لئے اُنہوں نے اپنے جمال کے دریچے کھلے رکھے۔

سید غوث علی کے آباؤ اجداد خراسان سے چلے تھے۔ وہ سندھ میں ایک مدت قیام کرنے کے بعد ہندوستان کے کوچے کوچے کا سفر کرتے ہوئے ضلع مونگیر صوبہ بہار میں قیام پذیر ہوگئے۔ اُن کے جدامجد سید ظہور الحسن نے موضع استھاواں کی ایک لڑکی سے نکاح کر لیا۔ سید غوث کا خانوادہ علم وفضل اور طریقت ومعرفت میں دور دور تک مشہور تھا۔ اُس کے والد سید احمد علی اپنے والد کے مرید تھے۔ اُن کی پہلی شادی سترہ سال کی عمر میں ہوئی۔ پھر انہوں نے دوسرا اور تیسرا نکاح کیا۔ ابتداً وہ سرکاری سواروں میں ملازم تھے۔ رفتہ رفتہ رسال دار ہوگئے۔ غوث علی کی ولادت، ۷ر ستمبر ۱۸۰۴ء میں اُن کی دوسری بیوی کے بطن سے ہوئی۔ بعض وجوہ سے غوث علی کو

ماں کا دودھ پلوانا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ یہ خدمت ایک ہندو پنڈتانی کے سپرد ہوئی۔ پنڈتانی کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ چنانچہ اُس نے غوث علی کی پرورش اپنے حقیقی بیٹے کی طرح کی اور اپنی طرف سے اُس کا نام گنگا بشن رکھا۔ غوث کی خوش نصیبی کا زمانہ اُس کے بچپن ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ اُسے اپنی ماں کے علاوہ رضاعی ماں اور سوتیلی ماؤں کی طرف سے بھی بے پناہ شفقتیں ملیں۔ ہر بات کا خیال رکھا جاتا تھا۔ اُس کا خانوادہ دور و نزدیک عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ سید ظہور الحسن سے اُس کے والد تک علم و عرفان کا ایک سلسلہ تھا جو کہیں ٹوٹا نہیں۔ اس کے والد ایک صاحب کرامت بزرگ تھے۔ سلطانی میں درویشی اور درویشی میں سلطانی اُن کا شعار تھا۔ گھر میں ہر وقت اُن لوگوں کا ذکر رہتا تھا، جنھوں نے دنیا ترک کر دی اور عشق میں مر گئے۔

عشق کیا ہے؟ جذب کسے کہتے ہیں؟ سلوک کی کونسی منزل ہے؟ فنا کیا ہے؟ بقا کیا؟ نور کیا؟ تاریکی کیا؟ وجود کیا ہے؟ عدم کیا؟ ثبات کسے کہتے ہیں؟ عقل کا قیام کہاں ہے؟ اُنہی مسائل و مشاغل اور مناظرہ و مباحث میں غوث علی کا بچپن گزرا۔ اُس کے گھر درویشوں کے قافلے آتے اور چند گھڑیاں، چند دن حکمت و نور کے تذکرے کر کے گزر جاتے۔ اس کے باوجود یہ لوگ بستی کے عام لوگوں میں شامل تھے اور انہی میں رہتے تھے۔ وہ کوئی علیحدہ لوگ نہیں تھے۔ اُنھوں نے دنیا میں رہ کے دین کا دامن نہیں چھوڑا اور دین میں رہ کے دنیا سے رابطہ قائم رکھا۔

غوث علی کے بھائی انوار الحسن کا واقعہ ہے۔ غوث اپنی عمر کے ابتدائی دنوں میں انوار الحسن کے ساتھ مکان کے صحن میں کھیل رہا تھا۔ کھیلتے کھیلتے اُسے اپنے سر کے اوپر آہٹ سی محسوس ہوئی۔ اُس نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھا کے دیکھا تو حیرت زدہ رہ گیا۔ آسمان سے زرق برق کپڑوں میں ملبوس سواروں کا ایک دستہ زمین پر اتر رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے وہ زمین پر آ گئے اور ایک سوار نے انوار الحسن کو مخاطب کر کے کہا ''آؤ'' انوار الحسن غوث کو تنہا چھوڑ کے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور گھوڑا اُنہیں لئے ہوئے آسمان کی طرف اُٹھنے لگا۔ چند لمحوں میں انوار الحسن اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ نیلے آسمان پر بادلوں کے بڑے بڑے ٹکڑے تیر رہے تھے اور سواروں کا دستہ انہی بادلوں میں کہیں چھپ گیا تھا۔ غوث علی دم بخود رہ گیا۔ پھر دفعتہً اُسے صورت حال کا احساس ہوا۔ اُس نے تمام تر طاقت سے اپنی ماں کو آواز دی۔ ماں دوڑی ہوئی آئیں تو غوث نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان یہ اضطراب انگیز واقعہ اُنہیں سنایا مگر یہ دیکھ کے غوث کی حیرت کا ٹھکانہ نہ رہا کہ ماں پریشانی کے بجائے مسکرا رہی ہیں۔ ماں نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے شفقت سے کہا ''بیٹا! وہ سیر کو گیا ہے، واپس آ جائے گا اس سے پہلے بھی کئی بار وہاں کا گشت لگا چکا ہے۔ فکر نہ

نعت رسول مقبولؐ

جس پہ نگاہِ لطف و کرم آپ کی رہی
حاصل اُسے حیات میں ہر اک خوشی رہی

معراجِ مصطفٰے یہی پیغام دے گئی
اوّل ہر اک رسول سے ذاتِ نبیؐ رہی

جب تک کہ آپ آئے نہیں تھے زمین پر
تب تک دل و دماغ میں اک بے کلی رہی

کرتے تھے جس کی پیروی فرماں روائے وقت
آقائے دو جہاں میں عجب سادگی رہی

شرمندہ جس کو دیکھ کر شمس و قمر ہوئے
گھر میں حلیمہ دائی کے وہ روشنی رہی

آلامِ روزگار سے بددل نہیں ہوئے
سرکار دو جہاں کے لبوں پر ہنسی رہی

حزن و ملال اُس سے قمر دور ہی رہے
جس کی رسولؐ پاک سے وابستگی رہی

(صلی اللہ علیہ وسلم)

ڈاکٹر قمر رئیس بہرائچی

ھدیٰ اسلامی ڈائجسٹ کی خصوصی اشاعتیں جو دستیاب ہیں

اولیاء اللہ نمبرز
حصہ اول سے حصہ تیرہ تک ہدیہ صرف -/640 روپے، مکمل سیٹ منگانے والوں کے لئے محصول ڈاک -/330 روپے

عہد ساز نقوش اسلام نمبر
اسلام کی روشن تاریخ سے ایمان افروز اور روح پرور واقعات کی تفصیلات۔ ہدیہ۔ -/60 روپے

شیخ عبد القادر جیلانی نمبر ہدیہ -/60 روپے بے مثال دستاویز اور دمیت	**انبیائے کرام نمبر** ہدیہ -/70 روپے حضرت آدمؑ سے نبی آخر الزماں تک	**ازواج مطہرات نمبر** ہدیہ -/50 روپے اہل ایمان کی مائیں یا امہات المومنین کی ایمان افروز داستانیں
قرآنی وظائف نمبر ہدیہ -/60 روپے ایک ہزار کے قریب عمل مع حوالہ جات	**فہم قرآن نمبر** ہدیہ -/60 روپے غار حرا سے نزول قرآن تک	**عظیم قصص القرآن نمبر** ہدیہ -/60 روپے قرآنی قصوں کا مجموعہ
وظائف درود و سلام نمبر ہدیہ -/60 روپے ایک ہزار کے قریب درود و سلام کے وظائف	**جنات و شیاطین نمبر** ہدیہ -/60 روپے جنات و شیاطین سے متعلق جملہ معلومات	**ملائکہ نمبر** ہدیہ -/50 روپے فرشتوں کے بارے میں معلومات سے بھرپور
عظیم جنت الفردوس نمبر ہدیہ -/60 روپے بھرپور جنت کے حسین و جمیل نظارے	**احوال قبور نمبر** ہدیہ -/60 روپے فکر عقبیٰ کے اسباق آغاز موت سے قبر تک	**دیدار نبی نمبر** ہدیہ -/50 روپے خواب میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے ہزاروں پاکیزہ واقعات
اصحاب رسول نمبر ہدیہ -/60 روپے ان ہستیوں کی کہانی جنہوں نے رحمۃ للعالمین کے سائے میں زندگی بسر کی	**امام اعظم نمبر** ہدیہ -/50 روپے جس میں امام اعظمؒ کے بیشمار محاسن و اوصاف تفصیلات کے ساتھ یکجا درج کئے گئے ہیں۔	**دین اور فہم دین نمبر** ہدیہ -/50 روپے دینی زندگی اور عبادت کے بنیادی مسائل قرآن و حدیث کی روشنی میں
فہم حدیث نمبر ہدیہ -/60 روپے ارشادِ گرامی ﷺ کا ایک ایک زریں لفظ جو ظاہری و باطنی زندگیوں کی مکمل فلاح کا باعث ہے	**اعمال روحانی اور دعا نمبر** ہدیہ -/60 روپے حیرت انگیز قرآنی اعمال اور روحانی دعائیں	**محبوب سبحانی شہباز آسمانی نمبر** ہدیہ -/50 روپے ریاضت، ولایت، تصوف اور حقانیت کی امتیازی فضیلت کے حالات و کرامات
فہم سیرت رسول نمبر ہدیہ -/60 روپے سیرت پاک، پیدائش سے وفات تک	**توبہ استغفار نمبر** ہدیہ -/60 روپے سکون کی راہ واپس لانے کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ	**عجائبات اسماء ربانی و اسرار آیات قرآنی نمبر** ہدیہ -/60 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے والوں کے لئے ہر خصوصی نمبر کیلئے محصول ڈاک چالیس (۴۰) روپے ہدیہ کے علاوہ ہے۔

بذریعہ ڈاک منگانے کا پتہ: صدیقی طباعت گھر: 96، چرچ روڈ، بھوگل نئی دہلی۔ 110014

(دستی طور پر 96، مسجد لین (END) بھوگل، نئی دہلی۔ 110014 سے حاصل کریں)

کر، اب تو وہ بڑا ہو گیا ہے۔ شیر خواری کے زمانے میں وہ بارہا اسی طرح غائب ہوا اور پھر بخیر و عافیت واپس آ گیا۔"

مگر ماں کی بات غلط ثابت ہوئی، اس بار وہ واپس نہیں آئے۔ بھائی کی صورت رہ رہ کے غوث کے تصور میں ابھرتی تھی۔ آخر ایک روز اُس نے اپنی ماں سے پوچھ ہی لیا۔ "آپ تو کہتی تھیں کہ بھائی اسی طرح اکثر غائب ہوتے ہیں اور لوٹ آتے ہیں لیکن اس دفعہ تو وہ ابھی تک واپس نہیں لوٹے؟"

ماں نے جواب دیا۔ لوٹا کیوں نہیں۔ "وہ ہر جمعے کی شب یہاں چھپ کے آتا ہے اور مجھ سے مل کے چلا جاتا ہے میں نے گذشتہ جمعے کو اُس سے کہا تھا۔ انوار! کبھی اپنے والد سے بھی مل لیا کر۔ وہ تجھے دیکھنے کے مشتاق رہتے ہیں۔ اُس نے جواب دیا۔ بہت اچھا، حاضر ہوں، بلوا لیجئے، میں نے تیرے والد کو بلوایا۔ وہ انوار سے بولے، میاں! تم نے تو صورت دکھانی بھی چھوڑ دی۔ کہاں رہتے ہو؟ انوار نے یہ سن کے میری اور تیرے والد کی آنکھیں بند کروائیں اور کہا۔ میں آپ کو اپنا مسکن دکھاتا ہوں، لیجئے دیکھئے۔ ہم نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ ہمیں اپنے سامنے ایک دل کشا باغ نظر آیا۔ لبریز نہریں، لہلہاتا ہوا سبزہ، کھلے ہوئے پھول، میوؤں سے لدے ہوئے درخت، خوش الحان اور نغمہ سنج پرندے اور خوبصورت عمارتیں۔ ہم سات روز تک اُس باغ میں گھومتے رہے مگر نہ اس کی ابتدا ملی۔ نہ انتہا اور نہ وہاں انوار نظر آیا۔ ہمیں جب بھوک لگتی میوے کھا لیتے۔ پیاس لگتی تو نہروں سے پانی پی لیتے۔ رات کو جس مکان میں دل چاہتا، سو جاتے۔ آٹھویں دن انوار مسکراتا ہوا ہمارے پاس پہنچا اور بولا۔ "آپ نے دیکھ لیا، میں کہاں رہتا ہوں؟ تیرے والد نے کہا۔ ہاں دیکھ لیا مگر تم ہمیں چھوڑ کے کہاں چلے گئے تھے؟ بیٹا ہم آدمیوں میں رہنے کے عادی ہیں۔ یہاں تنہائی میں ہمارا دل نہیں لگا۔ بھلا گھر والے کیا سوچ رہے ہوں گے۔ بہتر ہو گا کہ تم ہمیں جہاں سے لائے ہو، وہیں پہنچا دو" انوار نے کہا "اچھا آنکھیں بند کیجئے۔ ہم نے پہلے کی طرح آنکھیں بند کر کے دوبارہ کھولیں اب ہم اپنے گھر میں موجود تھے۔ وہی تاریخ وہی وقت تھا۔"

غوث علی کے بھائی انوار الحسن ابدال کے زمرے میں شمار کیے جاتے تھے۔ اُن کے کشف و کرامات کے صدہا واقعات مشہور ہیں۔

یہ تھا وہ ماحول جہاں غوث علی نے آنکھ کھولی۔ اُس کے بچپن ہی میں ایسے واقعات پیش آئے جو آدمی کو سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ جہاں قلندروں کا اجتماع ہو اور آدمی دنیا

کی بقدر دنیا پروا کرتا ہو۔ وہاں غوث علی کیسے پیچھے رہتا۔

اُس کی عمر چار برس چار مہینے کی تھی کہ ماں نے اُسے بسم اللہ پڑھوائی اور کلام پاک شروع کرادیا۔ ساتھ ساتھ غوث نے اپنی رضاعی ماں کے شوہر پنڈت رام سینی سے شاستر کا آغاز کیا۔ اُس نے صرف دس برس کی عمر میں نصف قرآن حفظ کرلیا اور نصف ناظرہ پڑھ لیا۔ غوث کی طبیعت میں تلاش و جستجو کا جوہر بہت زیادہ تھا۔ فارسی کا سکندر نامہ اُس نے اپنی بڑی والدہ سے پڑھا اور سنسکرت کی تعلیم پنڈت رام سینی سے حاصل کی۔ عربی صرف ونحو بڑے نانا سے سیکھی۔

علم وآگہی کی ابتدا کا زمانہ تھا کہ ایک دن غوث کے والد اُسے حاجی لعل نامی ایک بزرگ کے پاس لے گئے۔ حاجی لعل نے جیسے ہی اُسے دیکھا، تعظیماً سروقد کھڑے ہوگئے پھر انہوں نے اُسے تپاک سے اپنے پاس بٹھایا اور عجز وانکسار سے کہا۔ ''میاں! ہم بہت دنوں سے آپ کے منتظر تھے۔ اچھا ہوا کہ آپ آگئے، ہمارے پاس آپ کے لئے ایک امانت رکھی ہے، وہ لے لیجئے۔''

اُس وقت خصوصی محفل جمی ہوئی تھی۔ دروازہ بند تھا۔ خوش الحان قوال غزل سرا تھے۔ قوالی کے دوران میں حاجی لعل کو جوش آگیا۔ اسی عالم میں انھوں نے غوث کی طرف متوجہ ہو کے اتقا کیا۔ غوث پر بیخودی اور بیہوشی طاری ہوگئی۔ اُسے تن بدن کی خبر نہ رہی۔ محفل میں غوث علی کے نانا بھی موجود تھے۔ غوث کے نانا نے خفا ہو کے حاجی لعل سے کہا۔ ''حاجی بھیا! اس کمسن بچے پر ایسی سخت نظر؟''

اس سے پہلے کہ حاجی لعل کوئی جواب دیتے، غوث علی کے والد نے مداخلت کی ''حضرت! یہ شکر کا موقع ہے، شکایت کا نہیں۔ حاجی صاحب کی توجہ بے سبب نہیں ہے۔''

غوث کے والد اُسے بے ہوشی میں اُٹھا کے گھر لے آئے، غوث مسلسل آٹھ دن تک اسی کیفیت سے دوچار رہا۔ نویں دن کہیں اُسے ہوش آیا۔ آٹھ دن کی بے خبری نے اُس کے لئے باخبری کے بے شمار دروازے کھول دیئے تھے۔ اس کے بعد سے اُس پر کسی بزرگ کی توجہ نے اثر نہیں کیا اور اگر اثر کیا بھی تو اس پر بے خودی طاری نہیں ہوئی۔

غوث نے ایک طرف اصفیا سے فیضان حاصل کیا دوسری طرف ایک سنیاسی سے جڑ تالی کی مشق بھی کی۔ اس شغل میں ظاہری حواس مفقود ہوجاتے ہیں اور روح دماغ میں سمٹ آتی ہے۔ آدمی جس خیال میں بیٹھا ہو، اُسی خیال میں بیٹھا رہتا ہے۔ ایک روز جڑ تالی کی مشق ختم کرکے غوث علی کو خیال آیا کہ دیکھیں، کسی دوسرے پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے یا نہیں۔ اُس نے وہی

مشق اپنے ایک بھائی کو کروائی۔ مشق کا عجیب ردعمل ہوا۔ اُس کا بھائی بے ہوش ہو کے مردوں کی طرح گر پڑا۔ غوث کو مشق کا اثر زائل کرنا نہیں آتا تھا۔ اُسے یہ فکر لاحق ہوئی کہ اب بیہوش بھائی کا کیا علاج کیا جائے۔ ماں کو اطلاع ملی تو وہ گھبرائی ہوئی آئیں اور افسوس سے بولیں۔ ''ایک تو گیا ہی تھا۔ اب دوسرا بھی چلا۔ غوث! لوگ یہ سمجھیں گے کہ تو نے بھائی کو مار ڈالا'' انہوں نے چند لمحوں تک کچھ سوچا۔ پھر دہی کا ایک پیالہ لا کے بے ہوش لڑکے کے سامنے گرا دیا۔ دوسرے لوگ بھی وہاں جمع ہونے لگے۔ جو بھی آ کے اُن سے اس سلسلے میں کچھ پوچھتا، وہ کہہ دیتیں۔ ''نہ جانے کیا ہو گیا۔ اس نے دہی کھا کے قے کر دی ہے'' غوث گھبرا کے سنیاسی کے پاس پہنچا اور اُسے پورا ماجرا سنایا۔ سنیاسی نے سرزنش کرتے ہوئے کہا ''کیا یہ عمل تمہیں اس لئے سکھایا گیا تھا کہ تم دوسروں کو تماشا بناؤ؟'' وہ غوث کے ساتھ فوراً بے ہوش لڑکے کے پاس پہنچا۔ اُس نے لڑکے کے سر پر مشکیں چھڑوائیں، تیسری مشک پر لڑکے کو ہوش آ گیا۔ وہ اُٹھ بیٹھا۔ لوگ مطمئن ہو گئے۔ غوث نے اُس سے بیہوشی کے دوران کی کیفیت پوچھی۔ اُس نے بتایا ''میں پکار پکار کے تم سب سے کہہ رہا تھا کہ گھبراؤ نہیں، میں زندہ ہوں اور کنوئیں میں پڑا ہوں مجھے نکالو۔''

انہی دنوں غوث کا ہم عمر ایک ہندو لڑکا اکثر دریا کے کنارے جا کے کوئی منتر پڑھتا تھا۔ ایک روز غوث بھی اُس کے ساتھ گیا اور غور سے لڑکے کا عمل دیکھتا رہا۔ لڑکے نے چاول وغیرہ پکائے، بھینٹ دی، پوجا کی، پھر منتر پڑھ کے واپسی کے لئے تیار ہو گیا۔ غوث نے اُس سے پوچھا ''تو نے جو منتر پڑھا ہے، اس کا کوئی کرشمہ بھی دکھا سکتا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا ''ہاں کیوں نہیں'' اس نے ایک کنکر اُٹھایا۔ منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر پھونکا اور اسے ایک درخت پہ دے مارا۔ درخت میں دیکھتے ہی دیکھتے اوپر سے نیچے تک آگ لگ گئی اور وہ جل کر سیاہ ہو گیا۔ غوث نے لڑکے سے کہا ''اچھا تو اب ایک کنکر پڑھ کے مجھے مار'' لڑکے نے بہت انکار کیا مگر غوث کی ضد پر اُسے مجبور ہونا پڑا۔ آخر کار اُس نے کہا چلو ہوشیار ہو جاؤ۔ غوث نے پیر ان پیر شیخ عبدالقادر کا نام لے کر اپنے گرد ایک حصار کھینچ لیا۔ لڑکے نے پہلا کنکر مارا۔ کچھ نہیں ہوا۔ دوسرا کنکر مارا، کچھ نہیں ہوا۔ اسی طرح اس کا تیسرا کنکر بھی ضائع گیا۔ غوث نے سوچا کہ یہ بھروسہ کرنا اور سہارا لینا مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ وہ حصار توڑ کے باہر نکل آیا۔ اُس نے لڑکے سے کہا ''اب پھینک کنکر'' لڑکا اپنے تین کنکروں کی ناکامی سے جھلایا ہوا تھا۔ اُس نے چوتھا کنکر اُٹھایا اور غصے سے غوث کی طرف پھینکا۔ اس بار کنکر غوث کے سینے پر لٹھ کی طرح پڑا لیکن دوسرے ہی لمحے اُلٹ کے اُنتا اُچٹ کر لڑکے کی پیشانی پر لگ گیا۔ لڑکا اوندھے منہ گرا۔ اُس کی پیشانی

سے خون جاری ہوگیا۔ غوث بے حد سراسیمہ ہوا۔ اُس نے دوڑ کے لڑکے کے باپ کو اس واقعے کی اطلاع دی۔ لڑکے کا باپ اسے اُٹھا کے غوث کے نانا کے پاس لے گیا اور اُن سے فریاد کرنے لگا۔ غوث کے نانا نے غوث کو دو تین طمانچے مارے۔ اُس وقت وہ دس بارہ برس کا تھا۔ اُس کے نانا نے کہا ''غوث! کیا شیخ عبدالقادر تیرے لئے دور بین لگائے بیٹھے ہیں یا ہر وقت تیرے ساتھ لگے رہتے ہیں۔ خبردار جو تو نے آئندہ کوئی ایسا قدم اُٹھایا۔ اگر یہ مر جاتا تو؟'' لڑکے کے زخم مندمل ہونے میں کئی دن لگ گئے۔

غوث علی کا تجسس اس قدر شدید ہوگیا تھا کہ گھر والوں نے اسے احتیاط کی تلقین کرنی شروع کر دی تھی لیکن غوث کا تجسس کم نہیں ہوا۔ اُسی زمانہ کا ذکر ہے۔ غوث ایک روز ''کافیہ'' کا سبق پڑھ کر گھر لوٹ رہا تھا۔ راستے میں ایک فقیر نے اُسے روک لیا اور کسی تمہید کے بغیر اُس کے سبق وغیرہ کی کیفیت پوچھنے لگا۔ غوث نے سعادتمندی سے جوابات دیئے۔ فقیر بہت خوش ہوا۔ اُس نے غوث کو ایک آیت بتا کر کہا ''فرزند! اُسے گیارہ دن تک پڑھنا۔ رات کے وقت حصار کھینچ کے اکیلے بیٹھ جانا اور آیت پڑھتے وقت چراغ کی لو دیکھتے رہنا''۔ فقیر کی اس برجستہ مہربانی نے غوث پر گہرا اثر کیا۔ اُس نے اسی روز سے اس کی ہدایت پر عمل شروع کر دیا۔ پہلی رات تو کوئی بات ظہور میں نہیں آئی۔ دوسری رات اسے چراغ کی لو پر جھینگوں کے برابر دو شیر لڑتے ہوئے نظر آئے۔ تیسری رات چوہوں کے برابر شیر لڑتے ہوئے نظر آئے۔ چوتھی رات شیر بلیوں کے برابر ہوگئے اور پانچویں رات وہ کچھ اور بڑھ کر کتوں کے برابر ہوگئے۔ ساتھ ہی چراغ گل ہوگیا اور کوٹھری کا دروازہ کھل گیا۔ غوث پر دہشت طاری ہوگئی اور خوف کے عالم میں وہ اپنی بڑی والدہ کی آغوش میں جا چھپا۔ اُسی وقت اُسے بخار چڑھ گیا اور گرد و پیش کا قطعی ہوش نہ رہا۔ صبح آیت بتانے والا فقیر آیا تو وہ بہت ناراض تھا۔ اُس نے غصے میں غوث سے کہا ''نادان! تو نے سارا عمل اکارت کر دیا'' غوث کے نانا وہاں موجود تھے۔ انہوں نے فقیر سے کہا ''شاہ جی! آپ ناحق ناراض ہو رہے ہیں۔ اگر آپ کو اس سے عمل کروانا ہی تھا تو آپ خود بھی اس کے ساتھ بیٹھتے۔ بھلا یہ عمر اور ایسا جلالی عمل؟''

فقیر کچھ نادم ہوا اور اُس نے غوث سے کہا ''آ، اب میں تجھے ایک چیز بے مشقت دیتا ہوں'' وہ غوث کو الگ لے گیا۔ اُس نے اُسے ایک فارسی قطعہ یاد کروا کے کہا ''اسے سوتے وقت تین بار پڑھ لیا کر۔ صبح تجھے ایک روپیہ مل جایا کرے گا'' غوث نے سوتے وقت وہ قطعہ پڑھ لیا۔ دوسری صبح فقیر کی پیشگوئی کے مطابق اُسے روپیہ مل گیا۔ غوث نے روپیہ اپنی ماں کے حوالے

طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة

کردیا۔ دوسری اور تیسری صبح بھی یہی ہوا۔ اب ماں کو تشویش ہوئی۔ انہوں نے غوث سے پوچھا "ارے بیٹا! تو روز یہ ایک روپیہ کہاں سے لے آتا ہے؟" غوث نے سارا ماجرا سنایا۔ اُس زمانے میں ایک روپے کی بڑی قیمت ہوتی تھی۔ ماں نے بیٹے کے ہاتھ کو بوسہ دے کر اس سے فقیر کا یاد کروایا ہوا قطعہ سنا اور خود بھی اُسے پڑھنے کی اجازت طلب کی۔ غوث کو کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ اُس نے فراخدالی سے اجازت دے دی۔ اس طرح اُس کی ماں کو بھی روز ایک روپیہ ملنے لگا۔ پھر ایک دن اُس کی ماں نے اُس کے والد کی موجودگی میں اُس سے کہا "بیٹے! تم اپنے باپ کو بھی روپیہ حاصل کرنے کی اجازت کیوں نہیں دیتے؟" غوث کے والد نے کانوں کی لویں چھو کے نفی میں سر ہلایا اور کہا "میں سمجھتا ہوں، اس سے قطعے کی تاثیر جاتی رہے گی" غوث کی والدہ نے دلیل پیش کی "مگر روپے کی یہ طلب حرص و طمع کے باعث نہیں، برکت کے حصول کے لئے ہے۔" انہوں نے غوث کو اشارہ کیا۔ غوث نے اپنے والد کو بھی قطعہ پڑھنے کی اجازت دے دی۔ اُس کے والد نے رات کو سوتے وقت وہ قطعہ پڑھا مگر اس بار وہ بے تاثیر ثابت ہوا۔ کسی کو کچھ نہیں ملا۔ تینوں بہت شرمندہ اور پریشان ہوئے۔

پھر یہ معاملہ غوث کے دادا کے سامنے پہنچا۔ اُنہوں نے پوتے کے سر پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔ "ہم تو باور کر رہے تھے کہ تم نے فقر کی راہ میں کوئی کمال حاصل کیا ہوگا مگر میاں! یہ تم نے کون سی بڑی بات سیکھی ہے" غوث آزردہ ہوگیا۔ دادا سے اُس کی آزردگی برداشت نہ ہوسکی۔

انہوں نے اُسے سینے سے لگالیا اور کہا ''اچھا ہم ایک ایسا عمل بتاتے ہیں جس سے تمہیں ایک روپے کے بجائے پانچ روپے روز ملنے لگیں گے'' اُنہوں نے اُسے ایک شعر سنایا۔ غوث نے وہ شعر ازبر کرلیا۔ رات آئی تو اُس نے قطعے کی طرح اس بار دادا کا شعر پڑھا اور سو گیا۔ اُس کے دادا کی بات سچ نکلی۔ دوسری صبح اُسے پانچ روپے مل گئے۔ غوث نے یہ عمل دو روز کیا تیسرے روز اُس کے دادا نے اُس سے کہا ''یہ وہ عمل ہے کہ اگر تم روزانہ ہزاروں آدمیوں کو بھی سکھاؤ گے تو اس کی تاثیر یہی رہے گی'' پھر اُنہوں نے اُسے یک مشت پچاس روپے حاصل کرنے کا عمل بتایا۔ تجربہ کرنے پر یہ عمل بھی گذشتہ دو عملوں کی طرح کامیاب رہا۔ غوث کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ اُسے اکٹھے پچاس روپے حاصل ہوئے۔ وہ دوڑ کر اپنے دادا کے پاس پہنچا۔ اُس نے روپے اُن کے قدموں میں ڈال دیئے، دادا آب دیدہ ہو گئے اور انہوں نے غوث کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کے کہا ''بیٹا فقیر کے لئے محض جو کی روٹی بہت ہوتی ہے۔ فقیری تسلیم و رضا کا نام ہے، حرص و آز کا نہیں۔''

دادا کی بات میں ایسا اثر تھا کہ غوث نے دوبارہ یہ عمل نہیں کیا۔ اور روپے پیسے سے اس کا جی اُکتا گیا۔

فقیری ایک بھٹی ہے، جس میں تپ کر آدمی کندن بن کر نکلتا ہے۔ ایک تو غوث کا اپنا ذہن رسا، دوسرے امتحان پر امتحان۔ جو منزلیں برسوں کی ریاضت کے بعد بھی سر نہیں ہوتیں، غوث نے اُن کا ذائقہ بچپن ہی میں چکھ لیا۔ اُس کا بچپن چھلنی کے مانند تھا۔ جس میں غوث علی چھن رہا تھا۔ جب اُس کے والد دلی گئے تو اُنھوں نے اُسے اپنے پاس بلا لیا۔ دلی میں اُسے مولوی اسماعیل کا فیض ملا۔ اُس نے اُن سے کافیہ کا ایک سبق سیکھا اور شاہ عبدالعزیز سے حدیث پڑھی۔ باقی کتابیں مولوی فضل امام نے اُس کے جزو ذہن کیں۔ یہاں منطق، علم کلام، فلسفہ اور مختلف دینی کتابوں سے غوث علی سنورتا سجتا رہا۔

ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد خاندانی دستور کے مطابق غوث علی نے سب سے پہلے اپنے والد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ پھر اُس کے والد اُسے وقتاً فوقتاً مختلف اولیا سے بیعت کراتے رہے۔ اس کا نسبی سلسلہ سترہ واسطوں سے پیر پیراں غوثِ اعظم سے جا ملتا ہے اور تیس واسطوں سے رسولِ اکرم تک پہنچتا ہے۔ غوث علی کو اُس کے والد نے میر اعظم علی قادری سے بھی بیعت کروایا تھا۔ غوث سے میر اعظم علی قادری کی محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ اسے اپنی آنکھوں سے ایک پل کے لئے بھی دُور رکھنا گوارا نہیں کرتے تھے۔

اُس زمانے میں امیر الدین چشتی ایک صاحب کشف بزرگ گزرے ہیں۔ غوث علی اکثر اُن کی خدمت میں جاتا تھا۔ ایک بار جذب کے عالم میں اُنھوں نے غوث کی طرف بھرپور نگاہ ڈالی لیکن غوث علی پر اُن کی توجہ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ بزرگ نے حیرانی سے کہا ''سید بچے! تیرا حوصلہ تو رشک کے قابل ہے۔ یقین کر، اگر اس وقت لوہے کا ستون بھی ہوتا تو میری توجہ سے ریزہ ریزہ ہو جاتا مگر تجھے جنبش تک نہیں ہوئی۔ تو تو ابھی سے بلانوش مے کش معلوم ہوتا ہے۔ تیرا پردہ کھلا ہوا ہے۔'' امیر الدین شاہ کی توجہ نے بظاہر کوئی اثر نہیں کیا تھا مگر اُس نگاہ سے غوث کا قلب آئینہ ہو گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ پانچ سو کوس کی ہر چیز اُس کی نگاہ کی زد پر رہنے لگی۔ امیر الدین شاہ نے اُسے ایک دوا بھی عطا کی تھی جس کا اثر اٹھارہ برس تک برقرار رہا۔

وہ میرٹھ میں مقیم تھا اور لباس کی حالت نہایت خستہ ہو چکی تھی۔ نیا لباس سلوانے کے لئے پیسے نہیں تھے چنانچہ اُس نے چھوٹے بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا۔ پڑھانے کے معاوضے میں جب اتنی رقم آ گئی کہ لباس بن سکے تو اس نے پڑھانا ترک کر دیا۔ مولوی حبیب اللہ کی تربیت سے غوث کی طبیعت میں حیرت انگیز انقلاب آیا۔ اُس نے اُن سے تمام نقشبندی سلوک طے کیے۔ اس طرح جب لطائف دوائر اور انوار کی سیر ہو چکی تو مولوی حبیب اللہ نے اُس سے کہا۔ ''جاؤ سید! اب تم فارغ التحصیل ہو۔''

غوث نے ادب سے کہا۔ ''قبلہ! خادم نے آپ کی توجہ سے لطائف و دوائر کا تماشا تو خوب دیکھا لیکن گستاخی معاف، خدا کا پتہ نہ کسی دائرے میں ملا نہ کسی لطیفے میں۔''

استاد کو اس وقت یہ بات بہت ناگوار گزری مگر رات کو اُنہوں نے غور و فکر کیا تو غوث علی کی صداقت کے قائل ہو گئے۔ وہ ایک دانا اور منصف آدمی تھے۔ صبح اُنہوں نے شاگرد سے کہا۔ ''سید تم نے سچ کہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا کسی دائرے اور کسی لطیفے میں مقید نہیں ہے۔ آفریں ہو تم پر کہ تم نے ہمیں یہ بات بجھائی ہمارے پاس اب تک صدہا طالب علم آئے ہوں گے مگر کسی نے اس سوجھ بوجھ کا ثبوت نہیں دیا۔ مولوی حبیب نے غوث کو دلی لے جا کے شاہ ابو سعید سے ملوایا۔ شاہ ابو سعید نے نو وارد کو اشتیاق سے دیکھا اور اس پر کامل توجہ مرکوز کر دی مگر غوث پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ بہت حیران ہوئے۔ پھر مولوی حبیب نے شاہ ابو سعید کے سامنے غوث کا حال بیان کیا۔ اور اُس کا بیان کیا ہوا نکتہ دہرایا۔ شاہ صاحب چونک پڑے۔ انہوں نے غوث سے کہا۔ ''صاحبزادے! ہم تک بزرگوں سے جو کچھ پہنچا تھا۔ وہ ہم نے تمہیں منتقل کر دیا۔ اگر تمہارا حوصلہ فراخ اور طلب غالب ہے تو اب کہیں اور جا کے جستجو کرو۔''

شاہ ابوسعید کی یہ بات غوث کے دل کو لگی۔اب وہ بلوغ کی سرحد میں قدم رکھ چکے تھے۔ اُن کا قد بلند ہوگیا تھا۔اعضا متناسب، رنگ سرخ وسپید، پیشانی کشادہ اور ابرو کشیدہ۔ سینہ چوڑا، داڑھی سیاہ اور بھری ہوئی۔ دانت شفاف اور متفرق۔ اُن پر جس کی نظر پڑتی، وہ اُنہیں دیکھتا ہی رہ جاتا۔شاہ ابوسعید کی بات ہفتوں اُن کے ذہن میں گردش کرتی رہی اور پھر اُن کے قدم گردش میں آ گئے۔ وہ حق کی جستجو میں گھر سے نکل گئے۔ اُنہوں نے تقریباً ربع صدی کی طویل مدت سیر و سیاحت میں گزار دی۔ وہ فقرا اور صوفیا کی تلاش میں یا اُن کے مزارات دیکھنے کی دھن میں لمبے لمبے سفر کرتے رہے۔

جب وہ پہلی بار کلیر گئے تو حضرت صابر کلیریؒ کی درگاہ میں اُن کا ایک سال تک قیام رہا۔ یہاں انہیں صابر کلیریؒ کا مکمل تلطف حاصل ہوا۔ ایک بار وہ دو وقت کے فاقے سے تھے۔ نقاہت و ناتوانی نے اُن کی یکسوئی سلب کر لی تھی۔ تنگ آ کر وہ صابر کلیریؒ کے مزار پر پہنچے اور ناز کے ساتھ اُن سے گویا ہوئے۔ ''حضرت! آپ نے خود تو عمر بھر گولریاں کھائیں، ہمیں کیا بھوکا ماریئے گا؟'' یہ کہہ کے وہ چلے آئے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ ایک خادم اُن کے پاس آیا۔ اُس نے اُن سے بہت معذرت کی اور ادب سے اُن کے سامنے کھانے کا خوان رکھ کے چلا گیا۔ سید غوث کے ہونٹوں پہ تبسم پھیل گیا۔

ایک بار درگاہ کے تمام خدام شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے عرس میں گئے ہوئے تھے۔ خانقاہ میں سید غوث اور ایک مجذوب کافر شاہ کے سوا کوئی نہیں تھا۔ کافر شاہ کی طبیعت ناساز تھی۔ انھوں نے اچانک سید غوث سے کہا۔ ''بھیا! اب میرا وقت آ گیا ہے تمہیں تکلیف تو ہوگی۔ میرے کپڑے تالاب سے دھلا دو اور مجھے نہلا دو میں جا رہا ہوں۔'' سید غوث نے خندہ پیشانی سے اُن کے کپڑے دھوئے اور انھیں اچھی طرح نہلا دیا۔ کافر شاہ چادر تان کے لیٹ گئے۔ اسی حالت میں اُن کا انتقال ہو گیا۔ سید غوث اُن کی میت کے پاس خاموش بیٹھے رہے۔ اُس زمانے میں خانقاہ کے آس پاس گھنا جنگل تھا۔ آدھی رات کا وقت ہوا تو سید غوث کو خیال آیا، میت تنہا چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ دوسری طرف میت کی مسلسل حفاظت کے باعث اُن کی نماز قضا ہو رہی تھی۔ وہ سخت متفکر تھے کیا کریں اور کیسے اُٹھیں؟ ابھی وہ یہ سوچ رہے تھے کہ اچانک متوفی کافر شاہ ہڑ بڑا کے اُٹھ بیٹھے۔ سید غوث سمجھے، شاید ان کی لاش میں بدروح حلول کر گئی ہے چنانچہ انہوں نے ڈنڈا سنبھالا اور کافر شاہ پر جھپٹے۔ کافر شاہ گھبرا کے چلائے۔ ''ہیں ہیں سید! یہ کیا کر رہے ہو! بھائی! میں کافر شاہ ہوں۔ تم نماز قضا ہونے کی وجہ سے متردد تھے نا اس لئے حضور

نے مجھے کچھ وقت کے لئے دوبارہ بھیج دیا ہے تاکہ تم اطمینان سے نماز ادا کر سکو۔ اب میں دن چڑھنے کے بعد سفر پر جاؤں گا۔ جاؤ، تم بے فکری سے نماز پڑھ سکتے ہو۔" سید غوث نے ڈنڈا رکھ دیا اور کافر شاہ سے تین سوالات کئے "(۱) آپ کون ہیں؟ (۲) آپ کو فیض کہاں سے حاصل ہوا؟ (۳) موت کے بعد آپ پر کیا گزری!" کافر شاہ نے جواب دیا "(۱) میں ایک تیموری شہزادہ ہوں (۲) مجھے باطنی فیض مخدوم صابر کی پرفتوح روح سے حاصل ہوا ہے (۴) موت کے بعد کا حال ناگفتنی ہے۔ اب تم جاؤ، نماز پڑھو، تمہیں دیر ہو رہی ہے مگر دیکھو اشراق پڑھ کے جلدی چلے آنا۔ سید غوث نے نماز ادا کی اور دوبارہ کافر شاہ کے پاس پہنچ گئے۔ کافر شاہ نے اُن سے کہا تم میرے کفن دفن کے سلسلے میں فکر مند نہ ہونا۔ جلد ہی مولوی قلندر جلال آبادی اور دو طالب علم آنے والے ہیں۔ وہ دو چادریں لا رہے ہیں۔ اُن میں میری بھی ایک چادر شامل کر کے مجھے لپیٹ دینا اور حضرت کے پائنتی دفن کروانا۔ اچھا، اب میں چلا میرے انگوٹھوں سے جان نکل چکی ہے۔ خدا حافظ۔" وہ رخصت ہو گئے۔ کچھ دیر میں مولوی قلندر جلال آبادی اور دو طالب علم وہاں پہنچ گئے۔ کافر شاہ کو اُن کی وصیت کے مطابق دفن کر دیا گیا۔ سید غوث نے کئی دن مولوی قلندر جلال آبادی کے ساتھ گزارے اور اُن سے مولانائے روم کی مثنوی بالاستیعاب پڑھی۔

اُن دنوں غلام فرید نامی ایک پیر اپنے مریدوں کے ساتھ کلیر آئے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے اپنے ہر مرید کو ایک ایک خدمت سپرد کر رکھی تھی۔ ایک مرید کے ذمّے گھوڑے کی گھاس فراہم کرنے کا کام تھا۔ اتفاق سے اسے شدید بخار آ گیا بخار کے باعث وہ اپنی ذمّے داری پوری نہیں کر سکا۔ اس بات پر اُس کے پیر اُس سے ناراض ہو گئے۔ وہ غصے سے بولے "جا ہم نے تجھے مردود کیا اور اپنے چودہ خانوادوں سے باہر نکال دیا۔"

مُریدنے بہت معافیاں مانگیں، توبہ کی لیکن پیر کا دل نہ پسیجا۔ آخر وہ روتا ہوا سید غوث کے پاس پہنچا اور اس سلسلے میں اُن سے فریاد کناں ہوا۔ "حضرت غضب ہو گیا۔ میرا کہیں ٹھکانا نہیں رہا۔ دین بھی گیا۔ دنیا بھی گئی" سید غوث نے اُسے دلاسا دیا اور کہا۔ "نادان! روتا کیوں ہے، تیرے پیر کو تو صرف چودہ خاندان یاد تھے ہمیں چھتیس یاد ہیں۔ آہم تجھے پندرھویں خاندان میں داخل کرتے ہیں۔" اُنھوں نے اُسے مرید بنالیا پھر کہا۔ "تو اپنے پیر کے پاس جا اور اُن سے یہ پوچھ کہ جب آپ نے مجھے چودہ خاندانوں میں داخل کیا تھا تو میں کہاں کا وزیر یا بادشاہ یا ولی ہو گیا تھا؟ اور اب آپ نے جو نکال دیا ہے تو مجھ میں کیا کمی آ گئی ہے اور میرے پاس سے کیا چھن گیا؟ میں جیسا اس وقت تھا، ویسا ہی اب ہوں۔ البتہ آپ کے نکالنے سے ایک فائدہ ہوا

حضرت شیخ نظام انسپتھی قدس سرہ'

ہندوستان کے مشائخ کبار سے ہیں۔آبا ؤ اجداد قصبہ انسپتھی کے رہنے والے تھے جو لکھنؤ کے مضافات میں ایک قصبہ ہے۔شیخ معروف جونپوری کے مرید ہیں۔شیخ معروف شیخ الہدایہ وشارح کافیہ وہدایہ کے مرید۔آپ کا سلسلہ چند واسطوں سے شیخ نور قطب عالم تک پہنچتا ہے جو بنگالہ میں آسودہ ہیں۔آپ نے بڑے بڑے مجاہدے کیے،صاحب کشف و کرامات تھے،سماع سے احتراز کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اختلاف میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔

آپ کی وفات ۹۷۹ھ کو ہوئی۔قبر قصبہ انسپتھی میں ہے۔

ہے کہ میں گھاس کے بوجھ سے سبک دوش ہو گیا۔اگر وہ تجھ سے پوچھیں کہ یہ بات تجھے کہاں سے سوجھی تو کہنا کہ اب میں پندرھویں خاندان میں داخل ہو گیا ہوں اور ابھی تو ابتداء ہے۔''

میاں غلام فرید کے مُرید نے اُن کے سامنے جا کے یہ باتیں دہرا دیں۔اُس وقت وہاں کئی اور مرید بھی موجود تھے۔انہوں نے ان باتوں کا بہت اثر لیا۔میاں غلام فرید دوڑے ہوئے سید غوث کے پاس پہنچے۔انہوں نے گلہ کیا کہ ''یہ آپ نے کیا کر دیا۔اُس مرید کی دیکھا دیکھی ہمارے سارے مرید ہم سے منحرف ہو رہے ہیں۔''

سید غوث نے مسکرا کے کہا ''بھائی! ذرا خود سوچیے،مرید گھر بار اور بیوی بچے چھوڑ کے آپ کے پاس کچھ حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں یا گھاس کھودنے کے لئے؟'' میاں غلام فرید کوئی جواب دیئے بغیر چلے گئے۔

سید غوث ایک بڑا وقت کلیر میں گزار کے اور مختلف مقامات پر اولیاء اللہ مزاروں اور عالموں کی خدمت میں حاضری دیتے ہوئے دہرہ دون پہنچ گئے۔وہاں کسی سے معلوم ہوا کہ کسی پہاڑی پر ایک پہنچا ہوا ہندو فقیر رہتا ہے۔سید غوث کو اس سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔وہ اُس کا استھان تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے فقیر اُن سے بہت خوش خلقی کے ساتھ ملا اور سید غوث کو اپنا مہمان بنا لیا۔وہ چار پانچ دن وہاں رہے۔ایک روز فقیر تنہائی میں ''گیتا'' کی کچھ خبریں لکھ رہا تھا۔سید غوث نے کہا۔''نمو نارائن''یعنی''نارائن کو سلام کرتا ہوں۔''

فقیر نے اُن سے کہا ''نمونارائن نہیں، السلام علیکم کہو۔''

سید چونک پڑے۔ فقیر نے انہیں بتایا کہ ''بھائی! ہم مسلمان ہیں سید ہیں۔ ہمارا نام محمد حسن ہے۔ پہلے ہم نے شاہ عبدالعزیز سے علم کی تحصیل کی پھر وید اور شاستر کا شوق دامن گیر ہوا۔ چنانچہ بنارس جا کے ہم نے یہ علم بھی حاصل کیا۔ ہم قادری کے سلسلے میں مُرید ہیں اور اب جوگ لے کے یہاں آگئے ہیں۔''

سید غوث اس انکشاف سے بہت محظوظ ہوئے۔ انھوں نے فقیر سے دریافت کیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی فقیری میں آپ نے کیا فرق دیکھا؟ فقیر نے جواب دیا ''فقیری کی بات دونوں مذاہب میں یکساں ہے۔ صرف الفاظ اور اصطلاحات جدا جدا ہیں''۔ سید غوث نے اُس سے بھی جو کچھ ملا حاصل کیا اور آگے بڑھ گئے۔

جب وہ سری نگر پہنچے تو ایک دور افتادہ پہاڑی پر ایک جوگی سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ جوگی نے انہیں دیکھتے ہی پر تپاک خیر مقدم کیا اور کہا ''ایسی صورت تو مدتوں بعد دیکھنے میں آئی ہے۔'' اُس نے سید غوث کو اصرار کر کے اپنے پاس ٹھہرایا اور اُن کے لئے خاص طور پر ایک چار پائی منگوائی۔ جوگی خود نیچے سوتا تھا۔ سید غوث نے بہت کہا کہ چار پائی کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کے ساتھ ہم بھی نیچے سوئیں گے مگر جوگی نے اُن کی بات نہیں مانی۔ سید غوث نے کچھ دنوں وہاں قیام کیا اور جوگی کا مراقبہ، یوگا اور تنفس کی مشقیں بہ نظر غائر دیکھتے رہے۔

ایک روز جوگی نے سید غوث کو ایک اپنا تماشا بھی دکھایا۔ اُس نے دودھ سے بھری ہوئی ایک کڑھائی منگوائی۔ اُس میں سرکہ اور نمک ڈال کے دودھ پھاڑ دیا۔ پھر چاول کے دانے برابر بھبھوت اُس میں ڈال کے لکڑی سے دودھ چلانا شروع کر دیا۔ دودھ حیرت انگیز طور پر اصل حالت میں واپس آ گیا۔ جوگی نے چیلوں سے کہا کہ ''گڑھا کھود کے دودھ اُس میں اچھی طرح دبا دو۔''

سید غوث نے پوچھا ''یہ دودھ آپ اپنے چیلوں کو کیوں نہیں پلا دیتے؟''

جوگی نے جواب دیا ''اس میں ایسی زبردست طاقت ہے جسے چیلے پی تو لیں گے مگر برداشت نہیں کر سکیں گے اور بہکنے لگیں گے، ہاں اگر تم پینا چاہو تو پی سکتے ہو سات پشتوں تک اس کی تاثیر قائم رہے گی۔''

سید غوث نے کہا ''اب ذرا اس کا اتار بھی بتا دیجئے ورنہ ہم ہر روز پانچ سیر مرغن کھانا کہاں سے لائیں گے؟''

جوگی نے کہا ''غذا کی فکر نہ کرو۔ اللہ مالک ہے''۔

سید غوث بولے۔ ''واہ، دوا کھلانے کے مالک تو آپ ہیں اور کھانا کھلانے کا مالک اللہ؟ میں باز آیا''۔

سید غوث کا کہنا ہے کہ ''مذکورہ جوگی کی عمر ایک سو چار برس تھی۔ ستر برس کی عمر میں اُس نے اپنی کایا پلٹ کر لی تھی۔ وہ چھ مہینے کے لئے ایک کوٹھری میں بند ہو گیا تھا جہاں ہوا کا گزر نہ تھا۔ کوٹھری میں بند ہو کے اس نے ایک بوٹی کھالی تھی جس کے اثر سے اُس کا جسم پھٹ گیا تھا اور اُس کے اندر سے بارہ برس کی عمر کا ایک نیا جسم نکل آیا تھا''۔ سید غوث کی بے قرار طبیعت کو سری نگر کی اُن پر سکون پہاڑیوں میں بھی قرار نہیں آیا۔ انھوں نے اپنا سفر جاری رکھا۔

ایک بار وہ بوعلی شاہ قلندر کے چلے کے لئے بوڑیا کے قریب ایک جنگل میں مقیم تھے۔ وہاں کسی شخص نے اُن سے دریافت کیا ''حضرت! جنگل میں رہ کر آپ کھائیں گے کیا؟''

سید غوث نے کوئی جواب نہیں دیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک شخص آیا۔ وہ چاول، گھی اور مرغی وغیرہ لایا تھا۔ غوث نے اُس سے کہا ''اگر یہ تو مرحوم قلندر کی نذر لایا ہے تو پانی پت یا کرنال لے جا۔ اور اگر زندہ قلندر کے لئے لایا ہے تو ہمارے سامنے رکھ دے''۔

اُس شخص نے عقیدت سے کہا ''حضرت! یہ آپ ہی کے لئے ہے''۔

سید غوث نے چولھا گرم کروایا اور مُرغ پلاؤ پکایا گیا۔ یہاں اُنھوں نے زبردست ریاضتیں کیں اور اُنھیں اپنے باطن میں غیر مرئی تبدیلیاں محسوس ہوئیں۔ وہ بے وزن اور منور ہوتے گئے، اُنہوں نے چھ ماہ اس کیفیت میں گزار دیئے اور روز اُن کا توشہ آتا رہا۔ پھر اُنھوں نے بوڑیا کے جنگل سے حرکت کی اور کچھ آگے نکل گئے۔

جب وہ منڈاور میں تھے تو وہاں ایک شخص کا انتقال ہو گیا۔ اُس نے پس ماندگان میں دو لڑکیاں بھی چھوڑی تھیں۔ ایک روز سید غوث کو مرحوم شخص کی وصیت کا علم ہوا۔ اُس نے یہ عجیب وصیت کی تھی کہ جب تک امام مہدی کا ظہور نہ ہو جائے، میری دونوں لڑکیوں کی شادی نہ کی جائے اور جب امام مہدی ظاہر ہو جائیں تو دونوں لڑکیاں اُن کے نکاح میں دے دی جائیں۔ لڑکیاں تو جوان اور شادی کے قابل تھیں لیکن باپ کی وصیت کے باعث اُن کی شادیاں رکی ہوئی تھیں۔ لڑکیوں کے اعزا عجب مخمصے میں گرفتار تھے۔ جوان لڑکیاں کب تک گھر میں بٹھائی جا سکتی تھیں۔ کچھ لوگوں نے اس عقدے کے حل کے لئے سید غوث سے ملاقات کی۔ اُن لوگوں میں لڑکیوں کی بیوہ ماں بھی شامل تھی۔ سید غوث نے پورا معاملہ تحمل سے سنا اور دوسرے دن لڑکیوں کی

ناں کو مشورہ دیا۔ ''شریعت میں بیک وقت دو بہنوں کی شادی ایک مرد سے جائز نہیں ہے۔ چنانچہ بہتر ہوگا کہ ایک لڑکی کی شادی کر دو۔'' اس مشورے کے تحت ایک لڑکی کی شادی کر دی گئی۔ یہ مرحلہ طے ہو گیا تو سید غوث نے دوسرا مشورہ دیا کہ ''نہ معلوم امام مہدی کا ظہور کب ہو۔ ممکن ہے، امام کے ظہور تک اس کی عمر وفا نہ کرے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اس کی بھی شادی کر دو اور اس کی اولاد میں سے جو لڑکی امام کے زمانے میں موجود ہو، اُس کی امام سے شادی کر دی جائے۔'' یہ مشورہ سب کو پسند آیا۔ اس طرح دوسری لڑکی کی شادی بھی ہو گئی۔

منڈاور میں کچھ عرصے قیام کرنے کے بعد انھوں نے پھر کوچ کا ارادہ کیا اور گھومتے گھامتے کرت پور ہوتے ہوئے بریلی پہنچ گئے جہاں اُن کی شاہ نیاز سے ملاقات ہوئی۔

بریلی سے غالباً براہ راست وہ سنبھل آئے وہاں غلام حسین نامی ایک شخص نے اُنہیں پہچان لیا اور پوچھا ''آپ حضرت حبیب اللہ شاہ کے مرید غوث علی شاہ ہیں نا؟''

سید غوث نے اثبات میں جواب دیا ''ہاں ہمیں یہ شرف حاصل ہے''۔ غلام حسین نے خوش ہو کے کہا۔ ''میں بھی اُنہی کا مُرید ہوں، مدت سے آپ کی تلاش میں تھا۔ حضرت نے وصال کے وقت فرمایا تھا کہ غوث علی ہمارے پُرانے رفیق اور دوست ہیں۔ وہ آوارہ گرد آدمی ہیں۔ کبھی اس طرف آنکلیں تو اُن کی بہت خاطر و مدارات کرنا۔''

غلام حسین نے شہر بھر میں چرچا کروا دیا کہ ''حضرت کے بڑے خلیفہ آگئے ہیں جن کے متعلق حضرت نے وصیت فرمائی تھی۔ یہ چرچا سن کے حبیب اللہ شاہ کے مُرید جوق در جوق سید غوث علی کے پاس آنے لگے۔ اُن کی تواضع کا عظیم الشان اہتمام کیا گیا۔ چند روز بعد وہاں کے کہہ و مہہ، ادنیٰ اور اعلیٰ مجتمع ہو کے اُن کے پاس جلوس کی شکل میں پہنچے۔ اُنھوں نے سید غوث سے مودبانہ درخواست کی ''حضرت! پگڑی باندھ لیجئے''۔

سید غوث نے کچھ توقف کے بعد اُن لوگوں سے پوچھا ''سچ بتاؤ عزیزو! شاہ صاحب قبلہ نے ہماری نسبت کیا لفظ فرمایا تھا، مرید یا رفیق؟''

لوگوں نے بیک زبان جواب دیا ''سید! بے شک اُنھوں نے رفیق کہا تھا''۔

سید غوث نے کہا ''حقیقت یہ ہے کہ ہم اُن کے مرید ہیں جہاں تک رفیق ہونے کا سوال ہے۔ کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ یہ بات ہم نے روٹیوں کی خاطر خود مشہور کروادی ہو؟''

لوگوں نے کہا ''حضور یہ کیسے ہو سکتا ہے۔''

سید غوث نے پوچھا۔ ''اچھا تم لوگوں کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے، تم لوگ فقیر ہو یا

دنیادار؟'' سب نے اعتراف کیا کہ ''ہم دنیادار ہیں'' سید غوث نے کہا ''اچھا تم لوگ ہمارے متعلق کیا رائے رکھتے ہو، ہم دنیادار ہیں یا فقیر؟''

سب کی ملی جلی آواز اُبھری ''فقیر۔ہم آپ کو فقیر سمجھتے ہیں۔''

سید غوث نے کہا ''تعجب کی بات ہے کہ ہم فقیر ہو کے دنیاداروں کے ہاتھ سے پگڑی باندھیں۔ البتہ اگر شاہ صاحب قبلہ حیات ہوتے اور اپنے مبارک ہاتھوں سے ہمارے سر پر جوتیاں بھی رکھ دیتے تو ہم اُن کی جوتیاں اپنے لئے سلطنت کا تاج سمجھتے'' سید غوث نے پگڑی نہیں باندھی لوگ مایوس ہو کے چلے گئے۔

اُن کی صحبت میں امیر بھی بیٹھتے تھے فقیر بھی، مرید بھی، پیر بھی، عالم بھی، جاہل بھی۔ وہ جہاں جاتے رہے، وہاں کے باکمال لوگوں سے بطور خاص ملتے رہے پھر وہ واپس دلی چلے گئے۔ وہ زینت المساجد میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اُن دنوں وہ مرزا غالب سے بھی ملے، مرزا سے اُن کی ملاقات کا حال خود اُن کی زبانی سنیے۔ اُن کا کہنا ہے ''ایک روز ہم مرزا کے مکان گئے۔ وہ نہایت خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ لب فرش سے مکان تک لے گئے اور ہمارا حال دریافت کیا۔ ہم نے کہا کہ مرزا صاحب ہمیں آپ کی ایک غزل بہت ہی پسند ہے۔ علی الخصوص یہ شعر:

تو نہ قاتل ہو کوئی اور ہی ہو
تیرے کوچے کی شہادت ہی سہی

مرزا صاحب نے کہا ''یہ شعر میرا نہیں، کسی اُستاد کا ہے فی الحقیقت نہایت ہی اچھا ہے''۔ اُس دن سے مرزا صاحب نے یہ دستور کر لیا کہ ہر تیسرے دن ہم سے ملنے آتے اور ایک خوان کھانے کا ساتھ لاتے۔ ہر چند ہم نے عذر کیا کہ یہ تکلف نہ کیجئے مگر وہ کب مانتے تھے، اُن کے مزاج میں کمال کسرِ نفسی اور فروتنی تھی۔ ایک روز کا ذکر ہے۔ رجب علی بیگ سرور مصنف فسانۂ عجائب لکھنو سے آئے۔ وہ مرزا غالب سے ملے۔ اثنائے گفتگو میں اُنھوں نے پوچھا ''کہ مرزا صاحب! اردو زبان کس کتاب میں عمدہ ہے؟'' مرزا غالب نے کہا ''چار درویش'' کی۔ رجب علی سرور بولے ''اور فسانۂ عجائب کیسی ہے؟'' مرزا بے ساختہ کہہ اُٹھے ''اجی لاحول ولاقوۃ۔ اُس میں لطف زبان کہاں۔ ایک تک بندی اور بھٹیار خانہ جمع ہے۔'' اُس وقت تک مرزا غالب کو یہ خبر نہیں تھی کہ یہی میاں سرور ہیں۔ جب سرور چلے گئے تو انہیں معلوم ہوا۔ انھوں نے بہت افسوس کیا اور کہا کہ ''ظالمو! پہلے کیوں نہ کہا'' دوسرے دن مرزا غالب ہمارے پاس آئے۔ یہ قصہ سنایا اور کہا کہ یہ امر مجھ سے نادانستگی میں ہو گیا ہے۔ آیئے، آج اُن کے مکان پر چلیں اور کل کی

مکافات کرآئیں۔ ہم اُن کے ہمراہ ہو لئے اور میاں سرور کی فرودگاہ پہنچے، مزاج پرسی کے بعد مرزا صاحب نے عبارت آرائی کا ذکر چھیڑا اور ہماری طرف مخاطب ہو کے بولے۔ رات میں نے فسانہ عجائب جو غور سے دیکھی تو اُس کی خوبیٔ عبارت اور رنگینی کا کیا بیان کروں نہایت ہی فصیح و بلیغ عبارت ہے۔ میرے قیاس میں تو ایسی عمدہ نثر نہ پہلے ہوئی، نہ آگے ہوگی اور کیوں کر ہو۔ اُس کا مصنف اپنا جواب نہیں رکھتا۔ غرض اس قسم کی بہت سی باتیں بنائیں، اپنی خاکساری اور میاں سرور کی تعریف کر کے اُنھیں بہت مسرور کیا۔ دوسرے دن اُن کی دعوت کی اور ہمیں بھی بلایا۔ اُس وقت بھی میاں سرور کی بہت تعریف کی، مرزا صاحب کا مذہب یہ تھا کہ دل آزاری کرنا گناہ ہے اور درحقیقت یہ خیال بہت درست تھا۔"

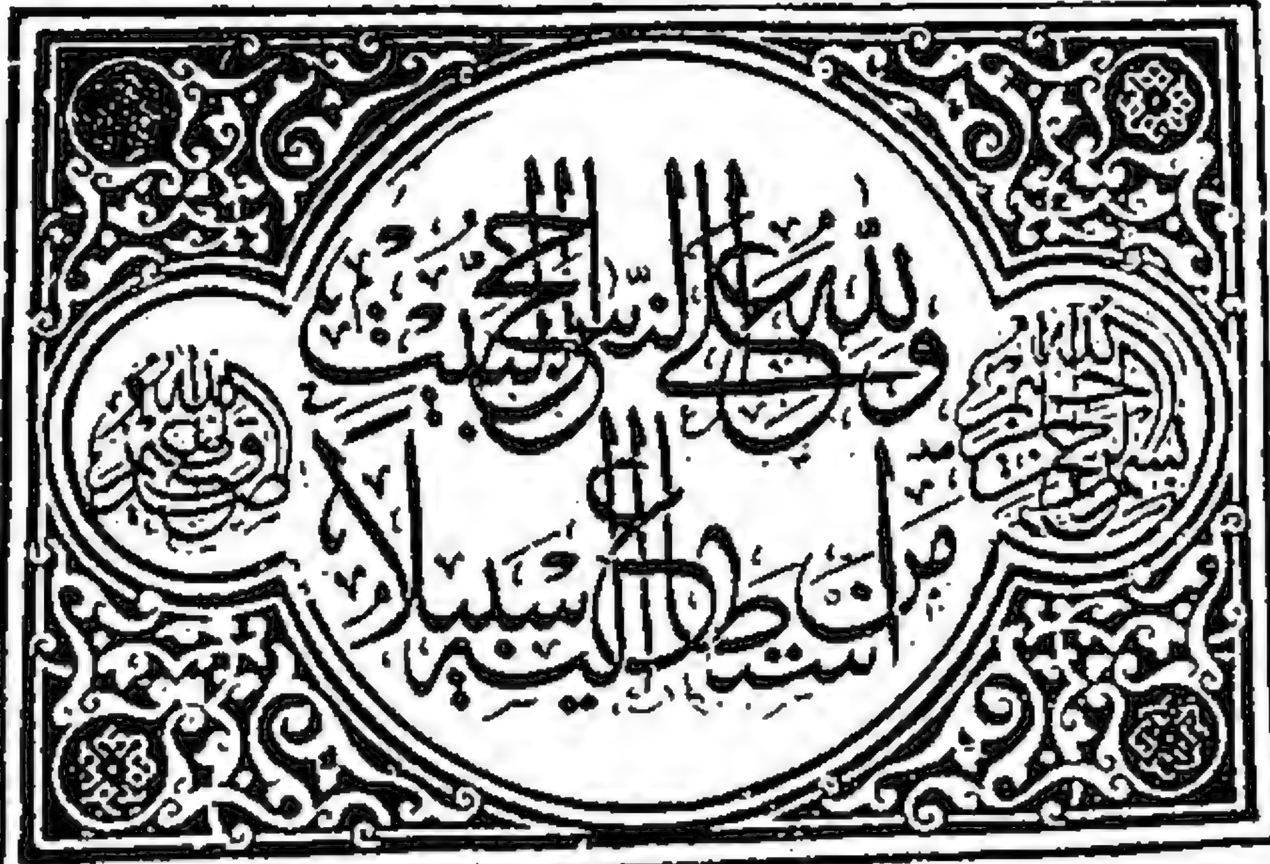
اپنے طویل سفر کے بعد وہ دلی میں مقیم تھے، آزادی کی جدوجہد کا ہنگامہ سست پڑ گیا تھا۔ انگریزوں نے آزادی کے علمبرداروں کو پھانسی دینی شروع کر دی تھی۔ ہندوستانی اکابر اور عام لوگ انگریز تحقیقاتی افسروں کے سامنے پیش کیے جارہے تھے۔ ایک دن سید غوث کو بھی طلب کرلیا گیا۔ وہ پہنچے تو انگریز افسر نے اُن سے نارواتیوروں سے پوچھا "جب لڑائی ہوئی تو تم کہاں تھے؟"

سید غوث نے سادگی سے جواب دیا "ہم بابری میں تھے اور ہمیں بخار آیا ہوا تھا۔"

افسر اس جواب سے مطمئن نہیں ہوا اور اُسے محسوس ہوا کہ جیسے وہ کچھ گھبرا رہے ہیں۔ اُنھیں کھانا بھی نہیں کھانے دیا گیا تھا۔ انھوں نے صاف گوئی سے جواب دیا۔ "گھبرانے کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ حاکم ہیں۔ کوئی بھی فیصلہ ہمارے حق میں صادر کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا ہے۔"

افسر اُن کی سادگی اور راست گوئی سے بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا "ہم ظلم نہیں کرتے اور خواہ مخواہ کسی کو نہیں ستاتے جس کی نسبت تمہارے بھائی بند گواہی دیتے ہیں کہ یہ مجرم ہے، ہم اسی کو سزا دیتے ہیں۔ اس میں ہمارا کیا قصور۔ اگر کوئی کسی کی جھوٹی گواہی دے گا تو اس کا عذاب اُس کے سر ہوگا۔"

سید غوث نے انگریز افسر کی اس منطق پر بحث نہیں کی۔ افسر نے سب سے پہلے اپنے خانساماں کو بلا کے اُنھیں کھانا کھلانے کا حکم دیا۔ اتفاق سے اُس دن افسر کا بچہ بیمار تھا۔ وہ بے چین تھا اور روئے جا رہا تھا۔ بچے کی زبان تالو سے نہیں لگتی تھی۔ افسر اپنے بیٹے کی بیماری کی وجہ سے سخت پریشان تھا۔ کسی شخص نے اُس سے سید غوث کے بارے میں کہا کہ یہ بزرگ یہاں موجود ہیں۔ اُن سے کہو کہ دعا کریں۔ انگریز افسر نے بچے کو سید غوث کے سامنے پیش کر دیا اور



کہا، اب آپ ہی اس کی مشکل حل کیجیے، سید غوث نے کچھ پڑھ کے اُس پر دم کر دیا۔ بچہ اسی وقت چپ ہو کے ہنسنے بولنے لگا اور ہمکنے لگا۔ انگریز افسر نے خوش ہو کے اُنھیں پورے عزو احترام سے رخصت کیا اور کہا ''آپ کو اختیار ہے ، آپ جہاں چاہیں چلے جایئے۔ کوئی راستے میں مزاحم نہیں ہوگا۔'' سید غوث پھر دلی نہیں ٹھہرے، سونی پت آ گئے۔

غوث علی قلندر نے ہندوستان کے کوچے کوچے، گلی گلی، بستی بستی کے علاوہ جدے، مکے، مدینے، بغداد اور بصرے وغیرہ کی بھی سیاحت کی تھی۔ انہوں نے دو حج کیے اور مقدس مقامات کے مشہور صحابہ و صوفیا کے مزارات پر گئے اور زندہ مشائخ سے ملاقاتیں کیں، بصرے میں ایک صاحب نسبت فقیر بہار شاہ سے اُن کی بہت دوستی ہو گئی تھی۔ بہار شاہ نے ایک روز انھیں بتایا کہ ''یہاں کے پرانے قلعے میں ایک مجذوب ہیں، اُن سے بھی ملو'' سید غوث کچھ شیرینی لے کے مجذوب کے پاس گئے۔ مجذوب نے جیسے ہی اُنھیں دیکھا، اُن پر پتھروں کی بوچھار کر دی اور مغلظات کا تار باندھ دیا۔ سید غوث پہلے تو چپ رہے پھر اُنھیں جلال آ گیا۔ انھوں نے بڑھ کے مجذوب کی گردن پکڑ لی اور کہا ''اے مخنث تو نے سمجھا کیا ہے؟ اب بول، کیا تو کسی کا برا کر سکتا ہے اور بھلا کر سکتا ہے؟ کسی کو مار سکتا ہے اور جلا سکتا ہے؟''

مجذوب نے اُن کی گرفت سے گردن چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''نہیں، میں تو کچھ نہیں کر سکتا۔''

سید غوث بولے۔ ''پھر کس برتے پر تتا پانی؟ اگر خیریت چاہتا ہے تو پھر شیرینی کھالے''
مجذوب نے خاموشی سے شیرینی کھالی۔ سید غوث واپس بہار شاہ کے پاس پہنچے۔ بہار شاہ نے اُن سے کہا ''سید! آپ کو یہ زیب نہ تھا۔ آم جتنا میٹھا ہوا اچھا، اور نیم جتنا کڑوا ہوا اچھا۔ آپ کو نرمی زیب تھی اور اُسے سختی۔''

۲۴ سال بعد ہندوستان اور عربستان کی مختلف بستیوں میں فرزانوں اور دیوانوں سے ملتے ہوئے انہوں نے اپنے گھر کا رخ کیا۔ اس عرصے میں گھر والوں کو اُن کی دیوانگی کی کوئی خبر نہیں تھی۔ سید غوث حق کی شراب کی تلاش میں دور دراز کے گھاٹوں تک نکل گئے تھے۔ گھر سے اُن کا کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔ اب ۲۴ سال دنیا اور ماسوا کے حیرت انگیز مظاہر دیکھ کے وہ گھر واپس ہوئے تھے۔ اُن کا سینہ روشن تھا اور اُنھیں اُن بہت سے سوالوں کا جواب مل گیا تھا جن کی جستجو وہ بچپن میں کیا کرتے تھے۔ قلب و دماغ میں تازگی تھی اور وہ زندگی سے اتنے دور نہیں ہوئے تھے کہ انھیں پہچانا بھی نہ جاسکے۔ لوگ اُن کے پاس مسرت اور عقیدت سے بیٹھتے اور وہ لوگوں کے درمیان انکسار اور چاہت سے۔ اُن کی درویشی میں جمال کا عنصر زیادہ تھا۔

ایک زمانے بعد اُن کا گھر اُن کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ وہی دیواریں، وہی دہلیز، تھوڑی بہت تبدیلی ہوئی تھی۔ وہ گھر جانے کے بجائے محلے کی مسجد میں چلے گئے۔ اُن کا گھرانا امداد و خیرات میں مشہور تھا۔ حسبِ دستور مسجد کے منتظمین نے اُن کے گھر خبر بھیجی کہ آج ایک مسافر یہاں مہمان ہے۔ کھانے کا انتظام کردیا جائے۔ سید غوث عبادت میں مصروف ہوگئے تھے۔ رات کو یک بارہ سالہ لڑکا اُن کے لئے کھانا لے کے پہنچا۔ سید نے اُس سے والد کا نام پوچھا اور خاندان کے متعلق سوالات کئے۔ لڑکے کی زبانی والد کا نام اور خاندان کی تفصیل سن کے اُنھوں نے اُ... پیشانی کو بوسہ دیا۔ وہ اُن کا بھائی حیدر تھا جسے اُنھوں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ حیدر علی خاں برتن لے کے واپس چلا گیا۔ گھر جا کے اُس نے اپنی ماں کو سب باتیں بتائیں کہ ایک مسافر اس کے گھر والوں کے نام کرید کرید کے پوچھ رہا تھا۔ وہ سن کے چپ ہوگئیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس پر تشویش کی جاتی۔ حیدر آتا اور کھانا لاتا رہا اور سید غوث مسجد میں ٹھہرے عبادت کرتے رہے۔ ایک روز انہوں نے حجام کو بلوا کے خط بنوایا اُن کے سر میں چلیپا کی شکل کا ایک نشان تھا۔ حجام بوڑھا آدمی تھا وہ یہ نشان دیکھ کے چونک پڑا۔ اُس نے سید غوث سے کہا ''اگر قصور معاف ہو تو ایک بات کہوں۔''

سید غوث نے اُسے اجازت دے دی۔ وہ جھجکتے ہوئے بولا ''آپ کے سر پر جو نشان

ہے، یہ مجھے کچھ مانوس نظر آتا ہے، اپنے ہاتھ سے لگا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ پتہ نہیں، آپ وہی ہیں یا کوئی اور۔ یہاں رسال دار سید احمد علی کا ایک لڑکا تھا۔ گھر والے اُسے غوثن غوثن کہتے تھے۔ اُس کے سر پر میں نے ایسا ہی شگاف لگایا تھا۔ وہ لڑکا مدت ہوئی گم ہو گیا۔ آج تک اُس کا پتہ نہیں چلا۔"

سید غوث نے حجام پر خود کو ظاہر نہیں کیا۔ وہ چلا گیا۔ اُن کا بھائی حیدر اُن کے لئے روز کھانا لاتا تھا۔ سید غوث ہر بار دلچسپ اور پر لطف باتیں کر کے اُسے چھیڑتے تھے۔ ایک دن وہ کھانا لایا تو انھوں نے اُس سے کہا۔ "بھائی! آؤ آج تم بھی ہمارے ساتھ کھالو۔"

حیدر اس بے تکلفی پر برا مان گیا۔ گھر جا کے اُس نے ماں سے شکایت کی۔ "وہ مسافر روز مجھے چھیڑتا ہے اور گھور گھور کے دیکھتا ہے۔ آج سے میں اسے کھانا دینے نہیں جاؤں گا۔"

اتفاق سے اُس دن موذّن کی کہیں دعوت تھی۔ مغرب کی اذان سید غوث نے دی۔ اُن کی ماں نے اذان سنی تو بیٹے کی آواز پہچان لی۔ اُسی شام کھانے کے ساتھ سید غوث کو یہ پیغام بھی ملا کہ "کل آپ کی دعوت ہے، مکان پر آکے کھانا کھایئے گا۔" سید غوث انکار نہ کر سکے۔ دوسرے روز وہ ایک مسافر کی طرح گھر پہنچے۔ پردہ ہو گیا۔ انہیں صحن میں بٹھا دیا گیا۔ ماں نے پردے کے پیچھے سے ہر طرح اُن کا جائزہ لیا پھر ایک دم باہر نکل کے اُن کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور کہا۔ "ماروں تھپڑ؟"

سید غوث بولے "آخر میرا قصور؟ کیا آپ کے ہاں غریب مسافروں کو گھر بلا کے یہی سلوک کیا جاتا ہے؟"

ماں نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ "خوب۔ ہم نے تجھے کھلایا پلایا اور تیری پرورش کی۔ تو نے ہماری گود میں ہوش سنبھالا۔ ہمارے سامنے چھوٹے سے بڑا ہوا۔ بھلا ہم تجھے نہ پہچانیں گے۔ چوبیس برس بعد تو وطن واپس آیا اور چوروں کی طرح مسجد میں چھپ کے بیٹھ گیا۔"

سید غوث کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا "میں غوثن نہیں ہوں، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے" ماں کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ کہنے لگیں "جھوٹا کہیں کا۔ تو غوثن نہیں ہے تو یہ نام تجھے کیسے معلوم ہوا۔" سید غوث کو شکست ماننی پڑی۔ اُنھوں نے جھک کے ماں کی قدم بوسی کی۔ ماں اُنھیں سینے سے لگا کے زار و قطار رونے لگیں پھر دیکھتے دیکھتے تمام گھر والے اُن کے گرد جمع ہو گئے۔ ہر طرف سے اُن کی بلائیں لی جانے لگیں۔

اس طرح یہ جہاں گرد مسافر ایک بار پھر گھر پہنچ گیا۔ اُن کی واپسی کی خوشی میں خوب

خیرات کی گئی۔ دور دور سے لوگ انہیں دیکھنے آئے۔ کچھ دنوں بعد ماں نے ان سے کہا۔ "بیٹے! تمہاری منسوبہ اب تک تمہارے انتظار میں بیٹھی ہے۔ وہ کسی اور سے شادی کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہے۔ بہتر ہو گا کہ اب تم شادی کر لو۔" سید غوث شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے، بہت گھبرائے۔ اُس وقت تو انہوں نے کسی نہ کسی طرح ٹال دیا پھر کچھ عرصے بعد بڑی مشکل سے اپنی منسوبہ کو اپنے حقیقی بھائی سید الحسن سے شادی کرنے پر آمادہ کیا۔ سید الحسن کی پہلی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس شادی کے بعد ماں نے اُن سے فرمائش کی "کہ تمہارے حصے کی جو جائیداد ہے، وہ اپنے سگے بھائی سید الحسن کے نام لکھ دو۔" سید غوث نے کہا۔ "سگے ہوں یا سوتیلے، میرے لئے سب بھائی برابر ہیں" انہوں نے اپنی کل جائیداد اپنے بھائیوں میں مساوی تقسیم کر دی۔ شاید وہ یہی دو کام نمٹانے آئے تھے۔ یا اپنی ماں کا کلیجا ٹھنڈا کرنے آئے تھے جو انہیں یاد کر کے بہت روتی تھیں۔ ایک دن سب سے رخصت ہو کے ایک دفعہ پھر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے عمر بھر شادی نہیں کی۔ وہ سونی پت پہنچ کے اپنے مرشد میر اعظم علی کے مزار پر چھ مہینے تک مقیم رہے۔ میر اعظم کو وہ اس لئے مرشد کہتے تھے کہ اُن کے باپ نے بچپن میں اُنہیں اُن کی تحویل میں دے دیا تھا۔ شروع شروع میں جب وہ سفر کرتے تو میر اعظم ضرور اُن کے ساتھ ہوتے مگر پھر میر اعظم اپنی علالت کی وجہ سے اُن کا ساتھ نہ دے سکے اور اسی مدت میں اُن کا وصال ہو گیا۔ سونی پت سے وہ کشمیر جانا چاہتے تھے جہاں اُنہیں درویش سید احمد شاہ سے ملاقات کرنی تھی۔ اُن کا خیال تھا کہ پچیس روپے جمع ہو جائیں تو سفر شروع کیا جائے۔ آخر ایک مدت بعد کچھ روپیہ جمع ہو گیا تو انہوں نے کشمیر کا قصد کیا اور سونی پت سے چل کے شعبان ۱۲۴۸ھ میں پانی پت پہنچے۔ رمضان میں صرف دس دن باقی تھے، انہوں نے رمضان کا مہینہ وہیں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ رمضان آیا تو روزوں اور تراویح کا سلسلہ شروع ہو گیا اور رمضان کی پانچویں تاریخ کو اچانک خبر آئی کہ کشمیر والے سید احمد شاہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس خبر سے سید غوث نڈھال ہو گئے۔ اُنہوں نے آگے سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا اور بو علی شاہ قلندر کے حجرے میں ڈیرا جما لیا اور وہیں اپنے علم و عرفان کا پودا لگا دیا اور غوث علی شاہ قلندر پانی پتی کے نام سے مشہور ہو گئے۔

سید غوث شریعت اور طریقت کے علوم پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ دین، تصوف، توحید، فقر، سلوک، نبوت اور ولایت کے موضوعات پر اُن کے مقولات نہایت محترم و معتبر سمجھے جاتے ہیں۔ اُن کا سینہ انبیاء و اولیاء کی مستند روایات کا بیش بہا خزینہ تھا۔ جب بھی کوئی مضطرب شخص اُن سے

نفع بخش سودا

حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بہت بڑے تاجر تھے جو مشرف باسلام ہو چکے تھے، قریش مکہ کے مظالم انتہا کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہجرت فرما گئے تو باقی مسلمانوں نے بھی رخت سفر باندھا۔

جب صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کو تیار ہوئے تو قریش مکہ نے انھیں آگھیرا اور اپنا ایک نیا حق جتلایا: ''صہیب جب تو مکے میں آیا تھا تو مفلس و قلاش تھا۔ یہاں رہ کر تو نے ہزاروں روپے کمائے آج تو یہاں سے جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ سب مال و زر لے جائے، یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔'' اس انوکھی منطق پر صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیران نہیں ہوئے، کیونکہ وہ جانتے تھے یہ لوگ کس قماش کے آدمی ہیں، انھیں ایمان مال و دولت سے عزیز تھا، انہوں نے پوچھا: ''اگر میں اپنا سارا مال و متاع تمہیں دے دوں تب مجھے جانے دو گے؟'' قریش بہت خوش ہوئے۔

سب نے یک زبان ہو کر کہا'' ہاں'' اور صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سارا مال ان کے حوالے کر کے خالی ہاتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے، اور دربار رسالت میں پہنچ کر سارا واقعہ بیان کیا۔ نبی کریم صلی اللہ وسلم نے یہ قصہ سن کر فرمایا:

''بے شک اس سودے میں صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نفع کمایا''

مختلف مسائل کے سلسلے میں رہنمائی کا طالب ہوتا، اُن کے مدلل ومحول جوابات کی روشنی سمیٹ کے واپس جاتا۔ ایک باراُن سے وضو، غسل، نماز، روزے، حج، تجرید و تفرید اور توبہ کے متعلق سوال کیا گیا۔ پوچھنے والے نے پوچھا کہ اہل طریقت کے نزدیک ان ظاہری اعمال سے کیا مراد ہے؟ سید غوث نے فارسی اشعار کے حوالوں سے جواب دیا۔ ''شریعت میں یہ اعمال جس طرح بتائے گئے ہیں، وہ ان کی صورت ہے اور طریقت میں ان اعمال کی حقیقت مقصود ہوتی ہے۔ مثلاً وضو ظاہر میں حدث اصغر سے پاک ہونا ہے اور باطن میں غیر اللہ سے قلب کی تطہیر ہونا، غسل ظاہر میں حدث اکبر سے طہارت حاصل کرنا ہے اور باطن میں شرک اور دوئی سے نجات پانا اور توحید کے دریا میں غوطہ لگانا۔ اسی طرح طریقت میں نماز وہ ہے جس کی مسجد تسلیم کے مقام میں ہے اور ابروئے یار کی طاق جس کی قبلہ گاہ ہے۔ روزہ اندیشوں اور خطرات سے دل کی حفاظت کرتا ہے تا کہ پھر حق کے مشاہدے سے افطار ہو۔ حج اپنے آپ سے سفر کرنا اور خود فراموشی ہے اور اپنے کام کے آغاز کی طرف قدم اُٹھانا ہے۔ تجرید کا مطلب ہے بالکل فارغ اور احباب واعزا سب سے آزاد ہو جانا۔ تجرید کے بعد تفرید لازم ہے یعنی آخرت تک سے بے نیاز ہو جانا۔ توبہ کا

مطلب ہے تمام سے گزر جانا۔ کیا جنت، کیا دوزخ، سب کو فراموش کر کے وحدت کے دریا میں غرق ہو جانا۔''

ایک روز کسی شخص نے سید نوث سے سوال کیا'' یہ بات مسلم ہے کہ ہر امر تقدیر الٰہی سے وابستہ ہے۔ پھر آدمی کو کسی مُرشد کی کیا ضرورت ہے؟ مرشد مقدر کے معاملے میں کیا کر سکتا ہے؟''

سید غوث نے جواب دیا۔'' یہ درست ہے کہ مرشد مقدر کے معاملات میں تصرف نہیں کر سکتا لیکن ایک باخبر مرشد کی تدبیر بھی تقدیر کے برابر ہوتی ہے اور طالب علم کو تقدیر کی غایت تک پہنچا دیتی ہے۔'' اس سلسلے میں انھوں نے ایک واقعہ بیان کیا'' کسی شہر میں ایک امیر وکبیر شخص تھا۔ اُس کے مکان میں ایک درویش رہتے تھے۔ امیر کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ درویش نے تقدیر کے فرشتے سے اُس کی تقدیر دریافت کی۔ معلوم ہوا کہ اُس کے تھان پر ہمیشہ ایک گھوڑا بندھا رہے گا۔ اُس لڑکے کے بعد امیر کے ہاں دوسرا لڑکا پیدا ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ چڑی مار ہوگا۔ پھر اُس کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اُن کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ طوائف ہو جائے گی، بازار میں بیٹھے گی اور ہر رات اُس کے پاس ایک نہ ایک مرد رہے گا۔ درویش وہاں سے چلے گئے اور ایک مدت بعد دوبارہ اُس شہر میں پہنچے۔ معلوم ہوا کہ امیر تباہ و برباد ہو چکا ہے اور اس کا بڑا لڑکا سرکاری سواروں سے پانچ روپے کا نوکر ہے۔ دوسرا لڑکا چڑی مار ہے اور لڑکی بازار کی زینت بنی ہوئی ہے۔

درویش بڑے لڑکے کے پاس پہنچے۔ بڑا لڑکا خود محتاج تھا مگر حتی المقدور درویش کی مہمان داری کرتا رہا۔

چند روز بعد درویش نے اس سے کہا کہ تو نوکری چھوڑ دے اور اپنا گھوڑا بیچ دے۔ لڑکے کو طرح طرح کے اندیشے پیدا ہوئے لیکن وہ درویش کا معتقد تھا اس لئے اُن کے کہنے پر عمل کیا۔ گھوڑا اچھے داموں بک گیا۔ لڑکے نے درویش کے کہنے سے ایک کم قیمت ٹٹو خریدا اور اسے بیچ دیا۔ پھر وہ باقاعدہ یہی کاروبار کرنے لگا اور بہت جلد مالا مال ہو گیا۔ درویش نے اُس سے کہا تم یہی کام کرتے رہنا۔ روز خریدا اور بیچا۔ تمہارا تھان گھوڑے سے کبھی خالی نہیں رہے گا۔ وہاں سے درویش دوسرے لڑکے چڑی مار کے پاس پہنچے۔ اُنھوں نے اُس کی کیفیت دریافت کی اور کہا کہ اب تم جس وقت شکار کے لئے جاؤ ہمیں بھی ساتھ لے چلنا۔ دوسرے روز دونوں جنگل میں [illegible] درویش نے اُس سے کہا۔ دیکھو معمولی چڑیوں کی پروانہ کرنا۔

جب تک جال میں کوئی شہباز نہ پھنسے، جال نہ کھینچنا۔ وہ بولا میری تقدیر ایسی کہاں؟ یہاں تو یہ حال ہے کہ صرف دو آنے روز بھی مل جائیں تو غنیمت سمجھتا ہوں۔ درویش نے کہا۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہ تم کرو تو سہی۔ لڑکا دیر تک جال لگائے بیٹھا رہا۔ اس اثنا میں بے شمار معمولی معمولی پرندے آئے اور نکل گئے۔ لڑکا دل مسوسے بیٹھا رہا۔ آخر صبح سے بیٹھے بیٹھے کہیں شام کے وقت ایک شہباز جال میں پھنسا۔ لڑکا بہت خوش ہوا۔ اُس نے شہباز بازار لے جا کر پورے سو روپے میں فروخت کیا۔ درویش نے اُسے نصیحت کی کہ یاد رکھو جب تک تمہارے جال میں یہ شہباز نہ پھنسے، مطمئن نہ ہونا۔ چھوٹے موٹے جانور پکڑنے سے توبہ کرلو۔ لڑکے نے اس نصیحت پر پورا عمل کیا اور چند روز میں انتہائی خوش حال ہو گیا۔ اس کے بعد درویش لڑکی کے پاس پہنچے۔ اُسے انہوں نے ہدایت کی کہ دیکھو، آج رات کے لئے ایک بات طے کرلو۔ جب تک تمہارا کوئی امیدوار تمہیں رات بھر کے سو روپے نہ دے، اُسے منہ نہ لگانا۔ لڑکی حیرت سے بولی، میری اوقات تو محض چند ٹکوں کی ہے چھوٹا منہ بڑی بات سے کیا فائدہ۔ بھلا مجھے سو روپے کون دے گا؟ درویش نے کہا پہلے سے مایوس ہو کے بیٹھ رہنا گناہ ہے۔ تم تجربہ کر کے تو دیکھو۔ لڑکی نے اُن کی بات مان لی۔ شام سے مرد آنے شروع ہو گئے، جو بھی آیا، لڑکی نے اُس سے سو روپے طلب کئے۔ لوگ یہ بات کہہ کے واپس جاتے رہے کہ تیری عقل خبط ہو گئی ہے۔ مگر لڑکی اپنے مطالبے پر جمی رہی۔ آخر آدھی رات کے قریب ایک شخص آ ہی گیا۔ اُس نے سو روپے دینا منظور کرلیا۔ اُس کے بعد سے لڑکی نے ہمیشہ کے لئے یہی اصول بنالیا اور بہت جلد مال دار عورت ہو گئی۔''

کسی شخص نے پوچھا، ''فقیر کی علامت کیا ہے؟'' سید غوث نے کہا'' خاکستر ہونا یعنی جس طرح خاکستر خوشبو اور بدبو دونوں چیزیں ڈھانپ لیتی ہے، اسی طرح فقیر بھی لوگوں کے عیب و صواب اور نیک و بد پر نظر نہیں کرتا'' پھر انہوں نے یقین کے بارے میں بیان کیا۔ ''یقین کی تین قسمیں ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔ دیکھو سامنے جو گھڑا رکھا ہے تم اُس کی صورت دیکھ کے سمجھ سکتے ہو کہ اس میں پانی ضرور ہے جو صاف، سفید اور سیال ہے اور جو پیاس رفع کرتا ہے۔ یہ علم الیقین ہے لیکن جب تم گھڑے کا ڈھکن اُٹھا کے اپنی آنکھ سے صاف سفید اور سیال پانی دیکھ لوگے تو یہ عین الیقین ہوگا پھر جب تم گھڑے سے پانی انڈیل کے پی لوگے تو تم میں اور پانی میں کوئی واسطہ، کوئی حجاب باقی نہیں رہے گا۔ تمہاری اور اس کی حقیقت واحد ہو جائے گی۔ یہ حق الیقین ہے۔'' پھر انہوں نے کہا'' ایک مرید معرفت کا راستہ پیر کے وسیلے سے طے کرتا ہے مگر عرفان کی منزل پہ پہنچنے کے بعد جو قرب اُسے حاصل ہوتا ہے، اُس کی پیر کو خبر نہیں ہوتی۔ جیسے

حمد باری تعالیٰ

لائقِ حمد و ثناء ہے ذاتِ رب العالمیں
جس کے قبضے میں فلک ہے جس کے قابو میں زمیں

ہم تیرے بندے ہیں یا رب تو ہمارا ہے خدا
تو ہے داتا اور ہیں ذی روح سب تیرے گدا

یاد کرنا فرض ہے ہم یاد کرتے ہیں تجھے
سر جھکا کر تیرے آگے شاد کرتے ہیں تجھے

اپنے بندوں سے تجھے ہے ربطِ پیہم بالیقیں
تو ازل کے روز سے ہے ان کا محرم بالیقیں

خاص بندے منہمک ہیں تیرے دینی کام میں
روح تازہ پڑ رہی ہے اب تنِ اسلام میں

(جل جلالہٗ)

محمد ظہیر الدین بابر

دولہا دلہن کا ہر کام اعزا اور احباب کرتے ہیں مگر خلوت کی کیفیت دولہا دلہن کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہوتی۔"

پانی پت ہی میں سید غوث کے چند عقیدت منداُن کے اردگرد بیٹھے تھے۔ مولانائے روم کی مثنوی کا ذکر چھڑ گیا۔ سید غوث نے ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا "مثنوی کی حکایت شباں پڑھو۔" حکایت شروع ہوئی۔ اسے سنتے سنتے سید غوث کا چہرہ اچانک سرخ ہو گیا اور آنکھیں شمعوں کی طرح روشن ہو گئیں۔ ساتھ ہی ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اُن پر ایک عجیب وغریب کیفیت طاری تھی۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ سید غوث کو اٹھارہ برس کی طویل مدت میں صرف اُس روز روتے ہوئے دیکھا گیا۔

سید غوث کی محفل ایک قلندر کی محفل تھی۔ سوالی آتے، جھولی بھر کے جاتے۔ سیاہ قلب آتے اور اندھیرے جھٹک کے جاتے۔ اہل علم آتے اور عرفان کے موتیوں سے مالا مال ہو کے واپس لوٹتے۔ جو آتا، قلندر غوث سے کچھ نہ کچھ تحفہ لے کے ضرور جاتا۔

ایک روز کوئی ضعیف شخص آیا۔ سید غوث مریدوں سے معرفت کے اسرار پر گفتگو کر رہے تھے۔ ضعیف شخص کچھ دیر تک خاموشی سے اُن کی گفتگو سنتا رہا۔ پھر کچھ کہنے کی اجازت لے کے بولا۔ "جناب! میں آپ کی بڑی تعریفیں سن کے یہاں آیا تھا مگر معاف کیجئے گا۔ آپ تو بالکل خالی ہیں" سید غوث کے ماتھے پر شکن تک نہیں آئی۔ انہوں نے تحمل سے کہا "حضرت! ہمیں آج تک یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ ہم خالی ہیں یا بھرے ہوئے ہیں۔ ہم اپنی زندگی میں بے شمار فقیروں اور بزرگوں کی خدمت میں گئے۔ کسی نے ہمیں ہمارے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ شکر ہے کہ آج آپ کی زبان سے یہ عقدہ حل ہو گیا۔"

ضعیف شخص وہاں سے اُٹھ کے چلا گیا اور سید ھابو علی شاہ کے مزار پر پہنچا اور فاتحہ خوانی کرنے لگا۔ پھر زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ وہ وہاں سے روتا پیٹتا لوٹا۔ اُس نے آتے ہی سید غوث کے قدموں پر سر رکھ دیا اور معذرت کرنے لگا۔ "مجھ سے بہت غلطی ہوئی۔ مجھے یہ حال معلوم نہیں تھا میرا قصور معاف کر دیجئے۔" سید غوث نے اُسے اپنے قدموں سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "میرے بزرگ! وہ بھی ہمارے متعلق آپ کا خیال تھا اور یہ بھی آپ ہی کا خیال ہے۔ ہم تو جیسے اُس وقت تھے، ویسے ہی اب ہیں۔ نہ آپ کے انکار سے کچھ کمی ہوئی تھی، نہ اقرار سے کچھ بیشی ہوئی۔ آپ معافی کس بات کی مانگ رہے ہیں؟"

راج گڑھ کے نواب نے سید غوث کو ڈھائی ہزار روپے نذر بھیجے۔ بعض ارادت مندوں

نے اُن سے کہا آپ ایک مکان تیار کروا لیجئے۔ کسی نے مشورہ دیا، زمین خرید لیجئے۔ سید غوث نے جواب میں ایک ہندو فقیر کا قصہ بیان کیا کہ "اُس نے اپنے چوبیس گرو بنائے تھے۔ اُن میں ایک گرو سانپ تھا۔ سانپ کبھی گھر نہیں بناتا۔ جہاں سوراخ پاتا ہے گھس جاتا ہے۔ اُس کا دوسرا گرو کتا تھا۔ کتا اپنے مالک کے سوا کسی کے دروازے پر نہیں جاتا۔ تیسرا گرو چیل تھی۔ چیل کو گوشت کا مچامل جاتا ہے تو دوسری چیلیں اور کوے اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ چیل ناچار گوشت پھینک کے کسی اونچی ٹہنی پر سب سے الگ جا بیٹھتی ہے اور حریصوں کی لڑائی کا تماشا دیکھتی رہتی ہے۔" یہ قصہ سنا کے کچھ توقف سے انہوں نے کہا "اپنی تو تمام عمر خانہ بدوشی میں کٹی۔ ہمیں گھر بنانے سے کیا سروکار؟ ہم فقیر آدمی ہیں اتنا روپیہ رکھ کے مفت کی بلا اپنے ذمے کیوں لیں؟" سید غوث نے وہ رقم نواب کے مختار کاروں کو واپس کر دی اور کہا۔ "اسے تقسیم کر دو" وہ زندگی بھر زر۔ زن۔ زمین ہر چیز سے بے نیاز رہے۔ انہوں نے پوری عمر تجرد میں گزاری۔ اُن کے والد نے اُنہیں نصیحت کی تھی۔ "مال دینے سے جان بچے تو مال فدا کر دو اور مال و جان دونوں دینے سے عزت قائم رہے تو مال و جان دونوں فدا کر دو۔"

پانی پت میں قیام کے دوران میں ایک بار سید غوث ایک عمدہ ٹوپی اوڑھے ہوئے تھے۔ کسی شخص نے کہا "یہ آپ کے سر پر بہت اچھی معلوم ہوتی ہے"۔ سید غوث نے اسی وقت ٹوپی اپنے سر سے اُتاری اور اُس کے سر پہ رکھ دی۔ اُس نے پوچھا "یہ کیا؟" سید غوث بولے "تم نے اس ٹوپی کی بہار دیکھ لی ہے، اب ہم بھی تو دیکھیں کہ واقعی اچھی لگتی ہے یا نہیں۔ ہو سکتا ہے تم صرف ہمیں خوش کرنے کے لئے ایسا کہہ رہے ہو۔" انہوں نے اُس کے سر پر اپنی ٹوپی کا جائزہ لیا اور بولے۔ "بے شک یہ تمہارے سر پر بہت جچ رہی ہے۔ اب اسے تمہی اوڑھو۔" سید غوث کا معمول یہی تھا۔ وہ ہر عمدہ چیز اور نقدی وغیرہ لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔

سید غوث کے تمام ظاہری اور باطنی حواس قوی تھے۔ مگر داڑھی اب سفید ہو گئی تھی۔ پنڈلیوں اور زانوؤں کی جلد نوافل اور مجاہدوں کی کثرت سے سیاہی مائل نظر آنے لگی تھی۔ وہ روزانہ رات کو دو بجے بیدار ہو جاتے۔ پہلے وضو، پھر تیمم کرتے۔ تیمم کی وجہ خاک ساری تھی۔ تہجد کی نماز پڑھ کے وہ فجر تک اوراد پڑھتے۔ فجر کی نماز با جماعت ادا کر کے بوعلی شاہ قلندر کے مزار پہنچ جاتے۔ اشراق و چاشت کی نمازیں وہاں ادا کرتے پھر اپنے حجرے میں آجاتے۔ بارہ بجے تک خدام اور طالب علموں کا مجمع رہتا۔ خطوں کے جواب دیئے جاتے۔ ہر آنے والے کا مدعا پوچھتے اور شفقت سے جواب دیتے، اُن کے جوابات، اشعار، حکایات، نقول، لطائف، نکات



اور امثال سے معمور ہوتے۔ وہ موقع کی مناسبت سے گفتگو کرتے۔ پھر حجرہ بند ہو جاتا۔ دو بجے تک آرام کر کے وہ ظہر کی نماز کے لئے نکلتے۔ نماز کے بعد پھر حجرے میں چلے جاتے اور عصر تک قرآن پڑھتے۔ عصر کے لئے مسجد میں آتے اور نماز کے بعد مغرب تک لوگوں کے اجتماع میں رہتے۔ یہاں معارف وحقائق کا بیان ہوتا۔ مغرب سے عشاء تک نوافل پڑھتے۔ عشاء کے بعد کھانا کھاتے پھر طالبین سے بیعت لیتے۔ بیعت کے بعد پھر عام مجمع شروع ہوتا۔ لوگ سردی میں دس بجے رات تک اور گرمی میں بارہ بجے تک موجود رہتے۔ اُن کے یہ سفر، مجاہدے اور معمولات پون صدی سے زیادہ مدت کی داستان ہیں۔

سید غوث کو خواب میں اپنے انتقال کا پہلے سے علم ہو گیا تھا۔ انہوں نے پہلے ہی اپنے مریدوں سے کہہ دیا تھا۔ ''اب ہمارا سفر تمام ہوا۔''

وہ رشد و فیضان کا ایک بہتا ہوا دریا تھے۔ اس دریا کا مدّ و جزر اٹھتر سال تک دنیا کے دل کی دھڑکن بنا رہا۔ ۷ر مارچ ۱۸۸۰ء کو قلندر کا بلاوا آ گیا۔ دریا کی بے قرار لہریں پر سکون ہو گئیں لیکن اُس کا مدّ و جزر آج بھی بے شمار دلوں کی دھڑکن بنا ہوا ہے۔ پیاسے اب بھی اُس کے ٹھنڈے میٹھے پانی سے سیراب ہو رہے ہیں۔

قلندر کا مزار پانی پت میں ہے۔ پانی پت برصغیر کا ایک مشہور تاریخی شہر ہے۔ اس کے مشہور اور تاریخی ہونے کا ایک سبب سید غوث بھی ہیں۔ (تحریر ابو المنصور سرمدی) ◆◆◆

حضرت ذہین شاہ تاجیؒ

حضرت ذہین شاہ تاجیؒ کا نام محمد طاسین اور تخلص ذہین تھا اور بابا ذہین شاہ تاجی کے نام سے مشہور ہوئے۔ وہ 1904ء میں ریاست جے پور کے مقام جھنوں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی بیدار بخش فاروقی فراخی فارسی کے شاعر اور ریاست سیکر میں تھانے دار تھے۔ ذہین شاہ تاجی کا سلسلہ نسب حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے خلیفہ اکبر حضرت خواجہ حمید الدین ناگوریؒ تک پہنچتا ہے۔

ذہین شاہ تاجیؒ اوائل عمر ہی سے ذہین، نفاست پسند اور لطافت طبع کے حامل تھے۔ قدرت نے حسن و جمال اور جاذبیت کے ساتھ ساتھ کمالِ ذوقِ علمی بھی عطا فرمایا تھا۔ وہ دور جب کہ بچے کھیل کود میں مشغول ہوتے ہیں ذہین شاہ تاجیؒ انتہائی بردبار، سنجیدہ، محنتی اور مہذب اطوار کے مالک تھے۔ قرآن کریم کی تلاوت کا جو ذوق ابتدائی عمر میں حاصل تھا وہ تادم آخر جاری رہا۔ والد محترم پیر محمد دیدار بخشؒ جو عربی، فارسی اور اردو ادب پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے اپنے اس ہونہار اور باذوق فرزند کو خود بھی اپنے علم وفن سے بہرہ ور کرتے رہے اور پھر قرب و جوار کے اہلِ علم و فضل اساتذہ کے سپرد کیا جنہوں نے اپنے اس شاگرد کو کمال التفات و شفقت سے معارف علوم اسلامیہ کے رموز ونکات اور نقد ونظر اور استخراج مسائل کے جوہر سے آشنا کیا۔ دورانِ تعلیم ذہین شاہ تاجیؒ ذکر وفکر اور یادِ الٰہی کی طرف اس درجہ راغب اور متوجہ تھے کہ اس عمر میں اپنے آرام کے اوقات بھی عبادات وریاضات میں صرف کرتے تھے۔

جب والد محترم نے حضرت ذہین شاہ تاجیؒ کے پر پرواز کی اس علوئے ہمت کو دیکھا جو کسی یکتائے روزگار مقرب بارگاہ ربانی کے فیضِ نگاہ کی طالب تھی تو وہ انہیں اپنے ساتھ لے کر دہلی آگئے۔ خواجگان کی اس بارگاہ سے اشارہ باطنی ملا کہ اس بچہ کو روحانیت کے بے تاج بادشاہ شہنشاہِ ہفت اقلیم حضرت بابا تاج الدین اولیاءؒ کی خدمت عالیہ میں ناگپور لے جاؤ۔ چنانچہ فوراً ہی ذہین شاہ تاجیؒ، تاج الاولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دربارِ تاج الاولیاءؒ سے حضرت مولانا عبدالکریم المعروف بہ یوسف شاہ تاجیؒ کے سپرد کر دیئے گئے جو بابا تاج الاولیاءؒ کے روحانی شاگرد تھے۔ قرب ووابستگی اور ذات شیخ میں کمال فنائیت نے ان کو وہ مقام ومنزل عطا کی کہ حضرت بابا یوسف شاہ تاجیؒ نے اپنے وصال سے بہت پہلے ہی ان کو خلافت وسجادگی کے شرف

سے نواز دیا تھا۔
1947ء میں حضرت ذہین شاہ تاجیؒ کراچی تشریف لے آئے پھر حضرت بابا یوسف شاہ تاجیؒ پھر حضرت بابا یوسف شاہ تاجیؒ کے وصال کے بعد سے آپ نے اپنے تمام تر اوقات اور صلاحیتوں کو بندگانِ خدا کی ہدایت و رہنمائی اور خدمت کے لئے وقف کر دیا۔
دیکھتے ہی دیکھتے ذہین شاہ تاجیؒ کے گرد روحانی فیضیابی کے لیئے لوگ گروہ در گروہ صبح و شام آنے لگے۔ دلوں پر پڑے ہوئے معصیت و غفلت کے زنگ آلود قفل ٹوٹنے لگے، دلوں کی دنیا روشن و مجلیٰ ہوگئی، منتشر الخیالی، اضطراب و بے چینی کافور ہوگئی۔ سکونِ قلب اور آسودگی ذہن کی متاعِ نایاب حصہ میں آئی۔ کراچی کے میوہ شاہ کے ویران اور سنسان قبرستان میں ذہین شاہ تاجیؒ اپنے مرشد حضرت یوسف شاہ تاجیؒ کے آستانہ پر مسند فقر بچھائے ہوئے دولت سرمدی کی تقسیم اس طرح فرماتے رہے کہ ان کے گرد خلقت کا ہجوم ہر وقت لگا رہتا۔ عشق و محبت، ذوق و شوق، ذکر و فکر کی کاشت اس مردہ زمین پر اس طرح ہونے لگی کہ دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں لوگوں کے کشت ویراں میں اس مردِ حق آشنا سے بہار آگئی، تاج منزل بہار کالونی اور میوہ شاہ کے درمیان کوئی فاصلہ نہ رہا۔ خانقاہ تاجیہ ظہور میں آئی جو بیک وقت روحانی تربیت گاہ بھی تھی اور امراض روحانی و اخلاقی کا شفاخانہ بھی۔
آپ کے مداحوں میں علماء، فقراء، حکماء، دانشور، شعراء، ادیب، فلسفی، سیاستدان، تاجر، صنعتکار، امیر غریب ہر طبقۂ فکر کے لوگ بلا امتیاز عقیدہ و مذہب شامل ہیں۔ آپ ہر شخص سے اس کے مزاج اور ذوق کے مطابق پیش آتے تھے۔ ہر شخص آپ کی علمیت و شخصیت اور اخلاق سے متاثر ہو کر یہی سمجھتا کہ حضرت ذہین شاہ تاجیؒ اس سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔
آپ کے پاس بہت سے لوگ اپنی پریشانیاں اور مصائب لے کر بھی آتے آپ خندہ پیشانی سے ان کے مصائب و حالات سنتے، تسلی دیتے، دعا فرماتے اور جب آپؒ کے پاس سے واپس لوٹتے تو شاداں و فرحاں ہوتے۔ آپ غریب و مجبور لوگوں کی مالی اعانت بھی فرماتے۔
حضرت ذہین شاہ تاجیؒ کو عربی، فارسی، اردو اور ہندی پر یکساں عبور تھا، وہ ان چاروں زبانوں میں شاعری بھی کیا کرتے تھے اور شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی مشہور کتاب فصوص الحکم کے شارح اور ان کی دوسری کتاب فتوحات مکیہ کے مترجم تھے۔ اردو میں غزلوں کا دیوان آیاتِ جمال و نعت اور مناقب کا مجموعہ مرآۃ جمال، اردو نظموں کا دیوان جمالستان، رباعیات و قطعات کا مجموعہ اجمال جمال کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔
ذہین شاہ تاجیؒ نے مورخہ 16 شعبان المعظم 1398ء بمطابق 23 جولائی 1978ء کو وصال فرمایا۔ ◆◆◆ (تحریر: عامر غنی)

نعتِ سرکارِ دو عالمؐ

کل پُرزے جس قدر بھی ہیں اس کائنات کے
پڑھتے ہیں رات دن سبھی اشعار نعت کے

توحید ہے، نماز ہے، روزہ ہے، حج، زکوٰۃ
آقاؐ نے پانچ لائے ہیں موتی نجات کے

جس پر عمل کے کرنے سے دنیا و دیں ملیں
قربان کیوں نہ جاؤں میں اُس ایک بات کے

کہہ کہہ کے نعت دامنِ امید بھرلے تُو
آقاؐ لُٹا رہے ہیں گہر اپنی ذات کے

وہ اُسوۂ رسولؐ کے نادرؔ گواہ ہوں
عشقِ نبیؐ میں دن جو کٹیں گے حیات کے
(صلی اللہ علیہ وسلم)

نادرؔ اسلوبی

ارشادات جیلانیؒ

''اے مدعی علم! عمل کے بغیر تیرے علم کا کوئی اعتبار نہیں اور اخلاص کے بغیر تیرے عمل کی کوئی وقعت نہیں، کیونکہ اخلاص کے بغیر عمل ایک ایسا جسم ہے جس میں روح نہیں ہے!!''

اللہ کے محبوب ﷺ کے محبوبؒ حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کے مواعظِ حسنہ کے چند اقتباسات پیشِ خدمت ہیں:

لوگو! حق تعالیٰ کی موافقت اختیار کرو اور اس کے افعال پر جو تمہارے اور دوسری مخلوق کے اندر جاری ہوتے ہیں، راضی برضا رہو۔ اس ذات کے مقابلے پر جو تم سے زیادہ عقل رکھتی ہو، اپنے علم و دانش اور عقل و خرد کی شان مت بگھارو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والله یعلم وانتم لا تعلمون۔ (اللہ علم رکھتا ہے اور تم علم نہیں رکھتے)۔

پھر اس کے جاری کئے ہوئے فعل کو نامناسب سمجھنا، اپنے آپ کو اس سے عالم و عاقل سمجھنا نہیں تو اور کیا ہے۔ اپنی عقلوں اور اپنے علم کو بالائے طاق رکھو اور تہی دستی کے پاؤں پر خدا کے سامنے کھڑے ہو جاؤ تا کہ تم اس کے علم کو حاصل کر سکو۔ رائے زنی سے کام نہ لو کہ یہ نہیں ہونا چاہئے تھا!............اس میں متحیر بنے رہو یہاں تک کہ اس کی مصلحت کی واقفیت تم کو حاصل ہو جائے اور حیرت جاتی رہے۔ اول متحیر ہونا ہے، اس کے بعد دوسرے درجے پر واقفیت ہے۔ اس کے بعد تیسرا درجہ معلومات تک پہنچنا ہے۔ پہلے قصد اور اس کے بعد مقصود تک پہنچنا ہے۔ پہلے ارادہ ہے اور اس کے بعد مراد کا حاصل ہونا ہے۔ سنو اور عمل کرو کیونکہ میں تمہاری رسیاں بنتا ہوں اور تم کو کارآمد اور مضبوط بناتا ہوں، تمہاری ڈھیل رسیوں میں بل دیتا ہوں اور جو تار اس میں ٹوٹ گیا ہے اس کو جوڑتا ہوں۔ تمہاری فکر کے سوا مجھے کوئی فکر نہیں اور بجز تمہارے غم کے مجھے کوئی غم نہیں۔ میں تو خدائی پر

رحمان باباؒ

صوبہ سرحد کے معروف صوفی بزرگ اور پشتو زبان کے صوفی شاعر

برصغیر جنوبی ایشیا میں اسلام کی تبلیغ صوفی بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ نے کی ہے۔ ان مسلمان بزرگوں میں سے کچھ تو اس دور سے قبل ہی برصغیر پہنچ چکے تھے جب برصغیر میں مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کا آغاز ہوا تھا۔ مسلمانوں کے یہ بزرگ اولیاء اور صوفیائے کرام اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کا پیکرِ مجسم تھے۔ ان کی زندگیاں بنی نوعِ انسان کی فلاح و بہبود، ترقی، محبت اور خدائے واحد کی پرستش کے فروغ کے لئے وقف تھیں۔ ان مسلمان بزرگوں کی وجہ سے برصغیر کے پسماندہ، غریب اور مظلوم انسانوں کو نئی زندگی کا پیغام ملا اور انہوں نے اس دینِ فطرت کو قبول کر کے روحانی اور مادی ترقی کی نئی راہوں کو پالیا۔

ہمارے یہ صوفی بزرگ اور اولیائے کرام پہلے ان علاقوں میں آئے جواب پاکستان کا حصہ ہیں۔ ان بزرگوں میں سے بہت سے پاکستان کی مشرقی اور جنوبی سرحدوں کے پار واقع، برصغیر کے دوسرے علاقوں میں بھی گئے اور وہاں تبلیغ اسلام کے مقدس فریضہ کو پورا کیا۔ لیکن ان بزرگوں میں سے زیادہ تر نے موجودہ پاکستانی خطہ میں زندگیاں گزاریں اور پاکستان میں ان کی آخری آرام گاہیں آج بھی عقیدت و محبت اور روحانی فیوض و برکات کا مرکز ہیں۔ پاکستان کے صوبہ سرحد کی سرزمین نے اہل سیف کے ساتھ ساتھ انسانی رہنمائی کے لیے بڑے بڑے اہل علم و باطن بھی پیدا کیے ہیں، ان اہل علم واہلِ دل میں سے ایک رحمان باباؒ بھی ہیں۔ آپؒ کی صوفیانہ شاعری توحید ورسالت کے مضامین سے پر ہے۔

رحمان باباؒ ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ آپؒ کے ابتدائی حالات کی تفصیل نہیں ملتی۔ آپؒ کا اصل نام عبدالرحمٰن تھا لیکن رحمان باباؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپؒ نسلاً غوری خیل مہمند میں سے تھے، آپؒ کے والد کا اسم گرامی عبدالستار تھا جو بہادر کلی میں رہتے تھے۔ یہ گاؤں پشاور سے جنوب کی طرف پانچ میل کے فاصلے پر اس سڑک پر واقع ہے جو کوہاٹ کو جاتی ہے۔ رحمان باباؒ کی ولادت 1042 ہجری بمطابق 1632ء میں ہوئی۔ آپؒ نے ملا محمد یوسف زئی سے تصوف وفقہ کی تعلیم حاصل کی پھر کوہاٹ تشریف لے گئے اور وہاں کے مختلف علماء سے تعلیم حاصل کی۔ آپؒ جوانی

ہی سے زہد و ریاضت کی طرف مائل تھے اور دنیا سے ابتداہی سے بے نیاز تھے۔

علامہ فقری نے اپنی کتاب ''اولیاء اللہ'' میں رحمان باباؒ کے متعلق ایک عجیب روایت لکھی ہے کہ ''رحمان باباؒ کا ایک دوست مجنوں نامی تھا جو ہندوستان گیا اور وہاں کے مختلف بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب فیوض باطنی و برکات حاصل کر کے واپس ہونے لگا تو اس نے اپنے پیر شاہ شرف قلندرؒ سے اپنے دوست رحمان باباؒ کے لیے بھی کچھ تحفہ مانگا۔ شاہ شرف قلندرؒ نے رباب میں رحمان باباؒ کا حصہ مقرر کر کے مجنوں کو رخصت کیا۔ مگر یہ شرط بھی عائد کی کہ مجنوں اس وقت تک رباب کو ہاتھ نہ لگائے جب تک وہ رحمان باباؒ سے نہ مل لے اور رحمان باباؒ کے سامنے وہ لے بجائے جو شاہ شرف قلندرؒ نے مقرر کی تھی۔ چنانچہ مجنوں نے اپنے پیر کے ارشاد کی تعمیل کی۔ جب وہ رحمان باباؒ سے ملا اس نے رحمان بابا کو وہ نغمہ سنایا جس کا چلتے وقت اس کے پیر نے اس کو حکم دیا تھا، نغمہ سناتے ہی مجنوں اسی وقت گر کر مر گیا اور رحمان باباؒ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب تیسرے روز ہوش میں آئے تو ان کا آئینۂ قلب نورِ باطن سے مجلیٰ ہو چکا تھا اور کائنات ان کے سامنے آئینے کی طرح تھی۔'' عبدالمجید افغانی نے بھی عجب خان کی اس روایت کی تائید کی ہے اور رباب لانے اور ان کے چشتیہ طریقے کا ذکر کیا ہے۔

رحمان باباؒ پر اکثر اوقات استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ خشیت الٰہی سے آنکھوں سے آنسو بہتے رہتے تھے اور کثرتِ گریہ کے باعث ان کے چہرے پر آنسوؤں کے بہنے کی وجہ سے لکیریں پڑ گئی تھیں۔ خود انہوں نے اپنے ایک شعر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ترجمہ: تیرے غم کی وجہ سے میرے چہرے پر نہریں ہیں... ذرا حال تو پوچھ کہ یہ کیوں ہیں؟

رحمان باباؒ کی شاعرانہ عظمت آپؒ کی ساری قوم تسلیم کرتی ہے، آپؒ کی شاعری یوں سدا بہار پھولوں کا حسین اور خوش رنگ گلدستہ ہے۔ لیکن آپؒ کی شاعری کا موضوع خاص تصوف ہے۔ آپؒ کی فکرِ رسا نے تصوف کے نہایت باریک نکات کو بے حد حسن اور دلکشی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ آپؒ نے اپنے جمالِ شعری کو تصوف سے نکھارا اور سنوارا ہے، آپؒ حسن حقیقی کے متلاشی ہیں اور ان کے پردۂ مجاز میں بھی حسنِ حقیقی صاف جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ گداز عشق اور سوز و غم نے آپؒ کی شاعری کو بڑا نکھار دیا ہے۔ رحمان باباؒ کا مجموعۂ کلام منظوم اردو ترجمے کے ساتھ دیوان عبدالرحمٰن کے نام سے پشتو اکیڈیمی یونیورسٹی آف پشاور نے دو زبانوں پشتو اور اردو میں شائع کیا ہے۔ اردو منظوم ترجمہ پشتو کے مشہور شاعر امیر حمزہ شنواری نے کیا ہے۔

رحمان باباؒ نے 1118 ہجری بمطابق 1706ء میں وفات پائی، آپؒ کا مزار پشاور میں ہے۔

(تحریر: احتشام الحق) ◆◆◆

حضرت شیخ حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ زاہد زمانہ اور بزرگانِ یگانہ عارف جلیل معظم تھے

شیخ عارف جلیل معظم حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ شہر رے میں تشریف لائے۔ تین سو آدمی حج کے ارادہ سے آپ کے ساتھ تھے۔ وہ سب کے سب صوفیائے کرام کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ نہ ان کے پاس توشہ دان تھا نہ کھانے کا کچھ سامان۔ رے شہر میں ایک بڑا تاجر تھا جو فقراء و مساکین کا عاشق و شیدا تھا۔ اُن سب کو اس نے مہمان رکھا۔ جب صبح ہوئی تو اس تاجر نے حضرت حاتم اصمؒ سے عرض کیا کہ یہاں ایک عالم فقیہ بیمار ہے میں اس کی عیادت کے لئے جاتا ہوں، اگر آپ کا ارادہ ہو تو آپ بھی چلیے۔ آپ نے کہا میں ضرور چلوں گا۔ مریض کی عیادت ثواب کا موجب ہے اور نیز عالم کی زیارت عبادت کا باعث ہے۔ جس عالم کی عیادت کو وہ تاجر جارہا تھا وہ محمد بن مقاتل رے کے قاضی تھے۔ غرض یہ کہ سب جمع ہو کر ان کے مکان پر آئے۔ دیکھا تو ایک بڑا عالیشان دروازہ ہے۔ شیخ حاتم اصمؒ دیکھ کر حیران رہ گئے اور جی میں کہنے لگے یا اللہ! عالم اور یہ چمک دمک، پھر اندر جانے کی اجازت ہوئی تو دیکھا کہ بڑا لمبا چوڑا مکان ہے۔ پردے پڑے ہوئے ہیں۔ شیخ حاتم اصمؒ دیکھ کر اور بھی حیران اور متفکر ہوئے۔ پھر جہاں قاضی صاحب تھے وہاں گئے، دیکھا تو بڑے نازک اور نرم فرش پر قاضی صاحب لیٹے ہوئے ہیں۔ سرہانے ایک غلام مورچھل لئے کھڑا ہے۔ وہ تاجر جاتے ہی بیٹھ گیا اور شیخ حاتم اصمؒ کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ قاضی ابن مقاتل نے اشارہ سے انہیں بھی بیٹھنے کو کہا مگر آپ نہ بیٹھے۔ قاضی نے کہا شاید آپ کو کچھ حاجت ہے۔ آپ نے کہا ہاں، قاضی نے کہا فرمایئے کیا حاجت ہے؟ کہا مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ کہا پوچھیے۔ شیخ حاتم اصمؒ بولے کہ اول آپ سیدھے بیٹھ جایئے۔ قاضی مودب بیٹھ گیا۔ شیخ صاحب نے پوچھا کہ آپ نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا؟ کہا میں نے بڑے بڑے ثقات سے حاصل کیا۔ آپ نے کہا نام

بتائیے۔ قاضی نے کہا اصحاب رسولؐ سے۔ آپ نے پوچھا کہ اصحاب رسولؐ کس سے مستفیض ہوئے۔ کہا رسولؐ اللہ سے۔ آپ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے کس سے حاصل کیا۔ کہا جبرئیلؑ سے۔ آپ نے پوچھا جبرئیلؑ نے کس سے حاصل کیا۔ کہا اللہ تعالیٰ سے۔ پھر فرمایا کہ جو علم جبرئیلؑ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو پہنچایا اور رسول اللہ ﷺ نے اصحابؓ کو اور اصحابؓ نے ثقات کو اور ثقات نے آپ تک پہنچایا۔ آیا اس علم میں آپ نے یہ بھی کہیں پڑھا ہے کہ جو امیر ہو اور اس کے گھر میں ثروت اور دنیا کا بہت مال ہو، وسیع مکان ہو وہ اللہ کے نزدیک بڑے مرتبہ والا ہے۔ قاضی صاحب نے کہا یہ تو نہیں پڑھا۔ آپ نے کہا پھر کیا پڑھا ہے۔ کہا میں نے تو اپنے شیوخ سے یہ سنا ہے کہ جو دنیا میں زاہد ہو کر رہے اور آخرت کا حریص اور اپنی آخرت کے لئے توشہ تیار کرے اور مساکین کو دوست رکھے اس کا اللہ کے نزدیک بہت بڑا مرتبہ ہے۔ شیخ حاتم اصمؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ آپ نے کس کا اقتداء کیا ہے۔ نبی ﷺ اور اصحابؓ کا یا فرعون وہامان کا، بدعمل عالموں کا۔ جاہل لوگ جو دنیا میں منہمک ہیں تمہیں جیسوں کو دیکھ کر گمراہ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب عالم ہی ایسے ہیں تو ہمارا کیا قصور ہے۔ پھر شیخ حاتم اصمؒ یہ کہہ کر وہاں سے چل دیئے اور قاضی ابن مقاتل یہ باتیں سن کر اور زیادہ مریض ہو گیا۔

آپ زاہد زمانہ اور بزرگان یگانہ، شیخ عارف جلیل معظم تھے۔ آپ کا اسم گرامی ابوعبد الرحمٰن حاتم بن علوان، بعض حاتم بن یوسف الاصم بتاتے ہیں۔ خراسان کے اکابر مشائخ میں سے تھے۔ آپ شیخ شفیق بلخیؒ کے مرید اور شیخ احمد بن خضرویہؒ کے مرشد تھے۔ حضرت شیخ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حاتم اصمؒ ہمارے زمانے کے صدیق ہیں۔ اصم یعنی بہرہ آپ کا لقب تھا۔ حقیقت میں آپ کانوں سے بہرہ نہ تھے۔ لیکن ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک عورت آپ کے پاس ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آئی، اتفاق سے عورت کی ریح زوردار آواز میں نکل گئی۔ جس سے وہ شرمندہ ہو گئی۔ عورت کی شرمندگی دیکھ کر آپ نے فرمایا، اونچی آواز سے کہو، میں نے کچھ نہیں سنا۔ تم نے کیا پوچھا ہے۔ کیونکہ میں کانوں سے بہرہ ہوں۔

یہ سن کر عورت کی شرمندگی جاتی رہی اور اس کی ندامت مٹانے کے لئے آپ اس وقت تک بہرے رہے جب تک وہ عورت زندہ رہی۔ آپ فرماتے ہیں ہر صبح شیطان ابلیس مجھے وسوسہ میں ڈالتا ہے پوچھتا ہے، کیا کھاؤ گے؟ میں کہتا ہوں موت، پھر پوچھتا ہے کیا پہنو گے؟ جواب دیتا ہوں کفن، پھر سوال کرتا ہے کہاں رہو گے؟ میں کہتا ہوں قبر میں۔ پھر وہ کہہ کر "تم

بہت بُرے شخص ہو" مجھ کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

ایک دفعہ آپ نے بیوی سے فرمایا "میں جہاد پر جاتا ہوں، چار مہینے کے لئے، کس قدر خرچ درکار ہوگا۔" بیوی نے کہا "جس قدر میری زندگی ہے۔" فرمایا "تمہاری زندگی میرے ہاتھ میں نہیں۔" بیوی نے "کہا پھر میری روزی بھی تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔" چنانچہ آپ جہاد پر چلے گئے۔ آپ کی عدم موجودگی میں ایک بڑھیا نے آپ کی بیوی سے پوچھا "حاتم تمہارے لئے کس قدر روزی چھوڑ گیا ہے" وہ بولی "وہ روزی کمانے والا تھا، چلا گیا، روزی دینے والا نہیں تھا۔ روزی دینے والا تو کہیں نہیں گیا۔"

ایک امیر شخص شیخ حاتم اصمؒ کے دروازے پر سے گزرا اور پانی مانگا۔ جب پانی پی چکا تو کچھ مال اُن کی طرف رکھ دیا۔ اس کے ساتھیوں نے بھی موافقت کی اور ہر ایک نے کچھ کچھ مال رکھا۔ گھر والے یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ لیکن آپ کی چھوٹی لڑکی ناخوش ہوئی اور رونے لگی۔ اُس سے دریافت کیا گیا کہ کیوں روتی ہے؟ کہنے لگی کہ ایک مخلوق نے ہماری طرف نظر محبت سے دیکھا تو ہم غنی ہو گئے۔ اگر خالق نظرِ رحمت سے دیکھے تو کیا حال ہو۔ اللہ اس سے راضی ہو۔ حضرت شیخ اصمؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک جنگ میں تھا تو مجھے ایک ترک نے پکڑ کر قتل کرنے کے لئے لٹا دیا۔ مجھے کسی قسم کی فکر نہ ہوئی۔ بلکہ میں منتظر تھا کہ دیکھوں اللہ تعالیٰ میرے بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں۔ ابھی وہ ترک سپاہی اپنے موزے میں سے چھری لے ہی رہا تھا کہ اچانک اسے ایک تیر لگا اور وہ وہیں چت ہو گیا، پھر میں اُٹھ کر کھڑا ہوا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے اپنی عمر کس کام میں صرف کی۔ فرمایا چار چیزوں میں، ایک تو یہ کہ میں جانتا تھا کہ اللہ کی آنکھ سے میں چھپ نہیں سکتا۔ پس مجھے شرم آئی کہ اس کے سامنے اس کی نافرمانی کروں۔ دوسرے میں نے جان لیا کہ میرا رزق مجھ سے تجاوز نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے اس کا ذمہ بھی لے لیا ہے، تو میں نے اسی پر اعتماد کر لیا اور اس کی طلب ترک کر کے بیٹھ رہا۔ تیسرے میں نے جان لیا کہ مجھ پر چند فرائض ہیں جنہیں میرے سوا کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکتا اور میں اس میں مشغول ہو گیا۔ چوتھے میں نے جانا کہ میری اجل معین ہے جو میری طرف جلدی کر رہی ہے، تو میں بھی اس کی طرف دوڑنے لگا اور آخرت کی تیاری کرنے لگا۔ اب میں مشغول ہوں اس چیز کی فکر میں جو مجھے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملنے والی، ثواب یا عذاب رحم و کرم وغیرہ۔ جب ہر چیز میں توکل اتم حاصل کر کے سب سے استغناء حاصل کر لیا تو آخری فکر بھی کیوں دامن گیر کیا، واللہ المنان۔

حضرت حاتم اصمؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے مذہب میں داخل ہونا چاہتا ہو تو اسے چاہئے کہ چار موت اپنے اوپر لازم کرلے۔ ایک موت سفید یعنی بھوک، دوسری موت سیاہ یعنی مخلوق کی اذیت برداشت کرنا، تیسری موت سرخ یعنی عمل مخالفت ہوئی، خواہشات کی مخالفت میں ایسا عمل جو ہر قسم کے کھوٹ سے پاک ہو، چوتھی موت سبز یعنی چیتھڑے پر چیتھڑا لگانا۔

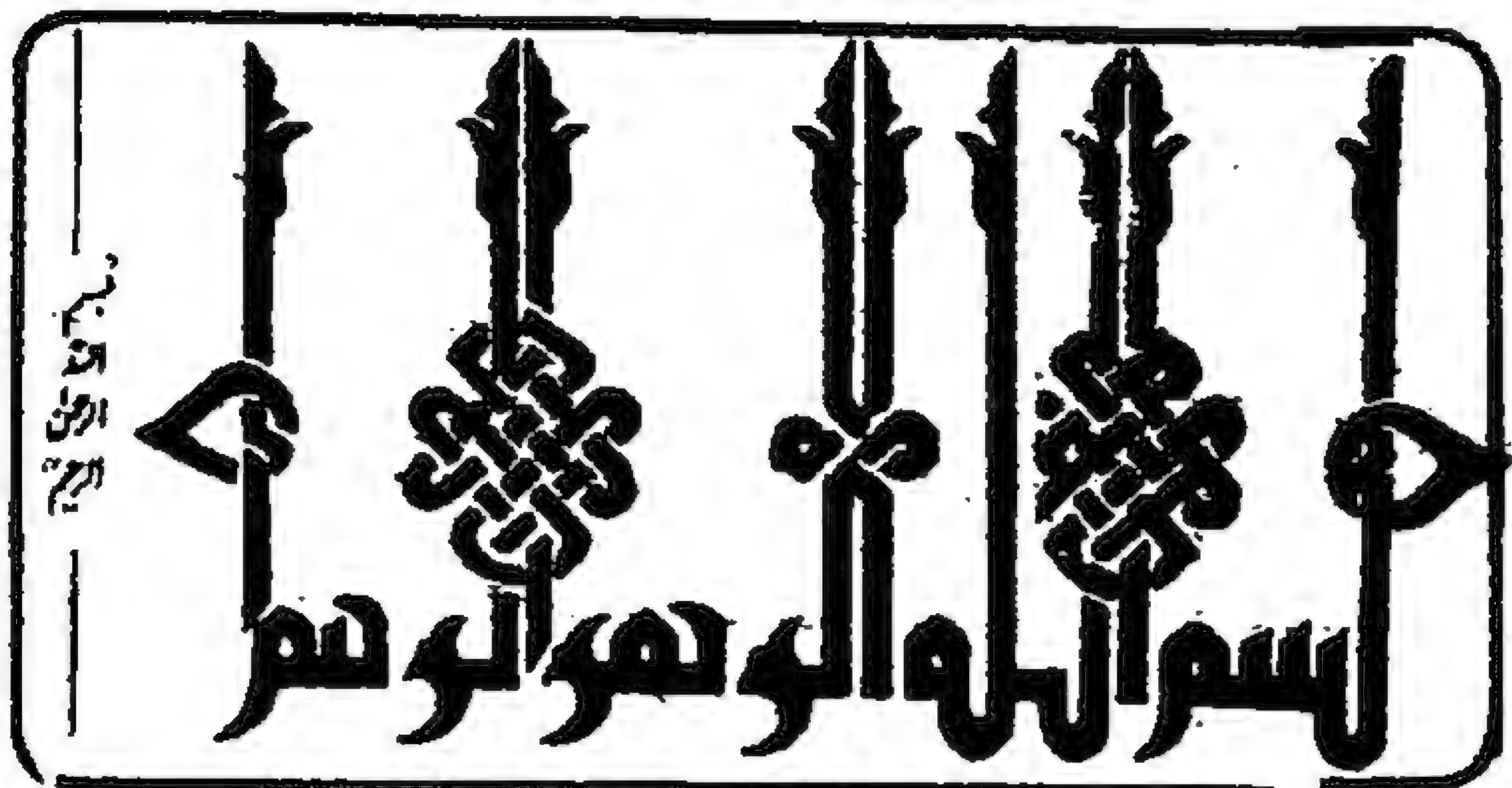
ایک شخص سفر پر جارہا تھا۔ اس نے آپ سے وصیت چاہی۔ فرمایا اگر دوست مطلوب ہے تو خدا تیرے لئے کافی ہے، اگر ہم راہی چاہتا ہے تو کراماً کاتبین تیرے ہمراہ ہیں، اگر عبرت درکار ہے تو دنیا بہت ہے، اگر مونس چاہتا ہے تو قرآن کافی ہے۔ اگر کام درکار ہے تو عبادت کرو، وعظ درکار ہے تو موت سے بڑھ کر کوئی وعظ نہیں۔ اگر یہ باتیں کافی نہیں پھر دوزخ بہت کافی ہے۔

ایک شخص نے دریافت کیا، آپ نماز کس طرح ادا کرتے ہیں؟ آپؒ نے فرمایا نماز کا وقت آتا ہے تو پانی سے ظاہر وضو اور توبہ سے باطن کا وضو کرتا ہوں۔ پھر مسجد میں جاکر مسجد الحرام کا مشاہدہ کرتا ہوں، اور مقام ابراہیم کو دونوں ابروں کے درمیان تصور کرتا ہوں۔ بہشت کو دائیں ہاتھ دوزخ کو بائیں ہاتھ دیکھتا ہوں۔ پل صراط کو زیر قدم سمجھتا ہوں۔ ملک الموت کو پشت پر، پھر دل اللہ کے سپرد کرکے تعظیم کے ساتھ تکبیر، حرمت سے قیام، ہیبت سے قرأت، تواضع سے رکوع، تضرع سے سجدہ، حلم سے قعود اور شکر سے سلام کرتا ہوں۔

فرماتے ہیں ''اگر اس زمانہ کے عالموں اور زاہدوں کے غرور کا وزن کیا جائے تو امراء اور بادشاہوں کے تکبر سے بہت زیادہ ہوگا۔'' فرماتے ہیں ''تین وقت نفس کی حفاظت کرو (۱) کام کے وقت اس بات کی کہ اللہ تم کو دیکھتا ہے۔ (۲) بات کرو تو سمجھو کہ اللہ سنتا ہے۔ (۳) خاموش رہو تو یاد رکھو اللہ جانتا ہے۔''

فرماتے ہیں ''جہاد تین ہیں، پوشیدہ جہاد، شیطان سے مرتے وقت تک جاری رکھو۔ (۲) جہاد اعلانیہ ادائے فرائض کا ہے، آخر وقت تک ادائے فرض کرو۔ (۳) دشمن دین سے یہاں تک لڑو کہ یا خود مر جاؤ یا دشمن خدا اور رسول کو نیست و نابود کردو۔

نقل ہے آپ کسی سے کوئی چیز قبول نہ کرتے تھے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا ''لینے میں اس کی عزت اور اپنی ذلت سمجھتا ہوں، اور نہ لینے میں اپنی عزت اور اس کی ذلت تصور کرتا ہوں۔''



آپ سے پوچھا گیا'' آپ کیا چاہتے ہیں؟ جواب دیا دن چڑھنے سے لے کر رات ہونے تک عافیت چاہتا ہوں۔'' پھر سوال کیا گیا'' کیا تمام دن عافیت کے دن نہیں ہوتے۔'' تو فرمایا'' میرا عافیت کا دن وہ ہوتا ہے جس میں اللہ کی نافرمانی کی کوئی بات نہ کروں۔''

آپ نے علماء کی جماعت کی جانب سے گزرتے ہوئے فرمایا'' روز گزشتہ پر تاسف اور موجودہ دن کو غنیمت تصور کرتے ہوئے آئندہ دن سے خوفزدہ ہو تب تو بہتر ہے، ورنہ جہنم تمہارے لئے تیار ہے۔''

فرمایا'' اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کا باہمی ربط قائم فرمایا ہے۔ فراغت کا عبادت سے، اخلاص کا مخلوق سے اور مایوسی نجات میں احکامات کے بجا لانے سے'' فرمایا کہ'' پر بہار باغات پر تکبر نہ کرو، کیونکہ بہشت کے باغات سے زیادہ یہ پر بہار نہیں ہو سکتے اور عبادت پر نخوت سے اس لئے احتراز کرو، کہ ابلیس کثرت عبادت کے باوجود مردود بارگاہ ہوا۔''

بغداد میں آپ نے خلیفہ سے ملاقات کے وقت فرمایا کہ'' السلام علیکم یا زاہد!'' خلیفہ نے کہا کہ میں تو زاہد نہیں ہوں، بلکہ آپ زاہد ہیں۔ آپ نے کہا'' اللہ کا یہ فرمان ہے قل متاع الدنیا قلیل یعنی اے نبیؐ فرما دیجیے کہ دنیا کی متاع بہت تھوڑی ہے اور چونکہ تو قلیل شے پر قانع ہو گیا، اس لئے زاہد ہے۔ اور میں دنیا و آخرت پر بھی قانع نہ ہو سکا تو پھر میں کیسے زاہد ہوں۔''



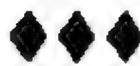
شیخ احمد نہروانیؒ

پیدائش ۵۷۹ ھ ــــ وفات ۶۶۱ ھ

آپ قاضی حمید الدین محمد بن عطاء ناگوری کے خاص مرید اور کامل بزرگ تھے اور باعتبار پیشہ آپ کپڑا بنا کرتے تھے۔ شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریاؒ فرمایا کرتے تھے، اگر کوئی شیخ احمد نہروانی کے مشغول بحق ہونے کا اندازہ لگائے تو دس صوفیوں کے اشغال بالذکر سے کم نہ پائے گا۔ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا جس مجلسِ سماع میں بختیار کاکیؒ کو خاص واقعہ پیش آیا اس اس مجلس میں شیخ احمد نہروانیؒ بھی موجود تھے۔

شیخ نصیر الدین محمود چراغؒ آپ کے بارے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ شیخ احمد نہروانیؒ کو کبھی کبھی کرگھے پر کام کرتے وقت حالتِ وجد طاری ہو جاتی تھی اور اس وجہ سے آپ کپڑا بننا چھوڑ دیتے تھے، لیکن کرگھا چلتا رہتا اور کپڑا خود بخود تیار ہوتا رہتا۔ ایک دفعہ قاضی حمید الدین ناگوری (جن کے حالات پہلے گزر چکے) آپ کے ہاں بغرض ملاقات تشریف لائے اور جاتے وقت فرمانے لگے شیخ احمد کب تک اس کام میں لگے رہو گے؟ یہ فرما کر قاضی صاحب تو تشریف لے گئے اور شیخ احمد نہروانیؒ ان میخوں کو کسنے کے لئے اٹھے جو ڈھیلی پڑ گئی تھیں۔ ابھی ایک میخ کسنا ہی چاہتے تھے کہ آپ کا ہاتھ ٹوٹ گیا جس پر شیخ احمد نہروانیؒ نے ہندی زبان میں فرمایا کہ پیر قاضی حمید الدین نے میرا ہاتھ توڑ دیا۔

اس واقعہ کے بعد آپ نے جولاہوں کا پیشہ ترک فرما دیا اور مکمل طور پر یادِ الٰہی میں مصروف و مشغول ہو گئے۔ آپ کا مزار بدایوں میں ہے۔



شیخ زین الدین الآمدی

سات‍ویں صدی ہجری کے مفکر اور عالمِ دین، جو بصارت سے محروم ہونے کے باوجود کئی کتابوں کے مصنف تھے

ان کا پورا نام علی بن احمد بن یوسف بن خضر الآمدی تھا۔ ان کی تاریخ پیدائش کا علم تو نہ ہوسکا البتہ ان کی تاریخ وفات 714ھ مطابق 1314ء ذکر کی گئی ہے۔ یہ فقہ حنبلی کے عالم، متقی پرہیزگار اور بارعب شخصیت تھے۔ ابتدائی عمر میں ہی بینائی کی نعمت سے محروم ہوگئے تھے مگر کتابوں سے ان کا لگاؤ کم نہیں ہوا، ہمہ وقت کتابوں میں مشغول رہتے تھے اور کسب معاش کے لیے کتابوں ہی کی تجارت کرتے تھے، ان کو خوابوں کی تعبیر بتانے میں بھی کافی شہرت حاصل ہوئی، آپ کئی زبانوں پر مکمل دسترس رکھتے اور اہل زبان کی طرح روانی کے ساتھ بول اور لکھ سکتے تھے۔ خاص طور پر عربی زبان کے علاوہ ترکی، فارسی، منگولی اور رومی زبانوں میں بڑی مہارت حاصل تھی۔

الآمدی نے اپنے پاس کتابوں کا بڑا ذخیرہ جمع کر رکھا تھا۔ بینائی نہ ہونے کے باوجود وہ کتابوں کی شناخت کر لیتے تھے، وہ ہر کتاب کی جگہ اور اس کی قیمت سے واقف تھے۔ انہیں پتہ تھا کہ کس کتاب میں کتنی لکیر، کتنی سطر اور کتنے صفحات ہیں، صلاح الدین الصفدی نے اپنی کتاب "نکت الھمیان فی نکت العمیان" مطبوعہ 1911ء قاہرہ میں لکھا ہے کہ ان سے جو کوئی کتاب مانگی جاتی اور انہیں معلوم ہوتا کہ وہ ان کے پاس موجود ہے تو وہ اپنے اسٹور میں جاتے اور کتابوں کی تہوں اور ڈھیر سے اسے اس طرح نکال کر لے آتے جیسے ابھی رکھا ہو، اگر کتاب کی کئی جلدیں ہوتیں اور پہلی یا دوسری یا تیسری جلد مانگی جاتی تو وہ فوراً اسے نکال لیتے اور حاضر کر دیتے۔ وہ پہلے کتاب کو چھوتے پھر کہتے یہ کتاب اتنی کاپیوں اور اتنے صفحات پر مشتمل ہے اور ان کی بات بالکل درست ثابت ہوتی، کتاب کھولتے اور اس پر ہاتھ رکھ کر بتا دیتے کہ اس صفحہ میں اتنی سطر ہے اور لکیروں کی تعداد اتنی ہے۔ اس میں موٹے قلم سے اتنی سطر اور باریک قلم سے اتنی سطر ہے، یہاں تک کہ عنوانات، اس کے سائز اور اس کے رنگ سے بھی واقف تھے، کون سی سطر سرخ سے لکھی ہے اور کون سی سیاہ ہے، اگر دو تین طرح کی تحریروں میں لکھا ہوتا تو وہ اس کی بھی نشاندہی کرتے

تھے کہ یہاں اس خط میں لکھا ہوا ہے اور اس معاملہ میں ان سے بھی غلطی نہیں ہوتی تھی۔

شیخ آمدی اپنے فضل وکمال، تقویٰ وطہارت، زہد وورع، علم ومعرفت، دینداری ومروت اور عبادت وریاضت میں کافی مشہور تھے۔ 695ھ میں جب منگولی سلطان غازان بن ارغون بغداد آئے اور شیخ کا چرچا سنا تو ان سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور اپنے ہم نشینوں سے کہا کہ کل جب میں مدرسہ مستنصریہ پہنچوں تو آپ حضرات وہاں جمع رہیں۔ جب سلطان غازان وہاں پہنچے تو لوگوں نے ان کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد کی اور ان کی شایان شان استقبال کیا، بغداد کے چیدہ چیدہ مقتدر اور اہل علم و اہل قضاء و افتاء کی بڑی جماعت وہاں پہنچ گئی۔ سلطان نے اپنے بڑے بڑے گورنروں اور وزیروں کو حکم دیا تھا کہ یہ لوگ وہاں ان کے پہنچنے سے پہلے ہی یکے بعد دیگرے ایک ایک کر کے پہنچیں اور شیخ الآمدی کو آزمانے کے لئے ہر آنے والے کے لیے پہلے سے موجود لوگ اسی طرح سلام فرشی بجا لائیں کہ یہ وہم ہو کہ یہی بادشاہ ہیں۔ اس لیے جب کوئی گورنر یا وزیر آتے لوگ ہڑ بڑا کر کھڑے ہو جاتے، ان کی تعظیم کرتے، ان کا شاہانہ استقبال کرتے اور انہیں شیخ الآمدی کے پاس ملاقات اور اسلام کے لیے لے کر آتے، یہ سلسلہ چلتا رہا۔ جس کسی کو شیخ کے پاس لایا جاتا، شیخ پر وقار انداز میں بے اعتنائی کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھے بغیر جواب دیتے اور اپنے کام میں مشغول ہو رہتے، ان کے لیے کسی طرح کی انکساری کا مظاہرہ نہیں کرتے، یہاں تک کہ شاہ غازان تشریف لے آئے، وہ بھی شیخ کے پاس پہنچے، انہیں سلام اور مصافحہ کیا، جب بادشاہ نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا تو وہ فوراً اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور بڑی تعظیم کی اور والہانہ انداز میں ان کا استقبال کیا اور انہیں منگولی زبان میں پھر ترکی پھر فارسی، پھر رومی پھر عربی زبانوں میں خوب دعائیں دیں اور لوگوں کو ان کی طرف متوجہ کرنے کے لیے اور ان کے شایان شان اعزاز واکرام کرنے کے لیے دعا کے وقت اپنی آواز کافی بلند کر لی۔ بادشاہ کو ان کی ذہانت وفراست اور فضل وکمال پر بڑا تعجب ہوا، بادشاہ نے انہیں خلعت عطا کی اور ماہانہ 300 درہم وظیفہ مقرر فرمایا اور انہیں گورنروں، وزیروں اور شاہی دربار میں کسی بھی وقت کسی بھی مقصد سے آنے کی اجازت کا پروانہ عطا کر دیا۔

شیخ زین الدین الآمدی کی بہت سی تصانیف ہیں اور فقہ، لغات اور دیگر علوم کی کتابوں پر حواشی بھی ہیں۔ شیخ اخیر عمر تک علمی کاموں میں مشغول رہے۔ انہوں نے سلطان کے اس پروانہ سے کبھی استفادہ نہیں کیا اور ہمیشہ سادہ زندگی بسر کرتے رہے اور اسی طرح دین کی خدمت کرتے ہوئے 714ھ کو اپنے رب سے جا ملے۔ ◆◆◆ (تحریر: مشعل رحیم)

رحمکار کاکا صاحبؒ

جس علاقہ میں آپ رہتے تھے وہاں سانپ بہت تھے۔ اگر کسی کو سانپ کاٹ جاتا تو آپ اسے نمک کھلا دیتے۔ نمک کھانے کے بعد زہر کا اثر ضائع ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی یہ رسم جاری ہے اور لوگ آپ کے مزار پر نمک لینے آتے ہیں۔

آپؒ کا نام کستیر گل تھا۔ کستیر کے معنی مشک ہے یعنی خوشبو! آپؒ کے اس نام کو بہت کم لوگ جانتے ہیں کیونکہ لوگ آپؒ کو تین ناموں سے پکارتے ہیں۔ آپ کا پہلا نام کاکا صاحبؒ مشہور ہے۔ پشتو زبان میں کاکا بزرگ کو کہتے ہیں۔ آپ کا دوسرا نام رحم کار ہے۔ جس کا مطلب ہے رحم کرنے والا، محبت کرنے والا۔ سخت عبادت کی وجہ سے آپؒ کا رنگ زرد ہو گیا تھا اس لیے آپ کا تیسرا نام زیڑے بابا پڑ گیا۔

آپ کے بزرگ علاقہ خوست سے آئے اور نوشہرہ میں علاقہ خوڑہ میں بس گئے تھے۔ آپ کے والد شیخ بہادر زیارت کاکا صاحبؒ سے چھ میل دور جنگل میں رہا کرتے تھے۔ وہیں آپ رمضان کی پہلی تاریخ کو سن 983 ہجری میں پیدا ہوئے۔

اپنے والد کے انتقال کے تین سال بعد آپ اس جگہ کو چھوڑ کر میلا نامی گاؤں میں آبسے۔ جو زیارت کاکا صاحبؒ سے ڈیڑھ میل دور ہے۔ بارہ سال کی عمر میں آپ نے ظاہری علوم سیکھ لیے۔ بچپن ہی میں آپ کو تفسیر اور حدیث سے دلی لگاؤ تھا۔ کہتے ہیں کہ تفسیر اور حدیث کی اٹھارہ کتابیں ہر وقت آپ کے پاس رہتی تھیں۔ ان کا مطالعہ جاری رہتا تھا۔ ساتھ ہی آپ کو عبادت اور ریاضت کا بھی شوق تھا۔

ظاہری علوم میں اخون دین آپ کے استاد تھے۔ اخون دین بہت بڑے عالم تھے۔ لیکن وہ علم طریقت اور معرفت سیکھنے کا شوق رکھتے تھے۔

نوجوانی ہی میں کاکا صاحبؒ نے عبادت اور مجاہدہ میں بلند مقام پالیا تھا۔ ان کی بڑی

شہرت تھی۔

آپ کے استاد اخون دین خود آپ کے پاس آتے تھے۔ تاکہ روحانیت کی تعلیم لیں۔ آپ نے ان سے حدیث کی کتاب مشکوٰۃ پڑھنی شروع کی۔ لیکن اس اجاڑ جگہ اخون دین کا دل نہ لگا۔ لیکن کاکا صاحبؒ کی خواہش تھی کہ آپ یہیں رہیں وہ واپس جانے لگے۔ کچھ دنوں کے بعد اخون دین نے چپ چاپ اپنی کتابیں بیل پر لادیں اور کاکا صاحبؒ کو اطلاع دیئے بغیر چلے گئے۔ راستے میں بیل اڑ گیا۔ اسے مارا پیٹا مگر وہ اڑا رہا۔ اتنے میں رات ہوگئی۔ اس لیے آپ کو واپس آنا پڑا اور اخون دین جان گئے کہ کاکا صاحبؒ کی خواہش کے خلاف جانا ممکن نہیں۔

آپ کی نسبت اویسی تھی۔ آپ کی ظاہری بیعت اپنے والد سے تھی جو سہروردیہ سلسلے سے تھے۔

آپ عموماً لوگوں سے ملتے نہ تھے اور اکیلے میں عبادت کرنا پسند کرتے تھے۔ اردگرد جنگلی علاقہ تھا۔ آپ رات کے وقت جنگل میں نکل جاتے۔ آپ کی والدہ گھبرا جاتیں اور آپ کو ڈھونڈنے کے لیے لوگوں کو بھیجتیں۔ کئی بار سخت سردی میں آپ جھیل کے کنارے رات بھر بیٹھے رہتے اور تہجد کے لئے برف جیسے ٹھنڈے پانی سے وضو کرتے۔

میلا کے مقام پر پہنچ کر بھی آپ تنہائی میں عبادت کرتے تھے۔ چونکہ چاروں طرف آپ کی شہرت پھیل چکی تھی، اس لیے لوگ دور دور سے آپ کے پاس آتے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ جب اکبر بادشاہ پشاور آیا تو وہ آپ سے بھی ملا۔ اس نے آپ کی بہت عزت کی اور کہا "جو چیز بھی آپ کو چاہیے آپ اس کا نام لیں، تاکہ میں حاضر کروں۔"

جواب میں آپ نے کہا "میں غیر اللہ سے کچھ نہیں مانگتا۔ صرف اللہ سے مانگتا ہوں"۔ کہتے ہیں جب بادشاہ واپس جانے لگا تو وہ اٹک تک آپ کو ساتھ لے گیا۔

آپ کو فروغ علم کا بھی بہت شوق تھا۔ میلا میں آپ نے سات مدرسے بنائے۔ تین مدرسوں میں قرآن کریم کی تعلیم دی جاتی تھی اور چار مدرسوں میں دوسرے علوم پڑھائے جاتے تھے۔

کتابوں کے بارے میں آپ کہا کرتے تھے کہ "کتابیں میرے لیے چراغ ہیں۔ میں ان کی روشنی میں چلتا ہوں۔"

آپ کے ایک مرید جمیل بیگ نے جو فقیر صاحب کے نام سے مشہور ہیں، لکھا ہے کہ "آپ زیادہ باتیں کرنا پسند نہ کرتے۔ چپ رہنا پسند کرتے۔ آواز مدھم تھی۔ بات نرمی سے کرتے۔ کبھی کبھار ہنستے۔"

جس علاقہ میں آپ رہتے تھے وہاں سانپ بہت تھے۔ اگر کسی کو سانپ کاٹ جاتا تو آپ اسے نمک کھلا دیتے۔ نمک کھانے کے بعد زہر کا اثر ضائع ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی یہ رسم جاری ہے اور لوگ آپ کے مزار پر نمک لینے آتے ہیں۔

اس زمانے میں شمشیر خان نوشہرہ کا تھانے دار تھا۔ اس نے یوسف زئی قبیلہ کے بہت سے افراد کو پکڑ لیا اور قید کر لیا۔ ان میں سے بڑے بڑے لوگوں کو اس نے صوبے دار کے پاس پشاور بھیج دیا۔

کاکا صاحبؒ کے پاس بہت سے یوسف زئی پہنچے اور ان سے مدد کی درخواست کی۔ پہلے تو آپ چپ رہے پھر جب لوگوں نے بہت فریاد کی تو آپ ان کے ساتھ نوشہرہ پہنچے۔ شمشیر خان تھانے دار نے جب دیکھا کہ دریا کے پار بہت سے لوگ بیٹھے ہیں تو اس نے پتہ لگایا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ جب اسے پتہ چلا کہ حضرت رحمکارؒ لوگوں کو لے کر اس سے ملنے آئے ہیں تو وہ خود دریا پار کر کے آپ کی خدمت میں پہنچا۔

کاکا صاحبؒ نے تھانے دار سے کہا "وہ سارے یوسف زئی جو تو نے قید کیے ہیں مجھے بخش دے۔" یہ سن کر شمشیر خان نے سارے قیدی رہا کر دیے۔ آپ اس پر بہت خوش ہوئے۔ پھر آپ نے کہا "جو قیدی پشاور میں صوبے دار کے پاس ہیں ان کو بھی رہا کروا دو۔" اس پر شمشیر خان نے کہا "وہ قیدی رہا کرنا اب میرے بس میں نہیں۔"

اس کے بعد آپ پشاور کی طرف چل پڑے۔ پشاور پہنچ کر آپ صوبے دار کے پاس گئے۔ صوبے دار کو جب پتہ چلا کہ ایک بزرگ قیدیوں کی رہائی کے لیے آیا ہے تو اسے سخت غصہ چڑھ گیا۔ اس نے کہا "میں کسی پیر فقیر کو نہیں مانتا۔ اگر چالیس ہزار روپیہ دو تو ان قیدیوں کو رہائی ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔"

آپ نے کہا "فقیروں کے پاس روپیہ کہاں سے آیا جو تمہیں دیں۔"

صوبے دار بولا "اگر تم پیر فقیر ہو تو کوئی کرامت دکھاؤ کہ میں تم کو مان لوں۔ کوئی بددعا دو کہ میں اس کا اثر دیکھوں۔"

آپ نے جواب دیا "میرا کام لوگوں کا بھلا کرنا ہے، لوگوں کا برا چاہتا نہیں۔" یہ کہہ

کر آپ واپس آ گئے۔

کچھ دنوں کے بعد ایسا ہوا کہ صوبے دار نے ایک لشکر ساتھ لیا اور یوسف زئی قبیلہ پر حملہ کرنے چل پڑا۔ راستے میں بڑا طوفان آیا۔ اس کا لشکر بکھر گیا اور اسے یوسف زئی قوم سے صلح کرنی پڑی۔ صلح کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ قیدی آزاد کر دے۔ یوں وہ قیدی آزاد ہو گئے۔

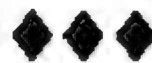
ایک مرتبہ مغلوں اور افغانوں میں لڑائی چھڑ گئی۔ افغانیوں نے حملہ کر کے مغلوں کے طرف داروں کو پشاور کے قلعے میں بند کر دیا۔ قلعے میں ایک آدمی شہباز خان خٹک تھا۔ وہ آپ کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اس نے ایک آدمی آپ کی طرف دوڑایا کہ ''میں افغانوں کی قید سے بھاگ کر اٹک جا رہا ہوں۔ آپ دعا فرمائیں۔''

آپ نے کہلا بھیجا کہ ''تین دن خیبر آباد میں رک جانا۔'' حالات ایسے تھے کہ خیبر آباد میں رکنا سخت خطرناک تھا۔ لیکن شہباز خان خٹک نے خطرے کی پروانہ کی اور خیبر آباد رکا رہا۔ تین دن بعد خبر ملی کہ پشاور میں افغانیوں کو شکست ہو گئی ہے۔ یہ سن کر شہباز خان واپس اکوڑہ آ گیا۔ اس طرح مغلوں کے دلوں میں اس کی عزت بڑھ گئی۔

80 سال کا طویل عرصہ آپ نے لوگوں کی ہدایت اور خدمت میں گزارا۔ آخری عمر میں ایک سال بیمار رہے لیکن بیماری کے دوران بھی آپ نے صبح کی نماز ادا کی پھر بے صبری سے نماز جمعہ کا انتظار کرنے لگے۔ بار بار پوچھتے ''کیا زوال کا وقت ہو گیا۔''

پھر خادموں سے کہا ''اب مجھے مسجد میں لے چلو تا کہ خطبہ سن لوں۔'' خادموں نے سہارا دے کر آپ کو مسجد تک پہنچایا۔

خطبہ میں امام مسجد نے موت کا ذکر کرتے ہوئے کہا ''موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست تک پہنچا دیتا ہے۔'' یہ سنتے ہی آپ نے مسکراتے ہوئے جان دے دی۔



مخدوم زمانہ قطب یگانہ

حضرت فقیر شاہ محمد بادشاہ قادریؒ

موجودہ صدی میں جن بزرگانِ دین کے ذریعہ دین اور کتاب وسنت کو فروغ واستحکام حاصل ہوا ان میں ایک اہم اور نمایاں نام مخدوم زمانہ قطب یگانہ حضرت فقیر شاہ محمد بادشاہ قادریؒ کا بھی ہے اور آپ مشائخ کبار میں سے ہیں اور صاحبِ کشف وبا کرامت ولی، بلند پایہ بزرگ گزرے ہیں۔ ولایت ومعرفت کا یہ آفتاب ضلع غازی پور کے ایک مشہور گاؤں بارا (جو تاریخی مقام چوسا بہار سے قریب ہے) میں طلوع ہوا۔ اس نیر تاباں نے اپنی ضیاپاشیوں سے ہندوستان کے بیشتر خطہ کو منور کیا۔ آپ نے رشد وہدایت کا مرکز سرزمین بنگال کو بنایا اور کثیر تعداد میں لوگوں کو اپنے فیوض و برکات سے نوازا۔ آپ کے والد ماجد کا نام حاجی راحت حسین خاں تھا جو ایک دیندار، متمول اور معزز شخص تھے۔ والدہ کا نام جن محبوب النساء تھا جو نہایت دیندار اور شریف النفس خاتون تھیں۔ تعلیم کے لیے آپ کے والد محترم نے آپ کو مدرا گاؤں ضلع غازی پور کے ایک مشہور ومعروف عالم دین کے زیر سایہ دے دیا۔ استاذ العلماء حافظ غلام علی صاحب نے شفقت ومحبت کے ساتھ آپ کو تعلیم دینا شروع کیا۔ دوران تعلیم حافظ صاحب آپ کے والد بزرگوار سے فرماتے آپ کا یہ فرزندار جمند بہت ہی ذہین ہے اور اس کا مستقبل بھی بہت ہی شاندار ہوگا اور وہی ہوا جو حافظ صاحب نے ارشاد فرمایا تھا۔ حضرت صوفی صاحب علیہ الرحمۃ نے مختصر سی مدت میں حفظ وقرأت کی تعلیم مکمل کر لی۔ ابھی آپ کا عنفوان شباب ہی تھا کہ قطب الاقطاب حضرت حاجی تیغ علیؒ کے خلیفۂ اعظم غوث زماں حضرت شاہ محمد نبی بخشؒ (جن کا مزار اقدس کومیلا شریف بنگلہ دیش میں مرجع خلائق ہے) کی تشریف آوری ہوئی اور آپ بھی حضرت کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہو گئے۔ بچپن ہی سے آپ کو دین وسنت سے خاص لگاؤ تھا لہٰذا بیعت ہونے کے بعد پیر ومرشد کے حکم کے مطابق انتہائی ذوق وشوق کے ساتھ عبادت وریاضت میں منہمک ہو گئے۔ عبادت میں اس قدر مشقت اٹھائی کہ پاؤں میں ورم گیا، طبیعت بھی علیل ہو گئی، تب پیر ومرشد کی خاص عنایت ہوئی، دستِ شفقت پھیرا اور شفایابی

کے بعد بنگال جانے کا حکم صادر فرمایا۔ آپ ضلع ہوڑہ کے دھن سنکریل نامی مقام پر پہنچے اور خانقاہ شریف کی بنیاد ڈالی اور خدمت خلق میں لگ گئے۔ بنگال کے علاوہ بہار، آسام، یوپی اور ممبئی تک آپ کا فیضان عام ہوا۔ آپ ظاہری علوم میں حافظ و قاری تھے مگر علوم معرفت کے سمندر تھے۔ بڑے بڑے علماء آپ کی باریک بینی سے متحیر ہو جاتے۔ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کا اس طرح تشفی بخش جواب دیتے کہ بڑے سے بڑے علم والے انگشت بدنداں رہ جاتے۔ متعدد علمائے دین بھی آپ کے حلقہ بگوشوں میں شامل تھے۔ مخدوم زمانہ سے اس قدر کرامات صادر ہوئیں کہ ان کو احاطۂ تحریر میں لانا مشکل ہے، ایک ضخیم کتاب بھی ناکافی ہے۔ سمجھئے کہ آپ سراپا کرامت تھے اور کیو ں نہ ہوں؟ کہ آپ شریعت مطہرہ کو ہمیشہ مقدم رکھتے تھے اور اپنے مریدین کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ خلاف شرع کوئی کام دیکھتے تو بہت رنجیدہ ہوتے اور فرماتے بغیر شریعت کسی کو طریقت کی ہوا بھی نہ لگے گی اور وہ راہ مستقیم سے ضلالت کی وادی میں بھٹک جائے گا۔ آپ کا فرمان ذیشان ہے کہ دین و شرع میں استقامت کرامت سے زیادہ فوقیت رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ متبع سنت علماءِ کرام بھی آپ کی تعظیم کیا کرتے تھے، آپ نبیؐ پاک کے سچے عاشق تھے، آپ کی صحبت بابرکت سے بہت سے لوگوں کو سرکارِ دو جہاں کا دیدار پرانوار نصیب ہوا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ نبیؐ اعظم کے نورانی نعلین میں فنا ہو جاؤں تو یہ میرے لئے بڑی سعادت ہوگی اس محبت رسولؐ اور اتباع سنت کی وجہ سے آپ محبوب الخلائق اور ہر دلعزیز بن گئے۔ اہل ایماں کے علاوہ ہنود و عیسائیوں کی کثیر تعداد آج بھی آپ کی معتقد ہے۔ آپ نہایت حق پرست اور صادق الوعد تھے۔ بہت سے دنیادار آپ کے دشمن بھی ہوئے مگر آپ کو تائید غیبی حاصل رہی، پائے استقامت میں ذرا بھی لغزش نہ آئی۔ آپ نے جو کہا اسے کر کے دکھایا اور دنیا والوں کے لیے ایک نمونہ بن گئے۔

آپ کو سیدنا غوث اعظمؓ سے علوم و معرفت کا خاص حصہ تھا اور اصطلاح تصوف میں توجہ عینی کا مقام حاصل تھا، جس پر ایک بار نظر پڑ جاتی اس کے اندر انقلاب برپا ہو جاتا۔ بڑی تعداد میں شرابی، جواری افراد نے اپنی مذموم حرکتوں سے تائب ہو کر پارسائی اختیار کی۔

سنتِ مصطفیٰ کے تحت آپ نے کنیز فاطمہ سے عقد فرمایا جو بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں جن سے آپ کے دو فرزند ہوئے۔ بڑے صاحبزادے صوفی صاحب علامہ مولانا محمد فاروق شاہی القادری صاحب جو ایس۔ کے۔ بی۔ ایم کالج دلدار نگر غازی پور میں پروفیسر کے عہدے پر متمکن ہیں اور خانقاہِ شاہیہ قادریہ دھن سنکریل شریف کے سجادہ نشین بھی ہیں، جو دور حاضر کی نابغۂ روزگار شخصیات میں ہیں جن کی رفتار و گفتار اور کردار سے اتباع سنت نبوی کی نورانیت عیاں ہے۔ ان کی عہد ساز

ہستی علم وعمل اور اخلاق محمدی کا حسین نمونہ ہے۔ جن کی صحبت کیمیا اثر سے بے شمار افراد اپنے آپ کو سنوار چکے ہیں۔ دوسرے صاحبزادے ڈاکٹر عبدالقیوم خان صاحب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شعبۂ کامرس میں پروفیسر ہیں۔ حضرت بادشاہ قادری کو اپنے پیرومرشد کے علاوہ دیگر مشائخ کرام سے بھی اجازت وخلافت حاصل تھی ان میں مولانا کامل شاہ نعمانی چراغ ربانی کا نام سرفہرست ہے جن کا مزار ولید پور بھیرا میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کے خلیفہ شاہ محمد بغدادی جو آنند نگر شہرت گڑھ گورکھپور میں مدفون ہیں اور حضرت مولانا شاہ محمد تقی حسن بلخی فردوسی سے سلسلۂ بلخیہ کی اجازت و خلافت ملی تھی اس طرح اکیس سلاسل کی ظاہری و باطنی نعمت سے آپ کو سرفراز ہونے کا شرف حاصل تھا۔ آپ نے ان تمام ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی نبھایا۔ مخدوم زمانہ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ علمائے کرام کی قدردانی بڑی محبت سے فرماتے اور اپنے لواحقین کو بھی اس امر کی تلقین فرماتے۔ حضرت علامہ ارشد القادریؒ و حضرت قتیل داناپوریؒ سے آپ کے دوستانہ مراسم تھے۔ یہ دونوں حضرات بارہا کلکتہ تقریری پروگرام میں تشریف لاتے تو اسٹیج پر جانے سے قبل حضرت بادشاہ قادری کی زیارت کا شرف حاصل کرتے۔ حضرت قطب یگانہ بادشاہ قادری جب یہ فرماتے کہ مجھ ناچیز کی زیارت میں کیا رکھا ہے تو علمائے کرام فرماتے کہ بزرگوں سے اکتساب فیض ضروری ہے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ راج گنج بالی پور، ضلع ہوڑہ میں حضرت علامہ ارشد القادری صاحب کے دوران تقریر حضرت کے ایک مرید صوفی عبدالجلیل بنارسی پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی، علامہ نے اپنی تقریر روک دی اور انہیں اپنے قریب بلا کر فرمایا کہ محترم! عشق وعرفان کا یہ جام آپ نے کہاں سے نوش فرمایا؟ صوفی صاحب نے اپنے پیرومرشد کا نام لیا تو حضرت علامہ نے فرمایا کہ میرے دل میں بھی خیال آرہا تھا کہ اس علاقے میں اتنا زبردست فیضان مخدوم زمانہ قطب یگانہ حضرت فقیر شاہ محمد بادشاہ قادریؒ کے دربار کا ہی خاصہ ہوسکتا ہے۔ اس طرح حضور مجاہد ملت سردار پاڑہ سنکریل میں اپنے مریدوں سے فرماتے کہ اگر میرا وصال مخدوم زمانہ سے پہلے ہوجائے تو تم لوگ ان کے زیرسایہ رہ کر تعلیم وتربیت سے آشنا ہونا اور اپنے اذکار واشغال انہیں دکھانا اور اکتساب فیض کرنا کہ ان میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں اور ہوا بھی یہی کہ حضور مجاہد ملت کا وصال پہلے ہوگیا ان کے مریدین حضرت کی بارگاہ میں حاضری دینے لگے اور آج بھی مزار اقدس پر حاضری کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔

جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ مخدوم زمانہ حضرت فقیر شاہ محمد بادشاہ قادری غازی پوریؒ مجسم کرامت تھے آپ کی کرامتوں کو احاطۂ تحریر میں لانا مشکل ہے تاہم حصول برکت کے لیے کچھ کا ذکر درج ذیل ہے۔ آپ کی تشریف آوری جب بھاگل پور میں ہوئی تو مسلمانوں کا ایک ہجوم سرکار کی

خدمت میں ٹوٹ پڑا اور ایک عالم دین مولانا صاحب کی کارگزاری بیان کی جو ایک جادوگرنی کے دام تزویز میں پھنس کر اس کے شیدائی بن گئے تھے۔ سرکار سے رہا نہ گیا آپ مذہب اسلام کی توہین کیسے برداشت کر سکتے تھے فوراً مسلمانوں کے جم غفیر کے ساتھ جادوگرنی کے یہاں روانہ ہو گئے وہاں دیکھا کہ مولانا صاحب جادوگرنی کا پان لگا کر ڈبے میں رکھ رہے تھے۔ مخدوم زمانہ کی ایک نورانی نظر مولانا صاحب پر پڑی۔ مولانا صاحب بجائے جادوگرنی کے سرکار کے عاشق اور دیوانہ ہو گئے اور حضرت بادشاہ قادری کے پیچھے پیچھے مسلمانوں کے ہجوم کے ساتھ چل پڑے۔ سرکار جب حجرے میں آئے تو مولانا صاحب قدموں میں گر پڑے۔ ان کو ہوش آیا کہ میں کہاں ہوں۔ آپ نے ان کی زندگی میں نمایاں تبدیلی لا دی۔ اس واقعہ کا دور دور تک چرچا ہو گیا اور قطب یگانہ کی ولایت کا ڈنکا بن گیا۔ جب رئیس القلم والتحریر علامہ ارشد القادریؒ کی آمد بھاگلپور میں ہوئی تو لوگوں نے ان سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت مخدوم زمانہ قطب یگانہ محمد بادشاہ قادریؒ اس دور پر فتن میں ''داتا'' ہیں ''داتا'' لقب سے آپ نے نوازا ایسے ہوتے ہیں مصطفیٰ جان رحمت کے سچے عاشق اور اللہ والے۔ اسی طرح سے ایک مشہور کرامت پٹنہ کا بھی ہے عالی جناب محبوب بھائی سرکار کے مریدوں میں سے تھے۔ محبوب بھائی اور حاجی مکھن میں گہری دوستی تھی۔ حاجی مکھن اس لیے کہلاتے تھے کہ مکھن کا بڑا کاروبار تھا۔ انہوں نے محبوب بھائی سے کہا میں تمہارے پیر و مرشد کی زیارت کو چلوں گا اور دیکھوں گا کہ وہ کیسے پیر صاحب ہیں؟ ایک دن حاجی مکھن سرکارؒ کی بارگاہ میں آئے۔ سرکارؒ نے حاجی صاحب سے فرمایا کہ آپ کتنے خوش نصیب ہیں کہ بارہ برس مدینہ منورہ میں اقامت گزیں رہ چکے ہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور پاک سے آپ منور و مجلیٰ ہیں۔ آیئے آپ کی رفاقت سے بھی فیض یاب ہو جاؤں۔ سرکارؒ کے حجرہ میں بیشمار لوگ موجود تھے۔ آپ نے ایک ٹیبل (میز) منگوایا اور ارشاد فرمایا کہ حاجی صاحب اس میز پر چڑھ جایئے اور ذرا اندازہ سے بتایئے کہ گنبدِ خضریٰ شریف کے بالائی حصے کا سوراخ کتنا اونچا ہوگا۔ حاجی صاحب ابھی اندازہ لے ہی رہے تھے کہ قطب یگانہ نے خاص توجہ فرمائی اور حاجی مکھن صاحب بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ فرش پر تڑپنے اور لوٹنے لگے، منہ سے رطوبت نکلنے لگی۔ سرکار قادریؒ نے محبوب بھائی سے فرمایا کہ ان کو گھر لے جاؤ اور لٹا دو کل ہوش ہوگا تو دیکھو کیا کہتے ہیں۔ بزرگانِ دین کو لوگ کھلواڑ سمجھتے ہیں اور امتحان لیتے ہیں۔ دوسرے دن جب حاجی مکھن صاحب کو ہوش آیا تو زبان پہ صرف سرکار ہی سرکار تھا۔ کہا کہ مجھے سرکار قادری کے پاس لے چلو، اپنی خطاؤں کی معافی مانگوں۔ بہر حال حاجی صاحب سرکارؒ کی خدمت بابرکت میں آئے اور قدمبوس ہوئے۔ لوگوں کے ہجوم کے سامنے اشک بار ہو کر

صداقت سے لبریز بیان دینے لگے کہ سرکار محمد بادشاہ قادریؒ نے جیسے ہی توجہ فرمائی ویسے ہی وہیں کمرے میں گنبدِ خضریٰ شریف کا دیدار ہوا اور میرا ہاتھ ٹھیک بالائی سوراخ میں پڑ گیا، انوار محمدیؐ جیکلہ سارے در و دیوار منور مجلیٰ ہو گئے۔ مدینہ منورہ کا پر کیف و روحانی منظر دیکھ کر میں تاب نہ لا سکا اور پھر پتہ نہیں کہ میں کیا ہو گیا اور کہاں گیا! حاجی صاحب نے فرمایا کہ میں کتابوں میں پڑھتا تھا کہ ایسے ولی اللہ پانچ سو برس پہلے زمانے میں ہوا کرتے تھے لیکن اب سرکار عالی وقار کی ذات پاک سے مجھے یقین ہو گیا ہر زمانے میں ایسے ولی اللہ موجود رہیں گے اور نبی رحمتؐ کی نیابت کا فریضہ ادا کریں گے پھر کیا تھا اس کرامت کے بعد حق کے متلاشی لوگوں کا ہجوم اُمڈ پڑا۔ جن میں ڈپٹی مہدی علی، ڈاکٹر امام حسن، پیش کار طہور صاحب وغیرہ کے نام سرِ فہرست ہیں۔ جب تک سرکار پٹنہ میں مقیم رہے یہ لوگ فیضیاب ہوتے رہے۔ پھر سرکار ہندوستان کے گوشے گوشے میں جا کر رشد و ہدایت کا کام انجام دیتے رہے۔ سبق آموزی کے لئے یہ مشہور کرامات بہت ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو کیسے کیسے انعامات سے نوازتا ہے اور یقین دلاتا رہتا ہے کہ یہ ولی کامل فنافی الرسول کے عظیم منصب پر فائز ہے لہٰذا ایسے عظیم المرتبت بزرگ پر زمانے کو ناز ہونا چاہیے۔ آپ نے تریسٹھ حضرات کو اپنی اجازت و خلافت سے نوازا جن میں حضرت صوفی شاہ محمد ممتاز حسینؒ (عاشق رسول) ضلع الٰہ آباد، حضرت شاہ محمد یعقوب شاہ عرف سائیں بابا ضلع سلطان پور، حضرت صوفی شاہ الحاج قطب الدین صاحب بڑھل گنج گورکھپور، حضرت صوفی شاہ محمد یعقوب صاحب ٹنیا برج، حضرت صوفی شاہ عبدالحفیظ صاحب قادری التفات گنج اکبر پور فیض آباد، حضرت صوفی شاہ محمد کمال الدین خاں صاحب قادری دیو بیتھیا غازی پور، حضرت صوفی شاہ عبدالعزیز صاحب ٹنیا برج، حضرت صوفی شاہ محمد ظہیر الدین قادری امہر ضلع بلیا حال مقیم راج گنج ہوڑہ، حضرت صوفی شاہ حافظ مظفر الدین صاحب چمپارن حال مقیم دکھن سنکرئیل شریف، حضرت صوفی شاہ سید قاضی مطیع الرحمٰن صاحب بانکڑا ہوڑہ، حضرت صوفی شاہ عبدالجلیل بنارسی، حضرت صوفی شاہ عبدالعزیز صاحب (کسوا) ضلع بستی، حضرت صوفی شاہ محمد ادریس شاہ بستوی، حضرت صوفی شاہ محمد اکرام صاحب بستوی، حضرت صوفی شاہ نثار احمد (بھمنان) ضلع بستی، حضرت صوفی شاہ حافظ انور صاحب باروی، حضرت صوفی شاہ عبدالصمد ملک صاحب پھلواری شریف اور حضرت صوفی شاہ حاجی مصطفیٰ کمال صاحب پٹنہ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ ضلع غازی پور کا یہ آفتاب ولایت وسیع خطۂ ارض کو چمکا کر ۲ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ کو جنوبی سنکرئیل شریف ضلع ہوڑہ کی خاک میں غروب ہو گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

◆◆◆ (تحریر: گھائل جونپوری)

شہکارِ اعظمؐ

امینِ عکسِ رخسارِ نبیؐ ہے
ہر اک گل آئنہ دارِ نبیؐ ہے

نگاہِ شوق بیمارِ نبیؐ ہے
مداوا عینِ دیدارِ نبیؐ ہے

طلب کیا ہے ہماری اور ہم کیا
خدا بھی خود طلبگارِ نبیؐ ہے

نبیؐ شہکارِ اعظمؐ ہیں خدا کا
خدائی کیا ہے شہکارِ نبیؐ ہے

گلِ مقصد ہے اور دامانِ اُمید
نظر ہے اور گلزارِ نبیؐ ہے

وہی مرکز ہیں نظروں کا یہاں بھی
یہ محشر ہے کہ دربارِ نبیؐ ہے

وہی آزاد ہے ہر غم سے اے دلؔ
جو قسمت سے گرفتارِ نبیؐ ہے

(صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت دلؔ ایوبی ٹونکی

سیدی شیخ عبدالوہاب المتقی القادری الشاذلیؒ

آپ ۹۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور آپ نے ۱۰۰۱ھ میں وفات پائی۔

آپ مندو میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد شیخ ولی اللہ مندو کے اکابرین میں سے تھے، حادثات وانقلابِ زمانہ کی بدولت مندو سے روانہ ہوکر برہان پور آئے اور یہیں سکونت پذیر ہوئے، برہان پور آکر ماضی کی طرح عزت دار وسربلند ہوئے اور پھر تھوڑے ہی دنوں بعد انتقال کیا۔ اسی زمانے میں آپ کی والدہ نے آپ کو کمسنی میں چھوڑ کر سفر آخرت اختیار کیا، بچپن ہی کے زمانے سے اللہ کی توفیق نے آپ کی رفاقت کی ہے۔ آپ نے اسی زمانے سے طلب حق کے لئے فقر وتجرید، سفر وسیاحت عالم اختیار کیا، آپ نے زیادہ تر نواح گجرات، اطراف واکناف علاقہ دکن، سیلون، لنکا اور سراندیپ میں سیاحت کی، آپ کا یہ دستور تھا کہ تین دن سے زیادہ کہیں نہ ٹھہرا کرتے، البتہ تحصیل علم اور مشائخین وصالحین سے استفادہ کے لئے بقدر ضرورت قیام کیا کرتے تھے۔

بیس سال کی عمر کے لگ بھگ جبکہ آپ کی شادی بھی نہ ہوئی تھی مکہ معظمہ پہنچے۔ شیخ علی متقی کی چونکہ آپ کے والد سے شناسائی تھی اس لئے وہ آپ کی مکہ معظمہ میں آمد کی خبر سن کر آپ سے آپ کی قیام گاہ پر ملنے آئے اور بڑی مہربانیاں کرتے ہوئے اپنے ساتھ قیام کرنے کی استدعا کی، پھر جب انہوں نے آپ کی خوشخط تحریر دیکھی تو کہا آپ ضرور بالضرور میرے غریب خانہ پر تشریف لائیں اور ہماری چیزوں کی کتابت کردیں۔ اس پر آپ نے اپنے استغنائے ذاتی اور بے نیازی کو کام میں لاتے ہوئے شیخ علی متقیؒ کی دعوت قیام منظور نہ کی اور کہا دیکھتے ہیں انشاء اللہ نصیب میں کیا ہے؟ لیکن آخرکار شیخ کا فضل وکمال اور استقامت حال دیکھ کر ان کے پاس قیام کرلیا، نیز آپ کو اپنے والد کی یہ نصیحت بھی یاد تھی کہ اگر تمہیں راہِ حق

کے سلوک کی توفیق ہو تو شیخ علی متقیؒ اور ان جیسے بزرگوں کی صحبت ضرور اختیار کرنا، فلاں فلاں لوگوں کے ساتھ رہنے کی کوشش کرنا، ان بزرگوں کے ساتھ ایک ایسے کا نام بھی لیا تھا جو دعوت اسمائے الٰہی اور بادشاہوں کے مسخر کرنے میں مشہور تھا، کہ اس شخص سے ہمیشہ پرہیز کرنا، آپ خط نستعلیق بہترین لکھتے تھے، لیکن شیخ علی نے اس وجہ سے کہ قرآن شریف کو خط نسخ میں لکھا جاتا ہے اور یہی صلحاء کی عادت رہی ہے، آپ کو خط نسخ کی مشق کرنے کی طرف اشارہ کیا، چونکہ آپ کو کتابت میں پہلے سے مہارت حاصل تھی اور آپ کے ہاتھ میں لکھنے کی قوت تھی اس لئے تھوڑی سی مدت میں خط نسخ خوب لکھنے لگے، بعد میں شیخ کی تالیفات کی کتابت اور تصحیح و ترتیب میں مصروف ہوئے، آپ نے شیخ کی بے حساب کتابیں لکھی ہیں۔ آپ تیز لکھنے میں اتنے ماہر تھے کہ ایک مرتبہ بارہ ہزار اشعار کی بارہ راتوں میں کتابت کر دی، ایک رات میں ایک ہزار اشعار لکھتے تھے اور دن میں حسب معمول دوسری کتابوں کی تصحیح و ترتیب میں مصروف رہتے تھے، شیخ کی اکثر کتابوں کی تصحیح و ترتیب آپ کے ہاتھ سے ہوئی ہے، جن دنوں مکہ معظمہ میں قحط سالی ہوئی اور شیخ علی بھی دوسروں کی طرح فاقے کرنے لگے تو آپ ایک دوسرے آدمی کے پاس جا کر کتابت کرتے اور اس کی اجرت پر آپ کی اور شیخ کی گزر بسر ہوتی تھی، چونکہ ان دنوں بیگن بہت سستے تھے اس لئے انہیں خرید کر ان میں تھوڑا سا نمک ڈال کر اچار کے طور پر رکھ دیتے اور یہی روزانہ اپنے شیخ کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔ غرض کہ آپ اپنے مرشد کی اطاعت اور رضامندی میں اتنے منہمک تھے کہ آپ کو فنافی الشیخ کہا جائے تو بجا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شیخ کی ظاہری و باطنی مہربانیوں کے لئے مخصوص ہو گئے اور انوار و اسرار و کمالات سے بہرہ ور ہوئے، اپنے پیر کے کمالات کا صرف مجموعہ ہی نہیں بلکہ پیر کی ذات بن گئے، شیخ علی فرمایا کرتے تھے میں نے راہِ خدا میں ایک بھائی پایا جو عبدالوہاب ہے، شیخ عبدالوہاب کا بیان ہے کہ پیر و مرشد نے مرید کرتے وقت مجھ سے اقرار لیا کہ مالداری پر فقر کو مقدم رکھنا اور اس اعتقاد پر جمے رہنا، چنانچہ اب تک میرا یہی عقیدہ ہے۔ غرض کہ شیخ کے ہاتھ پر میں نے ماہ جمادی الاول ۹۶۳ھ میں بیعت کی اور ان کی خدمت میں ان کی وفات ۲/ جمادی الاول ۹۷۵ھ تک رہا۔ میں ان کے ساتھ تقریباً بارہ برس رہا۔ اس وقت پیر و مرشد کی عمر تقریباً (۶۴) سال ہوگی۔ آپ نے اپنے قیام مکہ معظمہ کے زمانے میں (۴۴) حج کئے اور چوالیسویں حج کے بعد آپ دوسرے سال مکہ معظمہ سے گجرات آئے، کشتی کے ذریعہ آپ کی آمد میں پندرہ یا سولہ دن اور مکہ کی واپسی کے لئے چالیس دن صرف ہوئے، اس سال بھی

آپ نے مکہ واپس ہو کر حج ادا کیا، آپ کی آمد و رفت کا یہ قلیل عرصہ جو کشتی کے ذریعہ طے ہوا آپ کی کرامت تھی۔

شیخ عبدالوہاب اس زمانے میں علم وعمل، حال واتباع، استقامت وتربیت مریدوں کے سلوک اور طالب علموں کی افادیت، امداد اور غریبوں وفقیروں پر مہربانی وشفقت، مخلوق الٰہی کو نصیحت و برکت عطائے نورانیت اور تمام نیک کاموں کی تلقین کرنے میں اپنے پیرو مرشد کے حقیقی وارث، اولیں خلیفہ اور صاحب اسرار ہیں۔

اہالیان حرمین، مشائخین یمن ومصروشام نے آپ سے ملاقات کی ہیں اور یہ سب آپ کی ولایت اور علوشان کے قائل ہیں اور ان کا متفقہ بیان ہے کہ شیخ عبدالوہاب دراصل قطب وقت امام ابوالحسن شاذلی کے شاگرد شیخ ابوالعباس مرسی کے قدم بہ قدم گامزن ہیں۔

بعض مشائخین یمن نے اہالیان حرمین کے نام شیخ عبدالوہاب کی تعریف میں لکھا ہے اے اہالیانِ حرمین! تم میں ایک شمع منجانب اللہ روشن ہے اس سے روشنی حاصل کرو۔

اہل یمن کے صاحب حال عارف ومحقق، شیدائی توحید شیخ سید حاتم ایک مرتبہ شیخ عبدالوہاب سے ملنے کے شوق میں مکہ معظمہ آئے لیکن شیخ عبدالوہاب نے اپنے مکان پر ملنے کی ان کو اجازت نہ دے کر کہلا بھیجا دلوں کی ملاقات ہی زیادہ وقعت رکھتی ہے۔ جسمانی طور پر ملنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ سید حاتم یہ جواب پا کر بخوشی یمن واپس ہو گئے۔

جس سال مکہ معظمہ سے میں ہندوستان جانے والا تھا بعض یمنیوں نے آکر کہا کہ سید حاتم اس موسم میں شیخ عبدالوہاب سے ملنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اسی زمانے میں ایک دن تنہا بیٹھا ہوا حزب البحر کی نقل کر رہا تھا کہ مشہور اور ممتاز بزرگ شیخ علاؤالدین میرے گھر پر حاضر ہوئے اور پوچھنے لگے یہ کیا لکھ رہے ہو؟ میں نے جواب میں کہا حزب البحر نقل کر رہا ہوں تاکہ کشتی میں اسے پڑھ سکوں، پھر انہوں نے فرمایا کسی سے اجازت لی ہے؟ میں نے کہا شیخ عبدالوہاب سے اجازت لینے کا ارادہ ہے۔ اس پر انہوں نے دریافت کیا کہ کیا تم شیخ عبدالوہاب کو جانتے ہو؟ میں نے کہا تقریباً دو سال سے آپ کی خدمت کر رہا ہوں، تو انہوں نے فرمایا مبارک ہو تمہارے حج مقبول ہوئے اور اعمال پسندیدہ ہوئے، میں نے کہا کس وجہ سے آپ تعریف کرتے ہیں؟ جواب دیا اس لئے کہ میرے یمن کے سفر میں وہاں کے مشائخین وفقراء نے متفقہ طور پر کہا ہے کہ شیخ عبدالوہاب مکہ مکرمہ میں اپنے وقت کے قطب

ہیں۔

شیخ عبدالوہاب کتب حقائق وتوحید فصوص الحکم وغیرہ کے بارے میں توقف کرتے تھے نہ تو اس قسم کی کتابیں پڑھتے پڑھاتے اور نہ ان کی ممانعت کرتے اور دوسرے فقہاء کی طرح کسی کو برا بھلا نہیں کہتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ ظاہری وباطنی طور پر اہلِ سنت والجماعت کی طرح پہلے اپنا عقیدہ مضبوط کرو پھر جو کتابیں مطالعہ کرنا چاہتے ہو کرلو، ان کتابوں کے مشکل مقامات پر فکر مت کرو اور اپنے دل میں کوئی خلجان پیدا نہ کرو، ان کتابوں کو دیکھ کر اپنا اعتقاد بنانا مناسب نہیں ہے، ہر شخص کی بات کو ٹھنڈے دل سے سن لو اور اچھی طرح سمجھ لو، جو بات حق نظر آئے اسے اپنی گرہ میں باندھ لو اور باقی کو چھوڑ دو، اگر سمجھ میں نہ آئے تو اس سے قطع نظر کے چھوڑ دو اور اپنے عقیدہ میں خلل مت ڈالو۔

ایک مرتبہ آپ کے سامنے ایک کتاب جس کا نام انسان کامل تھا ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا اس کتاب کو شیخ عبدالکریم جیلی نے جو عدن میں سکونت پذیر تھے اور یمن کے مشائخین میں سے تھے تصنیف کی ہے اور یہ کتاب ابن عربی کی کتابوں کی طرز پر ہے، پھر شیخ عبدالکریم کی تعریف کرنے لگے، فرمایا انہوں نے قرآن شریف کی ایک تفسیر لکھی ہے جس کی حالت یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تشریح کی (۱۹) جلدیں ہیں، بسم اللہ کے ہر حرف پر ایک بہت بڑی جلد تصنیف کی ہے جس میں سے دو تین جلدیں میری نظر سے بھی گزری ہیں اور اس میں بڑے بڑے علوم کو عالمانہ طور پر لکھا ہے لیکن درحقیقت زہر کو شکر میں لپیٹ کر پیش کیا گیا ہے، اگر اس کتاب کے مطالعہ سے پرہیز کیا جائے تو بہتر ہے ورنہ اس سے یقیناً مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

آپ فرماتے تھے کہ تصوف کے لئے یہ کوئی شرط نہیں ہے کہ پہلے توحید وجودی کے اعتقاد کو رکھا جائے جیسا کہ فصوص الحکم وغیرہ میں مذکور ہے، بلکہ تصوف کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہمیشہ ریاضت پر عمل کیا جائے اور اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہو، اس کے بعد میں ذوق و حال پیدا ہو کر باطن میں ایک ادراک نمودار ہو جائے، آپ نے فرمایا اگر ایک شخص کلمہ پڑھتا ہے اور نماز و روزہ وغیرہ ادا کرتا ہے اس سے اگر حال و ذوق اور ادراک کی چیزیں ظاہر ہوں تو اس کو معذور رکھ کر اس پر لعن وطعن نہ کرے اور اسے ملحدین کی طرف منسوب نہ کرے، برخلاف اس کے جو مسلمان نہ ہو اور ارکان اسلام ادا نہ کرتا ہو وہ اگر توحید وجودی اور اپنے ادراک و ذوق حال کو بیان کرے تو وہ پکا ملحد اور بے دین ہے، ایسے شخص کی باتوں کا فوراً انکار

إنما الأعمال بالنيات

کر دو، قوالی کی بابت آپ کی یہ حالت تھی کہ کسی مرید کو قوالی سننے کی اجازت نہ دیتے تھے، ایک مرتبہ میں نے کہا کہ ہمارے ملک میں قوالی سننا ایک عام چیز بن گئی ہے اگر کوئی شخص قوالی سننے سے احتراز کرے تو سب لوگ اس کے مخالف اور اس کو برا سمجھتے ہیں اور مشائخین کے حوالہ سے اس پر الزام لگاتے ہیں ایسے موقع پر بتائیے کیا عمل کرنا چاہیے؟ جواب دیا، اگر کبھی اپنے ہم مشرب لوگوں کے ساتھ کوئی غزل و قوالی مقررہ شرائط کے ساتھ سن جائے تو حرج نہیں ہے، اس پر میں نے پھر کہا کہ ہندوستان کا قاعدہ ہے کہ مجلسِ قوالی میں ہر قسم کے لوگ اہل و نا اہل، صالح و منافق اکٹھے ہوتے ہیں اور چناں چنیں کرتے ہیں جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا، اس مجلسِ قوالی کی بابت کیا ارشاد ہے؟ جواب دیا ایسی مجلس قوالی بالکل جائز نہیں، طلب حق کے لئے اس سے پرہیز واجب ہے اور جب کبھی ایسا مسئلہ درپیش ہو تو اس میں کبھی چشم پوشی نہ کرنا۔

شیخ عبدالوہاب اپنے پیر و مرشد کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی ایک عرصہ تک مجرد رہے البتہ جب پچاس سال کی عمر کو پہنچے تو شادی کی اور شادی سے پہلے کتابت یا نذرانہ کے طور پر جو پیسے ملتے تھے وہ سب فقیروں کو تقسیم کر دیا کرتے تھے اور شادی کے بعد اہل و عیال کے حقوق کو مقدم رکھتے تھے، تاہم فقیروں کی امداد اور غمخواری کو بھی ملحوظ رکھتے تھے، خصوصاً ہندوستانی فقیروں کے پشت پناہ تھے۔ ان کے لباس، کھانے پینے کا بندوبست کرتے، جو لوگ مدینہ منورہ زیارتِ رسول کی غرض سے آتے ان کے اسبابِ سفر میں پوری امداد فرماتے، میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس زمانہ میں آپ سے زیادہ کوئی شخص علوم شرعیہ کا ماہر موجود نہیں ہے، اگر یہ

کہا جائے کہ لغت قاموس آپ کو پوری یاد تھی تو مبالغہ نہ ہوگا، اسی طرح فقہ، حدیث اور فلسفہ کی کتابیں بیشتر زبانی یاد تھیں، عربی ادب میں بھی ماہر تھے، برسوں تک حرم شریف میں ان کتابوں کو پڑھاتے رہے، اب بڑھاپے کی وجہ سے بینائی کمزور ہوگئی اس لئے گوشہ نشین ہیں۔ جو کتابیں نادر و کمیاب اور زیادہ مفید ہیں ان کو منگوا کر ان کی تصحیح کرتے ہیں اور اصل مسئلہ تلاش کر کے ایسے انداز میں لکھ دیتے ہیں کہ جس سے طالب کی کامل تشفی ہو جاتی ہے اور اپنی زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔

آپ فرماتے تھے کہ علم غذا کی طرح ہے جس کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے اور اس کا نفع عام ہے، ذکر دوا کی طرح ہے جس کے ذریعہ علاج کیا جاتا ہے، طالب کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے کاموں سے فرصت نکال کر خلوت میں فراغت دل اور حضور قلب کرے، خاص کر رمضان کے آخری عشرے اور بقر عید کے پہلے عشرہ میں خصوصیت کے ساتھ ذکر و شغل و عبادت کرے اور باقی دنوں میں تحصیل علم میں لگ جائے، لوگوں نے عرض کیا کہ مشائخ تو یہ کہتے آئے ہیں کہ ہمیشہ اور ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہے اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا جو شخص اچھے کام میں مشغول ہے وہ گویا ذکر الٰہی کر رہا ہے، نماز ادا کرنا، تلاوت قرآن پاک، علوم شرعیہ کا پڑھانا اور جتنے بھی اچھے کام ہیں یہ سب ذکر میں داخل ہیں، یہ ہمیشہ کے لئے ہوتے ہیں، جو لوگ پڑھنا پڑھانا اور تمام کاموں کو چھوڑ کر ذکر میں مصروف رہتے ہیں یہ خطرناک بیماری ہے، ہاں جب بیماری سخت ہو تو اس وقت خلوت میں زیادہ سے زیادہ پورے انہماک سے ذکر الٰہی کیا جائے، نیز سلف کا یہی قاعدہ رہا ہے کہ تمام اچھے کام جیسے تہذیب اخلاق، اشاعتِ علوم اور خدمتِ خلق وغیرہ میں ہمیشہ لگے رہتے تھے۔

آپ نے فرمایا علم کوئی ایسی چیز نہیں جسے چھوڑ دیا جائے، بلکہ یہ وہ نعمت ہے جس کے لئے سچی نیت سے کوشش کی جائے۔

ایک دن کسی فقیر نے آپ سے سوال کیا، نماز پڑھنا بہتر ہے یا ذکر کرنا؟ آپ نے فرمایا، نماز پڑھنا بہت بڑا کام ہے لیکن بکثرت ذکرِ الٰہی سے اتصال و اتحاد کی وہ دولت ہاتھ آتی ہے جو آخر کار فنائے وحدت اختیار کر لیتی ہے، اس پر لوگوں نے پوچھا کہ فنائے وحدت کے کیا معنی ہیں؟ ارشاد فرمایا وہ ایک لذت ہے جس کا چکھنے سے تعلق ہے اور تمام طلبگاروں کا حقیقی مقصد صرف اسی لذت کا حاصل کرنا ہے۔ جس نے ایک مرتبہ بھی اپنی عمر میں یہ لذت چکھ لی اس کو پھر تا عمر اس لذت کا ذوق باقی رہتا ہے۔

کچھ لوگوں نے پوچھا کہ درویش جس طرح دعوتِ حق دیتے ہیں یہ اصول حق کا طریقہ ہے یا نہیں؟ جواب دیا ممکن ہے یہ طریقہ ہو لیکن یہ دعوت دینے والے بڑے بداخلاق اور کج فہم ہوتے ہیں، یہ لوگوں کی ایذا رسانی کو برداشت نہیں کرتے اور جو آدمی برا ہوتا ہے وہ جلد اپنے عمل کا بدلہ پاتا ہے، دعوتِ حق دینے والوں کو چاہیے کہ وہ خوش اخلاق اور اذیتیں برداشت کرنے والا ہوں اور ہمارے پیر و مرشد جو دعوتِ حق دیتے تھے وہ خوش اخلاق تھے، نیز لوگوں کی ایذا رسانی برداشت کیا کرتے تھے، مجھے دعائے سیفی پڑھنے کی اجازت ملی ہے جس کی سند بہت بڑی ہے، چونکہ پیر و مرشد کو دعائے سیفی کی اجازت نہ تھی اس لئے جب انہوں نے مجھے علومِ شریعت و طریقت کی اجازت دی تو دعائے سیفی پڑھنے کی مجھ سے اجازت لی، اس کے بعد دعائے سیفی پڑھنے کی مجھ کو اجازت دے دی تا کہ میں ان کی جانب سے مجازِ مطلق اور پورا خلیفہ ہو جاؤں۔

پیر و مرشد فرمایا کرتے تھے کہ درویش جو ذکر اور حلقہ وغیرہ کرتے ہیں اگر چہ اس کی سند سنت نبوی سے نہیں ملتی تاہم مشائخ کا یہ عمل مستحسن ہے، ہر وہ کام جس کی بنیاد ذکر الٰہی پر ہو وہ مؤثر ہوتا ہے اصلی ذکر لا الٰہ الاّ اللّٰہ ہے اور باقی اذکار اسی سے لفظی، معنوی، صوری طور پر مستنبط ہیں، آپ فرماتے تھے کہ ذکر میں الفاظ کو پوری طرح ادا کرنا چاہیے، ذکر لا الٰــہ الاّ اللّٰہ میں حرف لا کو اور الاّ اللّٰہ میں الاّ کو کھینچ کر پڑھنا چاہیے اور حرف ہا کو بخوبی واضح طور پر ادا کیا جائے، غلبۂ شوق اور استیلائے ذکر میں پھر الفاظ ذکر جس طرح ادا ہوں درست ہے لیکن پورے الفاظ کی ادائیگی کا خیال و انتظام رکھا جائے۔ مشائخین کو ذکر ارّہ وغیرہ کرتے ہوئے ان کے مریدوں نے دیکھا اور خود اسی طرح ذکر ارّہ کرنے لگے۔ اگر چہ بعض نے اس کی سند بھی حاصل کر لی ہے۔

ذکر خفی کی بابت فرمایا، جو ذکر آہستہ کیا جائے اس طرح پر کہ برابر والا آدمی نہ سن سکے اس کو ذکر خفی کہتے ہیں، عرض کیا گیا کہ بعض لوگ ذکر خفی کی اس طرح تعریف کرتے ہیں کہ اس میں زبان کو دخل نہ ہو بلکہ قلب کو بھی خبر نہ ہو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا، یہ الگ بات ہے، ذکر خفی کا ادنیٰ مقام یہ ہے کہ ذاکر خود سن لے جیسے غیر جہری نماز۔

اگر دل میں خدا کو یاد کیا جائے تو بہت اچھا ہے لیکن اس پر ذکر کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ آپ اپنے حالات اور اسرار سے کسی نامحرم کو محروم نہیں کرتے تھے، جلسۂ عام میں بقدر ضرورت اکتفا کرتے تھے، مجھے چونکہ آپ سے نور استقامت اور استماع فضائل حاصل ہو چکا

تھا اس لئے عرض کیا کہ کبھی کبھی اپنے حالات واخبار سے مستفید فرماتے رہیں، چنانچہ آپ کبھی کبھی عجیب وغریب حالات بیان فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ میں نے آپ سے دریافت کیا کہ مشائخ وفقراء اہل یمن وحرمین کہتے ہیں کہ آپ شیخ ابوالعباس مرسیؒ کے قدم بہ قدم گامزن ہیں، اس واقعہ کی کیا حقیقت ہے؟ اس پر مسکراتے ہوئے فرمایا، خدا جانے وہ کیوں کہتے ہیں اور کس وجہ سے کہتے ہیں، اس کے بعد شیخ ابوالعباس مرسیؒ کے مناقب وفضائل بیان کرنے لگے اور فرمایا کہ آپ شیخ ابوالحسن شاذلیؒ کے مرید تھے، شیخ ابن عطاء اللہ آپ کے شاگرد تھے انہوں نے آپ کی سوانح حیات پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "لطائف المنن فی مناقب شیخ ابوالعباس وابی الحسن" ہے۔

شیخ ابوالعباس مرسیؒ ایک بڑے بزرگ آدمی تھے، بادشاہِ وقت کو ان سے بدگمانی سی پیدا ہوگئی تھی، اس نے ان کے تقویٰ وپرہیزگاری کا امتحان لینے کی غرض سے ان کو دعوت دی اور دو طرح کے کھانے پکوائے، ایک تو وہ تھے جو عام طور پر کھائے جاتے ہیں جیسے بکری اور مرغ وغیرہ اور دوسری کچھ حرام چیزیں جیسے کتا اور بلی وغیرہ کے گوشت وغیرہ اور حکم دیا کہ مرغ وغیرہ حاکموں اور فوجیوں وغیرہ کی جانب جو ایک صف میں بیٹھیں گے ان کی جانب بڑھائے جائیں اور کتا بلی وغیرہ کے گوشت فقیروں اور درویشوں کی طرف رکھے جائیں اور اس کی کسی کو خبر نہ ہونے پائے، رکابیوں میں ایک خاص قسم کی شناخت رکھی تا کہ کھانا ایک دوسرے سے ملنے نہ پائے، شیخ کے دل میں مجلس میں داخل ہونے کے بعد منجانب اللہ یہ بات معلوم ہوئی تو آپ اپنی جگہ سے اٹھے اور آستین چڑھا کر کہنے لگے۔ آج میں مخلوق خدا کی خدمت کروں گا، یہ کہہ کر وہ کھانے جو امراء وحکام کے آگے رکھے گئے تھے فقیروں کی جانب کھسکا دیئے اور درویشوں کے آگے جو کھانے رکھے گئے تھے وہ سب امراء وحکام کے آگے رکھ کر فرمایا، الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطیبین و الطیبون للطیبات ترجمہ (خراب چیزیں خراب لوگوں کے لئے اور عمدہ چیزیں اچھے لوگوں کے لئے ہیں) یہ دیکھ کر بادشاہ نے اپنی بدگمانی اور بداعتقادی سے توبہ کی اور فوراً ہی شیخ کے قدموں پر گر پڑا، اتنی حکایت بیان کرنے کے بعد شیخ عبدالوہابؒ نے سکوت فرمایا اور مجھ کو باقی قصہ سننے کا انتظار تھا، چنانچہ سال بھر بعد میرے پوچھے بغیر ایک دن فرمایا کہ گذشتہ سال ہم نے ایک قصہ بیان کیا تھا وہ تمہیں یاد ہوگا جو ادھورا رہ گیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ مولانا محمد طاہر یمنیؒ کا ایک ملازم جوان کے پاس سے شیخ ابوالعباسؒ مرسی کی زندگی میں مکہ معظمہ آیا تھا اور چونکہ

مولانا محمد طاہر یمنیؒ کے شیخ ابوالعباس مرسیؒ سے مراسم وتعلقات تھے اس لئے وہ شیخ کے مہمان سرا میں ٹھہر گیا، اسی درمیان وہ بیمار پڑ گیا، میں (عبدالوہاب) کبھی کبھی اس کی عیادت کو جاتا تھا، ایک رات میں نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا جو ارشاد فرمار ہے ہیں کہ اے عبدالوہاب! جاؤ اس بیمار کی خبر لو اور ثابت قدم رکھو، چنانچہ میں بیدار ہوا اور اس بیمار کے پاس پہنچا، دیکھا کہ اس کا آخری وقت ہے۔ میں اس کے سرہانے بیٹھ گیا اور قرآن پاک اور دوسری دعائیں پڑھنے میں مشغول ہو گیا، اتنے میں اس بیمار نے یہ آیت تلاوت کی ویثبت اللہ الذین اٰمنوا بالقول الثّابت، پھر جاں بحق ہو گیا، اس کی اس آیت کی تلاوت سے میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو کہ اس کو ثابت قدم رکھ بالکل ثابت پایا، پھر دوسرے دن اس کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھی، میں اس کی قبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ میری آنکھ لگ گئی اور اس حالت میں میں نے دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے اور مجھے دیکھ کر میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تمہاری تثبیت اور ثابت قدم رکھنے کی برکت سے خدا تعالیٰ نے مجھے نزع کے وقت شیطان کے وسوسے سے نجات دی اور شیخ ابوالعباس مرسیؒ کے محل کے پاس جنت میں مجھے جگہ دی ہے، میں نے یہ خواب اپنے شیخ سے بیان کیا، وہ اور ہم سب لوگ خوب روئے، اس کے بعد شیخ عبدالوہابؒ نے فرمایا کہ یہ قصہ ابھی ادھورا ہے اس کا باقی حصہ یہ ہے کہ میں نے جس بیمار کو خواب میں دیکھا تھا اس نے مجھ سے کہا آیئے ذرا ہمارے گھر کی سیر کیجئے، چنانچہ اس کے گھر کے بیرونی دروازے پر پہنچے پھر اس میں سے گزر کر اندرونی دروازوں میں سے ہوتے ہوئے اس کے گھر میں گئے، دیکھا کہ اس کا یہ گھر ایک بہت بڑا محل ہے جو ہر قسم کے ساز و سامان اور جواہرات سے آراستہ ہے۔ اس میں قیمتی جواہرات اور موتیوں کی پچہ کاری ہے۔ دروازے، در دریچہ سب قیمتی جواہرات کے ہیں اور حقیقت میں اس کا یہ محل ایسا تھا جیسا کہ جنت کے اور مکانوں کا حال ہے، پھر تھوڑی دیر بعد میں اس سے رخصت ہو کر باہر آیا، وہ شخص بھی مجھے رخصت کرنے باہر آیا اور وہیں مجھ سے ایک اور آدمی ملا جس کے چہرہ سے کرامت و ولایت کے آثار نمودار تھے، اس نے بڑھ کر السلام علیکم کے بعد اپنے گھر چلنے کی آرزو کی، جس پر میں (عبدالوہاب) نے کہا، ہماری آپ کی کوئی شناسائی نہیں ہے۔ میں آپ کے گھر کیسے چل سکتا ہوں، جس پر اس نئے شخص نے کہا یہ ضرور ہے کہ ہم میں اور آپ میں بظاہر کوئی شناسائی نہیں ہے لیکن اتحاد اور یگانگت کی ایک خاص نسبت ہے۔ غرض کہ اس کے مجبور کرنے پر مجبور کیا، میں اس کے ساتھ اس کے گھر گیا دیکھا تو اس کا محل بہت زیادہ عمدہ اور جواہر و یاقوت کا بنا

ہوا ہے اور پہلے والے شخص سے بھی زیادہ آراستہ و پیراستہ ہے، میں نے ان کا نام دریافت کیا تو جواب دیا، میرا نام ابوالعباس مرسیؒ ہے، انہوں نے اپنی نشست گاہ پر مجھے بٹھایا اور کہا آپ یہاں بیٹھئے، آپ ہمارے جانشین ہیں، غرض کہ ایک عرصہ بعد وہاں سے باہر نکل کر دیکھا کہ وہیں پیر و مرشد شیخ علی متقیؒ کا بھی محل ہے۔ میں نے ان سے ملاقات کی، وہ جہاں بیٹھے تھے اس کے پاس نہریں جاری تھیں، ایک نہر کی جانب اشارہ کر کے فرمایا یہ جامع کبیر ہے، پھر ایک دوسری نہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ جامع صغیر ہے، پھر وہ دوسری نہروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ میری فلاں کتاب ہے اور یہ میری فلاں کتاب ہے۔

یہ میرا خواب تھا اور شیخ ابوالعباس مرسیؒ کے متعلق میں یہی جانتا ہوں ممکن ہے کہ شیخ ابوالعباس مرسیؒ نے اس واقعہ کی فقرائے یمن اور اہالیان حرمین شریفین کو اطلاع دی ہو ورنہ میں نے آج تک کسی فرد سے بیان نہیں کیا، یہ خواب تیس سال بعد صرف تم سے کہہ رہا ہوں اور وہ بھی اس وجہ سے کہ اس خواب کے بیان کی ضرورت پیش آ گئی تھی، حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے بارے میں فرمایا کہ ایک مرتبہ میں بچپن کے زمانے میں اپنے والد محترم کے ہمراہ علاقہ مندو کے حادثات اور انقلاب میں کہیں گم ہو گیا اور ہم مارے مارے اس جنگل میں جا پہنچے جہاں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ تھی، میں بھوک کی وجہ سے رونے لگا تو والد صاحب نے کہا، تھوڑی دیر صبر کرو کھانا تیار ہے، لیکن ان باتوں سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا، جب رات ہوئی تو شیر و بھیڑیا وغیرہ کے خوف سے ہم نے درخت پر رات گزاری، صبح کو اٹھ کر دیکھا تو اس درخت کے نیچے میٹھے پانی کا چشمہ پایا، ہم کو دیکھ کر وہیں ایک نورانی بوڑھے نے اپنی بغل سے دو گرم روٹیاں نکال کر ہم کو دیں، اس درخت کے قریب ہی ہم کو ایک گاؤں کی آبادی کے اثرات بھی معلوم ہوئے، چنانچہ وہ روٹی کھا کر اور چشمہ کا میٹھا پانی پی کر ہم آبادی کی جانب روانہ ہوئے، گاؤں میں پہنچ کر ہم بہت مسرور ہوئے، پھر اس آدمی اور چشمہ کے دوبارہ دیکھنے کے شوق میں ہم گاؤں سے جب اس درخت کے پاس پہنچے تو وہاں نہ وہ چشمہ تھا اور نہ وہ بوڑھا، ہم حیران و پریشان ہوئے اور آخر کار معلوم ہوا کہ وہ بوڑھا شخص دراصل خواجہ خضرؑ تھے جو ہماری امداد کے لئے وہاں ظاہر ہوئے تھے۔

ایک مرتبہ استدراج کے متعلق ارشاد فرمایا کہ فاسق اور بدعتی بھی ایک قوت و تصرف حاصل کر لیتے ہیں جس کے ذریعہ عوام الناس کو اپنا معتقد بناتے ہیں اور ان کا دل اپنی طرف مائل کرتے ہیں، چنانچہ میرے ساتھ بھی اس قسم کا قصہ پیش آیا ہے، ایک مرتبہ میں

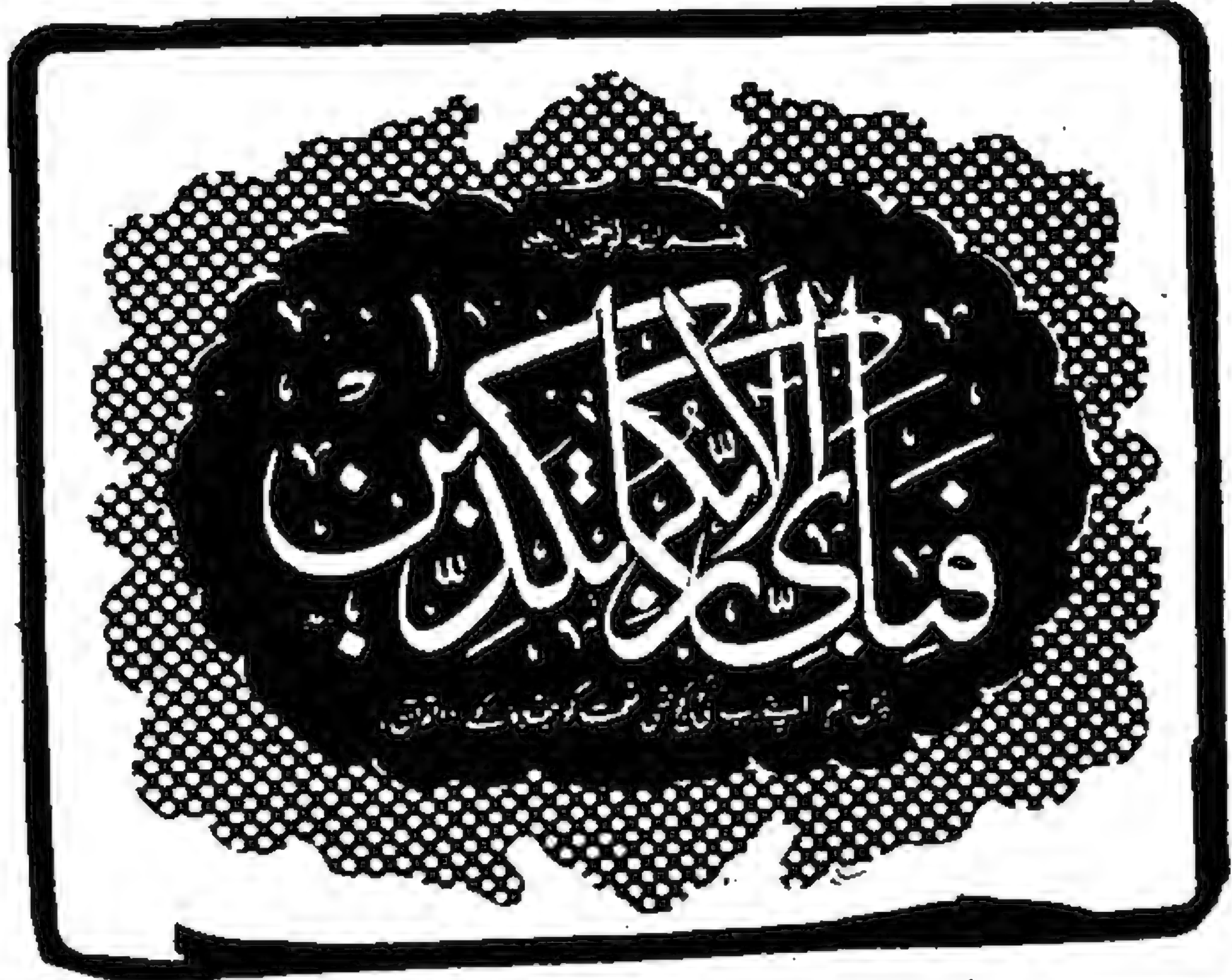
حضرت شیخ ابو علی سیاہ قدس سرہٗ

مرو کے مشائخ کبار سے ہیں۔ شیخ ابو العباس قصاب اور احمد نصر کے ہم عصر تھے، استاد ابو علی دقاق کی صحبت میں رہے ہیں۔ ابتداء میں وہ کھیتی باڑی کرتے تھے۔ تیس سال کامل روزہ سے رہے اور کسی کو مطلقاً علم نہیں ہوا۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ کوئی ایسا ہے جو مخلوق کے عیوب پر آگاہ ہو؟ آپ نے فرمایا، ہاں ضرور ہے، اس نے کہا تو پھر اللہ تعالیٰ ستار العیوب (عیبوں پر پردہ ڈالنے والا) نہ ہوا۔ شیخ نے فرمایا، اپنے آپ کو مجھ سے چھپا۔ پس اسی وقت سے وہ سوجتا چلا گیا۔ کپڑے جو پہنے تھا ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور برہنہ رہ گیا۔ گریہ وزاری کرنے لگا۔ آپ نے دعا فرمائی۔ اپنی حالت اصلی پر واپس آ گیا۔ آپ کی وفات شعبان کے مہینہ میں ۴۲۴ھ مقام مرو میں ہوئی۔

(عبدالوہاب) علاقہ ملابار میں اس وقت پہنچا جبکہ عبدالعزیز شافعیؒ وہاں کے قاضی شہر تھے، ان کا دستور تھا کہ وہ مسافروں، درویشوں اور گدڑی پوشوں سے رازداری کی گفتگو کے خواہاں تھے، مجھ کو درویشی لباس میں دیکھ کر وہ میرے قریب آ بیٹھے، دورانِ گفتگو میں نے پوچھا کیا آپ کے شہر میں کوئی صالح فقیر ہے جس کے ساتھ نشست و برخاست کی جائے، تو انہوں نے کہا، ایک اہلِ باطن ہے شہر والے اس کے معتقد ہیں لیکن وہ بعض ممنوعات الٰہی کو ظاہراً کرتا ہے اس لئے ہمیں پسند نہیں ہے، چنانچہ میں دوسرے دن قاضی صاحب کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچا، دیکھا کہ ایک بلند جگہ وہ بیٹھا ہوا ہے اور دو تین آدمی اس کے ساتھ ہیں اور مردوں، عورتوں کا جمگھٹا ہے، مجھے دیکھ کر اس نے خوشی سے مرحبا کہا، تھوڑی دیر بعد شراب کے جام آئے اور دور چلنے لگا، مجھے بھی پینے کا اشارہ کیا، میں نے کہا یہ حرام ہے، اس نے بے انتہا اصرار کیا، لیکن جب میں نے نہ پی تو اس نے کہا اگر نہیں پیتے تو دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں، غرض کہ اس کے پاس سے رنجیدہ خاطر لوٹا، اپنے دوستوں سے مل کر بھی میں نے یہ واقعہ بیان نہیں کیا، کھانا تیار تھا لیکن وہ بھی اچھا معلوم نہ دیا، پھر اسی حالت میں سو گیا، خواب میں دیکھا کہ ایک پر بہار باغ ہے جس میں ہر طرح کے میوے لگے ہوئے ہیں، وہاں دن والا شخص اپنے ہاتھ میں جام شراب لئے آیا اور کہا یہ پی لو، میں تمہیں باغ میں لے آیا ہوں لیکن دن کی طرح میں نے اس وقت بھی جام شراب پینے سے انکار کیا، پھر تھوڑی دیر بعد آنکھ کھل گئی میں نے جاگتے ہی لاحول پڑھی، اس کے بعد میں پھر سو گیا اور دوسری مرتبہ بھی یہی خواب

دیکھا چنانچہ بیدار ہوکر رسالت مآب کی بارگاہ میں میں نے التجا کی اور مدد چاہی، اب کی تیسری مرتبہ سوتے میں دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک میں عصا لئے رونق افروز ہیں اور میں آپ کے روبرو کھڑا ہوں کہ اتنے میں وہی بدعتی شخص پھر آیا، جناب سرور عالمؐ نے اپنا عصا اس کی جانب پھینکا اور وہ کتے کی صورت میں بن کر بارگاہِ رسالت مآبؐ سے بھاگ کھڑا ہوا، اس کے بعد آقائی و مولائی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا، وہ بھاگ گیا اب دوبارہ اس شہر میں نہ آئے گا، چنانچہ خواب سے بیدار ہوکر میں نے وضو کیا اور دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرکے اس کے مکان پر پہنچا۔ دیکھا کہ وہاں کوئی پرندہ تک نہیں ہے اور وہ میرے پہنچنے سے پہلے فرار ہو چکا تھا، لوگوں نے دریافت پر کہا کہ تھوڑی دیر پہلے یہ پیر اپنا گھر خالی کرکے اپنا سامان لے کر ایک دو ہو چکا ہے۔

ایک مرتبہ عبادت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا۔ سلوک و جذبات کی راہ میں عارف باللہ اپنی نظروں سے عین حقیقت وغیرہ دیکھتے ہیں، سوال کیا گیا کہ کیا بغیر جذب و سلوک کے بھی اللہ تک رسائی ہوتی ہے جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے؟ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا۔ ہمیں بھی ابتدائی زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا تھا اس پر غور کرکے بتاؤ کہ یہ کس قسم میں ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ہم احمد نگر (دکن) کے ایک باغ میں بیٹھے ہوئے تھے ہمارے ساتھ اور بھی فقیر تھے کھانا پکانے کی تیاری کر رہے تھے کہ دور سے ایک آدمی آتا دکھائی دیا، میں نے دل میں کہا اگر یہ شخص ہمارے پاس آئے تو اس کو بھی ہم کھانا کھلائیں گے، چنانچہ وہ شخص ہمارے پاس آیا۔ میں نے اس سے کہا ذرا بیٹھئے گا کھانا تیار ہو رہا ہے ایک لقمہ کھا لیجئے، میرا اتنا کہنا تھا کہ وہ اس طرح بھاگا جیسے جنگل کا جانور چوکڑیاں بھرتا ہوا دوڑتا ہے، اس کے آنے اور جانے کی ادا میرے دل میں گھر کر گئی، چنانچہ میں بھی اس کے پیچھے دوڑا لیکن وہ باغ میں لاپتہ ہو گیا، بہت تلاش کیا لیکن دکھائی نہ دیا آخر میں مایوس ہوکر واپس ہو رہا تھا کہ ایک درخت میں سے جس کی شاخیں زمین پر آکر اس درخت کے تنہ کو چھپائے ہوئے تھیں اس میں سے مجھے آواز دے کر کہا کیا دیکھ رہے ہو، کسے ڈھونڈ رہے ہو؟ میں نے کہا میں تم ہی کو تلاش کر رہا ہوں تب اس نے مجھے بلا کر اس جھاڑی کے اندر بٹھایا اور کہا کہو اللہ اللہ، چنانچہ میں نے یہ اسم اعظم چھ سات مرتبہ کہا ہوگا کہ غیب سے ایک نور دکھائی دیا اور میں خود رفتہ ہو گیا، مجھے اپنی سدھ بدھ نہ رہی۔ عقل و شعور جاتے رہے اور مرنے کی سی حالت ہو گئی، اس کے بعد اس مرد حق نے میری گردن اور کان



سہلائے۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے ہوش ٹھکانے ہوئے لیکن وہاں کی خصوصی حالت سے
میں ایسا متاثر ہوا تھا کہ عرصہ تک اپنی اصلی حالت میں نہ آسکا تھا اور بہت دنوں تک میں اپنی
ذات میں اس دن کے انوار و برکات کے اثرات محسوس کرتا رہا۔
ایک دن جنگم جوگی کی ریاضت و تصرف کا تذکرہ آپ کے سامنے ہوا تو فرمایا ایام سیاحت
میں ہماری بھی ملاقات ایک جوگی سے ہوئی جو بڑی بڑی ریاضتیں کرتا تھا اور عام عادات
انسانی کے خلاف مظاہرے کیا کرتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا کہ میرے پاس سونے کا ایک قلعہ
ہے تم (عبدالوہاب صاحب) اگر میرے ساتھ ریاضت کرو تو میں تم کو اس طلائی قلعہ کے
اندر لے جاؤں گا۔ شہر کے مرد و زن اس کے پاس جمع رہتے، ہر قسم کے تحفہ و تحائف، سامان
اکل و شرب اور زر نقد لاتے لیکن وہ سب فوراً ہی تقسیم کر دیتا اور خود اس میں سے کوئی چیز
اپنے پاس نہ رکھتا، میں نے اس کو مذہب اسلام کی کچھ باتیں سنائیں تو اس نے بڑے شوق
سے سنیں، چونکہ اس نے طلائی قلعہ دیکھنے کا کئی بار مجھ سے تذکرہ کیا تھا اس لئے میں نے
اس طور پر توجہ ڈالی، وہ ایسا ہی مضمحل و پریشان رہا کیونکہ جوگی گری کے کاموں میں میری
توجہ کے بعد مشغول ہو جاتا تھا لیکن آخر کار وہ اسلام لایا اور توبہ کر کے میرا مرید
ہو گیا۔ ◆◆◆

نعت رسول مقبولؐ

عقیدت کے سبھی پھول پرنور ہوگئے
اشعار میری نعت کے منظور ہوگئے

نعتِ حبیب جب بھی کہی میں نے جھوم کے
آزار میری جاں کے سب دور ہوگئے

عشق رسولؐ میں مرے آنسو وفور میں
آنکھوں کے جو دریچے تھے پرنور ہوگئے

جو پڑھ سکے نہ آج تلک کلمۂ طیب
رحمت سے اپنے رب کی بہت دور ہوگئے

یہ آپؐ کا کرم ہے کہ الفاظ نعت کے
مدینے کے طول و عرض میں مشہور ہوگئے

جب سے حریمِ پاک سے وابستگی ہوئی
غم ہائے روز و شب میرے کافور ہوگئے

سہرابؔ مت ڈرو، سنو یہ غیب کی صدا
اشکِ وفا سبھی تیرے پرنور ہوگئے

(صلی اللہ علیہ وسلم)

سہراب جنگ لدھیانوی

حضرت سید علی المعروف بہ سید میران داتار رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام نامی سید علی ہے آپ کے والد محترم کا نام سید دوست محمد المعروف دوسومیاں ہے۔ آپ کے دادا جان کا نام سید علم الدین تھا۔ آپ حسینی سید ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد عرب سے ایران ہو کر پنجاب آئے۔ پنجاب میں مشہور ولیوں کا شہر اچ شریف تشریف لائے۔ بعد میں لکھنؤ کی طرف گئے۔ ۷۳۰ھ میں گجرات (بھارت) کے مشہور سلطان احمد شاہ کی حکومت تھی۔ سلطان اولیاء اللہ ولیوں کا معتقد اور چاہنے والا تھا اور اسی نے گجرات کا دارالخلافہ پاٹن سے احمد آباد کو بنایا اور سلطان احمد کے وقت میں حضرت قطب الدین اور حضرت سید میران داتار کے دادا حضرت سید علم الدین تشریف لائے تھے۔ سلطان احمد شاہ ان بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا اور احترام وعقیدت سے ملا اور جاگیریں پیش کیں۔

حضرت سید علم الدین احمد آباد میں خان پورہ محلہ میں رہنے لگے۔ بعد میں اناوہ (گاؤں) تشریف لے گئے اور یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے اور رشد وہدایت شروع کی۔ حضرت سید میران داتار کی ولادت اسی گاؤں اناوہ میں ہوئی۔ حضرت سید میران داتار کی عمر چھ ماہ کی تھی تو آپ کی والدہ محترمہ بی بی سیدہ عائشہ وفات پا گئیں۔ اس کے بعد آپ کی محترمہ سوتیلی اماجان نے آپ کو پالا پلایا اور بہت ہی لاڈ و پیار سے آپ کی پرورش کی، آپ کے ایک بڑے بھائی سید ابو محمد معروف سید ابو میاں تھے، قرآن مجید، عربی وفارسی کی تعلیم آپ نے گھر سے حاصل کی۔

جب آپ کی عمر ۱۶، ۱۷ سال کی ہوئی تو اس وقت ایک مشہور واقعہ پیش آیا۔ اس وقت تخت پر سلطان محمود شاہ بیگڑہ کی حکومت تھی جو ۱۴۵۹ء میں گجرات کے تخت پر بیٹھا تھا اور جس

نے باون (۵۲) سال حکومت کی، ۱۵۱۱ء میں انتقال ہوا۔ اس کا زیادہ وقت گرنار (جونا گڑھ) اور جاپانیر کو فتح کرنے میں گزرا۔ مانڈوگڑھ پر ہندو راجہ حکومت کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ مسلمانوں کا چہرہ دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ مسلمانوں کا جانی دشمن تھا، جوان لڑکیوں کو اٹھا کر لے جاتا تھا۔ ناچ رنگ اور عیش میں گزارتا تھا۔ مسلمانوں کے خلاف کوئی فریاد کرتا تو وہ مسلمان کو گرفتار کر کے مروا دیتا تھا۔ اس کی ہندو رعایا بھی اس کے ظلم وستم سے ناراض تھی۔ اس لئے وہ گجرات کے سلطان محمود شاہ بیگڑہ کے دربار میں ہندو راجہ کے ظلم وستم سے تنگ آ کر فریاد کی۔ سلطان نے راجہ کو حکم نامہ بھیجا کہ اپنی رعایا پر ظلم وستم کرنا چھوڑ دے اور میرے دربار میں حاضر ہو۔ راجہ نے اپنے غرور میں آ کر سلطان کے حکم نامہ کو پھاڑ ڈالا۔

سلطان محمود شاہ بیگڑہ نے اپنی جانباز فوج لے کر مانڈوگڑھ پر چڑھائی کی، راجہ نے اپنی فوج کے ساتھ سلطانی فوج کا سامنا کیا۔ مگر اپنی فوج کی شکست سے خود فوجیوں کے ساتھ قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا۔ سلطانی لشکر نے قلعہ گھیر لیا اور جوابی کارروائی شروع کی۔ اس سلطانی فوج میں سید ڈوسومیاں (والد محترم سید علی میران داتار) بھی ساتھ میں تھے اور ان کے ہاتھ میں سلطانی پرچم تھا۔ حضرت سید ڈوسومیاں نے لڑتے ہوئے بڑی بہادری کے ساتھ قلعہ کے اوپر جا کر سلطانی پرچم لہرا دیا۔ مگر راجہ اور اس کی فوج سلطانی لشکر کا سامنا کرتا رہا۔ سلطانی لشکر بڑی بہادری کے ساتھ لڑ رہا تھا، مگر اب تک قلعہ فتح نہیں ہو سکا تھا۔

سلطان محمود بیگڑہ نے جہاں اپنے درباریوں سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے وہاں نجومیوں کو بھی طلب کیا اور ان سے کہا کہ وہ حساب و کتاب دیکھ کر یہ بتائیں کہ ابھی تک فتح میں دیر کیوں ہے۔ نجومیوں نے سلطان کو بتایا کہ فتح تو بالکل یقینی ہے مگر اس فتح کا تاج آپ کے لشکر میں ایک سید سردار ہے ان کے صاحبزادے کے سر ہے۔ سلطان نے کہا کہ اتنے بڑے لشکر میں سید صاحب کو ڈھونڈنا کس طرح ممکن ہے۔ نجومیوں نے کہا کہ آج رات کو آندھی اور طوفان کے ساتھ بارش ہوگی، طوفان سے لشکریوں کے خیمے اکھڑ جائیں گے اس وقت صرف ایک تنبو ایسا ہوگا جو اپنی جگہ پر قائم رہے گا اور اسی تنبو میں سید سردار صاحب ہوں گے جو قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہوں گے۔ ان سے کہیں کہ وہ اپنے صاحبزادے کو خط لکھ کر بلالیں۔ نجومیوں کے کہنے پر برابر آندھی چلی اور طوفان کے ساتھ بارش ہوئی اور لشکریوں کے سب تنبو گر گئے۔ سلطان نے خود اپنے سرداروں کے ساتھ سید صاحب کے تنبو کو تلاش کیا۔ برابر میں ایک تنبو نظر آیا جو ثابت اور سلامت تھا۔ اس میں چراغ جل رہا تھا اور سید صاحب قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔

سلطان کو تسلی ہو گئی کہ یہی وہ سید صاحب دوست محمد المعروف بہ ڈوسو میاں سید علی میران داتار کے والد محترم ہیں۔ سلطان ادب و احترام کے ساتھ سید ڈوسو میاں کے پاس بیٹھ گئے۔ تلاوت ختم کر کے سید صاحب نے دیکھا تو سلطان محمود بیگڑہ کو اپنے پاس بیٹھا پایا اور فرمایا کہ اس وقت اس فقیر کے پاس سلطان کی تشریف آوری۔ سلطان نے ادب و احترام کے ساتھ عرض کیا کہ میں آپ حضرت کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ جنگ شروع ہے ابھی تک ظالم راجہ گرفتار نہیں ہوا ہے کہ اسے اس کی کیے کی سزا دیں۔ جب تک راجہ کو سزا نہیں دیں گے ہماری فتح نہیں کہلائے گی۔ نجومیوں کے مطابق اس فتح کا تاج آپ کے صاحبزادے سید علی میران داتار کے مبارک سر ہے۔

سید ڈوسو میاں نے اسی وقت اپنے بڑے صاحبزادے سید ابو میاں کو خط لکھا کہ اپنے پیارے چھوٹے بھائی سید علی کو مانڈوگڑھ جلد از جلد روانہ کریں۔ کیونکہ قدرت خداوندی نے مانڈوگڑھ کی فتح کا تاج آپ کے سر رکھا ہے۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے صاحبزادے سید علی میران داتار کی شادی ہو رہی ہے۔ خط ملتے ہی سید ابو میاں صاحب فکر مند ہوئے کیونکہ آپ کی شادی ہو رہی تھی، انہوں نے خط کا ذکر اپنے چھوٹے بھائی سے نہ کیا، اس رات حضرت سید علی کو خواب میں بشارت ہوئی کہ آپ کے والد محترم کی طرف سے آپ کے لئے خط آیا ہے، وہ خط آپ کے بڑے بھائی نے رکھ لیا ہے۔ آپ وہ خط پڑھ کر والد صاحب کے حکم پر عمل کریں۔ حضرت سید میران داتار نے بھائی سے کہا کہ مجھے رات کو خواب میں یہ حکم ملا ہے کہ وہ خط آپ مجھے دیں تا کہ میں پڑھ کر اس پر اپنے والد محترم کے حکم پر عمل کروں۔ آخر کار بڑے بھائی نے وہ خط آپ کے ہاتھ میں دیا جسے پڑھ کر آپ نے رخصت چاہی۔ آپ کے بڑے بھائی اور والدہ صاحبہ اور خاندان والوں نے آپ کو روکنا چاہا اور کہا کہ شادی کے بعد جانا، دو دن بعد تو شادی ہونے والی ہے، آپ اس پر راضی نہ ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۶، ۱۷ سال تھی۔ ہاتھوں میں کنگنا اور مہندی لگی ہوئی تھی۔ آپ اناوہ گاؤں پہنچے اور اپنے دادا حضرت سید علم الدین کے مزار پر فاتحہ پڑھی۔ تھوڑی دیر مراقبہ کیا، بعد میں اپنے ساتھیوں کو فرمایا کہ مجھے شہادت نصیب ہو تو مجھے یہاں میرے دادا حضرت کے پاس دفن کرنا۔ پھر آپ نے وہاں مسواک کر کے اسے گاڑ دی (یہ مسواک ایک بڑا درخت بنا) وہاں سے آپ مانڈوگڑھ پہنچ کر والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلطان محمود بھی موجود تھے۔ آپ کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آئے اور سید میران داتار کو لشکر کا سردار بنا کر رخصت کیا، آپ میدان کارزار پہنچے اور گھمسان کی جنگ شروع ہوئی۔

یہ دیکھ کر ظالم راجہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہاڑی غاروں میں چھپ گیا۔ حضرت سید میران داتار اسے تلاش کرتے وہاں پہنچ گئے۔ راجہ اور اس کے ساتھیوں نے آپ کو دیکھ کر حملہ کر دیا۔ آپ نے ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا اور ظالم راجہ کے کئی فوجیوں کو ہلاک کیا۔ اس درمیان ظالم راجہ کے سر کی چوٹی آپ کے ہاتھ میں آگئی۔ آپ نے چوٹی پکڑ کر تلوار کے ایک ہی وار میں ظالم راجہ کا سر تن سے جدا کر دیا۔

ظالم راجہ کا سر آپ کے ہاتھ میں تھا، آپ کے کئی زخم آئے، لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔ آپ کی کرامت تھی کہ میدان جنگ میں سر جدا ہونے پر بھی آپ کا دھڑ لڑنے لگا۔

سلطانی فوج آپ کو تلاش کر رہی تھی، رات ہوگئی، رات کے اندھیرے میں آپ کو تلاش نہ کر سکی، اسی رات کو سلطان محمود بیگڑہ اور اپنے والد سید ڈوسومیاں کو آپ نے خواب میں آکر اپنی شہادت والی جگہ بتائی اور فرمایا کہ مجھے یہاں سے لے کر اناوہ گاؤں (جہاں میں نے اپنی مسواک گاڑی ہے وہاں مجھے دفن کریں) سلطان محمود اور سید ڈوسومیاں فوجیوں کو لے کر اس جگہ پہنچ گئے اور عزت واحترام کے ساتھ آپ کی نعش مبارک کو اناوہ گاؤں لے جا کر آپ کی بتائی ہوئی جگہ پر آپ کو دفن کیا گیا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک سانڈنی سوار آیا اور آپ کی نعش مبارک کو صندوق میں رکھ کر لے گیا اور چلتے چلتے وہ سانڈنی ایک جگہ بیٹھ گئی۔ اس جگہ کا نام معلوم کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اناوہ ہے، وہیں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

آپ کی کرامات

آسیب زدگان، پاگل پن، پاگل کتے کے کاٹے ہوئے دور دور سے آپ کے مزار شریف پر آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شفایاب ہو کر جاتے ہیں۔ ہر ایک مذہب کے لوگ آپ کے مزار شریف پر فیض حاصل کرنے حاضر ہوتے ہیں اور فیضیاب ہو کر جاتے ہیں۔ سرکار مہاراجہ برودھ کنڈے راؤ نے آپ کے مزار شریف کے گنبد پر سونے کے کلس لگایا، عقیدت مندوں نے مزار شریف پر سونے چاندی کا کام کروایا ہے۔

حضرت سید علی میران داتار رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت ۸۹۸ھ مطابق ۱۴۹۳ء میں ہوئی۔ آپ کا عرس مبارک ماہ صفر میں ہوتا ہے۔ (ماخوذ)◆◆◆

حضرت جماعت علی شاہؒ

حضرت جماعت علی شاہ صاحب نجیب الطرفین ولی زادے تھے۔ آپ کے نانا بھی اپنے زمانے کے کاملین میں سے تھے۔ آپ کی عمر جب چار سال چار ماہ اور چار دن تھی آپ کو قرآن مجید حفظ کرنے کے لیے مسجد بھیجا گیا۔ آپ نے جلد ہی قرآن مجید حفظ کرلیا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حصول علم کے لیے حضرت جماعت علی شاہؒ نے دور دراز علاقوں کے سفر کیے۔ انیسویں صدی کے وسط میں سفر کرنا بے حد دشوار گزار تھا۔ سڑکیں نہ تھیں، بسوں اور ریلوں کا کوئی انتظام نہ تھا۔ لوگ گھوڑوں اور بیل گاڑیوں پر گھنٹوں کا سفر مہینوں میں کیا کرتے تھے۔ آپ نے اس وقت جب علی پور سے لاہور آنا جانا جوکھوں کا کام تھا اتنے لمبے سفر کیے اور بڑی بڑی دشواریاں خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ آپ نے خان پور، سہارن پور، لکھنؤ، گنج مراد آباد جیسے دور افتادہ علاقوں کا سفر کیا اور اپنے اندر علم کی قندیلیں روشن کیں۔ آپ نے علم کے وہ وہ خزانے حاصل کیے جن تک پہنچنا ہر کس و ناکس کی دسترس سے باہر تھا۔ جب آپ اپنی تعلیم کی تکمیل کر چکے تو آپ کو اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر کے عہدے کی پیش کش بھی ہوئی۔

آپ کی شادی آپ کے ماموں کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی۔ وہ انتہائی عفیفہ، عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔ سارا دن گھر کے کام کاج کے بعد درود و وظائف میں مصروف رہتیں اور شب بھر تہجد گزاری اور شب بیداری کرتی تھیں۔

پیر جماعت علی شاہؒ کو کسی کامل رہبر کی تلاش تھی۔ ایک روز ان کی ملاقات مشہور بزرگ پیر امام علی شاہؒ سے ہو گئی۔ پیر امام علی اپنے مریدوں کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے پیر جماعت علی شاہؒ کو دیکھ کر رک گئے اور بولے "یہ نوجوان ایک روز بہت بڑا ولی بنے گا۔"

مرشدِ کامل کی تلاش میں سرگرداں پھرتے پھراتے حضرت شاہ صاحب کی ایک روز بابا [illegible] شریف والے) جن کا تعلق نقشبندیہ سلسلہ سے تھا، سے ملاقات ہوئی ان سے

آنکھیں چار ہونے کی دیر تھی کہ منزل سامنے نظر آ گئی۔ بابا فقیر محمد نے حضرت کو بڑی محبت سے دیکھا اور چورہ شریف آنے کی دعوت دی۔ اس روز کے بعد آپ کو ہر وقت بابا فقیر محمد کی یاد ستاتی رہتی۔ آپ اس بات کے منتظر تھے کہ کب بابا کی طرف سے بلاوا آئے اور یہ چورہ شریف جائیں۔ اسی کشمکش میں کئی دن اور کئی راتیں گزر گئیں۔ آپ بے تابی اور بے کلی کی کیفیت سے گھبرا کر ایک روز تن تنہا بغیر زادِ راہ پیدل چورہ شریف کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب بابا فقیر محمد نے آپ کو دیکھا تو فرمایا ''جماعت علی! ایسی بھی جلدی کیا تھی جو اس قدر بے سروسامانی کے عالم میں آئے ہو، خیر آ ہی گئے ہو تو بیٹھ جاؤ''۔ یہ کہہ کر بابا فقیر محمد نے آپ کو بیعت کر لیا اور اپنی دستار ان کے سر پر رکھ کر ان کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور حکم دیا ''اللہ اللہ کرو اور لوگوں کو اس کا ذکر کرنے کی تلقین کرو۔''

حضرت جماعت علی شاہؒ کو جب بابا فقیر محمد نے خرقۂ خلافت عطا فرمایا تو ان کے دوسرے مریدوں کو سخت شکایت پیدا ہوئی کہ ہم ایک مدت سے بابا فقیر محمد کی خدمت میں حاضر ہیں لیکن ہم پر کوئی تلطف نہیں ہوا۔ جبکہ جماعت علی شاہ صاحبؒ علی پور سے آئے ہیں اور ولایت کے خزانے لے کر چلے گئے ہیں۔ ان کی یہ باتیں سن کر پہلے تو بابا فقیر محمد خاموش رہے پھر انہوں نے مریدوں سے فرمایا ''احمقو! تمہیں کیا معلوم جماعت علی کیا چیز ہے۔ وہ تو چراغ، بتی اور تیل اپنے ہمراہ لایا تھا میں نے تو صرف چراغ روشن کیا ہے۔''

ڈاکٹر علامہ اقبالؒ حضرت پیر جماعت علی شاہؒ کے بڑے عقیدت مند تھے۔ وہ حضرت کی خدمت میں اکثر و بیشتر حاضری دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انجمن حمایت اسلام کا جلسہ ہو رہا تھا۔ رش بہت زیادہ تھا علامہ اقبال بھی اس جلسہ میں شریک تھے اور حضرت جماعت علی شاہؒ جلسہ کی صدارت فرما رہے تھے۔ علامہ اقبال کو کہیں جگہ نہ ملی تو وہ حضرت جماعت علیؒ کے قدموں میں بیٹھ گئے اور کہنے لگے ''اللہ والوں کے پیروں میں جگہ مل جائے تو اس سے بڑی اور کیا سعادت ہو گی۔''

حضرت نے فرمایا ''جس کے قدموں میں اقبال آ جائے اس کے فخر کا کیا ٹھکانہ ہو گا۔''

ایک مرتبہ حضرت جماعت علی شاہؒ نے علامہ اقبال کو ان کا یہ شعر سنایا۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

علامہ اقبال نے حضرت کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور عرض کی ''حضرت میری بخشش کے لئے

یہی بات کافی ہے کہ آپ کو میں کسی حوالے سے یاد تو ہوں۔''

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے لیے جب چندہ جمع کرنے کی مہم شروع ہوئی تو لاہور میں ایک بہت بڑے جلسہ میں حضرت جماعت علی شاہؒ کو بھی مدعو کیا گیا۔نواب وقار الملک نے اپنی ٹوپی آپ کے قدموں میں رکھ کر آپ سے درخواست کی ''حضرت یونیورسٹی کا انعقاد مسلمانوں کی آن کا باعث ہے۔آپ کی مدد کے بغیر یونیورسٹی بالکل نہیں بن سکتی۔'' آپ نے فرمایا ''کیا یونیورسٹی میں اسلامی تعلیم بھی ہوگی۔'' جواب ملا ''یقیناً انگریزی تعلیم کے علاوہ یونیورسٹی میں دینی تعلیم بھی ہوگی اور نمازوں کی ادائیگی کے لئے یونیورسٹی میں مسجد کا بھی انتظام ہوگا۔'' حضرت نے اسی وقت تین لاکھ روپے کی گراں قدر رقم یونیورسٹی کو دی اور بعد میں بھی ساری عمر یونیورسٹی کی امداد کرتے رہے۔آپ کے کئی مرید بھی اس یونیورسٹی کے طلبا اور استاد تھے اور آپ کے فیض سے یونیورسٹی نے بہت بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔

1916ء میں حضرت قبلۂ عالم امیر ملت لاہور میں مقیم تھے۔حج کے دن آنے والے تھے مگر آپ کو سردی سے سخت بخار آ گیا تھا۔ایک روز آپ کو 104 ڈگری بخار تھا۔کسی دوا سے کوئی آرام نہ آیا۔سردی سے آپ کے جسم میں ایسی کپکپی طاری تھی کہ کئی لحافوں سے بھی سردی دور نہ ہوئی۔اسی وقت ایک نعت گو شاعر حافظ پیلی بھیت والے آ گئے۔آپ نے ان کو دیکھا تو فرمایا ''حافظ صاحب! میں اتنا علیل ہوں کہ مجھ سے اٹھا بھی نہیں جاتا ورنہ آپ کے استقبال کے لئے اٹھ کر آتا۔آپ میرے آقا سرکار دو عالم ﷺ کی ثنا خوانی کرتے ہیں۔اس بیماری کے عالم میں آپ کوئی نعت مجھے سنائیں۔''

حافظ پیلی بھیت والے آپ کے پاس دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور مسحور کن لہجے میں ایک نعت سنائی۔ساری محفل پر کیف و بے خودی طاری ہو گئی۔نعت سننے کی دیر تھی حضرت قبلۂ عالم نے لحاف اتار کر ایک طرف رکھا۔جوتے پہنے اور خادم کو حکم دیا کہ ابھی اسٹیشن چلو میں نے حج کو جانے کا ارادہ کر لیا ہے۔لوگوں نے آپ کو روکنے کی کوشش کی اور عرض کی ''حضرت آپ کو نمونیا ہو جائے گا لہٰذا لحاف میں بیٹھے رہیے'' مگر آپ نے ایک نہ سنی اور دیار حرم کو جانے کے لئے مصر رہے۔کچھ لوگوں کو خیال ہوا کہ بخار اور سردی کی وجہ سے سرسام ہو گیا ہے۔آپ کو کشف کے ذریعہ لوگوں کے خیال کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا ''دیکھو لوگو! میں بالکل ٹھیک ہوں مجھے نہ سرسام ہوا ہے نہ میری دماغی حالت خراب ہے، بلاشبہ میری نبض دیکھ لو۔'' طبیب نے نبض دیکھی حیران رہ گئے کہ آپ بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔آپ نے فرمایا ''یہ میرے آقائے رحمت ﷺ کے ذکر کا

اعجاز ہے جس نے سب دکھ درد ٹھیک کر دیئے ہیں اور مجھے اپنی طرف از خود بلایا ہے۔'' آپ اسی روز حج کے لیے روانہ ہو گئے۔

1951ء میں مئی کی 13 تاریخ کو حضرت جماعت علی شاہؒ جب 121 سال کے ہو چکے تو آپ کو ایک خط ملا جو کہ عربی میں تحریر تھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا ''جماعت علی! تمہاری عمر اب تھوڑی سی رہ گئی ہے اس لیے زیادہ سے زیادہ عبادت کیا کرو'' لوگوں میں جب اس خط کی بابت اطلاع پھیلی تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ سب نے کہا یہ خط غلط ہے۔ آپ نے لوگوں سے کہا ''میں موت سے نہیں ڈرتا موت پر رونا بزدلی ہے سب نے ایک دن مرنا ہے۔'' آپ کے مریدوں نے عرض کی ''حضرت! آپ ہمیں خط دکھائیں۔'' آپ نے فرمایا ''خط میرے نواسے حیدر حسین کے پاس ہے۔'' خط منگوایا گیا مگر اس میں تحریر کردہ عربی کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ آپ نے فرمایا ''یہ عربی قدیم ہے اور اس میں جو اطلاع دی گئی وہ بالکل سچ ہے۔ اگر تم لوگ خط پر یقین نہیں کرتے تو انتظار کرو اس خط میں جو کچھ میں نے پڑھا ہے وہ عنقریب پورا ہوگا۔''

۔حضرت جماعت علی شاہؒ کا معمول تھا کہ گرمیوں کے موسم میں کسی صحت افزا مقام پر تشریف لے جاتے تھے مگر 1951ء میں علی پور میں ہی مقیم رہے۔ رمضان کی 9 تاریخ کو آپ کو سخت بخار آ گیا۔ پھر یہ بخار مسلسل رہنے لگا۔ ایک روز آپ نے اپنے سارے مریدوں کو خاص طور پر کھانا پکوا کر کھلایا۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر تھوڑی سی فیرنی خود بھی کھائی۔ اس کے بعد تین چار مرتبہ ہاتھ دھوئے۔ پھر اپنے صاحبزادے سے فرمایا ''انور حسین! آج عشاء کی نماز جلدی سے پڑھا دو۔ مجھے بخار کی وجہ سے سخت سردی لگ رہی ہے۔'' نماز سے فارغ ہوئے تو اپنی تسبیح منگوائی، اپنے درود و وظائف پورے کیے اور تسبیح واپس کر دی۔ پھر پوچھا ''ساتھ والے کمرے میں کون ہے۔'' جواب ملا ''گھر کی مستورات ہیں'' فرمایا ''ان کو تسلی دے کر زنان خانے میں بھجوا دیا جائے کیونکہ میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔'' یہ فرما کر آپ خاموش ہو گئے۔ یوں محسوس ہوا جیسے آپ استراحت فرما رہے ہوں مگر جب نبض دیکھی گئی تو وہ تھم چکی تھی اور آپ کے چہرے پر ابدی سکون تھا۔

◆◆◆ (تحریر: عامر غنی)

درویش باہوش

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

عصر کا وقت تھا۔ دلی کی فتح پوری مسجد میں نماز شروع ہوئی۔ امام نے اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھی۔ دفعتاً مسجد کے دروازے پر ایک بے ہنگم شور اٹھا۔ بیشتر نمازیوں نے گھبرا کر نیت توڑ دی اور پیچھے مڑ کے دیکھا۔ ایک مشتعل ہجوم دروازے پر قابض ہو چکا تھا۔ ہجوم میں کسی کے پاس خنجر تھا۔ کسی کے ہاتھ میں کٹار (خنجر) تھی۔ کوئی تلوار سے مسلح تھا، کوئی چھری سے .... بہت سے لوگ لاٹھیاں گھما رہے تھے۔ نیت توڑنے والے نمازیوں کے برعکس ایک بزرگ اور ان کے چند ساتھی خشوع وخضوع سے نماز پڑھتے رہے۔ انہوں نے ہنگامے کے باوجود اطمینان سے نماز پوری کی اور نماز پوری کر کے دروازے کی طرف دیکھا۔ ایک شخص نے مضطرب لہجہ میں بزرگ سے کہا۔ ''حضرت! یہاں سے جلد از جلد نکل چلیے۔ فساد ہونے والا ہے۔''

دوسرے نے کہا ''مسجد کے چھوٹے دروازے سے نکل چلیے۔''

تیسرا شخص حیرت سے بڑبڑایا۔ ''کیا یہ لوگ خدا کا گھر مقتل میں بدلنا چاہتے ہیں۔ آخر ان کا مطلب کیا ہے؟'' ....

بزرگ نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کے کہا ''خبردار! کوئی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرے۔ اگر ہماری موت یہیں لکھی ہے تو اسے کون روک سکتا ہے؟ اور اگر ہمارا وقت ابھی نہیں آیا ہے تو اطمینان رکھو، ہمارا بال بھی بیکا نہیں ہو سکتا۔''

ہجوم برابر نعرے لگا رہا تھا ''پکڑ لو کوئی بچ کر نہ جائے۔ انہوں نے ہمارا دین خراب کر دیا ہے۔ یہ کافر ہیں، مرتد ہیں، انہیں قتل کر دو۔ مار ڈالو'' .... کچھ لوگ مسجد کے صحن میں گھس آئے۔ ان کے شاگردوں کو گھیر لیا۔ بزرگ نے تحمل سے پوچھا۔ ''کیا تم لوگ ہمیں قتل کرنا چاہتے ہو؟''

....

''ہاں قتل کرنا چاہتے ہیں۔''

''ہمارا جرم؟''.........بزرگ نے دریافت کیا۔

ایک شخص نے طنزاً جواب دیا۔''سبحان اللہ۔ حضرت کو اپنا جرم بھی نہیں معلوم! کیا بے نیازی ہے۔''پھر وہ غصے سے بولا۔''تو نے کلام پاک کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔تو نے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔تیری سزا موت ہے۔''

بزرگ نے مجمع کو سمجھانا بجھانا چاہا مگر مجمع سنبھلنے کے بجائے بے قابو ہوتا گیا۔اس صورت حال پر بزرگ کو جلال آ گیا۔ان کے ہاتھ میں ایک پتلی سی چھڑی تھی۔انہوں نے چھڑی اٹھائی اور''اللہ ھُو'' کا نعرہ بلند کیا۔نعرہ میں عجیب اثر تھا۔بکھرے ہوئے لوگ کانپ کانپ کر سمٹنے لگے۔ بزرگ نے اپنے ساتھیوں کو دروازے کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔مجمع کائی کی طرح پھٹ گیا۔ بزرگ دروازے سے نکلے اور بازار کھاری باؤلی کی جانب بڑھے۔مجمع میں کوئی شخص چیخا''لوگو! خبردار یہ بہروپیا بھاگنے نہ پائے۔''

بزرگ رک گئے اور مجمع کی طرف رخ کر کے بولے''جو شخص جس جگہ ہے، وہیں ٹھیرا رہے۔اگر کسی نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو وہ یہاں سے زندہ نہیں جائے گا۔''

اس تنبیہ کے بعد کسی میں ہلنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ بزرگ اور ان کے ساتھی اطمینان سے روانہ ہو گئے۔

بزرگ کا نام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تھا!.........

شاہ ولی اللہ گھر پہنچے۔ان کا بڑا لڑکا عبدالعزیز ان سے لپٹ گیا اور رونے لگا۔مسجد کے واقعہ کی اطلاع گھر والوں تک پہنچ چکی تھی۔شاہ ولی اللہؒ نے عبدالعزیز سے کہا''عزیز! روتا کیوں ہے؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ دنیا والوں نے ہمارے پیارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کس قدر اذیتیں دی تھیں؟.........بیٹا! آنسو پونچھ لے۔اب ہم جانے والے ہیں۔ ہماری میراث علم ہے۔اسے سنبھال۔''عبدالعزیز نے ادب سے گردن خم کر دی۔

1176 ہجری میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا۔انہوں نے چار کم سن لڑکے چھوڑے تھے۔عبدالعزیز کی عمر سولہ سترہ برس کی تھی۔انہوں نے اپنے باپ کی میراث ضائع نہ ہونے دی اور علم و عمل کے میدان میں ایسی شہرت حاصل کی جو شاید کسی اور کے حصہ میں نہ آئی ہو۔ برصغیر میں محدثین کے جس قدر سلسلے ہیں ان سب کا واسطہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے آباؤ اجداد سے ہے۔والد شاہ ولی اللہؒ، دادا شاہ عبدالرحیمؒ، پردادا شاہ وجیہہ

الدین شہیدؒ، چچا شاہ اہل اللہؒ۔ بھائی شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ عبدالغنیؒ۔ بھتیجے شاہ اسماعیلؒ، نواسے شاہ محمد اسحاقؒ، شاہ محمد یعقوبؒ اور داماد مولانا عبدالحئیؒ............شاہ عبدالعزیزؒ 1159 ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ تیس پشتوں بعد آپ کا نسب حضرت عمر فاروقؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے دادا شاہ عبدالرحیمؒ نے دلی میں علم حدیث کی اشاعت کے لئے مدرسہ رحیمیہ قائم کیا تھا۔ شاہ عبدالرحیمؒ عالمگیری عہد کے جلیل القدر علماء میں تھے۔

عبدالعزیزؒ نے پانچ سال کی عمر میں قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔ اس کے بعد فارسی کے چند مختصر رسالے پڑھے۔ پھر صرف دو تین سال میں عربی صرف ونحو کی کتابیں پڑھ لیں۔ بارہ سال کی عمر میں انہوں نے صرف، نحو، فقہ، اصول، منطق، کلام، عقائد، ہندسہ، ہیئت اور ریاضی وغیرہ میں کامل مہارت اور اعلیٰ لیاقت پیدا کر لی تھی۔ اس کے بعد حدیث کی تعلیم شروع ہوئی۔ ان کی ذہانت اور قابلیت دیکھ کر لوگ دنگ رہ جاتے تھے۔ کوئی دقیق اور اہم مسئلہ ایسا نہیں تھا جسے وہ بآسانی حل نہ کر دیتے ہوں۔ بڑے بڑے عالم حیرت زدہ رہ جاتے۔ انہوں نے زندگی کا بیشتر عرصہ علوم کی درس وتدریس میں صرف کیا۔ ان کے تینوں چھوٹے بھائی انہی کے شاگرد تھے۔ سترہ برس کی عمر میں وہ اپنے والد کے جانشین ہوئے اور نہایت سرگرمی سے طلبہ کو پڑھانے لگے۔ مدرسہ رحیمیہ کو ان کی وجہ سے دوامی شہرت نصیب ہوئی۔

شاہ عبدالعزیزؒ کا زمانہ مسلمانوں کی اخلاقی گراوٹ کا زمانہ تھا۔ فسق وفجور کا بازار گرم تھا۔ مذہبی اجارہ داروں نے اپنے مفادات کے لیے لوگوں کو بے شمار توہمات میں مبتلا کر دیا تھا۔ ان کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ کوئی شخص اٹھے اور اصلاحِ حال کا نعرہ لگائے۔ اس پرفتن دور میں علمائے حق کو کئی کئی محاذوں پر لڑنا پڑ رہا تھا۔ شرک وجہل میں مبتلا عوام، گمراہ کرنے والے تصوف کے نام لیوا اور گدی نشین، دنیادار علماء، مغل سلاطین کی دینی بے حسی، انگریز حکومت اور اس کے ایجنٹ اور وہ لوگ جو سوادِ اعظم کے مخالف تھے۔ انہوں نے شاہ صاحبؒ اور ان کے والد کو بے انتہا اذیتیں پہنچائیں۔ دلی کے کوتوال کو ولی اللہی خاندان سے بے وجہ کا بغض تھا۔ اس نے شاہ ولی اللہ کو اذیتیں دیں کہ وہ کوئی کتاب یا مضمون تحریر نہ کر سکیں۔ اسی نے مرزا مظہر جان جاناں کو شہید کرایا پھر شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کو دلی سے نکال دیا۔ یہ دونوں حضرات مستورات سمیت تباہ حال شاہدرہ تک پیدل گئے۔ اس کے بعد مولانا فخرالدین نظامی کی کوشش سے [illegible] سواری مل گئی، وہ قصبہ پھلت روانہ ہو گئیں لیکن شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ رفیع الدینؒ [illegible] رفیع الدینؒ پیدل لکھنؤ گئے اور شاہ عبدالعزیزؒ

جون پور!............ان دونوں بھائیوں کو نہ ایک ساتھ رہنے کا حکم تھا، نہ سواری پر بیٹھنے کا۔ جون پور کے تکلیف دہ پیدل سفر میں انہیں لو بھی لگی اس لیے ان کے مزاج میں سخت حدت پیدا ہو گئی تھی۔ کچھ عرصہ بعد اس کوتوال کو کسی دشمن نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اب شاہ رفیع الدینؒ لکھنؤ سے اور شاہ عبدالعزیزؒ جون پور سے واپس دہلی آ گئے۔ ان کی غیر حاضری میں تصوف کے نام پر دنیا کمانے والوں نے ادھم مچا رکھا تھا۔ بادشاہ، شہزادوں اور شہزادیوں پر ان کا بے پناہ اثر قائم ہو گیا تھا۔ عوام ان کی مٹھی میں تھے۔ ان کی یہ تک جسارت ہو گئی تھی کہ وہ حق گو علماء اور خلوت گزیں زاہدوں کے پاس آتے اور کہتے ''او مسجد کے مینڈھے! کچھ مال و دولت دے جس سے ہم شراب پئیں گے، بھنگ گھوٹیں گے۔ اگر نہیں دے گا تو سونٹا مار کر تیری کھوپڑی پاش پاش کر ڈالیں گے۔'' لیکن شاہ عبدالعزیزؒ نے کبھی کسی کو کچھ نہیں دیا۔

شاہ عبدالعزیزؒ کے زمانے میں امام شاہی فرقے نے بھی بے حد گمراہی پھیلائی تھی۔ اس فرقے کے لوگ چار ابرو کا صفایا کرتے تھے۔ جو چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں انہیں حلال کہتے اور حلال کو حرام بتاتے۔ اس فرقے کا بانی ایک شخص امام شاہ نامی تھا۔ امام شاہ کی قبر شکار پور کے ایک باغیچے میں تھی اس لئے اس کے ماننے والے اپنا نام باغ کی مناسبت سے رکھتے تھے۔ کسی کا نام گلاب شاہ تھا، کسی کا چنبیلی شاہ اور کسی کا بہار شاہ وغیرہ۔ جب ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت آئی اور انہوں نے اپنی طاقت بڑھانے کے لئے ہندوستانیوں کی فوج میں بھرتی شروع کی تو انہیں بڑی بڑی تنخواہیں دی۔ وسیع اختیارات بھی دیئے۔ بہت سے لوگ عہدے اور روپے کے لالچ میں کثرت سے بھرتی ہونے لگے۔ اس زمانے میں شاہ جہاں پور کا ایک حسین و جمیل صحت مند نوجوان نسیم خاں تھا۔ اسے شعر و سخن سے بھی شوق تھا۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے ''تذکرہ گلشن بے خار'' میں اس کے حالات درج کیے ہیں۔ وہ انگریزی فوج میں رسالدار تھا اور رخصت لے کر اپنے وطن شاہ جہاں پور جا رہا تھا۔ راستے میں قصبہ شکار پور آیا۔ نسیم خاں وہاں ایک سرائے میں ٹھہرا۔ سرائے کے سامنے ہی وہ باغ تھا جس میں امام شاہ کی قبر تھی۔ اتفاق سے نسیم خاں کھانا کھا کر ٹہلنے نکلا اور اس باغ میں پہنچ گیا۔ وہاں ایک مکان تھا۔ اس میں امام شاہ کا سجادہ نشین گلزار شاہ رہتا تھا۔ اس زمانے کے محاورے میں اس مکان کو منڈف کہا جاتا تھا یعنی کٹیا۔ نسیم خاں مکان کے قریب گیا تو گلزار شاہ نے اس کی آہٹ سنی اور مکان کے اندر سے آواز دی۔ ''کون''؟ اس لیے نسیم خاں نے جواب دیا ''نسیم'' گلزار شاہ نے اندر سے کہا ''نسیم ہے تو گلزار سے نہ جائے گی۔'' ....

اس آواز میں عجیب جادو تھا۔ نسیم خاں کے قدم زمین میں گڑ گئے۔ چند لمحوں بعد گلزار شاہ مکان سے نکلا۔ اسے دیکھتے ہی نسیم خاں بے خود و بدحواس ہو کر اس کے قدموں پر گر پڑا۔ پھر اس نے اسی وقت چار ابرو کا صفایا کرایا اور امام شاہی فرقہ میں شمولیت اختیار کر لی۔ اپنے ہمراہیوں کو بلا کے اس نے کہہ دیا کہ میرا جس قدر ساز و سامان ہے اس پر تمہیں اختیار ہے۔ جی چاہے تو میرے گھر دے دینا اور جی چاہے تو خود رکھ لینا۔ مجھے اب نہ گھربار سے کوئی تعلق ہے نہ تم سے کوئی سروکار۔ تم سب اپنے اپنے گھر چلے جاؤ۔ میں یہیں رہوں گا......... پھر اس نے بیوی کے نام طلاق نامہ لکھا، اس پر گواہوں کے دستخط کرائے اور ان کے حوالے کر کے کہہ دیا کہ "یہ طلاق نامہ میری بیوی کو دے دینا" ہمراہیوں نے بہت سمجھایا، اونچ نیچ سے آگاہ کیا کہ یوں گھربار چھوڑنا اور فوج کی نوکری پر لات مارنا کہاں کی دانائی ہے مصیبت میں پھنسو گے......... مگر نسیم خاں نے ایک نہ سنی، وہیں امام شاہ کے باغیچے میں دھونی مار کے بیٹھ گیا۔ بیوی اور اس کے گھر والے صبر و شکر کر کے خاموش ہو رہے۔ فوج نے بھی اسے واپس نہیں بلایا۔ گلزار شاہ کا یہ تصرف چونکہ عجیب تھا اس لیے عوام پر اس کا بہت اثر ہوا اور امام شاہی فرقہ کو انتہائی ترقی ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد گلزار شاہ مر گیا۔ اس کی جگہ نسیم خاں سجادہ نشین بنا۔ بہت سے لوگ اس کے فرقہ میں داخل ہوئے اور ہر طرف نسیم خاں کا ڈنکا بجنے لگا۔ انہی دنوں ایک مرتبہ نسیم خاں دہلی کی سیر کے لئے آیا۔ اس نے جب شاہ عبدالعزیزؒ کے علم و فضل اور کشف و کرامت کا حال سنا تو اس کے دل میں حسد کی چنگاری بھڑکی، اس نے سوچا کہ اگر شاہ عبدالعزیزؒ کو نیچا نہ دکھایا تو کچھ نہ کیا......... یہ سوچ کے وہ اپنے مریدوں سے بولا......... "ابھی جاتا ہوں اور اگر شاہ صاحبؒ کو اپنے حلقۂ غلامی میں داخل نہ کروں تو نسیم خاں نام نہیں۔"

خانقاہ پہنچ کر اس نے شاہ صاحبؒ کو نہایت تکبر سے مخاطب کیا "شاہ صاحبؒ! مذہب کی قید میں کب تک رہو گے؟ نکلو اس قید سے......... "شاہ صاحبؒ نے نہایت اخلاق سے فرمایا۔ "آیئے آیئے تشریف لایئے" .... یہ کہہ کر انہوں نے اسے اپنے پاس بٹھایا اور دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ باتوں باتوں میں انہوں نے نسیم خاں سے پوچھا "میاں صاحب! آپ نے قرآن بھی پڑھا ہے" ....

"جی ہاں پڑھا ہے۔" نسیم خاں نے رعونت سے کہا۔

"کچھ فارسی بھی پڑھی ہے؟" ....

"بے شک، فارسی بھی پڑھی ہے۔" نسیم خاں نے کہا۔

''اور عربی؟'' ....

''جی ہاں۔ عربی میں بھی شد بدر کھتا ہوں۔'' نسیم خاں بولا۔ ''میر قطبی تک تو پڑھی ہے۔''

''گھڑ سواری بھی آتی ہے؟'' ......

''کیوں نہیں۔ اچھی طرح'' .... نسیم خاں نے فخر سے کہا۔

شاہ صاحبؒ بولے۔ ''فنون سپہ گری بھی سیکھے ہوں گے؟'' ....

''بہت اچھی طرح تیر اندازی اور بندوق چلانا جانتا ہوں۔''

''میاں صاحب! یہ رنگ اختیار کرنے سے پہلے آپ کیا کام کرتے تھے؟'' ....

''فوج میں رسالدار تھا۔''

شاہ صاحب نے پوچھا کہ ''قرآن کتنے زمانے میں پڑھا؟ فارسی کتنی دیر میں پڑھی اور عربی میں کتنا وقت لگایا، سپہ گری کتنی مدت میں سیکھی اور فوج کی ملازمت کتنے عرصہ کی؟'' .... اس نے سب سوالوں کے جواب دیے۔ شاہ صاحبؒ نے پوچھا ''امام شاہی فرقہ میں کب داخل ہوئے؟'' .... اس نے اس کا بھی جواب دے دیا۔ ان تمام باتوں کا اقرار کرا کے شاہ عبدالعزیزؒ للکارے ''او فقیر! سنبھل کر بیٹھ اور سن۔ تو نو مہینے ماں کے رحم میں رہا اور اپنے اختیار سے نہ نکل سکا اور مہینوں تو ماں کے دودھ کی قید میں رہا اور اپنے اختیار سے نہ چھوڑ سکا اور برسوں تو انگلی پکڑنے کی قید میں رہا اور مونڈھوں اور گود کی قید میں رہا پھر استاد کی قید میں رہا اور اس دوران استاد نے چانٹے بھی مارے ہوں گے، طمانچے بھی لگائے ہوں گے اور قمچیوں سے تیری مرمت بھی کی ہوگی مگر تو اس قید سے نہ نکل سکا۔ برسوں تو فارسی کی قید میں اور عربی کی قید میں اور کشتی کی قید میں رہا اور فن سپہ گری کی قید میں رہا اور تو نے گھڑ سواری کی قید کاٹی اور تیر اندازی کی اور انگریزوں کی قید میں رہا اور اب چار ابرو کی صفائی کی قید میں ہے۔ پھر تو اپنے آپ کو آزاد کیسے کہہ سکتا ہے؟ سن اس عالم کون و مکاں میں کوئی ایسا نہیں جو کسی نہ کسی قید میں نہ ہو۔ تو چار ابرو کی صفائی کی قید میں ہے .... ہم مذہب کی قید میں ہیں مگر یاد رکھ تیری قید کچی چاندی ہے تو اس کی قیمت مانگے تو پہلے اسے تپایا جائے گا اور تپائے بغیر کوئی نہیں لے گا اور ہماری قید پر شاہی سکہ لگا ہوا ہے ہم اسے جہاں چاہیں گے بھنا لیں گے۔''

اس پر جلال تقریر سے نسیم خاں پر کپکپی طاری ہو گئی۔ وہ دھاڑیں مار مار کر روتا ہوا شاہ صاحبؒ کے قدموں میں گر گیا۔ اسی وقت سے اس نے امام شاہی فرقہ کو خیر باد کہا اور شاہ صاحبؒ کی غلامی کا حلقہ گردن میں ڈال لیا۔

شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے کئی خلافِ معمول کمالات ظاہر ہوئے۔ مثلاً ان کا جنوں کے لڑکوں کو تعلیم دینا۔ صاحبانِ خدمت سے تعلق بہت سے انکشافات بھی انہوں نے کئے۔ شاہ صاحبؒ کا جنات کی دنیا سے جو تعلق تھا وہ ان قصوں سے واضح ہوتا ہے..........

دہلی کا ایک رئیس نواب سعادت یار خاں نہایت وجیہ اور مردانہ حسن و جمال کا مالک تھا۔ ایک رات وہ اپنی عظیم الشان حویلی کی خواب گاہ میں گہری نیند کے مزے لے رہا تھا۔ یکا یک خواب گاہ کا دروازہ خود بخود کھل گیا اور ایک سحر انگیز خوشبو کمرے میں پھیل گئی۔ سعادت یار خاں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک عورت کا چہرہ چودھویں کے چاند کے مانند دمکتا دیکھا۔ عورت سر سے پاؤں تک سونے کے زیوروں میں لدی مسکرا رہی تھی۔ اتنے میں وہ پلنگ پر آ بیٹھی، نواب متحیر ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے آخر سنبھل کر پوچھا۔ ''اے عورت! تو کون ہے اور حویلی میں کیوں کر آئی؟'' عورت نے ہنس کر کہا۔ ''گھبراؤ مت میں شاہ جنات کی بیٹی ہوں۔ عرصہ دراز سے تمہاری دل دادہ ہوں۔ ہر چند کوشش کرتی تھی کہ تمہارے پاس آؤں مگر کوئی موقع حسب دل خواہ نہ ملتا تھا۔ آج اتفاق سے مراد بر آئی'' .... نواب بدحواس تو بہت ہوا لیکن طبیعت اس نے عاشقانہ پائی تھی، چند ساعت کے راز و نیاز کے بعد وہ پری زاد رخصت ہو گئی۔ اس کے بعد وہ معینہ وقت پر آتی اور کچھ دیر نواب کی خلوت گاہ میں ٹھہر کر چلی جاتی۔ اس روش کو سال بھر گزر گیا۔ ایک مرتبہ وہی عورت سخت بدحواس اور پریشان حال آئی اور نواب سے کہنے لگی ''سعادت! جلدی اٹھ اور اپنی جان بچانے کی تدبیر کر۔ میرا باپ میرے بھید سے واقف ہو گیا اور اس نے غضب ناک ہو کر کئی جن سپاہی تیری ہلاکت کے لئے مقرر کر دیئے ہیں۔ وہ جن سپاہی غالباً آج صبح تک تجھے زندہ نہ چھوڑیں۔ میری یہ ملاقات آخری سمجھ اب میں یہاں سے جاؤں گی اور فوراً گراں بار زنجیر پہنا کر قید کر دی جاؤں گی'' .... یہ کہہ کر وہ غائب ہو گئی۔

سعادت یار خاں پر انتہائی دہشت طاری ہوئی۔ ہاتھ پاؤں قابو میں نہ رہے۔ اس ناگہانی آفت سے بچنے کا اسے اس کے سوا کوئی راستہ نہ سوجھا کہ وہ ننگے پاؤں ننگے سر بھاگا ہوا شاہ صاحبؒ کی خانقاہ پر جا پہنچا، ہر چند خدام نے اسے اندر جانے سے منع کیا لیکن وہ بے انتہا مضطرب تھا، اس نے خدام کی ایک نہ سنی اور جس مکان میں شاہ صاحبؒ مراقبہ میں محو تھے، بے اختیار حجرے میں داخل ہو کر شاہ صاحبؒ کے قدموں پر جا گرا۔ شاہ صاحبؒ نے گردن اٹھائی کہا ''میاں! تمہارا اتنی رات کے وقت یوں حواس باختہ آنا کسی سخت افتاد سے خالی نہیں۔ جلد

سارا حال کہو"۔نواب نے شروع سے آخر تک سارا حال رو رو کر بیان کیا۔سب کچھ سننے کے بعد شاہ صاحبؒ بولے۔"میاں! فقیر کسی کی التجا رد کرنا پسند نہیں کرتا۔میرے جدامجد کی ہدایت یہی ہے۔خیر آج کی شب اسی خانقاہ میں آرام کرو، یہاں کسی بھی حجرے میں جا کر سو جاؤ۔تھوڑی دیر میں فقیر اس عورت کے باپ کو بلا کر تمہاری جاں بخشی کرا دے گا۔اطمینان رکھو۔"

نواب وہاں سے اٹھا اور ایک حجرے میں جا کر لیٹ گیا۔قریب تھا کہ وہ غافل ہو کر سو جاتا۔یکایک ایک بھاری پتھر نہایت ہولناک دھماکے سے نواب کی پائنتی کے قریب گرا کہ اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔نواب چیخیں مارتا ہوا حجرے سے بھاگا اور شاہ صاحبؒ کے قدموں میں جا گرا۔اس کے ہاتھ پاؤں اکڑے ہوئے تھے، بتیسی بھنچی ہوئی تھی اور ہونٹوں سے کف جاری تھا۔شاہ صاحبؒ نے فوراً کچھ پڑھ کر دم کیا، اسی وقت اسے ہوش آ گیا۔اس نے دیکھا کہ شاہ صاحبؒ کے علاوہ پانچ قوی ہیکل اور مہیب صورتوں کے لوگ ادب سے کھڑے ہیں اور شاہ صاحبؒ ان سے کہہ رہے ہیں۔"یہی شخص تمہارا گنہگار ہے اور تمہاری خدمت میں مجھے سفارش کے طور پر پیش کر کے چاہتا ہے کہ تم اس کی خطا سے درگزر کرو۔اب یہ میرے پاس آ گیا ہے۔اگر تم میرا کہنا قبول نہیں کرو گے تو جیسی ذلت اس کے ہاتھ سے تمہاری ہوئی ہے، ویسی ہی اپنی ذلت فقیر تمہارے ہاتھ سے تصور کرے گا"............... پانچوں نے شاہ صاحبؒ کی قدم بوسی کی، اس کے بعد غائب ہو گئے۔

انہی دنوں ایک اور عجیب واقعہ پیش آیا۔ایک شخص نے اپنے لڑکے کی نسبت شہر کے کسی شریف گھرانے میں ٹھہرائی۔لڑکے والے دہلی سے دور کسی اور قصبے میں رہتے تھے۔وہاں سے دھوم دھام کے ساتھ بارات آئی۔میزبان نے دل کھول کر مہمانوں کی خاطر مدارات کی اور نکاح کے بعد دستور کے مطابق جہیز دے کر لڑکی کو رخصت کر دیا۔ایک منزل طے کر کے وہ کسی مقام پر رکے۔قیام کے دوران دلہن اچانک کہیں غائب ہو گئی۔لوگوں نے ادھر ادھر دیکھا لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔عورتیں رونے پیٹنے لگیں۔مردوں نے جنگل کا کونا کونا چھان مارا۔سواروں نے چاروں اطراف گھوڑ سوار دوڑا دیئے، راہ براہ ہر آدمی سے پوچھا مگر دلہن کو تو جیسے زمین نے نگل لیا تھا۔کہیں سراغ نہ ملا۔ان لوگوں میں یہ ہمت نہ تھی کہ دلہن کو لیے بغیر اپنے شہر چلے جائیں، نہ غیرت اس بات کی اجازت دیتی کہ دہلی لوٹ چلیں، اسی پریشانی میں چار شب و روز گزر گئے۔اس اثنا میں ایک مسافر ادھر آ نکلا۔اس نے یہ ماجرا سنا تو کہا "میں دہلی جا رہا ہوں۔چند سوار میرے ہمراہ چلیں۔میں انہیں شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں لے جاؤں گا۔میرے نزدیک اس پریشانی کا

علاج صرف شاہ صاحبؒ کے پاس ہے۔"

چنانچہ اسی وقت چند آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر مسافر کے ساتھ سیدھے شاہ صاحبؒ کے ہاں گئے۔ شاہ صاحبؒ نے سارا حال سن کر فرمایا "اب اطمینان سے خانقاہ میں ٹھہرو، تھکن اتارو، پھر فقیر کوئی تدبیر کرے گا" ....

خدام نے ان لوگوں کو کھانا دیا، تھوڑی دیر وہ لوگ ستائے، پھر شاہ صاحبؒ نے انہیں بلایا اور بولے "تم لوگ ابھی ماش کی دو روٹیاں تیل سے چپڑ کر چاندنی چوک لے جاؤ۔ وہاں ایک خارشی کتا نظر آئے گا۔ ایک روٹی اس کے سامنے ڈال دینا۔ وہ بہت غرائے گا، بھونکے گا اور تمہیں ڈرانے کی کوشش کرے گا لیکن خبردار! خوف مت کھانا، نہ اپنی جگہ سے ہلنا۔ کتا جب روٹی کھالے تو دوسری روٹی بھی اس کے آگے پھینک دینا اور گھوڑے تیار رکھنا۔ کتا روٹی کھانے کے بعد جدھر جائے، تم گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے پیچھے چل پڑنا۔ خیال رہے کتا تمہاری نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ میں یہ ایک رقعہ دیتا ہوں، اسے ہشیاری کے ساتھ کتے کے گلے میں باندھ دینا" ....

وہ لوگ ماش کی روٹیاں تیل میں تر کر کے چاندنی چوک پہنچے۔ وہاں انہیں ایک دبلا پتلا خارشی کتا دکھائی دیا۔ انہوں نے روٹی اس کے سامنے پھینکی۔ وہ دانت نکال کر غرایا اور ان پر حملہ کرنے کے لیے لپکا لیکن وہ لوگ اپنی جگہ جمے رہے یہاں تک کہ انہوں نے دونوں روٹیاں کتے کو کھلائیں اور شاہ صاحبؒ کا رقعہ اس کی گردن میں دھاگے سے باندھ دیا۔ رقعہ بندھتے ہی کتا برق رفتاری سے ایک جانب دوڑا۔ وہ لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کے بیس کوس تک کتے کے تعاقب میں گئے۔ کتا ایک ویرانے میں پہنچ کر رکا۔ وہاں اس نے پنجوں سے کچھ زمین کھودی۔ تھوڑی سی گہرائی میں ایک دروازہ سا نظر آیا۔ وہ لوگ باہر کھڑے رہے، کتا دروازے کے اندر چلا گیا۔ لمحوں بعد چند بوڑھے، انسانوں جیسے کپڑے پہنے دروازے سے نکلے۔ دلہن ان کے ساتھ تھی۔ انہوں نے کہا۔ "حضرت شاہ صاحبؒ سے ہمارا سلام کہہ کر عرض کیجیے گا کہ ہمارے عملہ میں سے ایک بیوقوف نے یہ حرکت کی تھی۔ ہم نے اسے سخت سزا دی ہے۔ امیدوار ہیں کہ یہ خطا معاف فرمائی جائے گی" .... یہ کہہ کر وہ بوڑھے دوبارہ اسی دروازے میں داخل ہو کر غائب ہو گئے۔ کتا باہر آیا، اس نے اپنے پنجوں سے مٹی ڈال کر گڑھا بند کر دیا پھر دہلی کی طرف بھاگنے لگا۔ گھڑ سوار بھی اسی کے پیچھے پیچھے دہلی آئے اور شاہ صاحبؒ کے پاس پہنچ کے سارا ماجرا سنایا۔ شاہ صاحبؒ نے کہا "تم [illegible] رات کے وقت دلہن کے ساتھ جنگل میں قیام کر کے غلطی کی۔ ادھر سے ایک شریر جن کا

گزرہوااوروہ دلہن کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔اب خیر سے اپنے شہر جاؤ۔"

ایک دفعہ شاہ صاحبؒ مدرسے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ چند طلبہ بھی موجود تھے۔ ایک طالب علم بہت خوبصورت تھا۔ بیٹھے بیٹھے یکا یک خوف سے اس کی گھگھی بندھ گئی۔ شاہ صاحبؒ نے دریافت کیا "کیا ہے؟" طالب علم نے بتایا "حضرت! سامنے ایک عورت کھڑی ہے اور مجھے ہاتھ کے اشارے سے بلارہی ہے۔"

شاہ صاحبؒ نے کہا "ڈرو مت اس کے پاس جاکر پوچھو کیا کہتی ہے؟" ....

طالب علم اٹھ کر گیا۔ عورت نے اس سے کہا "میں تم پر روز پیدائش سے عاشق ہوں اور ایک جن مجھ پر ایسا ہی عاشق ہے جیسے میں تم پر ہوں۔ اس جن کو پتہ چل گیا ہے کہ میں تم پر فریفتہ ہوں۔ آج وہ مغرب کے بعد یہاں آئے گا اور تمہیں مار ڈالے گا۔"

طالب علم تھر تھر کانپتا ہوا شاہ صاحبؒ کے پاس آیا اور سب حال کہہ سنایا۔ شاہ صاحبؒ بولے "اچھا، اس عورت سے کہہ دو کہ اب جاؤ۔" عورت چلی گئی۔ مغرب کے بعد کسی نادیدہ ہاتھ نے طالب علم کا گلا گھونٹنا شروع کیا۔ شاہ صاحبؒ نے اٹھ کر اسے ایک طمانچہ مارا۔ وہ ٹھیک ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہی عورت ہنستی ہوئی آئی اور کہا "شاہ صاحبؒ کے طمانچے سے جن کی حالت ابتر ہے۔" اس کے بعد وہ چلی گئی۔ پندرہ بیس روز بعد جن پھر آیا اور طالب علم کا گلا گھونٹنے لگا۔ شاہ صاحبؒ نے دو طمانچے منہ اور گردن پر زور زور سے مارے۔ شاہ صاحبؒ نے اس کی ہتھیلی پر اپنی دائیں انگلی سے کئی خط کھینچے اور مٹھی بند کرادی پھر کہا "اس عورت کے سامنے جاکر مٹھی کھول دو۔" طالب علم نے یہی کیا۔ عورت کہنے لگی "میں نے تو تمہیں کوئی تکلیف نہیں دی تھی لیکن اگر تمہاری خوشی یہی ہے تو میں جاتی ہوں، اب نہیں آؤں گی۔ تم مٹھی بند کرلو۔" طالب علم نے مٹھی بند کرلی، عورت چلی گئی اور پھر کبھی نہیں آئی۔

شاہ عبدالعزیزؒ نے زندگی بھر بے بہا اور گراں مایہ تصنیف و تالیف کا کام کیا اور تفسیر قرآن پاک جو تفسیر فتح العزیز، یعنی تفسیر عزیزی کے نام سے موسوم ہے بھی تحریر کی۔ اصول حدیث پر ایک گراں قدر رسالہ بھی لکھا۔ خلفائے راشدین کی سوانح حیات پر بھی آپ نے ایک کتاب "عزیز الاقتباس فی فضائل اخبار الناس" تحریر کی جو بہت ہی مشہور کتاب ہے۔ فن منطق کے مبادیات اور اصول پر بھی ایک مختصر سی کتاب لکھی جس کو "شرح میزان لمنطق" کہا جاتا ہے۔ شہادت کے مفہوم اور فضائل پر حضرت امام حسینؓ کے متعلق بھی ایک کتاب "سرالشہادتین" کے نام سے لکھی۔ اسی طرح "بستان المحدثین" کے نام سے فارسی کی ایک کتاب لکھی جس میں محدثین کے حالات

زندگی اور کوائف پر بحث کی۔

شاہ عبدالعزیزؒ نے عمر بھر نیکیوں کی ہدایت اور برائیوں کی ممانعت کی۔ آپ اپنے والد کی طرز عمل پر عمل پیرا رہے۔ خدا پرستی اور پاک بازی کے جذبے لوگوں میں پیدا کیے۔ ملوکیت اور شاہ پرستی کی مخالفت کی۔ ایسی رسومات کے ترک کا سختی سے حکم دیا جو معاشرے کے لیے ناسور اور انسانیت کے لیے دردِ سر تھیں۔ بنی نوع انسان کی ہمدردی اور غم خواری کی ہمیشہ تلقین کی۔ قمار بازی، عیاشی اور برائیوں کو چھوڑنے کی ہمیشہ ہدایت کرتے رہے۔ آپ فرماتے تھے جو سماج محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے یا مزدوروں اور کاشت کاروں پر بھاری ٹیکس لگائے وہ قوم کا بہی خواہ نہیں دشمن ہے۔

آپ مسلمانوں کی خدمت کے علاوہ اپنا زیادہ وقت مراقبوں، مجاہدوں میں صرف کیا کرتے تھے۔ آپ نے ہر لحاظ سے مسلمانوں کی راہ نمائی کی۔ آپ نے مسلمانوں کی زندگی میں فک کل نظام (یعنی سیاسی اور سماجی زندگی کے ہر شعبے میں انقلاب) ہمہ جہت اور ہمہ گیر انقلاب کا ایک پرعزم اور ولولہ انگیز تصور پیش کیا۔

ہفتے میں دو مرتبہ منگل اور جمعے کے دن کوچہ چیلان میں شاہ صاحبؒ کا وعظ ہوتا تھا۔ ہر مذہب وملت کا آدمی خوش ہو کر اٹھتا۔ جس قدر آواز قریب بیٹھے ہوئے لوگوں تک پہنچتی، اسی قدر دور بیٹھے ہوئے لوگ سنتے۔ جتنا وعظ کوئی عالم وفاضل سمجھتا، اتنا ہی جاہل کی سمجھ میں بھی آتا۔ شاہ صاحبؒ مرتے دم تک وعظ کہتے رہے۔ آخری وعظ کے اختتام پر انہوں نے چند اشعار عربی کے پڑھے، چند فارسی کے پھر گھر چلے گئے۔ گھر میں عزیز واقارب کو جمع کر کے انہوں نے کہا کہ میری ملکیت میں جس قدر نقد اور اسباب ہے، سب ایک جگہ جمع کر دو۔ سب کچھ یک جا کر دیا گیا۔ انہوں نے سارا سامان اپنے ہاتھ سے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ آپؒ ذکر میں مشغول ہو گئے۔ اسی حالت میں آپؒ کی روح پرواز کر گئی۔

آپؒ کی تاریخ وفات 7 شوال 1239 ہجری بمطابق 6 مئی 1824ء تھی۔ آپؒ نے لگ بھگ 78 سال کی عمر پائی، ان میں سے ۳۶ سال کا زمانہ آپ نے رشد وہدایت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے اور اللہ کے بندوں کو فیض پہنچایا۔

♦♦♦ (تحریر: احسن عظیم مجاہد)

جی چاہتا ہے

مدینے کو جانے کو جی چاہتا ہے
اور جا کے نہ آنے کو جی چاہتا ہے
کسی دن انھیںؐ خواب میں کاش دیکھوں
نصیبہ جگانے کو جی چاہتا ہے
محمدؐ محمدؐ محمدؐ محمدؐ
یہی رٹ لگانے کو جی چاہتا ہے
وہ جو نور سے دل کو معمور کر دے
وہ شمع جلانے کو جی چاہتا ہے
مجھے شاہِ دیں اپنا دیوانہ کہہ دیں
یہ اعزاز پانے کو جی چاہتا ہے
معصیت کا ہر داغ دھل جائے جس سے
وہ آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے
سحرؔ بعد حمد و ثنا نعت احمدؐ
سدا گنگنانے کو جی چاہتا ہے
(صلی اللہ علیہ وسلم)

خلیق الزماں سحرؔ

شیخ المشائخ حضرت یادگار محمد رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ ایسے انسانوں کی داستان سے بھری ہوئی ہے جن کی ابتدائی زندگی انتہائی فسق و فجور، لہوولعب، جبر وتشدّد، رہزنی وقزّاقی کے ارتکابِ میں گزری۔ دل ودماغ ظلمت میں محصور، نوروا صلاح سے دور، حرص وہوس میں گرفتار، ان تمام افعالِ قبیحہ کو اپنے لئے جائز قرار دیا جو انسان اور انسانیت کی تشریح وتوضیح سے کوسوں دور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نوشتۂ دیوار کوئی مٹا نہیں سکتا اور مقسوم الٰہی کوئی گنوا نہیں سکتا۔ وقت اور حالات کے تیز دھاروں میں بہتے ہوئے ان کی زندگی میں اچانک ایسے انقلاب آفریں واقعات یا حادثات رونما ہو جاتے ہیں جو ان کی زندگی کو یکسر بدل دیتے ہیں اور وہ تاریخ میں ایک محبوب اور برگزیدہ ہستی بن کر زندۂ جاوید رہتے ہیں۔ یہ قدرت کا فیصلہ ہے جو ناقابلِ تنسیخ ہے۔ ایسی ہی محترم اور یادگار ہستیوں میں ایک نام شیخ المشائخ حضرت یادگار محمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

یادگار محمد کا نام صوفیوں کے تذکروں اور ملفوظات میں اس وقت آیا جب وہ تائب ہو کر حضرت غریب نوازؒ کے مرید ہوئے اور بیعت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ اس سے قبل ان کی زندگی کا جو عکس ملتا ہے وہ ایک ضدی، جابر، سخت گیر، غاصب اور ظالم تھا جو ایمان سے عاری، جودوکرم سے خالی، حرص دنیا میں گرفتار، مال ودولت کا پرستار، ایذا رسانی میں یکتائے روزگار، مردم آزاری میں شترِ بے مہار، کثافت، رذالت، خیانت، جہالت، غرض کہ گناہ کا کوئی ایسا پہلو نہ تھا جو اس کی سرشت ومزاج کا حصہ نہ تھا۔ ظاہر ہے ایسے ظالم وجابر شخص سے اس کے ماتحت عوام وخدام خائف وپست رہتے ہوں گے اور اسی محبوس معیار زندگی کو وہ اپنے لئے غنیمت سمجھتے ہوں گے۔ عقیدہ کے اعتبار سے یادگار محمد کٹر شیعہ تھا۔ حضرت علی کے علاوہ سبھی تین خلفاء کو وہ نہیں مانتا تھا اور ان کی عظمت ورفعت کا منکر تھا یہی نہیں بلکہ ان کی شان میں گستاخی کا ارتکاب بھی کر بیٹھتا تھا۔ سبھی لوگ اس کی عادت وعقیدہ سے واقف تھے۔ مگر

خوف سے اعتراض یا لب کشائی نہیں کرتے تھے۔ یادگار محمد نے شہر کے باہر ایک خوشنما انگور کا باغ لگوا رکھا تھا۔ جو اور بھی دوسرے پھلوں سے بھرا تھا۔ وسط میں ایک حوض بھی تھا جو باغ کی خوشنمائی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ آبیاری کے لئے مخصوص تھا۔

دربارِ رسالتؐ سے ظلمت کدۂ ہند میں اسلام کی تشہیر واشاعت کے فرمان سے آراستہ ہوکر حضرت غریب نوازؒ ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے مختلف ملکوں اور مقاماتِ مقدسہ کی زیارت سے فیضیاب ہوکر آپ ہرات پہنچے اور کچھ روز یہاں قیام کیا۔ ہرات سے روانہ ہوکر آپ سبزہ وار میں تشریف لائے۔ یادگار محمد کے باغ میں داخل ہوئے۔ باغ کے رکھوالوں نے آپ کی تعظیم کی اور آپ کی آمد کو ایک تحفۂ الٰہی جانا۔ آپ نے غسل کیا۔ دوگانہ ادا کیا اور حسب معمول تلاوت میں مصروف ہو گئے۔ جب دیر ہوئی اور آپ کو اس طرح تلاوت میں منہمک دیکھ کر باغ کے نگہبانوں کو فکر لاحق ہوگئی، کیونکہ باغ کا مالک آنے والا تھا۔ وہ درویشوں، صوفیوں اور فقیروں سے لاتعلق ہی نہیں بلکہ ان سے نفرت کرتا تھا۔ اس طرح اپنے باغ میں ایک فقیر کو دیکھ کر اس کی دماغی تپش اور تنفر کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہ تھا۔ ملازموں نے اس خیال سے کہ حضرت غریب نوازؒ کو کسی گزند یا ناروا سلوک کا سامنا نہ کرنا پڑے انہوں نے آپ کے ساتھ آئے ہوئے شرکاء اور خادموں سے گزارش کی کہ وہ آپ کو باغ سے کسی دوسری جگہ لے جائیں تاکہ وہ حاکم کے عتاب و گستاخی کے شکار نہ ہوں۔ حضرت غریب نوازؒ نے یہ سن لیا اور نہایت اطمینان وسکون سے فرمایا کہ وہ سب اس کی فکر نہ کریں اور یہ دیکھیں کہ منجانب اللہ کیا ظہور پذیر ہوتا ہے۔ گفتگو کے دوران یادگار محمد آ گیا اور اپنے باغ میں ایک بن بلائے فقیر کو دیکھ کر بہت برہم ہوا اور ملازموں سے جواب طلب کیا کہ اس فقیر کو باغ سے کیوں نہیں نکالا۔ تلاوت کے دوران حضرت غریب نوازؒ کی نگاہ اٹھی اور ظلمت میں محصور حاکم کی آنکھوں سے متصادم ہوئی۔ آپ کی ضیاپاش آنکھوں نے اس کی تابِ شکیبائی سلب کرلی۔ وہ لرزہ براندام کچھ ساعت کھڑا رہا اور پھر بیہوش ہوکر گر پڑا۔

ہوش اتنا ہے برق چمکتی تھی
کب جلا آشیاں نہیں معلوم

حاکم کے نوکر یہ ماجرا دیکھ کر پریشان اور خوفزدہ ہو گئے اور غریب نوازؒ کی خدمت میں عفو ورحم کی گزارش کرنے لگے۔ آپ نے از راہِ کرم ان کو ہمت وتسلی دی اور اپنے خادم کو حوض سے پانی لانے کو کہا۔ آپ نے پھر بسم اللہ پڑھ کر اس کے منہ پر چھینٹا مارا، حاکم کو فوراً ہوش آ گیا۔

کسی شکست خوردہ، درماندہ انسان کی طرح سامنے کھڑا رہا۔ ایستادہ گردن اب خمیدہ تھی۔ آنکھوں میں رعونت کی جگہ ندامت تھی۔ دل و دماغ سے ظلمت و جہالت چھٹ چکی تھی۔ اب اس کو اپنا صحیح وجود مقصدِ حیات نظر آرہا تھا فوراً نادم و تائب ہو کر قدموں پر گر پڑا اور معافی کا طلبگار ہوا۔ حضرت غریب نوازؒ نے ازراہ کرم اپنی عنایت و شفقت کی انتہا کر دی۔ معاف کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نے اس کی باطنی اصلاح بھی کر دی۔ آپ نے خلفائے کبار رضوان اللہ علیہم کی عظمت و رفعت، مقام و مرتبہ کچھ اس انداز سے بیان کیا کہ تمام حاضرین آبدیدہ ہو گئے۔ حاکم نے رقت آمیز لہجے اور صدق دل سے آپ سے گزارش کی کہ آپ اس کو بیعتِ ارادت سے سرفراز کریں۔ آپ نے اس کی یہ خواہش پوری کر دی۔

بعد ازاں حضرتِ یادگار محمد نے اپنا تمام مال و متاع لا کر آپ کے سامنے رکھ دیا۔ مگر آپ نے واپس کرتے ہوئے ہدایت دی کہ اس نے جن جن افراد کا مال جبر و تشدد اور ناجائز طور سے حاصل کیا تھا سب ان کے اصل حقداروں کو واپس کر دے تا کہ قیامت کے روز وہ پرسشِ حساب سے نجات پائے۔ حضرت یادگار محمد نے حسب ہدایت عمل کیا اور باقی مال و دولت فقراء، غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دیا اور حضرت غریب نوازؒ کے خادموں میں شامل ہو گئے۔ تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب اور اصلاحِ باطن کے مجاہدہ میں لگ گئے۔ آپ نے حضرت حاکم کو بیعت و خلافت سے سرفراز فرما کر حصار کا علاقہ بطور ولایت سپرد کر دیا۔

کچھ عرصہ بعد حضرت غریب نوازؒ نے رختِ سفر باندھا اور اپنے مشن پر روانہ ہونے کے لئے تیار ہوئے۔ حضرت یادگار محمد کے لئے یہ وقت انتہائی نازک اور صبر آزما تھا۔ جس کیمیاگر کی نگاہِ کرم سے وہ خاک سے اکسیر ہوئے اور جس کے لطف و عنایت کی آغوش میں وہ روحانی انقلاب کی منازل سے گزر رہے تھے اس کا اندازہ وہ خود کر سکتے تھے اس احساس کو احاطۂ تحریر میں لانا مشکل ہے۔ آپ کی تعلیم و تلقین، وعظ و نصیحت، اصلاحِ باطن نے حضرت حاکم کی زندگی یکسر بدل کر رکھ دی۔ حضرت یادگار محمد حضرت غریب نوازؒ کے ساتھ ساتھ قلعۂ شادماں تک رخصت کرنے آئے یہاں سے حضرت غریب نوازؒ نے آپ کو واپس جانے کی ہدایت دی اور اپنی دعاؤں کے ساتھ الوداع کہا۔ مگر حضرت حاکم کی یہ حالت تھی کہ وہ ایک پل بھی آپؒ کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ خشک لب، مغموم چہرہ، پرنم آنکھیں، مضطرب حالت آپ کی اندرونی کیفیت کی غمازی کر رہی تھی۔ ازراہِ کرم و مروت آپ نے حضرت یادگار محمد کو ساتھ لے لیا اور ہندوستان کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہمسری کی اس سعادت اور نعمت پر

حضرت یادگار محمد جتنا بھی ناز کریں کم ہے۔

بندگانِ خدا، غلامانِ رسولؐ، مجاہدینِ اسلام کا یہ دستہ ۱۱۹۰ء میں ہندوستان میں داخل ہوا اور دلی میں راجہ کھانڈے راؤ کے محل کے نواح میں اقامت گزیں ہوا اور اسلامی تعلیمات کی تشہیر و اشاعت میں مصروف ہو گیا۔ مقامی ہندو حضرت غریب نوازؒ کے دلپذیر انداز، تعلیم و تلقین، درس نصیحت و حکمت اور سلوک و شفقت سے بیحد متاثر ہوئے اور کثیر تعداد میں مشرف بہ اسلام ہونے لگے۔ بعد ازاں کھانڈے راؤ کی مخاصمت اور جارحانہ عزائم کو دیکھتے ہوئے آپ نے دلی میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی کو تبلیغ دین کا کام سپرد کر کے اجمیر روانہ ہو گئے، جو آپ کی منزلِ مقصود تھی۔ اس سفر میں دیگر جان نثاروں میں حضرت یادگار محمد بھی آپ کے ساتھ تھے۔

ابتدا میں حضرت غریب نوازؒ نے انا ساگر کے قریب ایک اونچی پہاڑی پر اپنا مسکن بنایا، جو آبادی سے قدرے فاصلہ پر تھی اور جس پر چڑھائی آج کل کی بہ نسبت اس زمانہ میں زیادہ دشوار رہی ہوگی۔ اس ویران پہاڑی کی پر ہول خاموشی اور رات کی تاریکی میں حضرت غریب نوازؒ ربِ کائنات کی عبادت میں سجدہ ریز رہتے اور اسلام کی استقامت، ترقی اور سربلندی کے لئے دعائیں مانگتے اور دن کے وقت میدانِ عمل میں سرگرم رہتے، مگر پرتھوی راج کی ذلیل اور مذموم حرکتوں سے بددل ہو کر اجمیر کو وقتی طور پر خیر باد کہہ کے روانہ ہو گئے۔

۱۱۹۲ء میں پرتھوی راج کی شکست اور قتل کے بعد حضرت غریب نوازؒ دوبارہ اجمیر آئے اور اپنے پرانے مسکن انا ساگر کے اوپر پہاڑی پر اقامت گزیں ہو گئے۔ خدمتگاروں اور نو مسلم عقیدتمندوں نے آپ سے گزارش کی کہ آپ نیچے آبادی میں آکر قیام فرمائیں تاکہ تبلیغ کے کام کے ساتھ ساتھ لوگوں کو آستانے پر قدمبوسی کے لئے حاضر ہونے میں سہولت ہو۔ آپ کو یہ مشورہ پسند آیا۔ حضرت یادگار محمد کو جگہ کے انتخاب کے لئے بھیجا۔ جنہوں نے آبادی کے درمیان ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا جو لب جھالرہ کے نام سے موسوم ہے اور جہاں آپ کا مزارِ مقدس ہے۔ آج بھی کروڑوں انسانوں کے دل کی دھڑکن ہے۔ منزلِ مقصود ہے۔ حضرت غریب نوازؒ جہاں آکر ایک کمرے میں اقامت گزیں ہو گئے اور بعد وصال اسی کمرے میں آپ کی تدفین ہوئی۔ قیام کے بعد جماعت خانہ، عبادت خانہ اور مطبخ خانہ بنوایا گیا۔

حضرت غریب نوازؒ اپنی زندگی کی آخری سانس تک اسی کمرے میں مقیم رہے۔ آپ کی وفات ۶ رجب ۶۲۷ھ بمطابق ۱۲۲۹ء میں ہوئی۔ آپ اسی جگہ سے انوار و اکرام، فیوض و



نوازش، تعلیم و تلقین سے لوگوں کو مستفیض کرتے رہے۔ اس تمام عرصے میں یادگار محمد آپ کے ساتھ ساتھ رہے۔ ایک خادم کے طور پر آپ ہمہ وقت خدمت پر مامور رہے۔ دیگر خدمت گاروں میں آپ کا مقام بہت بلند ہے اور بجا طور پر آپ کو خادم اعلیٰ کہا جا سکتا ہے۔ آپ کی خدمت گزاری، جاں نثاری اور وفاداری کا یہ عالم تھا کہ پل بھر کو بھی آپ اپنے پیر و مرشد سے جدا نہیں ہوتے۔ حکم بجالانے کے لئے ہمہ وقت پابہ رکاب رہتے۔ حضرت غریب نوازؒ کی وفات کے بعد آپ ان کے مزار شریف کی نگرانی اور حفاظت کے کاموں سے وابستہ رہتے۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کو آپ کے پیر و مرشد کے پائتانے شمال مشرق کی جانب ایک گوشے میں دفن کیا گیا جو اس بات کی شہادت ہے کہ مرنے کے بعد بھی پیر و مرشد کی قدمبوسی کی سعادت آپ کو نصیب ہوا اور جو قدرت کا ایک عظیم ترین مقسوم ہے۔

حضرت یادگار محمد کی اولاد اب تک اجمیر شریف میں موجود ہے اور ان کو حضرت غریب نوازؒ کے مزار اقدس کی خدمت کا حق حاصل ہے۔ یہ لوگ شیخ زادے کہلاتے ہیں۔ ابھی شاید ان کی اٹھارھویں پیڑھی (پشت) مزار کی خدمت و انصرام پر مامور ہے۔

◆◆◆ (تحریر: ممتاز احمد مجسٹریٹ اینڈ ڈپٹی کلکٹر (ریٹائرڈ) کولکاتہ

یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

ورد ہر دم زباں پر رہے بس یہی
یا نبی یا نبی یا نبی
عشق میں آپ کے ہو بسر زندگی
یا نبی یا نبی یا نبی
میں نہیں مانگتا مشک عنبر عطر
ہو عطا بس پسینے کا قطرہ اگر
مہک اُٹھے گی خوشبو سے ہر اک گلی
یا نبی یا نبی یا نبی
شیریں لعاب دہن سے ہے ہر شے ہوئی
چاند سورج ستاروں کو بھی روشنی
مل گئی کہکشاں کو بھی ہے دل کشی
یا نبی یا نبی یا نبی
مل گئے دو جہاں تجھ کو سوغات میں
تیرا صدقہ دیا رب نے خیرات میں
حسنِ یوسف زلیخا کو اور دلبری
یا نبی یا نبی یا نبی
چشمِ عاصی کی خاطر حبیبِ خدا
بھیج دیجئے مدینے سے بس خاکِ پا
مجھ کو حاجت نہیں سرمۂ طور کی
یا نبی یا نبی یا نبی
رب نے ہر شے محمدؐ تجھے سونپ دی
عرش تا فرش تلک شوق سے بانٹ دی
خود تو لی پروری تجھ کو دی سروری
یا نبی یا نبی یا نبی
(صلی اللہ علیہ وسلم)

(شوق خانوابنی)

"کشف المحجوب"

ایک مرشد کامل

It's object is to set forth a complete system of Sufisim' not to put together a great number of sayings by different Shaykhs' but to discuss and explained the doctrines and practices of Sufis.

برصغیر میں سلسلہ تصوف کی خوبصورت کڑی۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ (م۔725ھ) فرماتے ہیں:

"اگر کسے راپیری نہ باشد، چوں ایں را مطالعہ کند اوراپیداشود"

۔ یعنی اگر کسی کو مرشد میسر نہ ہو تو اس کتاب (یعنی کشف المحجوب) کا مطالعہ کرے اسے مرشد کامل مل جائے گا۔

برصغیر میں قافلہ تصوف: علم و حکمت اور طریقت و معرفت کے سرخیل الشیخ السید علی بن عثمان الہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخشؒ (م۔1072ء۔465ھ) لاہور میں تشریف فرما ہوئے اور ظلمت کدہ ہند میں اسلام کی شمع فروزاں کی۔ یہیں پر آپ نے اصول شریعت، معرفت حق، رموز تصوف اور علم و حکمت پر مبنی اپنی معرکۃ الآرا کتاب "کشف المحجوب" تصنیف فرمائی جو کہ ایک بیش بہا گنجینہ ہے۔ یہ معروف و معتبر تصنیف حضرت ابوسعید ہجویری جو کہ آپ کے رفیق خاص تھے کے تصوف اور رموز تصوف کے حوالے سے استفسارات کے ضمن میں منصۂ شہود پر آئی۔ تصوف کے موضوع پر فارسی زبان میں یہ پہلی تصنیف تھی۔ صوفیاء کے دربارون اور علماء کی مجالس میں اس کتاب کو ایک خاص مقام حاصل ہوا۔ برنی کے بقول

حضرت نظام الدین اولیاءؒ جن کتب کے مطالعے کے شوقین تھے اِن میں کشف المحجوب سرفہرست تھی۔

''کشف المحجوب'' جو آپ نے آغوش رحمت خداوندی میں بیٹھ کر لکھی ہے۔ مسائل شریعت وطریقت اور حقیقت ومعرفت کا ایک بیش بہا گنجینہ ہے اور اولیائے متقدمین کے حالات بابرکات اوران کی مقدس تعلیمات کا بہترین خزینہ ہے نیز فارسی زبان میں تصوف و احسان پر لکھی جانے والی یہ سب سے پہلی کتاب ہے اوراسے اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام نے تصوف کی بے مثل کتاب قرار دیا ہے۔ کشف المحجوب کاملین کے لئے رہنما ہے تو عوام کے لئے پیر کامل کی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ عوام میں اس کا مطالعہ کرنے والوں کو دولت عرفان و ایقان حاصل ہوتی ہے اور شک وشبہات کی وادی میں بھٹکنے والے یقین کی دنیا میں آباد ہوجاتے ہیں اوراس کے بار بار مطالعہ سے حجابات اُٹھ کر نئے نئے انکشافات ہوتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کشف المحجوب کے آغاز میں ہی اس کتاب کی غرض وغایت اور وجہ تصنیف بیان فرماتے ہیں:

قال الشیخ ابو الحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی ثم الهجویری وفقنی الله تعالیٰ: "طریق استخارت سپردم و اغراضی که به نفس می بازگشت.از دل ستر دم و به حکم استدعای تو - اسعدك الله- قیام کر دم ،و برتمام کردن مراد تو ازاین کتاب، عزمی تمام ک دم، و من این کتاب را کشف المحجوب نام کر دم، مقصود تو معلوم گشت، و سخن اندر تو- دراین کتاب، مقسوم گشت.ومن از خداوند تعالیٰ- استعانت و خواهم، توفیق اندر اتمام این کتاب- و از حول وقوت خود- تبراکنم اندر گفتار و کردار، و با الله العون و التوفیق-

ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی ثم الہجویری عرض پرداز ہے کہ میں نے استخارہ کیا، اوردل میں پیدا ہونے والی ہر خواہش سے منہ موڑلیا۔ اوراللہ تجھے (شیخ ابوسعید ہجویری) نیک بخت بنائے۔ تیری درخواست پر میں نے کمر ہمت باندھ کر کتاب لکھنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ میں نے اس کتاب کا نام کشف المحجوب رکھا ہے۔ الغرض تیرا مقصد پورا ہوا کہ میں نے اس کے مطابق کتاب کے ابواب کی تقسیم کی ہے۔ میں اس کتاب کی تکمیل کے لئے اللہ کی مدداور توفیق کا خواستگار ہوں اور اپنے اعتماد اور قوت پر بھروسے سے برأت اور بیزاری کا اظہار کرتا

ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر میرا آسرا ہے اور وہی مددگار ہے۔

آغاز کلام پر استخارہ کا ذکر کر کے اسلاف کے اس معمول کی تبلیغ و ترویج بھی فرمادی کہ جس کے مطابق ہر اہم کام کرنے سے پہلے استخارہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے راہنمائی طلب کی جاتی ہے۔ تو گویا اس کتاب کو جو قبولیت حاصل ہوئی اور امت محمدیہ کے لئے جو گراں قدر خدمات اس کتاب کے سبب انجام پذیر ہوئیں وہ کسی اور کتاب کو میسر نہ آسکیں۔ بالخصوص حقیقی تصوف کے حوالے سے یہ کتاب مقام رفیع پر فائز نظر آتی ہے۔ خانقاہوں اور آستانوں کو موجودہ صورت حال اور معاملات میں افراط و تفریط نے اس خوبصورت اور پاکیزہ دنیا کو دھندلا دیا ہے۔ وہ آستانے جو محبتوں کے امین اور الفتوں کے نقیب تھے وہاں سے نفرتیں اور جہالتیں پروان چڑھ رہی ہیں۔ جنہوں نے دوسروں کو سنبھالا دینا تھا وہ خود ہی ڈانواں ڈول ہیں۔ ان حالات میں ''کشف المحجوب'' پورے اسلامی نظام معاشرت اور خانقاہی تصورات کو اپنے پہلو میں لئے ہوئے دنیا کو صراط مستقیم دکھا رہی ہے اور حقیقت و معرفت کی اس راہ کو اجاگر کر رہی ہے جس کو مختلف حوالوں سے پراگندہ کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ اور خواجہ نظام الدینؒ کے اس قول مبارک کی روشنی میں آج واقعتاً وہ ''شیخ کامل'' کی حیثیت اختیار کئے ہوئے ہے۔

انہی گوناگوں اوصاف و کمالات کے سبب عشق و محبت کی دنیا کے امام مولانا عبدالرحمٰن جامی نفحات الانس میں بیان کرتے ہیں:

کنیت وے ابو الحسن است عالم و عارف بوده مرید شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی است و بصحبت بسیارے از مشائخ رسیده است و صاحب کتاب کشف المحجوب است که از کتب معتبره مشهوره ایں فن است ازوے که لطائف و حقائق بسیار دراں کتاب جمع کرده است

آپ کی کنیت ابوالحسن ہے۔ عالم و عارف تھے۔ شیخ ابوالفضل بن حسن کی صحبت میں رہے ہیں۔ آپ کشف المحجوب کے مصنف ہیں۔ جو اس فن میں معتبر و مشہور کتابوں میں ہے، انہوں نے اس کتاب میں بہت سے لطائف و حقائق جمع کئے ہیں۔

کشف المحجوب کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر دنیا کی تمام زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں۔ انگریزی زبان میں پروفیسر نکلسن (م۔1925ء) نے کشف المحجوب کا

انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جو پہلی بار 1911ء میں گب میموریل لندن نے شائع کیا۔ 1936ء میں اس کا نظر ثانی شدہ اڈیشن شائع ہوا۔ پروفیسر نکلسن کشف المحجوب کے بارے میں لکھتا ہے:

It's object is toset forth a complete system of Sufisim, not to put together a great number of sayings by different Shaykhs, but to discuss and explained the dectrines and practices of the Sufis.

ترجمہ: اس کا (کشف المحجوب) مقصود یہ ہے کہ تصوف کو بطور ایک نظام کے مدون کر دیا جائے اور مختلف شیوخ کے اقوال جمع کرنے کے بجائے صوفیاء کی تعلیمات اور اشغال کی تشریح و توضیح کی جائے۔

پنجاب یونیورسٹی کا شائع کردہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے فاضل مقالہ نگار نے کشف المحجوب کے اوصاف وکمالات کو اس انداز میں قلمبند کیا ہے:

''کشف المحجوب میں اسلامی تصوف کا بہت بلند معیار پیش کیا گیا ہے۔ اس میں اولیاء عظام کی کرامات اور خوارق کا بھی ذکر ہے۔ نیز ان کے بیسیوں اقوال اور نصائح کے ساتھ اوصاف حسنہ، صبر و قناعت، ایثار و سخاوت، ہمت، استغناء، صداقت اور اخلاص کی وہ بچی تابناک مثالیں پیش کی ہیں جو ان بزرگوں کے فضل و شرف کی اصلی برہان اور اسلامی تہذیب واخلاق کی عظمت کی دلیل ہیں۔ مزید برآں مصنف تحقیق پسند تھے اور تحقیق کا بھی بہت بلند پایہ مجتہدانہ معیار ان کے پیش نظر تھا۔ تمثیلات میں اخلاق و الٰہیات کے معارف بکھرے پڑے ہیں۔ جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔ اسی طرح جگہ جگہ نفس انسانی کی وہ کوتاہیاں بھی منظر عام پر لائے ہیں جن تک بزرگان باعمل ہی کی نگاہ پہنچ سکتی ہے۔''

کشف المحجوب اپنی مضمون آفرینی اور ندرت بیان کے اعتبار سے اتنی موثر اور واضح ہے کہ کہیں پر دینی امور اور مذہبی دستور میں ابہام یا تشکیک نہیں ہے بلکہ تصوف اور شریعت کے مابین پیدا ہونے والے غلط نظریات کا تو سرے ہی سے خاتمہ کر دیا۔ آپ ''کشف المحجوب'' میں فرماتے ہیں:

رکن اول از شریعت کتاب است لقوله تعالیٰ "منه آیات محکمات". دیگر سنت است، لقوله تعالیٰ "وما اٰتکم الرسول فخذوه وما نهاکم

عنه فانتهوا"۔ وه سدیگر اجماع امت است: لقوله صلی الله علیه وسلم"لا یجتمع امتی علی الضلالة علیکم بالسواد الاعظم۔

''شریعت کا پہلا رکن کتاب اللہ ہے جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں''اس میں آیات محکمات ہیں'' جو اصل کتاب ہیں۔ دوسرا رکن سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے۔ ''جو کچھ تجھے رسول عطا فرمائیں اس کو لے لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ'' اور تیسرا رکن اجماع امت ہے۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی بڑے گروہ کا ساتھ اختیار کرو۔''

مذکورہ بالا سے حضرت ہجویریؒ کا نقطہ تحقیق واضح ہو گیا کہ آپ کن بنیادوں پر اپنے افکار ونظریات کو متعین اور مدون فرما رہے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کتاب کشف المحجوب درحقیقت آپ کے ایک رفیق حضرت ابوسعید ہجویری کے چند سوالوں کے جواب میں مرتب کی گئی ہے انہوں نے حضرت شیخ سے سوالات کئے تھے کہ:

"قال السائل وھوابو سعید الھجویری: "بیان کن مرا اندر تحقیق طریقت تصوف، و کیفیت مقامات ایشان، وبیان مذاھب، و مقالات ایشان، واظھار کن مرار موز و اشارات ایشان و چگو نگی محبت خداوند۔ عزو جل و کیفیت اظھار آن بردلھا، و سبب حجاب عقول از کنه و ماھیت آن، و نفرت نفس از حقیقت آن، و آرام روح باصفوت آن، و آن چه بدین تعلق دار د از معاملات آن"۔

یعنی مجھ سے بیان فرمائیے:

(الف) طریق تصوف کی حقیقت۔

(ب) مقامات صوفیہ کی کیفیت۔

(ج) صوفیہ کے عقائد ومقالات کی تشریح۔

(د) ان کے رموز واشارات۔

(ہ) اللہ تعالیٰ سے ان کی محبت کی نوعیت اور دلوں میں اس کے ظہور کی کیفیت وماہیت۔

(و) محبت الٰہی کی ماہیت کی معرفت میں حائل ہونے والے حجابات عقل ونفس۔

(ز) پھر کشف حجابات کے طریقے۔ نفس کی حجابات سے بیزاری اور روح کی تسکین۔

یہاں پر ہم کتاب کے عنوانات اور ابواب کے ذریعہ انتہائی اختصار کے ساتھ کشف المحجوب کا تعارف پیش کرتے ہیں تا کہ کتاب کا ایک اجمالی ساخاکہ قاری کے ذہن میں اجاگر ہو سکے۔

ا۔باب اول (i) اثبات علم

(ii) علم حقیقت، ماہیت علم، علم کی اقسام، علم شریعت، اہل تصوف کے اقوال۔

۲۔ باب الفقر۔ اثبات فقر۔ درویش کی بزرگی۔ فقر و غنا سے متعلق اہل تصوف کے اقوال۔

۳۔التصوف: قرآن وحدیث کی روشنی میں ماہیت تصوف سے متعلق مباحث پیش کئے ہیں۔لفظ صوفی، متصوف اور مستصوف پر گفتگو کی گئی ہے۔

۴۔باب مرقعہ داشتن :اس باب میں ''خرقہ'' اور گدڑی پہننے کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔

۵۔باب فی ذکر اختلافھم فی الفقر و الصفوۃ اس باب میں فقر وصفوت کی بابت گفتگو کی گئی ہے۔

۶۔باب بیان الملامۃ

۷۔ باب فی ذکر ائمتھم من الصحابۃ و التابعین و متابعتھم :اس باب میں خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ کے فضائل اور ان کے متصوفانہ افکار ور جحانات پر گفتگو کی گئی ہے۔

۸۔باب فی ذکر ائمتھم من اھل البیت و اھل بیت پیغامبر ۔ اس باب میں خانوادہ اہل بیت اور ائمہ اہل بیت کا تذکرہ ہے۔

۹۔باب ذکر اہل الصفہ۔

۱۰۔باب فی ذکر ائمتھم من التابعین و الانصار۔ان جید ہستیوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے علوم تصوف وروحانیت کبار صحابہ کرامؓ سے سیکھے۔

۱۱۔باب فی ذکر ائمتھم من اتباع التابعین الی یومنا ھذا: اس باب میں ۶۴ کے قریب ذیلی عنوانات کے ساتھ معروف تبع تابعین بزرگوں کے احوال بیان کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ وہ سارے اصحاب صوفیانہ مشرب کے حامل تھے۔

۱۲۔باب فی ذکر ائمتھم من المتاخرین۔

۱۳۔باب فی ذکر رجال الصوفیته من المتاخرین علی الاختصار۔

۱۴۔ باب فی فرق فرقهم و مذاهبهم و آیاتهم و مقاماتهم و حکایاتهم۔ اس میں مختلف سلاسل صوفیہ اوران کے افکارونظریات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس باب میں کشف الحجاب کے عنوان سے گیارہ حجابات کا ذکر کیا گیا ہے۔جن میں اسلامی تعلیمات کا خاصہ اور نچوڑ بیان کر دیا گیا ہے۔

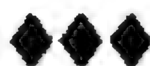
۱۵۔ باب التوبة و ما یتعلق بها۔ ۱۶۔ باب المحبة و ما یتعلق بها۔

۱۷۔ باب الجودو السخاوة۔ ۱۸۔ باب الجوع و مایتعلق بها۔ ۱۹۔ باب المشاهدات۔ ۲۰۔ باب الصحبة وما یتعلق بها۔ ۲۱۔ باب آداب فی الصحبة۔ ۲۲۔ باب آداب الاقامة فی الصحبة۔ ۲۳۔ باب الصحبة فی السفر و آدابه۔ ۲۴۔ باب آدابهم فی الاکل۔ ۲۵۔ باب آدابهم فی المشی۔

باب 15 سے 39 تک توبہ، محبت، جودوسخاوت، بھوک، مشاہدات، صحبت، آداب صحبت، آداب قیام، آداب رفاقت سفر، سفر حضر، گفتگو وخاموشی، سوال اور ترک سوال، نکاح و تجرد، قرآن کی سماعت، شعر، خوش الحانی، سماع کے احکام، سماع کی بابت اختلافات، آداب سماع، حقیقت سماع، وجد، رقص وغیرہ پر مفصل گفتگو ہوئی ہے۔

بقول سید خورشید گیلانی:

''یہ کتاب تصوف کا ایک ایسا گلدستہ ہے جس میں متنوع پھول سجے ہیں۔ ہر پھول کا رنگ جدا اور خوشبو منفرد، کتاب میں مخدوم ہجویری نے ان نام نہاد صوفیاء کا تعاقب کیا ہے جو اس لبادے میں تصوف کی بدنامی اور صوفیاء کی رسوائی کا باعث بنتے ہیں۔ یہ کتاب علم وعمل کا ایسا حسین مرقع ہے جس کی ہر دور میں ضرورت محسوس ہوتی ہے اور جادۂ حق پر چلنے کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی ہے۔اس کتاب کے بالاستیعاب مطالعہ کے بعد یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ تصوف کو سمجھنے کے لئے اسی ایک کتاب کا مطالعہ کافی ہے جس سے تصوف کے تمام گوشے پوری طرح واضح ہوجاتے ہیں اور کوئی الجھن باقی نہیں رہتی۔'' (تحقیق: حامد رضا بخاری)



آئینۂ اوصافِ خدا

حرفوں کے فنا زار میں اک صوتِ بقا ہو
کردار میں آئینۂ اوصافِ خدا ہو

تعظیم ہوئی جس کی سرِ عرشِ معلّٰی
انساں کے عزائم کی تم ہی حدِ رسا ہو

کونین کی عظمت ہے اُسی روضہ سے قائم
اخلاص بھی جس کے درِ اقدس پہ جھکا ہو

مہر ومہ خورشید بھی دیں جن کو سلامی
حق اُن کی غلامی کا بھلا کیسے ادا ہو

ہوتا ہے شمیمؔ اُن کی ہی سرکار سے مقبول
منشائے مشیت ہو کہ وہ حرفِ دعا ہو

ڈاکٹر سخاوت شمیم

اُچ کے مخدومِ جہاں رحمۃ اللہ علیہ

ایک مردِ حق آگاہ کی داستان جسے شریعت سے سرِ مُو انحراف گوارا نہ تھا

حضرت شیخ جلال الدین بخاریؒ ہر دوسرے تیسرے سال شاہِ ہندوستان، شاہ تغلق (دورِ حکومت ۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۸ء) سے ملاقات کرنے اُچ سے فیروز آباد شہر تشریف لاتے تھے۔ دونوں کے درمیان بے حد محبت تھی۔ انھیں دیکھتے ہی بادشاہ اپنی عظمت و شان کے باوجود تخت سے اُٹھ جاتا اور بے حد انکسار اور تواضع کے ساتھ سید جلال الدین بخاریؒ سے ملاقات کرتا۔ پھر دونوں بزرگ جام خانے (شیش محل) میں بیٹھتے۔ جب سید جلال الدینؒ واپس ہوتے تو فیروز شاہ برائے تعظیم کھڑا ہو جاتا اور جب تک حضرت نظروں سے اوجھل نہ ہوتے، اسی طرح کھڑا رہتا۔''

یہ درست ہے کہ درویشانِ حق شاہوں کے در پر نہیں جایا کرتے لیکن فیروز شاہ تغلق عام بادشاہ نہیں بلکہ وہ بڑا صاحب کردار تھا۔ وہ بزرگان دین کا بہت ادب کرتا تھا۔ فیروز شاہ بھی دوسرے تیسرے روز حضرت بخاریؒ کی قیام گاہ پر ملاقات کے لیے حاضر ہوتا۔ اُچ اور دہلی کے باشندے اپنی اپنی حاجت سید جلال الدین بخاریؒ کی خدمت میں پیش کرتے، تو وہ اپنے خدام کو حکم دیتے کہ ان کی حاجات قلم بند کر لیں۔ جب بادشاہ ملاقات کے لیے آتا تو وہ حاجت مندوں کے کاغذات اس کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ سلطان فیروز ہر حاجت مند کی دادرسی کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

نام اور لقب: حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے لقب سے مشہور ہیں۔ اس خطاب کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک روز ملتان کے مشہور بزرگ، شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانیؒ اپنے گھر سے نکل رہے تھے۔ جب انہوں نے گھر کے دروازے کی پہلی

سیڑھی پر قدم رکھا، تو فوراً سید جلال بخاریؒ دہلیز کی دوسری سیڑھی پر لیٹ گئے تا کہ شیخ رکن الدین کا قدم ان کے سینے پر رکھا جائے۔

شیخ نے ان سے فرمایا ''اے سید! نبوت کا دروازہ بند ہو چکا، رہا مرتبۂ ولایت تو تم اس مرتبے پر فائز ہو کہ 'مخدوم جہانیاں جہاں گشت کہلاؤ گے''۔ یہ کہہ کر انہوں نے ہاتھ پکڑ کر سید جلال الدین بخاریؒ کو اُٹھایا اور سینے سے لگالیا۔

چونکہ سید صاحب کا بہت سا وقت سیاحت میں گزرا، اس لیے جہاں گشت کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اخبار الاخیار میں ہے ''آپ نے بہت سیاحت کی اور اولیاء اللہ کی برکات سے مشرف ہوئے''۔ سید جلال الدین بخاریؒ نے مصر، شام، عراق، بلخ اور بخارا کے سفر کیے۔ اس دوران چھتیس حج کیے اور کئی بزرگوں سے فیض حاصل کیا۔

ولادت اور بچپن : آپ کے دادا سید جلال سُرخ بخاری بخارا سے بھکر آئے تھے۔ بعد ازاں اُچ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہیں مخدوم جہانیاں جہاں گشت ۷۰۷ھ (۱۳۰۸ء) میں پیدا ہوئے۔ جب سات سال کے ہوئے، تو آپ کے والد، سید احمد کبیر آپ کو اُچ کے ممتاز عالم اور درویش شیخ جمال خنداں رُو کی خدمت میں لے کر گئے۔

اس وقت شیخ کے سامنے کھجوروں کا ایک طباق رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے حکم دیا کہ یہ کھجوریں حاضرین میں تقسیم کر دی جائیں۔ جب مخدوم جہانیاں کو اپنا حصہ ملا تو وہ اپنے حصے کی کھجوریں گٹھلیوں سمیت کھا گئے۔ شیخ نے یہ دیکھا تو مسکرا کر فرمایا ''میاں صاحبزادے! تم نے گٹھلیوں سمیت یہ کھجوریں کیوں کھالیں؟''

مخدوم نے جواب دیا ''یہ کھجوریں آپ کے دستِ مبارک سے عطا ہوئی ہیں، مجھے اچھا نہیں معلوم ہوا کہ میں ان کی گٹھلیاں پھینک دوں۔''

یہ سن کر شیخ جمال الدین خنداں رُو نے فرمایا: ''تم فقیر اور اپنے خاندان، دونوں کے نام روشن کرو گے۔''

تعلیم : مخدوم جہانیاں نے ابتدائی تعلیم اُچ ہی میں پائی۔ ابتداً آپ سید محمد بخاریؒ کے زیرِ تربیت رہے، پھر اُچ کے قاضی علامہ بہاء الدین سے مذہبی کتابیں پڑھیں۔ قاضی بہاء الدین کی وفات کے بعد آپ مزید تعلیم کے لئے ملتان تشریف لائے اور اپنے والد ماجد کے مرشد، شیخ ابوالفتح رکن الدین کی خانقاہ میں ٹھہرے۔ شیخ رکن الدین آپ کے ساتھ نہایت شفقت و مہربانی سے پیش آئے اور آپ کی تعلیم و تربیت کی ذمے داری اپنی بہن کے

صاحبزادے مولانا موسیٰ اور ایک دوسرے عالم، مولانا مجد الدین کے سپرد کر دی۔ ان بزرگوں سے آپ نے علوم اسلامیہ کی کتب پڑھیں۔ جب کتابیں ختم کر چکے تو شیخ رکن الدین نے آپ کو اُچ واپس بھیج دیا۔

دورانِ تعلیم آپ نے کلام مجید کی ساتوں قرأتیں سیکھیں پھر آپ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ گئے اور وہاں شیخ عبداللہ یافعی اور شیخ عبداللہ مطری سے مختلف کتابیں پڑھیں۔ آپ دو برس تک شیخ عبداللہ مطری کی خدمت میں رہے اور تہجد کے وقت ان سے عوارف اور احادیثِ نبوی پڑھتے تھے۔

ہندوستان واپسی: ایک روز شیخ مکہ، حضرت عبداللہ یافعی نے حضرت مخدوم سے فرمایا ''اگر چہ دہلی کے بہت سے درویش اور اہل دل وفات پا چکے ہیں لیکن ان کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین دہلویؒ میں موجود ہے۔ ان کی ذاتِ بابرکات مغتنمات (غنیمت) میں سے ہے، تمہیں ان کی خدمت میں جانا چاہیے۔''

مخدوم جہانیاں نے یہ سنا تو شیخ نصیر الدین کی ملاقات کے مشتاق ہوئے اور مکہ معظمہ سے دہلی پہنچ گئے۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلی: دہلی کے اس ممتاز بزرگ کا اسم گرامی محمود نصیر الدین گنج اور لقب چراغ دہلی تھا۔ آپ کے دادا شیخ عبداللطیف یزدی خراسان (ایران) سے لاہور تشریف لائے۔ آپ کے والد شیخ محمود یحییٰ لاہور ہی میں پیدا ہوئے جو بعد کو اودھ (لکھنو) منتقل ہو گئے۔ شیخ نصیر الدین خطۂ اودھ میں پیدا ہوئے۔ نسباً حسنی سادات میں سے تھے۔ آثارِ ولایت و بزرگی ابتدا ہی سے آپ کے چہرے سے عیاں تھے۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد ۴۳ سال کی عمر میں سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی۔

والدہ کی وفات کے بعد حضرت خواجہ نے اپنا وطن چھوڑ کر مستقل دہلی میں اپنے مرشد کے خاص حجرے میں رہائش اختیار فرمائی۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے آپ کی بہترین صلاحیتیں دیکھ کر دہلی میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور اپنی وفات کے وقت جو تبرکات ان کو خواجگانِ چشت سے ملے تھے، انہیں عطا کیے۔ مسندِ رُشد و ہدایت پر رونق افروز ہونے کے بعد حضرت چراغ دہلی کا تمام وقت طالبانِ حق کی تربیت و اصلاح میں صرف ہوتا، ہر طبقے اور شہر کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ ان کے حال کے مطابق توجہ فرماتے۔

ایک درویش آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور زمانے کی بے وفائیوں اور ظلم و جور کی شکایت کی۔ فرمایا "برداشت کرو، صبر سے کام لو، اگر کوئی ظلم بھی کرے تو درویش کا کام نہیں کہ شکایت کرے۔" ایک مرتبہ بلادِ عرب سے ایک عالم آئے۔ آپ نے ان سے پوچھا کیا کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ مقنع (نقاب) بُنتا ہوں۔ آپ نے فرمایا "کسب و ہنر کا لقمہ پاک ہے"

سلطان محمد تغلق نے اگر چہ آپ کو کئی تکالیف پہنچائیں لیکن آپ اپنے پیر کی وصیت کے مطابق انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے۔ سلطان محمد تغلق کے بعد سلطان فیروز شاہ کی تاجپوشی ہوئی تو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ بھی ان اکابر علما و مشائخ کے ساتھ شریک تھے جنہوں نے بالاتفاق فیروز شاہ کی حکومت تسلیم کرلی تھی۔

یہ تھا حضرت چراغ دہلیؒ کا مختصر تذکرہ جن سے حضرت مخدوم جہانیاں نے بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت شیخ نصیر الدین نے آپ کو خاندانِ چشت سے خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا۔

رُشد و ہدایت :حضرت مخدوم جہانیاں پھر اپنے وطن اُچ چلے آئے اور رُشد و ہدایت میں مصروف ہوگئے۔ آپ لوگوں کو شریعت کے مطابق سلوک و معرفت کی تعلیم دیتے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بڑی شدت سے پابند تھے۔ غیر شرعی امور پر نہایت سختی سے تنبیہہ کرتے۔

آپ مریدوں کو نمازِ باجماعت ادا کرنے کی سخت تاکید فرماتے اور تارک جماعت کو بدعتی کہتے۔ آپ کے ملفوظات سے پتا چلتا ہے کہ کئی ہندو آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مغربی پنجاب میں جو قبیلے حضرت مخدوم کی تبلیغی کوششوں سے مسلمان ہوئے، بہاول پور کے سرکاری گزٹ میں ان کی فہرست درج ہے۔ ان کی تعداد آٹھ ہے جن میں راجپوتوں کا مشہور قبیلہ کھرل بھی شامل ہے۔ جب بھی آپ اُچ سے دہلی تشریف لاتے، راستے میں بہت سے غیر مسلم آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرلیتے۔

ملتان کے گزیٹر میں سر ایڈورڈ میکلیگن نے بعض قبائل کے قبولِ اسلام کی تاریخ لکھی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ پنجاب کا مشہور قبیلہ 'نون' مخدوم جہانیاں کے ہاتھ پر ایمان لایا۔ انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن کے تیئسویں سالانہ اجلاس میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے ایک دستاویز کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے سلطان محمود بیگڑہ کے مفتوحہ علاقے میں حضرت مخدوم

جہانیاں کی تبلیغی کوششوں اور سہروردیوں کے صوفیانہ نظام پر روشنی پڑتی ہے۔

عام معمولات: حضرت مخدوم کی روزمرہ زندگی کے عام معمولات یہ تھے: پانچ وقت کی نماز کے علاوہ تہجد، اشراق، چاشت، تراویح اور دوسرے نوافل اس قدر پڑھتے جتنے رسول اللہ روزانہ پڑھتے تھے۔ زیادہ تر اوراد و وظائف پڑھتے جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔ رات کو دورانِ عبادت ساری رات نہ جاگتے بلکہ کچھ دیر سو رہتے۔ فرماتے جو شخص عبادت میں تمام رات جاگتا رہا اس نے ترکِ سنت کیا کیونکہ رسول اللہ کا فرمان تو یہ ہے: "اَنَا اُصَلِّي وَاَنَامُ" (یعنی میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں)

کھانا تنہا نہ کھاتے بلکہ تقسیم کر کے کھاتے اور فرماتے "حدیث میں ہے کہ وہ ملعون ہے جو تنہا کھانا کھاتا، اپنے غلام کو مارتا اور بخل کرتا ہے۔" کھا کر منہ دھوتے اور کلی کرتے کہ یہ سنت ہے۔ پانی پیتے تو تین سانس میں پیتے اور فرماتے کہ یہی رسول اللہ کا طریقہ ہے۔ ریشمی اور باریک کپڑوں کو نامشروع سمجھتے۔ ایک دفعہ سلطان فیروز شاہ تغلق نے حضرت مخدوم کی خدمت میں چونتیس جوڑے کپڑے بھیجے۔ آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا "اگر شریعت کے مطابق ہوں گے تو پہنوں گا۔" پھر فرمایا کہ ریشم اور سونا رسول اللہ کی امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کے لیے حلال ہے۔ ایک دفعہ ایک مرید نے جوتوں کا ایک جوڑا پیش کیا، اسے قبول کرتے ہوئے فرمایا۔ "نعلین پہننا سنت ہے۔ میں نے مدینہ طیبہ میں رسول اللہ کی نعلین مبارک کو دیکھا اور اپنی آنکھوں پر رکھا تھا۔"

جب کوئی تحفہ پیش کرتا تو کسی نہ کسی صورت میں اس کا بدلہ ضرور دیتے اور فرماتے "حدیث میں ہے جو شخص تمہارے لیے کوئی ہدیہ (تحفہ) لائے تو تم اس کا بدلہ ضرور دو۔ اگر بدلہ دینے پر قادر نہیں تو اس کے لیے دعائے خیر کرو۔"

سلطان فیروز شاہ: حضرت مخدوم جہانیاں جیسی دیندار شخصیت کا دوست عام دنیادار بادشاہ ہو ہی نہیں سکتا تھا، سلطان کیسا بادشاہ تھا، ملاحظہ فرمائیے:

"سلطان فیروز شاہ کے والد ین کا نام رجب تھا۔ اس کے دو بھائی تھے۔ سلطان غیاث الدین محمد تغلق اور ابوبکر تغلق۔ یہ تینوں بھائی سلطان علاؤ الدین خلجی کے عہد حکومت (۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء) میں خراسان سے دہلی آئے۔ سلطان محمد تغلق جب تخت پر بیٹھا اس وقت فیروز شاہ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ سلطان محمد تغلق نے فیروز شاہ (بھتیجے) کو نائب امیر حاجب مقرر کیا۔ سلطان اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔

جب سلطان محمد تغلق نے ۱۳۵۱ء میں ٹھٹھہ میں وفات پائی تو تمام امرا، علما اور مشائخ نے جو اس وقت لشکر میں موجود تھے، باہمی مشورے سے سلطان فیروز شاہ کو تخت نشین کر دیا اور دریائے سندھ کے کنارے اس کی رسمِ تاج پوشی ہوئی۔ تاجپوشی سے پہلے جب اس سے بادشاہ بننے کے لیے اصرار کیا گیا تو اس نے کہا ''میں توحج کا ارادہ کر چکا ہوں، مجھے اس سے معاف رکھو۔'' جب لوگ نہ مانے' اس نے کہا ''اگر تم یہ بوجھ میری گردن پر رکھنا ہی چاہتے ہو تو ذرا صبر کرو تاکہ میں دو رکعت نماز ادا کر لوں۔''

چنانچہ فیروز شاہ نے وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز کے بعد دعا میں روتے ہوئے اس نے کہا: ''اے اللہ! عوام کا اطمینان، عالم کا انتظام اور فرماں روائی کو صحیح طریق پر چلانے کا کام بغیر تیری توفیق اور مدد کے انسان کی قوت سے باہر ہے، الٰہی! میں اس کام میں تیری مدد اور تجھ ہی سے قوت چاہتا ہوں۔'' (تاریخِ معصومی ص ۵۲۔۵۳)

سید صاحب کی فیاضی: مخدوم جہانیاں بہت فیاض تھے۔ بادشاہ اور معتقدین کے پاس سے جو تحائف آتے ان میں سے صرف بقدرِ ضرورت اپنے لیے رکھتے، باقی دوسروں میں تقسیم کر دیتے۔ جب مکہ معظمہ سے شیراز تشریف لے گئے، تو ایران کے فرماں روا نے سونے اور چاندی کے سکے طشت میں پیش کیے۔ آپ نے تمام سکے ان ساتھیوں کو دے دیے جو مقروض تھے۔

شیراز میں مخدوم جہانیاں کے ایک شاگرد نے جو آپ سے 'مصابیح' پڑھتا تھا، کئی ہزار دینار نذر کیے۔ آپ نے یہ دینار اپنے ان رفیقوں میں تقسیم کر دیے جنھیں اپنی لڑکیوں کی شادی کرنی تھی۔

ایک دفعہ ایک سید آئے۔ انہوں نے آپ سے کفن کے لیے کپڑا مانگا۔ اتفاقاً اس وقت کوئی کپڑا حتیٰ کہ نقد رقم بھی نہیں تھی۔ فرمایا ''جاڑے کا موسم ختم ہو چکا ہے۔ بستر میں سے روئی نکال لو اور کپڑا کفن کے لیے دے دو۔ روئی فروخت کر کے اس کی قیمت رکھ لو تاکہ درویشوں کے وظیفے کے کام آئے''۔

یہ فرما کر نماز میں مشغول ہو گئے۔ خادم نے ارشاد کی تعمیل کی اور کہنے لگا کہ حضرت قطبِ عالم کیسی شفقت فرماتے ہیں، پھر اس نے یہ آیت پڑھی "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلا رحمة للعالمین" (اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا)

آپ نے یہ آیت سنی تو نماز توڑ دی اور ناراضی سے فرمایا ''یہ آیت رسولِ اکرم کی شان

میں ہے، کسی اور کے لیے نہیں پڑھی جا سکتی۔"

آپ کی طبیعت میں بے حد انکسار اور خاکساری تھی۔ ایک دفعہ ایک مرید نے القاب میں قطب عالم، شیخ الشیوخ اور سید السادات لکھا تو فرمایا "مجھ کو گدائے عالم کہو۔"

مہمان نوازی: جب کوئی مخدوم جہانیاں سے ملاقات کرنے آتا، تو آپ اسے ضرور کچھ نہ کچھ کھلاتے، فرمایا کرتے تھے "جو آدمی کسی زندہ آدمی سے ملاقات کے لیے آئے اور اس کے ہاں کچھ نہ چکھے، تو گویا اس نے مُردے کی زیارت کی۔"

جب کوئی مہمان آتا تو جب تک وہ رہتا، اس کے لیے کھانے، پینے اور نقد وظیفے کا انتظام فرماتے اور اس کے قیام کے لیے ایک علیحدہ حجرہ متعین فرما دیتے۔

خدمت خلق : کتاب سیرۃ العارفین میں ہے کہ فیروز تغلق کا وزیر، خان جہاں ابتدا حضرت مخدوم جہانیاں کا سخت مخالف تھا۔ ایک مرتبہ اس نے ایک نویسندہ (لکھنے والے) کے بیٹے کو کسی بات پر قید کر دیا۔ اس کا باپ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کی بے گناہی ظاہر کر کے سفارش کا طالب ہوا۔ حضرت مخدوم جہانیاں اسی وقت برائے سفارش خان جہاں کے پاس گئے لیکن اس نے اندر ہی سے کہلا بھیجا "میں شیخ سے نہ تو ملوں گا اور نہ ان کی سفارش قبول کروں گا۔ ان سے کہہ دیا جائے کہ وہ آیندہ میرے دروازے پر نہ آئیں۔"

اس کے باوجود حضرت مخدوم انیس مرتبہ اس کے دروازے پر گئے اور ہر مرتبہ اس نے یہی جواب دیا۔ آخری مرتبہ اس نے کہلوایا "اے سید! تمہیں غیرت نہیں آتی، میں کتنی مرتبہ تم سے انکار کر چکا ہوں مگر تم پھر میرے دروازے پر آن موجود ہوتے ہو۔"

حضرت نے جواب دیا "اے عزیز! میں جتنی مرتبہ تمہارے دروازے پر آتا ہوں، مجھے اس کا ثواب مل جاتا ہے لیکن ایک مظلوم کا مقصد پورا نہیں ہوتا، میں چاہتا ہوں کہ اس مظلوم کو تمہاری قید سے چھٹکارا دلوا دوں تاکہ تم بھی اس کے ثواب میں شریک ہو جاؤ۔"

یہ سن کر خان جہاں بے حد متاثر ہوا، وہ گھر سے باہر آیا اور آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گیا۔

وفات: مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے ستر سال کی عمر میں عین عیدالاضحیٰ کے دن (۷۸۵ھ مطابق ۱۳۸۴ء) میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پُر انوار اُچ میں زیارت گہِ خاص و عام ہے۔

ملفوظات کے مجموعے: آپ کے ملفوظات کے تین مجموعوں کا ایک تک

میر سید اسماعیلؒ

پیدائش ۸۰۹ــــــــوفات ۹۹۲ھ

آپ سید ابدال کے بیٹے تھے جن کا سلسلہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بیٹے سید عبدالرزاق تک پہنچتا ہے، آپ ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے ہندوستان میں سید عبدالقادر کے سلسلہ کو جاری کیا، شیخ محمد حسن، شیخ امان اللہ اور اسی طرح دوسرے درویش آپ کے فیض یافتہ اور معتقد تھے، آپ کی وفات ۹۰۶ھ میں ہوئی، آپ کا مزار نھور میں ہے جہاں آپ کسی تقریب کے سلسلہ میں تشریف لے گئے تھے، اللہ آپ پر رحمت نازل کرے۔

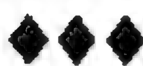
پتا چل سکا ہے۔

۱)......خزانہ جلالی: اس مجموعے کا تذکرہ مختلف کتابوں میں ملتا ہے لیکن یہ ابھی تک زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوا۔ شیخ محمد اکرام نے اپنی کتاب آبِ کوثر کے ایک فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ انہوں نے اُچ کے سفر میں خزانۂ جلالی کا ایک قلمی نسخہ موجودہ سجادہ نشین درگاہِ اُچ شریف کے پاس دیکھا تھا۔

❖......سراج الہدایہ: یہ حضرت مخدوم کے ملفوظات کا دوسرا مجموعہ ہے۔ اس کے جامع و مرتب احمد برنی حضرت مخدوم کے مرید تھے۔

❖......جامع العلوم: یہ حضرت کے ملفوظات کا تیسرا مجموعہ ہے۔ اس کے جامع و مرتب آپ کے مرید سید علاؤ الدین بن سعد حسینی ہیں۔ اس کا اُردو ترجمہ 'الدر المنظوم' کے نام سے دو جلدوں میں مولوی ذوالفقار احمد نقوی نے کیا تھا جو مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوا:

خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را



حضرت خواجہ احمدؒ

اللہ کے ایک دوست کا تذکرہ، جس میں روحانیت کی خوشبو بسی ہوئی ہے۔

حضرت خواجہ احمدؒ کا اصلی وطن علاقہ دریائے چناب ہے۔ نسلاً آپ کھوکھر ہیں۔ آپ کے جد امجد نے بلوچ قبیلے کی ایک عفیفہ سے نکاح کر لیا۔ جس سے ایک فرزند حضرت کے والد محترم پیدا ہوئے۔ جب بلوغت کو پہنچے تو انہوں نے بھی بلوچوں کے گھر ایک نیک خاتون حوا بانو سے شادی کر لی جس سے دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ ایک حضرت خواجہ احمد اور دوسرے آپ کے بھائی محمد یعقوب جو بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے اور ایک لڑکی بی بی عائشہ جو آپ کی ہمشیرہ تھیں، ان کی شادی بھی تونسہ شریف کے علاقے میں بلوچوں کے قبیلہ میں ہوئی۔

حضرت کو بچپن ہی سے عبادت الٰہی کا بہت شوق تھا۔ جب آپ کے والد محترم رات کو گاؤں سے باہر عبادت کے لیے نکل جاتے تو آپ بھی ان کے پیچھے پیچھے چھپ کر گاؤں سے باہر تنہائی میں بیٹھ کر عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ حضرتؒ کی یہ عادت تھی کہ سبق پڑھ کر تن تنہا شہر سے باہر بیر کے درخت کے نیچے مطالعہ اور ورد و وظائف میں مصروف رہا کرتے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ لڑکپن میں میں گاہ بگاہ والد بزرگوار سے بھوک کی شکایت کر کے روٹی طلب کیا کرتا تو آپ جواب میں فرمایا کرتے اللہ اللہ کرو۔ جب آپؒ کی عمر مبارک چار، پانچ سال کی ہوئی تو آپ کے والد بزرگوار آپ کو ایک مولوی صاحب کے پاس قرآن کریم پڑھنے کے لیے چھوڑ آئے اور ایک سال تک خبر نہ لی۔ استاد محترم بڑے مویشی والے تھے۔ صبح سبق پڑھ کر استاد محترم کا ریوڑ جنگل میں چرانے کے لیے لے جاتے۔ جب سردی کا موسم آیا تو استاد محترم نے اونٹ کی پشم کا بنا ہوا کمبل آپ کو دے دیا۔ جس کو حضرت اوڑھ کر رات کو ایک

غار میں سو جاتے لیکن علم حاصل کرنے کی خاطر سب دُکھ درد سہے۔ کچھ عرصے بعد قرآن پاک ختم کر کے والد محترم کی خدمت میں پہنچے۔ تھوڑے عرصہ بعد آپ کے والد محترم اس دنیا فانی سے رحلت فرما گئے، اور آپؒ اکیلے ہی گھر میں رہ گئے۔

آپ کے والد محترمؒ حضرت سلیمان تونسویؒ کے مرید تھے اس لیے حضرتؒ اپنے والد محترم کے ساتھ ایک دو دفعہ تونسہ شریف تشریف لے گئے۔ والد محترم کے وصال کے بعد حضرت تونسہ شریف جا کر حضرت سلیمان تونسویؒ کے مرید ہو گئے اور وہاں سات سال رہ کر فارسی نظم ونثر اور فقہ کی کتابیں پڑھیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ نو سال بعد مجھے سیر و سیاحت کا بہت شوق غالب آیا۔ محمد یعقوب نامی طالب علم کو ساتھ لے کر ملتان شریف چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر ایک مسجد میں قیام کیا۔ محلّہ دار انتہائی بے مروت لوگ تھے۔ رزاق مطلق پر توکل کر کے مسجد کے حجرے میں رہنے لگا اور ایک مولوی صاحب سے ''کنز الدقائق'' کا سبق لینا شروع کیا۔ مولوی صاحب نے بڑی شفقت سے سبق پڑھایا، سبق لینے کے بعد اپنی مسجد میں لوٹ آیا۔ دوسرے دن پھر سبق پڑھنے گیا۔ استاد صاحب نے پوچھا کہ اے درویش! وجہ معاش کیا ہے؟ عرض کی کہ ہم دونوں کو پیٹ بھر کر کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ استاد محترم نے فرمایا کہ وہاں محلّہ میں شیخ بہاء الحق کی اولاد سے ایک شیخ ہیں وہ مسکین وغریب طلباء کی مدد کرتے ہیں۔ مجھے یہ بات پسند نہ آئی کہ آگے عرض کروں۔ تیسرے روز پھر استاد صاحب نے فرمایا کیوں میاں اس آدمی کے پاس گئے تھے۔ میں نے عرض کی نہیں جناب۔ اس پر آپ ناراض ہو کر فرمانے لگے۔ چلو میرے ساتھ جب ان کے دولت خانے کے قریب پہنچا تو میں نے دست بستہ عرض کی کہ رزاق حقیقی کا دروازہ چھوڑ کر کسی غیر کے دروازے پر جانے سے تو بھوکا مر جانا بہتر ہے۔ آخر ہم دونوں مسجد میں واپس آ گئے۔ آپؒ نے تعلیم حاصل کرنے کی خاطر بڑی بڑی تکالیف اور مشکلات کا سامنا کیا اور ہر تکلیف خندہ پیشانی سے برداشت کی۔

میرا شریف اسم بامسمیٰ گاؤں ہے، کیونکہ مکان کو اصلی شرف مکیں سے ہوتا ہے۔ ورنہ یہ اول ایک چھوٹی سی بستی تھی جس کا سنگ بنیاد اول ایک انسان میاں محمد نے رکھا، جو مولوی صاحب مکھڈ والوں کے مرید تھے۔ ایک دفعہ مولوی صاحب مکھڈوی میاں صاحب کی فاتحہ خوانی کے ارادے سے موضع اخلاص میں جو پنڈی گھیپ کے قریب ایک موضع ہے، ڈولہ کے ذریعہ تشریف لائے۔ جب میرا کے قریب سے گزرے تو فرمانے لگے کہ ان ریت کے تودوں اور کریوں سے ذکر کی آواز آتی ہے۔ نیز حضرت خواجہ فاضل شاہ کو ایک روز یہاں سے

گزرنے کا اتفاق ہوا۔ لوگوں نے عرض کی کہ یہ خشک میرا ہے، پانی کے لئے دعا فرمایئے۔
حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہاں ایک اللہ والا آئے گا جو اس خشک میرا کو پانی سے سیراب کردے گا اور ان کریوں میں بنگلہ بنائے گا چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا، نیز میاں محمد تونسہ شریف حضرت خواجہ محمد سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی کہ اس مسکین نے ایک بستی بنائی ہے جس کا نام میرا رکھا ہے۔ اس کے غربی طرف افغان آباد ہیں جن کا پیشہ غارت گری اور لوٹ مار ہے۔ اکثر اوقات ہماری بستی سے مال، مویشی، اسباب وغیرہ لوٹ کر لے جاتے ہیں، قبلہ عالم نے جوش میں آکر فرمایا وہ میرا نہیں میرا ہے انشاء اللہ قیامت تک امن وامان رہے گا اور کوئی تاراج نہ کرسکے گا۔ آپ کا میرا شریف میں قیام کرنا فی الحقیقت کئی بزرگوں کی پیشگوئیوں کی صداقت کا باعث ہے۔ تونسہ شریف کے قیام کے زمانے میں حضرت کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر کسی پیر بھائی کی صحبت میسر آجائے تو اچھا ہے۔ ایک رات استخارہ کیا مگر معمہ حل نہ ہوا دوسری بار پھر استخارہ کیا۔ اشارہ حضرت فاضل شاہ گڑھی والوں کی طرف ہوا، شاہ صاحب کا اس وقت کوئی مقررہ مقام نہ تھا، عموماً ضلع ہزارہ کے پہاڑی علاقہ میں آتے جاتے رہتے تھے۔ اکثر اوقات میرا شریف میں بھی قیام کرتے اور دو تین راتیں گزار دیتے۔ مسجد کا صحن نہایت مصفا اور خوشنما تھا۔ حضرت بڑے صفائی پسند تھے۔ نیز مسجد آبادی سے تھلگ شمالی کنارے پر گنجان درختوں میں بنائی گئی تھی، آپ کو یہ جگہ بہت ہی مرغوب اور پسند خاطر تھی۔ اس لیے آپ نے یہاں ڈیرہ ڈال دیا۔ بستی کے باشندے نماز پنجگانہ کے بڑے پابند تھے، درویش گاؤں سے جو کچھ لاتے آپ بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر کھالیا کرتے، جو چیز میسر آتی، فوراً مستحقین کو بانٹ دیتے تھے۔

آپ اکثر اوقات محفل سماع منعقد کرتے اور سماع سنتے تھے۔ حضرت مشائخ رضوان اللہ علیہم کے عرسوں پر بھی آپ سماع سنتے تھے، محفل میلاد شریف منعقد کرتے تھے۔

ایک دفعہ سماع کا ذکر چھڑا۔ آپ نے فرمایا کہ صوفیائے کرام اپنے لیے اس واسطے سماع کو جائز سمجھتے ہیں، کیونکہ اکثر نوافل اور عبادات وریاضت کے شغل سے دلوں میں کدورت پڑجاتی ہے۔ اس لیے چند ساعتیں پوری فراغت اور آرام سے سماع اور مولود شریف سنتے ہیں، اس لیے تفسیر احمد کے تحت آیت شریف ومن یشتری ھوالحدیث لیضل عن سبیل اللہ میں طرفین کے دلائل موجود ہیں اور آخری فیصلہ یہ لکھا ہے کہ جس کو سماع سے لذت اور شوق الٰہی اور دنیا سے انقطاع ہو، اس کو تو راگ سننا جائز ہے اور اگر شہوت نفسانی اور خیالات شیطانی

راگ کے سننے سے زیادہ ہوں تو اس آدمی کو راگ کا سننا حرام ہے۔

قرآن کریم اور کتب متداولہ کا اکثر درس طالب حق کو دیا جاتا تھا، یہ درس بلند پایہ عالم دیتے تھے، جس کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے ان عالموں کو حضرت کے لنگر سے روٹی کپڑا دیا جاتا تھا، درویشوں کو خرچ خوراک کتابیں وغیرہ ہر ایک چیز لنگر سے مفت ملا کرتی تھی۔

حضرت مذہبی جھگڑوں میں بالکل نہ پڑتے تھے، آپ کا مسلک صلح کل تھا، آپ حنفی مذہب تھے، آپ اپنے سارے دوستوں کو حنفی مذہب کی پابندی کی تلقین کرتے تھے، جس کا مسلک ائمہ اربعہ سے باہر ہوتا اسے راہ راست پر خیال نہ کرتے۔

حضرت پیری مریدی شہرت سے بہت نفرت کیا کرتے اس لیے کہ لوگوں کو آپ کی وجہ سے تکلیف نہ ہو، سفر و حضر میں خاص خاص درویش ساتھ رہا کرتے، آپ مندرجہ ذیل جگہوں پر تشریف لے گئے، لاہور، جہلم، پشاور، مکھڈ، گڑھی شریف، پاک پٹن شریف، کالا باغ، راولپنڈی، چوہا سیدن شاہ، کشمیر، پنڈ دادنخاں، شاہ پور، ایبٹ آباد، اور ملتان وغیرہ۔

ایک روز مولوی محمد نواز اور دیگر خاص و عام پیر بھائی حضرت کی خدمت میں حاضر تھے کہ میاں ماجھی چھٹی رسان نے حضرت کی خدمت میں ڈاک پیش کی جس میں ایک خط مدینہ منورہ شریف سے آیا تھا۔ جس کا بھیجنے والا احمد خاں لاہوری تھا۔ احمد خاں نے لکھا تھا کہ میں ایک مصیبت میں گرفتار ہو کر انتہائی پریشان ہوا، اور اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لیے مدینہ منورہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر چلا گیا اور سات سال روضہ اطہر پر پڑا رہا، ازاں بعد ایک رات حضور کو خواب میں دیکھا، حضور نے فرمایا کہ تم میرا شریف جاؤ، بیدار ہو کر سوچنے لگا کہ خدا معلوم میرا شریف کدھر ہے آخر بڑی تگ و دو کے بعد پتہ چلا کہ میرا شریف ضلع کیمبل پور میں ایک موضع ہے، اس لیے یہ عریضہ ارسال خدمت ہے، اگر اجازت ہو تو خود حاضر ہو کر عرض و نیاز پیش کروں۔ خط کو سن کر آپ نے منشی سے جواب لکھوایا کہ جو کچھ تم نے خواب میں دیکھا وہ سب رحمت اور شفقت خواجہ ہر دوسرا حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے ورنہ تو اور میں کیا ہیں بلکہ تمام جہان اور جملہ کون و مکاں اس در فیض اثر کے سائل ہیں، اس در کو نہ چھوڑنا میں بھی شفیع المذنبین کے طفیل دعا کا خواستگار ہوں گا۔ جب یہ خط ملے تو اس خاکسار کی طرف سے ہزاروں لاکھوں صلوٰۃ و تسلیم حضورؐ کے روضۂ انور پر عرض کرنا۔

ایک دفعہ حضرت چند درویشوں کے ہمراہ گڑھی شریف تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں بستی عنایت کے پاس ایک درخت کے نیچے آرام فرمایا۔ چلتے وقت آپ نے

فرمایا کہ سڑک کے کنارے پر یہ بڑا اچھا سایہ دار درخت ہے، اس کو کاٹ کر برباد نہ کرنا اور خوب حفاظت کرنا، آپ کے بعد مالکوں نے اس درخت کے کاٹنے کا ارادہ کیا تو کوئی نہ کوئی مصیبت درپیش آ گئی، اور جب کبھی کسی نے اس کی شاخیں کاٹ کر مال مویشی کو کھلائیں وہ مر گئے۔ آپ کی کرامت کو دیکھ کر ایک منکر جل گیا اور بے حرمتی کی نیت سے اس درخت کے نیچے بول و براز کر دیا، فوراً درد شکم سے بیمار ہو گیا، لوگ اس کو اٹھا کر گھر لے گئے، توبہ تائب ہوا، تب جان چھوٹی۔

ایک اور واقعہ اس سے بھی سخت تر ظاہر ہوا، ایک رسالدار بال بچوں مال اسباب سمیت اونٹوں کی سواری سے آ رہا تھا۔ گرمی سے گھبرا کر اس درخت کے نیچے آرام کیا، جب شتربانوں نے درخت کو سرسبز دیکھا تو دل جگہ پر نہ رہا بے اختیار ہو کر ہاتھ بڑھایا اور شاخیں کاٹ کر اونٹوں کے آگے ڈالنی شروع کر دی، ہر چند لوگوں نے ان کو سمجھایا کہ یہ درخت ایک بزرگ کا ہے جو اس کا نقصان کرتا ہے وہ نقصان اُٹھاتا ہے لیکن سیاہ دل رسالدار نے ایک نہ سنی۔ غریب زمیندار خاموش ہو رہے۔ چند دنوں بعد ان میں سے ایک شتربان درخت کے نیچے آ کر رونے لگا۔ چند ایک لوگوں نے اس سے پوچھا، کیوں روتے ہو، کہنے لگا کہ تینوں اونٹ بیمار ہو کر مر گئے اور رسالدار بھی اپنے دونوں بیٹوں سمیت فوت ہو گیا۔

ایک دفعہ ایک کشمیری نے شہد کا بھرا ہوا برتن حضرت کو نذر کیا، آپ نے فرمایا کہ میرے لیے اتنی زحمت نہ اٹھایا کرو، وہاں اگر بغیر تکلیف اور مشقت کے مل جائے تو لے آنا، اس میں کوئی حرج نہیں۔ کشمیری نے عرض کیا کہ محنت عین سعادت ہے، جب قدمبوسی کا دل میں ارادہ کیا تو خیال آیا کہ اگر شہد دستیاب ہو جائے تو نذر لے جاؤں گھر میں تھا نہیں جنگل میں تلاش کرنے گیا، آخر ایک اونچے درخت پر شہد نظر آیا لیکن اس کا حاصل کرنا نہایت ہی محال تھا، بڑی تدبیریں کیں، مگر ایک بھی کارگر ثابت نہ ہوئی، آخر الامر پیران غلام کی مدد پر یہ حیلہ کیا، ایک رسی لے کر کمر میں باندھی اور اسی درخت سے باندھ کر لٹک گیا، ناگہاں رسی ٹوٹ گئی، خوف آیا کہ نیچے گر گیا تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں گا، ناچار پیران غلام کے طفیل خدا کی درگاہ میں استغاثہ کیا، کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت میروی ہوا میں آئے اور دونوں ہاتھوں سے میری کمر پکڑ کر مجھے زمین پر پہنچا دیا، حضرت کے دربار میں حاضر ہو گیا۔ مولوی شیخ ساکن تکہ کلاں ذکر کرتے ہیں کہ ایک روز گرمی کے موسم میں درویشوں کے ہمراہ آپ اپنے کنوئیں پر گئے، گرمی بہت سخت تھی اس لیے آپ کی چارپائی مضبوط رسوں سے باندھ کر کنوئیں میں لٹکا

حضرت امام عبداللہ بن مبارکؒ

آپ امام اعظمؒ کے شاگرد رشید ہیں۔ علوم و فنون میں آپ جامع اور جید عالم تھے۔ صاحب کشف و کرامات تھے۔ حضرت سفیان ثوری اور فضیل بن عیاض آپ کے ہمعصر تھے اور بڑے بڑے مشائخ کی صحبتیں آپ نے دیکھیں۔ نقل ہے کہ ایک دن ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ ایک نابینا سے آپ نے فرمایا، عبداللہ مبارک آرہا ہے، تجھے جس چیز کی ضرورت ہو اس سے طلب کر، نابینا نے کہا کہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری آنکھیں عنایت فرمادے، آپ نے دعا فرمائی۔ اسی وقت اس کی بینائی آگئی۔

صاحب کشف المحجوب نے لکھا ہے کہ امام عبداللہ کی والدہ ایک دن باغ میں کسی کام سے تشریف لے گئیں۔ آپ کو باغ میں سوتا ہوا پایا۔ دیکھا کہ ایک بہت بڑا سانپ منہ میں ایک پھول لئے ہوئے آپ کے اوپر پنکھیاں اڑا رہا ہے۔

آپ کی ولادت ۱۱۸ھ کو ہوئی، وفات ماہ رمضان میں ۱۸۱ھ کو ہوئی۔

دیا۔ آپ نے کچھ ساعت آرام کیا، نماز ظہر کے وقت آپ کو نکالا گیا، نماز پڑھ کر جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے عرض کی حضرت نے تو کنوئیں میں آرام کیا اور سب عقیدت مند گرمی سے جاں بلب ہو گئے ہیں، بالکل کسی کو آرام نہ آیا، ہوا کے دروازے بالکل بند تھے، تمام مخلوقات اپنے عرق میں غرق تھی، دعا فرمایئے کہ ہوا جاری ہو۔ حضرت نے تبسم فرما کر کہا۔ اگر چالیس گنجوں کو گنو تو ہوا چلے گی۔ ساعت کے بعد مولوی صاحب نے عرض کی کہ یہ حضرت گنتی تو پوری ہو گئی لیکن ہوا کسی طرف سے بھی نہیں چلی، آپ نے فرمایا مولوی صاحب گنتی میں غلطی واقع ہوئی ہوگی۔ بلند آواز سے گنتی کرو۔ جب لوگوں نے اس غلطی کو پورا کیا تو مشرق کی طرف سے آہستہ آہستہ ہوا چلنے لگی، حتیٰ کہ سخت تیز ہوگئی، اور ایک سیاہ گھٹا اٹھی، آسمان ابر آلود ہو گیا، بارش برسنے لگی، گرمی سردی سے بدل گئی اور ہر کسی کو سکھ اور آرام نصیب ہوا، درویش حضرت کے ہمراہ خوشی خوشی میرا شریف واپس ہوئے۔

محمد خاں نمبردار سکنہ کہویاں علاقہ تلہ گنگ مرید حضرت خواجہ ذکر کرتے ہیں کہ میرا لڑکا ہنجیروں سے بیمار تھا، ہر چند علاج کیا، بیماری دن بدن ترقی کرتی گئی، اور اتنا بیمار ہو گیا کہ پہلو بدلنے کی طاقت بھی نہ رہی۔ ایک دن رو کر کہنے لگا کہ اگر حضرت خواجہ احمد غریب نواز ہمارے گھر قدم رنجہ فرمادیں اور میری ہنجیروں پر دم کریں تو یقین ہے کہ اس مسیحا کے دم کے اثر سے صحت کامل ہو جائے گی، ورنہ موت تو سر پر آہی پہنچی ہے۔ آپ کے دیدار فیض آثار سے تو ... گا، اس سعادت عظمیٰ سے تو محروم نہیں رہوں گا، میں نے چند بار حاضر ہو کر عرض کی

لیکن درخواست منظور نہیں ہوئی آخر بصد مشکل آپ کو اپنے ہمراہ اپنے گھر لے گیا۔ چند ایک درویش آپ کے ہمراہ تھے۔ مرغ کے چوزے کا گوشت آپ بڑا پسند فرمایا کرتے تھے، اس لیے ایک چوزہ لے کر بطور ناشتہ روٹی سے پہلے خدمت اقدس میں پیش کیا، مگر آپ نے رغبت سے نہ کھایا ہم نے گمان کیا شاید طبیعت کے مطابق پکا ہوا نہیں، دوبارہ پھر پکا کر حاضر کیا، تیسری بار پھر ہم نے ارادہ کیا تو آپ نے ہنس کر فرمایا کہ لوگ کہیں گے، مرغا کھاؤ فقیر آیا۔ ایک رات رہ کر واپس تشریف لے گئے، میرا لڑکا حضرت کی صحبت اور بابرکت تھوک سے ایسا صحت یاب ہوا کہ بیماری کا نام تک باقی نہ رہا۔

سید احمد شاہ فتح جنگی ذکر کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت نے فرمایا کہ سیر کے ایام میں ایک وقت طلبا کے گروہ کے ساتھ بمقام ٹھر توپ گڑھی افغاناں پہاڑ کے دامن میں سکونت اختیار کی، طلبا کے سبق اسباق سے فارغ ہو کر پہاڑ کے دامن میں شہر سے دور لوگوں سے پوشیدہ ذکر بالجہر شروع کیا، ایک روز بڑے ذوق شوق سے مشغول تھا کہ ناگہاں ایک شیر ہولناک میرے پاس آ کر غرانے لگا، میں اپنی جگہ پر بیٹھ کر ذکر اذکار میں مصروف رہا، شیر بھی میرے ساتھ ذکر جہر میں شریک ہو گیا، میں جس وقت کلمہ لا الہٰ الا اللہ کے ساتھ آواز بلند کرتا تو وہ چپ ہو جاتا جب میں سانس اندر کھینچتا، تب وہ شروع ہو جاتا، بہت دیر تک ہم ذکر بالجہر کرتے رہے۔ اختتام وظیفہ کے بعد شیر مجھے سلام کر کے جنگل میں چلا گیا۔

ایک شخص نے اپنی عورت کو قتل کر دیا، چنانچہ اسے گرفتار کر لیا گیا، اس نے مجسٹریٹ کے سامنے بیان دیا کہ میں نے دیوانگی کی حالت میں اپنی عورت کو قتل کر دیا ہے، ورنہ میری اس کے ساتھ کوئی دشمنی نہ تھی۔ صفائی کے گواہوں میں اس نے حضرت خواجہ میروی، حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑہ شریف اور سردار محمد نواز خاں کے نام لکھوائے اور یہ بھی بیان کیا کہ میری دیوانگی کے متعلق یہ تینوں حضرات خوب واقف ہیں چنانچہ تینوں کے نام سمن جاری کئے گئے، پہلے حضرت خواجہ احمد انکار کر بیٹھے کیونکہ یہ کام ان کی عادت کے خلاف تھا۔ چنانچہ تاریخ پیشگی سے پہلے شام کے وقت آپ راولپنڈی پہنچ گئے، دوسرے دن صبح آپ کچہری میں پہنچے تھوڑی دیر بعد پیر صاحب گولڑہ شریف خاص تجل سے جلوہ آرا ہوئے، حضرت میروی نے جب آپ کو آتے دیکھا تو آگے بڑھ کر مصافحہ مسنون طریقہ پر کیا، پیر صاحب گولڑہ شریف نے فرمایا کہ آج شہادت کی مصیبت حکام دنیاوی کی کچہریوں میں آ گئی، حضرت میروی نے فرمایا کہ پہلے بھی انگریزوں کا منہ دیکھنے کا کم ہی اتفاق ہوا ہے، آج بھی اپنے پیران عظام سے یہی التجا

ہے کہ خدا ان کا منہ نہ دکھائے، اور قاتل جس نے اتنی حیلہ سازی کی ہے، اللہ تعالیٰ پیران عظام کے طفیل اس کو بھی خلاصی ملے۔ اتنے میں نماز ظہر کا وقت ہو گیا، اور آپ نماز ادا کرنے کے لیے چلے گئے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو اندرون عدالت سے اردلی نے آکر آپ کو اطلاع دی کہ آپ سب صاحبان کی شہادتیں ہو گئیں اور غالب امید ہے کہ قاتل بھی رہا ہو جائے، پس آپ اطلاع ہونے پر فوراً خادموں سمیت عدالت سے باہر نکل آئے۔

علاقہ ہوتی مردان کے ایک شخص کا لڑکا گم ہو گیا، کسی نے اس کو حضرت میروی کا پتہ بتا دیا، بے چارہ رات دن چلتا چلتا منزلیں طے کر کے جب تھٹہ بسال کے قریب سفید پہاڑ میں پہنچا تو رستہ گم ہو گیا، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا، تھوڑی دیر بعد ایک شخص نے آکر السلام علیکم کہا اور نرمی سے حال احوال پوچھا، اس بزرگ نے فرمایا، یہاں سے شہر نزدیک ہے اندھیری رات میں تم راستے سے بھٹک جاؤ گے، ہاتھ پکڑ کر مسجد میں لے گئے، علی الصبح وہاں سے روانہ ہوا، چند دنوں بعد میرا شریف پہنچا جونہی حضرت کی قدمبوسی کی تو پہچان گیا کہ یہ تو وہی شخص ہیں جو کہ اندھیری رات میں میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد میں لے گئے تھے، میں نے اپنے لڑکے کی گم شدگی کا حال بتلایا آپ نے تونسہ شریف کی طرف منہ کر کے دعا کی تیرا لڑکا تیرے گھر جانے سے پہلے پہنچ جائے گا، چنانچہ اسی طرح ہوا میرا دل حضرت کی یہ کرامت دیکھ کر نہایت خوش ہوا، بیعت کا عہد کیا اور پھر گھر واپس چلا گیا۔

محمد شاہ کشمیری بیان کرتے ہیں کہ میں طالب علمی کے زمانے میں اپنے استاد کے ہمراہ راولپنڈی روانہ ہوا، رات ایک گاؤں میں آگئی جس کے قریب حضرت موسیٰ کی زیارت گاہ تھی اور اس کے احاطے میں بے شمار درخت تھے، جن میں بہت صاف قسم کی سوٹیاں تھیں، خیال گزرا کہ چند سوٹیاں حضرت میروی کے اصحاب صفہ کے لیے کاٹ لوں، لوگوں نے منع کیا کہ نقصان اٹھاؤ گے لیکن میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ سوٹیاں کاٹوں گا، رات کو سوٹیاں کاٹ کر مسجد میں آکر سو گیا، رات کو مزار کے مجاوروں نے گلا گھونٹنا شروع کیا، ہر چند کوشش کی مگر کچھ نہ بنا، اضطراب کی حالت میں تھا کہ حضرت میروی حاضر ہو کر فقیر کا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے او بخیل سوٹیوں کے پیچھے ایک طالب علم کو ہلاک کرتا ہے شرم نہیں آتی۔ وہ مجاور یہ الفاظ سن کر مسجد سے باہر ہو گیا، آپ مجھے فرمانے لگے، سوٹیاں کیوں کاٹیں اپنی جان بھی ہلاکت میں ڈالی، اور مجھے تکلیف دی۔ میں نے آپ کے ہاتھ پاؤں چومے اور پھر آپ حضرت نے فرمایا کہ ابتدائی زمانے میں نکہ کلاں میں مسمیٰ رام کور ایک ہندو تھا جو ہمارے درویشوں کو صابن وغیرہ اور

شکر اور شکر کی حقیقت

ایک مرتبہ شیخ علی لالا نے فرمایا کہ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ محسن کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف کی جائے اور بندہ کے شکر گزاری کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اللہ کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف کرے۔ پس اگر کوئی اللہ کا شکر ادا کرنا چاہے تو اللہ کی اطاعت کرے۔ عجز و انکساری اختیار کرے۔ اللہ کے بندوں کا احترام کرے اور اگر اس پر کوئی مصیبت پڑے تو بھی اللہ کا شکر ادا کرتا رہے۔

ضروری چیزیں بطور قرض دیا کرتا تھا، جب میسر ہوتا قرضہ ادا کر دیا جاتا، اتفاقاً وہ ہندو سخت بیمار ہو گیا، اس کو زندگی کی امید نہ رہی، عزیز قربا کو بلا کر اس نے وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو میری لاش مسلمانوں کے حوالے کر دینا، کیونکہ میں خواجہ احمد میروی کا مرید ہوں، میرے جسم کو آگ نہ جلا سکے گی، اس لیے وصیت کر رہا ہوں، تا کہ تم کو ندامت نہ اٹھانی پڑے، لیکن سنگ دلوں نے ایک نہ سنی، آخر بمصداق آیت کل نفس ذائقۃ الموت مسمیٰ رام کور فوت ہو گیا، ہر چند اس کی لاش کو جلانے کی کوشش کی گئی لیکن وہ نہ جلی، مجبوراً اس کی لاش کو دریائے اٹک میں جا پھینکا۔

21 ذی الحجہ 1339ھ میں حضرت ایک پھنسی کے عارضہ میں مبتلا ہوئے جو انگشت سبابہ اور وسطیٰ کے درمیان نکل آئی تھی۔ اس سے قدرے بخار ہو گیا، حضرت نے اپنی عادت کے مطابق باہر نالہ میں خیمہ لگوایا، آپ ساعت بہ ساعت دم کیا کرتے، حاضرین سبب پوچھتے تو آپ فرماتے کہ اس میں سخت درد ہے۔

بعد میں علاج کرانے سے آرام ہو گیا، پھر آپ نے میٹھا جلاب نوش کیا، تو حالت ذرا دگرگوں ہو گئی، اس حالت میں اکثر اوقات اپنی آنکھیں بند کر کے ذکر قلبی میں مشغول ہو جاتے، پھر جب لوگوں کی آواز کان میں پڑتی تو مولوی احمد خان سجادہ نشین کو فرماتے کہ آج منگل وار ہے میری تاریخ وفات لکھ لو اور لوگوں کو بنگلہ سے باہر نکال دو کہ میں اکیلا ذکر الٰہی کروں، دوسرے دن بدھوار کو اشراق کے وقت تیرہ روز بیمار رہنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا، رب اغفرلی والحقنی بالصالحین یا رفیق الاعلیٰ، فرماتے ہوئے وصال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (تحریر: محمد اعظم قومی ڈائجسٹ جنوری ۲۰۰۷ء) ♦♦♦

نعت رسول مقبول

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقط نقشِ کفِ پا تیرا

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ ترے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا

ایک بار اور بھی طیبہ سے فلسطین میں آ
راستہ دیکھتی ہے مسجدِ اقصیٰ تیرا

اب بھی ظلمات فروشوں کو گلہ ہے تجھ سے
رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا تیرا

پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

(صلی اللہ علیہ وسلم)

احمد ندیم قاسمی

خواجہ ضیاء نخشبی رحمۃ اللہ علیہ

آپ لوگوں کے میل جول سے علیحدہ رہتے تھے۔

پیدائش ۶۵۲ھ ——— وفات ۷۵۱ھ

آپ بدایوں میں گوشہ نشینی کے اندر ہی اپنے کام میں مشغول رہے۔ آپ کی کئی کتابیں بھی ہیں، مثلاً سلک السلوک، عشرۂ مبشرہ، کلیات و جزئیات، طوطی نامہ وغیرہ آپ کی تمام تصنیفات بلند مرتبہ اور مضمون کے اعتبار سے ایک دوسرے سے متشابہ ہیں۔ سلک السلوک وہ کتاب ہے جو اپنی حلاوت، رنگینی اور لطافت بیانی کے ساتھ ساتھ پرتاثیر حکایات ونصائح اولیاء سے لبریز ہے۔ آپ کی اکثر کتب میں ایک ہی طرز کے قطعات ہیں جیسا کہ یہ قطعہ ہے:

نخشبی خیز با زمانہ بساز!
ورنہ خود را نشانہ ساختن است
عاقلانِ زمانہ می گویند!
عاقلی با زمانہ ساختن است

ترجمہ: (اے نخشبی کھڑا ہو اور زمانہ کا ساتھ دے ورنہ خود کو لوگوں کا نشانہ بنانا ہے، زمانہ کے عقلمندوں کا یہ مقولہ ہے کہ زمانہ کا ساتھ دینا ہی عقلمندی ہے)

آپ کا حال جو ظاہر ہوا وہ یہ تھا کہ لوگوں کے میل جول سے علیحدہ رہتے اور کسی اعتقاد یا عدم اعتقاد سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے۔

کہتے ہیں کہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے زمانے میں ضیاء نام کے تین آدمی تھے، ایک ضیاء سنامی، جو شیخ نظام الدین اولیاء کے منکر اور مخالف تھے (ان کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ شیخ نظام الدین سماع سنتے اور اُسے جائز قرار دیتے تھے اور وہ اس فعل کو بدعت اور خلاف شرع کہتے تھے۔ فقط) دوسرے ضیاء برنی، جو شیخ نظام الدین اولیاؒء کے معتقد اور مرید تھے اور

تیسرے ضیاء نخشی، جو نہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے منکر اور مخالف تھے اور نہ ہی معتقد اور عقیدتمند تھے۔ اسی طرح سنا گیا ہے کہ ضیاء نخشی شیخ فرید کے مرید تھے جو سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری کے خلیفہ اور پوتے تھے، واللہ اعلم آپ کی وفات ۷۵۱ھ میں ہوئی۔

سلک السلوک میں ہے کہ ایک روز شیخ ناگوریؒ نے ایک لونڈی خریدی۔ جب رات ہوئی تو اسے فرمایا کہ ہمارا بستر درست کر دو تا کہ ہم سو جائیں۔ لونڈی نے کہا، اے میرے آقا! کیا آپ کا بھی کوئی مولیٰ اور آقا ہے؟ شیخ نے جواب دیا ہاں، لونڈی نے پھر پوچھا کہ آپ کا مولیٰ بھی سوتا ہے۔ شیخ نے کہا نہیں، تو لونڈی نے کہا پھر آپ کو حیا نہیں آتی جب آپ کا آقا بیدار ہے تو آپ کیوں سوتے ہیں؟ بذرجمہر سے پوچھا گیا کہ کون سا جانور زیادہ سرکش ہے؟ تو بذرجمہر نے جواب دیا کہ انسان، جس کے سامنے موت، درویشی اور دوزخ موجود ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رضوان کی بشارت دی، رسولوں نے احکام خداوندی کے مطابق لوگوں کو دعوت دی اور بذریعہ آسمانی کتب کے لوگوں کو اپنی طرف کھینچا مگر پھر بھی یہ انسان ہی ہے جو تکبر اور سرکشی پر تلا ہوا ہے۔ اس کے بعد فرمایا سنو سنو! ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم اپنی قوم سے نیک لوگوں سے بدکاروں کو علیحدہ اور جدا کر دو۔ موسیٰ علیہ السلام نے تمام لوگوں کو اپنے گھروں سے باہر آنے کو کہا، چنانچہ اکثر لوگ باہر آ گئے تو آپ نے ستر نیک آدمیوں کو جدا کھڑا ہونے کو فرمایا، پھر خدا نے حکم دیا کہ ان ستر میں سے سات نیک آدمیوں کو منتخب کیجئے، پھر خدا نے حکم دیا کہ ان سات میں سے صرف تین نیک آدمیوں کا انتخاب کیجئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! یہ تین آدمی جو تمام مخلوق میں سے اپنے کو نیک سمجھ رہے ہیں ہمارے نزدیک یہی تمام سے برے اور بدکار ہیں کیونکہ جب انھوں نے سنا کہ آپ نیک لوگوں کو بلا رہے ہیں تو یہ آگے بڑھ آئے (گویا کہ یہ ایک قسم کا تکبر اور ریاکاری تھی جس کی وجہ سے وہ تمام لوگوں سے بدتر شمار کئے گئے۔ فاضل)

اے دوست یہ ایک خاص مقام ہے جو کوئی عبادت و اطاعت نہ کرے وہ اس شخص سے بہتر ہے جو عبادت کرے اور اسے لوگوں پر فخر یہ ظاہر کرے۔

اسلامی دستور کے اعتبار سے اسلامی مملکت میں مدعیٰ علیہ کو سزا دی جاتی ہے، اور دنیائے طریقت میں مدعی کو قید و بند میں بھیج دیا جاتا ہے۔ قطعہ

نخشی تا نظر بخود نکنی!
مثل ایں کار مردہ نکند!

کرا سوئے خود نگہ باشد
ہیچکس سوئے او نگہ نکند

ترجمہ: (اے نخشی جب تک تم اپنی طرف نہ دیکھو گے تو مانند مُردہ کے ہو گے اور اس کام کو نہ کر سکو گے اور جو کوئی تکبر کرتا ہے اس کی طرف کوئی شخص التفات نہیں کرتا، اور اس شعر کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص اپنی حفاظت کرتا ہے یعنی شریعت کے احکام پر عمل کرتا ہے تو اس کی طرف کوئی بھی نقصان دہ نظر نہیں اُٹھا سکتا)

میرے عزیز! پہلے لوگوں کو دوسرے لوگوں کے گناہ اور جرائم سن کر بخار آ جایا کرتا تھا اور تمہارے گناہوں سے خود تمہارا باطن کیوں نہیں جل کر راکھ ہو جاتا؟ ایک قدیمی دستور تھا کہ موسم بہار میں لوگ عیش و عشرت میں مشغول ہو جاتے تھے لیکن حضرت معروف کرخیؒ موسمِ بہار کے آتے ہی کبیدہ خاطر اور مغموم ہو جایا کرتے تھے اور فرماتے موسمِ بہار آ گیا اور لوگ پھر کھیل کود میں لگ جائیں گے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک صاحب حال فقیر کسی مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اچانک بارش ہونے لگی تو اس فقیر کے دل میں (نماز کے اندر ہی) اپنے خالی کمرے کا خیال آیا، اسی وقت مسجد کی ایک سمت سے (غیبی) آواز آئی کہ اے درویش! تیری یہ نماز ہم پر کوئی احسان مندی نہیں، تو اپنی لطافت اپنے گھر بھیج رہا ہے اور کثافت ہمارے حضور پیش کر رہا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ احکام طریقت کے حکام جن کی پوری دنیا فرمانبردار ہے ان کا قول ہے کہ کسی بلی کا مطیع اور فرمانبردار اس شخص سے بدرجہا بہتر اور اچھا ہے جو اپنے نفس کا مطیع اور فرمانبردار ہو۔

ایک درویش سجادہ نشین ہر جمعہ کو اپنی نشست سے باہر آ کر لوگوں سے دریافت کرتے کہ مسجد کو جانے کا راستہ کدھر ہے؟ ایک مرتبہ ایک آدمی نے جواب دیا کہ آپ برسہا برس سے مسجد کی جانب جاتے ہیں اور اتنا معلوم نہیں کہ مسجد کا راستہ کونسا ہے؟ یہ سن کر اس درویش نے کہا کہ راستہ تو میں جانتا ہوں لیکن جس راستہ پر میں چلتا ہوں اس پر محکوم ہو کر چلنا خود حاکم ہو کر چلنے کی بہ نسبت بہتر سمجھتا ہوں یعنی واقعہ یہ ہے کہ خود کو دوسرے کا تابع سمجھنا بڑا کام ہے۔

سنو سنو! حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ حضرت کعب بن احبار مسجد میں نماز پڑھتے وقت پچھلی صف میں کھڑے ہوا کرتے تھے۔ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آخیر صف میں کھڑے ہونے میں کیا راز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ اُمتِ محمدیہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جب اُن میں سے کوئی ایک خدا کے حضور سر بسجود

ہوگا تو ابھی اس نے سجدہ سے سر نہ اُٹھایا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پیچھے والے لوگوں کو بخش دیں گے میں اسی لئے سب سے آخر میں کھڑا ہوتا ہوں کہ اگلے لوگوں کے سجدوں کے طفیل میرا مقصد پورا ہو جائے (یعنی میں بخش دیا جاؤں) قطعہ

نخشمی درمیان مبیں خود را
قطرۂ را چہ سیل می خوانی
ہمہ کس در طفیل تو گردد
گر تو خود را طفیل کس دانی

ترجمہ: (اے نخشمی لوگوں کے درمیان (یعنی لوگوں جیسا) نہ دیکھو خود کو، ایک قطرہ کو سیلاب کون سمجھتا ہے، تمام دنیا تمہارے مطیع اور فرمانبردار اس وقت ہو سکتی ہے جب تم بھی کسی کے فرمانبردار بن جاؤ)

شیخ المشائخ عبداللہ خفیف ایک دفعہ بیمار ہو گئے۔ ایک طبیب آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا اے شیخ! کیا آپ بیمار ہیں؟ شیخ نے جواب دیا جسم ختم ہو جائے گا تو بیماری بھی خود بخود دور ہو جائے گی۔

شیخ محمد واسع وہ بزرگ تھے جن کو یہ وسیع اور عریض دنیا ایک چیونٹی کی آنکھ سے بھی کم نظر آتی تھی۔ ان سے منقول ہے اگر گناہ اور معصیت میں بدبو ہوتی تو کوئی آدمی میرے پہلو میں نہ بیٹھ سکتا۔

خواجہ ابوالحسن خرقانی کا قول ہے کہ جو آبِ رحمت سے قریب ہوا وہ رحمت میں غرق ہو گیا اور ہمارا حال یہ ہے کہ جو اس سے دور ہوا وہ سب سے دور ہو کر اس آگ کے قریب پہنچ گیا جو جلا کر راکھ کر دے گی۔

کہتے ہیں کہ ایک روز زبیدہ کے دروازے پر ایک آدمی نے آ کر کہا کہ میں زبیدہ کا عاشق ہوں۔ زبیدہ کو اس کی خبر دی گئی تو اس نے اس آدمی کو اندر بلایا اور کہا کہ خبردار آئندہ ایسی بات کی جرأت نہ کرنا، تو اُس نے کہا کہ میں اس بات سے کسی صورت میں باز نہیں آ سکتا۔ تو زبیدہ نے کہا کہ اچھا دو ہزار درہم لے لو اور عشق کا اظہار چھوڑ دو مگر اس آدمی نے انکار کر دیا۔ وہ انکار کرتا اور زبیدہ رقم اور بڑھا دیتی یہاں تک کہ جب زبیدہ نے دس ہزار درہم دینے کا وعدہ کیا تو اس نے تسلیم کر لیا اور عشق کے اظہار کے ترک پر رضامند ہو گیا۔ زبیدہ نے جب اس کی یہ کیفیت دیکھی تو اپنے خادموں اور ملازموں سے کہا کہ اس کی گردن اُڑا دی جائے کیونکہ یہ اوپر اوپر سے ہماری

مکاشفہ

جب کسی چیز کا ذکر قلب پر غلبہ پالیتا ہے تو وہ چیز قلب پر واضح ہو جاتی ہے اور تمام شکوک و شبہات قلب سے نکل جاتے ہیں۔ یہی مکاشفہ ہے۔ یہ کیفیت بیداری میں بھی طاری ہو سکتی ہے اور خواب کی درمیانی حالت میں بھی۔ مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ تمہیں یقین ہو اور تمہاری قوتِ مشاہدہ اچھی ہو۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ مکاشفہ کی صلاحیت حاصل ہو تو اللہ کے سوا کسی سے محبت نہ کرو اور تمہیں ہر چیز میں اللہ کی صناعی ہی نظر آتی ہو۔ اس چیز کو اپنے اوپر طاری کرلو۔

محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور فی الواقع اس کو ہماری محبت نہیں۔

سنو سنو! ایک بزرگ تھے جو کبھی بھی دائیں بائیں جانب مڑ کر نہ دیکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو اُنھیں کسی نے آواز دی اور پکارا۔ انھوں نے مڑ کر دیکھنا چاہا کہ کون پکار رہا ہے تو اچانک فضا سے آواز آئی کہ جو ہمارے علاوہ کسی اور کی طرف توجہ کرے وہ ہمارا نہیں۔

اے عزیز! اگر ہزار برس بھی اس راستے پر چلتے رہو اور پھر تمہارے دل میں یہ خیال آئے کہ تمہاری دعا قبول ہونی چاہیے تو یقین کرلو کہ تم جاہ پرست ہو اور راہِ حق کے طالب نہیں ہو۔

بھلا جو پیشاب کے پلید راستے سے دنیا میں آیا ہے اُسے شان و شوکت کیسے زیب دے سکتی ہے وہ بیچارہ تو گندے نطفہ اور سڑی ہوئی مٹی سے بنایا اور پیدا کیا گیا ہے۔

سلک السلوک میں ہے کہ مجھ جیسے کمزور، لاغر، مفلس، ناکارہ کو بہادروں کے میدان کارزار میں لاکر کھڑا کر دیا گیا ہے امرِ الٰہی ایک سمت کھینچ رہا ہے اور حکمِ الٰہی دوسری جانب، اے برادر! اگر اس راہ میں منزلِ مقصود کی رسائی درکار ہے تو اپنی ذات کو کچھ نہ سمجھو۔ جو لوگ خدا کی عبادت و اطاعت میں تونگر اور غنی نظر آتے ہیں وہ اپنی ذات کو ہر وقت مفلس محتاج ہی سمجھتے ہیں اور جو لوگ ہمیشہ کے مفلس و محتاج نہیں وہ اپنے کو تونگر و غنی کہلوانے کے حقدار نہیں۔

اے طلبگار! اگر تو فی الواقع طالب ہے تو ان لوگوں کا طریقہ اختیار کر جن کو اصحابِ صفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہی حقیقۃً دوست اور طلبگار تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کو جب منجنیق اور گوپھے میں رکھ کر ننگا کیا گیا تو غیب سے آواز اور ندا آئی کہ اے ابراہیم! ایمان تو مجسمہ ایمان

ہے اور ایمان ننگا اور برہنہ ہی ہوا کرتا ہے۔

سُنو سُنو! جب ابراہیم علیہ السلام اس آگ کے قریب پہنچے تو آگ کو اتنا مسکین اور بے بس پایا کہ اُلٹا آپ کو آگ پر رحم آیا، اسی لئے نبی کریم صاحب لولاک لما خلقت الافلاک فرماتے ہیں کہ کسی کو راہِ حق میں اتنی مصیبتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا جتنا کہ مجھے مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں چلا جانا، زکریا علیہ السلام کا پارہ پارہ ہو جانا یہ اتنی مصیبتیں نہیں جتنی ہمارے اوپر ڈالی گئیں، ہمیں اہلِ زمین و آسمان سے مقدم رکھا گیا اور بنی آدم کے گناہوں کو ہماری شفاعت کے ذیل سے وابستہ کر دیا گیا، بے راہوں کو ہماری راہ اختیار کرنی چاہئے، مجرموں کو ہماری طرح عذر کرنا چاہئے اور کاہل اور سست لوگوں کو ہماری طرح کام کرنا چاہئے، میرے پروردگار نے مجھے کبھی تو قاب توسین اوادنیٰ کی مسند پر بٹھایا اور کبھی ابوجہل جیسے ظالم و جابر کے پاس بھیج دیا اور کبھی مجھ کو شاہد اور مبشر کے لقب سے ملقب کیا اور کبھی لوگوں نے مجھے پاگل اور ساحر کہا، کبھی جبریل امینؑ کو میرا رکابدار اور ساتھی بنا دیا، اور کبھی بغیر اجازت نامہ کے مکہ میں داخل نہ ہونے دیا، کبھی ملکوت کے خزائن میرے حجرے میں لائے گئے اور کبھی ایک جَو کی خاطر ابوشحمہ کے در پر بھیجتے ہیں، کبھی آپ کے غلاموں سے خیبر سے مفتوح کرواتے ہیں، اور کبھی ظالموں کے ہاتھوں سے بذریعہ پتھر دندانِ مبارک شہید کرواتے ہیں یہ سب کچھ اس لئے کرواتے ہیں تاکہ اہلِ دنیا یہ یقین کر لیں کہ ہمارا راستہ پرخار راستہ ہے جس پر چلنے کے لئے پاؤں کو سر پر رکھ کر چلنا پڑتا ہے اور اگر کسی سے یہ نہ ہو سکتا ہے تو وہ اس راہ میں چلنے کا نام تک نہ لے اس راستہ کو عام راستوں کی طرح عبور اور طے نہیں کیا جا سکتا۔

بشر حافیؒ جن کو سرو پا برہنہ کہتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ سخت تازیانہ اور ڈنڈا حسن بصریؒ کی لڑکی نے مارا تھا، اس کی صورت اس طرح پیش آئی کہ میں ایک دن حسن بصریؒ کے گھر گیا اور ان کے گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دی، اُن کی لڑکی نے پوچھا کون؟ میں نے کہا بشر حافی (ننگے پاؤں والا) لڑکی نے کہا یہاں سے سیدھے بازار چلے جاؤ اور وہاں سے جوتا خرید کر پاؤں میں پہن لو اور اس کے بعد اپنے کو بشر حافی (ننگے پاؤں والا) مت کہنا۔ اگر کوئی سوال کرے کہ جنت میں وجوہ یومئذ ناضرة الیٰ ربھا ناظرة کا عاشقوں کو مشاہدہ ہوگا تو اس مشاہدہ کے بعد عاشقوں کو واپس لوٹا دیا جائے گا یا یہ خود بخود لوٹ آئیں گے، سو بصورت اول یہ رجوع قابلِ ندامت ہے اور بصورت ثانی کیا انہیں تجلی الٰہی کا مشاہدہ ہوگا یا نہیں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ عاشقوں کو نہ لوٹایا جائے گا اور نہ ہی یہ خود بخود لوٹ جائیں گے بلکہ وہ تو ہر وقت خدا

کے جمال میں مستغرق رہیں گے اور اسی کے جاہ وجلال کو دیکھیں گے۔

سنو سنو! آدم علیہ السلام کو آٹھ بہشت عطا کیے گئے اور وہ ایک روز اس سے بھاگ گئے لیکن عشق کا جو ذرہ اس میں رکھ دیا گیا وہ اس سے متصل رہا۔ جی ہاں! آدم علیہ السلام کی لغزش بھی مشغولیت حق کی وجہ سے تھی اور شیطان کا گناہ فارغ البالی کی وجہ سے۔ قطعہ

نخشی از فراغ بیروں است
غم دل جز چراغ دل نہ بود
دل فارغ نشاں بیکاری است
عاشقاں را فراغ دل نہ بود

ترجمہ: (نخشی فراغت سے باہر ہو گیا، دل کا غم بجز چراغ دل کے نہیں ہوتا، فراغتِ قلبی بیکاری کی دلیل ہے عاشقوں کا دل فارغ نہیں رہتا)

حضرت رابعہ بصریہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ ابلیس کو دشمن سمجھتی ہیں؟ فرمایا نہیں۔ لوگوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا میں دوست کے خیال میں اتنی مشغول ہوں کہ مجھے دشمن کی خبر ہی نہیں۔

کسی بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ دنیا کس چیز کی مانند ہے؟ فرمایا کہ دنیا اتنی حقیر اور ذلیل چیز ہے کہ اس کو کسی چیز سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔

ایک آدمی ایک فقیر اور درویش کے پاس گیا اور کہا کہ میرا خیال ہے کہ میں کچھ زمانہ آپ کی صحبت میں گزاروں۔ اس بزرگ نے دریافت کیا کہ جب مر جاؤں گا تو تم کس کے ساتھ رہو گے۔ اس نے جواب دیا کہ خدا کے ساتھ رہوں گا، تو بزرگ نے فرمایا کہ یہ سمجھ لو کہ میں معدوم ہوں اس لئے ابھی سے خدا ہی کے ساتھ ہو جاؤ۔

ایک روز کسی دنیا دار نے کسی بزرگ کے گھر سے پانی طلب کیا۔ اس درویش اور بزرگ نے بدمزہ اور گرم پانی پیش کیا۔ دنیا دار نے کہا کہ یہ پانی تو بدذائقہ اور گرم ہے۔ درویش نے جواب دیا کہ اے خواجہ ہم قیدی ہیں اور قیدی اچھا پانی نہیں پیا کرتے۔

کسی نے یحییٰ معاذ کو فوت ہو جانے کے بعد خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ عالم بالا میں آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا؟ فرمایا جب میں پیش کیا گیا تو مجھ سے پوچھا گیا کہ دنیا سے کیا لائے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ جیل خانے سے آ رہا ہوں، وہاں سے کیا لاتا، اگر میرے بس میں ہوتا تو ستر برس تک دنیا کی قید و بند میں نہ رہتا۔

ایک پیر کے کچھ مریدوں نے اپنے پیر سے دریافت کیا کہ ہم کونسا راستہ اختیار کریں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور وصال نصیب ہو جائے؟ شیخ نے جواب دیا کہ کس راستہ سے تم آئے ہو کہ تم راہ بھی نہیں جانتے (مقصود ان پر تعریض تھی کہ تمہیں تو اس راستہ کی بھی خبر نہیں جس پر اب چل رہے ہو تو آگے والے راستہ کی کیا خبر ہوگی)

کہتے ہیں کہ بامروت آدمی وہ ہے جو بے مروت لوگوں کی باتوں سے کبیدہ خاطر اور رنجیدہ نہیں ہوتا۔ ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ فضیل کی وفات کے بعد زمین سے غم چلا گیا۔

ایک شیخ طریقت کا کہنا ہے کہ دس برس تک میں روتا رہا اور میرے آنسو بہتے رہے پھر دس برس تک خون کے آنسو رویا اور اب دس برس سے خوش اور مسرور ہوں۔

کسی شخص نے ابوبکر شبلی کو فوت ہو جانے کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ منکر ونکیر کے سوالات سے تم نے کس طرح خلاصی پائی؟ جواب دیا اگر تم وہاں ہوتے تو دیکھتے کہ وہ کس طرح میرے ساتھ پیش آئے۔ انھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ بتاؤ تمہارا خدا کون ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میرا خدا وہ ہے جس نے تم تمام فرشتوں کو میرے باپ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا اور میں اس وقت اپنے باپ کی پشت میں تم سب بھائیوں کو دیکھ رہا تھا، انھوں نے آپس میں کہا کہ ہم کو اس کے ہاں سے چلا جانا چاہئے کیونکہ ہم اس سے جو سوال کرتے ہیں وہ اس کا جواب تمام اولادِ آدم کی جانب سے دیتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ کے ساتھ میری اس وقت ملاقات ہوئی جبکہ وہاں کسی مقرب فرشتے کو بھی آنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ بات سننے کے بعد جبرئیل علیہ السلام شکستہ خاطر ہوئے تو آپ نے فرمایا افسوس نہ کرو اس وقت کوئی نبی مرسل بھی نہ تھا۔

سنو سنو! جب صاحبِ قاب قوسین اوادنیٰ عالمِ بالا سے واپس ہوئے تو جبرئیلؑ نے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! جس عالم سے آپ آرہے ہیں وہاں آپ نے کیا دیکھا؟ آپ نے فرمایا کہ اے برادر! یہ کیا سوال کا موقعہ ہے کہ محمد (جبرئیلؑ) محمد سے سوال کر رہا ہے جان لیا جس نے جان لیا اور سمجھ لیا جس نے سمجھ لیا۔

خواجہ علی سیاح فرماتے ہیں کہ میری صرف اتنی تمنا ہے کہ کوئی حق بات کہے اور میں سنوں، یا میں حق بات کہوں اور کوئی دوسرا اُسے سنے۔ ایک مرتبہ ایک منکر نے حسن بصریؒ سے سوال کیا کہ آپ کی میرے متعلق کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا، آپ دشمن خدا ہیں۔ اس نے پھر سوال کیا کہ آپ کی اپنے بارے میں کیا رائے ہے؟ جواب دیا میں خدا کا دوست ہوں۔ اس منکر نے کہا

کہ محض اسی نام پر ہرگز مغرور نہ رہنا۔ اس نے کہا کہ ایک دفعہ میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اس نے اس کا نام خالد رکھا اور خالد کے معنی جاوداں اور ہمیشہ رہنے والے کے ہیں، وہ اول روز ہی سے تونگر اور غنی تھا اور تونگری اور غناء میں چار چیزیں ملتی ہیں (۱) جسمانی تکلیف (۲) مشغولی دل (۳) نقصانِ دین (۴) قیامت کا حساب اور درویشوں کو بھی فقر و فاقے سے چار چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ (۱) آسائش (۲) فارغ البالی (۳) سلامتی دل (۴) قیامت کے حساب سے خلاصی۔

اے فقیر! ایک روز صبح سے شام تک اپنے نفس سے جنگ کرتا کہ یہ چار چیزیں ظاہر ہو جائیں اور مرد حقیقۃً وہی لوگ ہیں جو اپنے نفس سے جنگ کرنے کے عادی ہوتے ہیں کیونکہ یہ جنگ ایسی ہے جس کیلئے مصالحت اور صلح کی کوئی سبیل نہیں۔ عزیز من! جو کوئی اپنے نفس سے ہمیشہ احتساب کرتا ہے تو وہ تمام دعوے اور معنی ترک کر دیتا ہے اور تمام سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ سنو سنو! ایک دفعہ ایک بنیے نے جس کی ترازو کا پلڑا آسمان کی طرف جا رہا تھا ایک آدمی کو دیکھا جو شیر پر سوار اور ہاتھ میں سانپ کا کوڑا لئے وہاں سے گزر رہا تھا بنیے نے اس سے کہا کہ تیرا کام تو بہت سہل اور آسان ہے اور اصلی کام تو یہ ہے کہ ترازو کے دو پلڑوں کے درمیان بیٹھ کر صحیح اور حق کام سر انجام دیا جائے۔ ابراہیم ادہمؒ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم اکثر و بیشتر فقیروں کی طلب میں خلوت نشینی سے باہر آتے ہیں اور ہم کو دنیا دار چمٹ جاتے ہیں۔ ایک روز ایک شخص یہ کہہ رہا تھا کہ میں خوب جانتا ہوں یہ دنیا پوری کی پوری ایک دن ختم ہو جائے گی اگر میں یہاں آبادی کروں تو ایک نہ ایک دن میرے کام میں کوئی ضرور آڑے آئے گا اور یہ کہے گا کہ تو کیا کر رہا ہے دنیا کی آبادی کا دارومدار تو نیک لوگوں پر ہے اگر دنیا میں نیک لوگ نہ رہیں تو سمجھو کہ دنیا خراب ہوگئی۔

بعض لوگوں نے خواجہ جنیدؒ کو خواب میں دیکھ کر یہ پوچھا کہ آپ نے اپنے کام کو کہاں تک پہنچا دیا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ دنیا کے کاموں کا ہم جو اندازہ کرتے ہیں آخرت کا کام اس سے زیادہ سخت ہے۔

سنو سنو! ایک پرہیزگار اور نیک بخت مرد کا بازار جانے کا خیال و ارادہ ہوا کہ وہاں سے کچھ خریدا جائے۔ اُس نے ایک اشرفی لی اور اس کا اپنے گھر میں وزن کیا پھر جب بازار جا کر اس کا وزن کیا گیا تو گھر والے وزن سے وہ وزن کم رہا تو وہ نیک بخت مرد رونے لگا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ روتے کیوں ہیں؟ اس نے کہا آج گھر کا ماجرا جب بازار میں لایا گیا تو گھر کے مطابق نہ رہا تو کل قیامت کے روز جب دنیا کا ماجرا پیش ہوگا کیسے درست رہ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے۔ ♦♦♦

ارشادات جیلانیؒ

''اے مدعیٔ علم! عمل کے بغیر تیرے علم کا کوئی اعتبار نہیں اور اخلاص کے بغیر تیرے عمل کی کوئی وقعت نہیں، کیونکہ اخلاص کے بغیر عمل ایک ایسا جسم ہے جس میں روح نہیں ہے!!''

اللہ کے محبوب ﷺ کے محبوب ''حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کے مواعظِ حسنہ کے چند اقتباسات پیشِ خدمت ہیں:

لوگو! حق تعالیٰ کی موافقت اختیار کرو اور اس کے افعال پر جو تمہارے اور دوسری مخلوق کے اندر جاری ہوتے ہیں، راضی برضا رہو۔ اس ذات کے مقابلے پر جو تم سے زیادہ عقل رکھتی ہو، اپنے علم و دانش اور عقل و خرد کی شان مت بگھارو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔ (اللہ علم رکھتا ہے اور تم علم نہیں رکھتے)۔

پھر اس کے جاری کئے ہوئے فعل کو نامناسب سمجھنا، اپنے آپ کو اس سے عالم و عاقل سمجھنا نہیں تو اور کیا ہے۔ اپنی عقلوں اور اپنے علم کو بالائے طاق رکھو اور تہی دستی کے پاؤں پر خدا کے سامنے کھڑے ہو جاؤ تاکہ تم اس کے علم کو حاصل کر سکو۔ رائے زنی سے کام نہ لو کہ یہ نہیں ہونا چاہئے تھا!.......... اس میں متحیر بنے رہو یہاں تک کہ اس کی مصلحت کی واقفیت تم کو حاصل ہو جائے اور حیرت جاتی رہے۔ اول متحیر ہونا ہے، اس کے بعد دوسرے درجے پر واقفیت ہے۔ اس کے بعد تیسرا درجہ معلومات تک پہنچنا ہے۔ پہلے قصد اور اس کے بعد مقصود تک پہنچنا ہے۔ پہلے ارادہ ہے اور اس کے بعد مراد کا حاصل ہونا ہے۔ سنو اور عمل کرو کیونکہ میں تمہاری رسیاں بنتا ہوں اور تم کو کارآمد اور مضبوط بناتا ہوں، تمہاری ڈھیلی رسیوں میں بل دیتا ہوں اور جو تار اس میں ٹوٹ گیا ہے اس کو جوڑتا ہوں۔ تمہاری فکر کے سوا مجھے کوئی فکر نہیں اور بجز تمہارے غم کے مجھے کوئی غم نہیں۔ میں تو خدائی پر

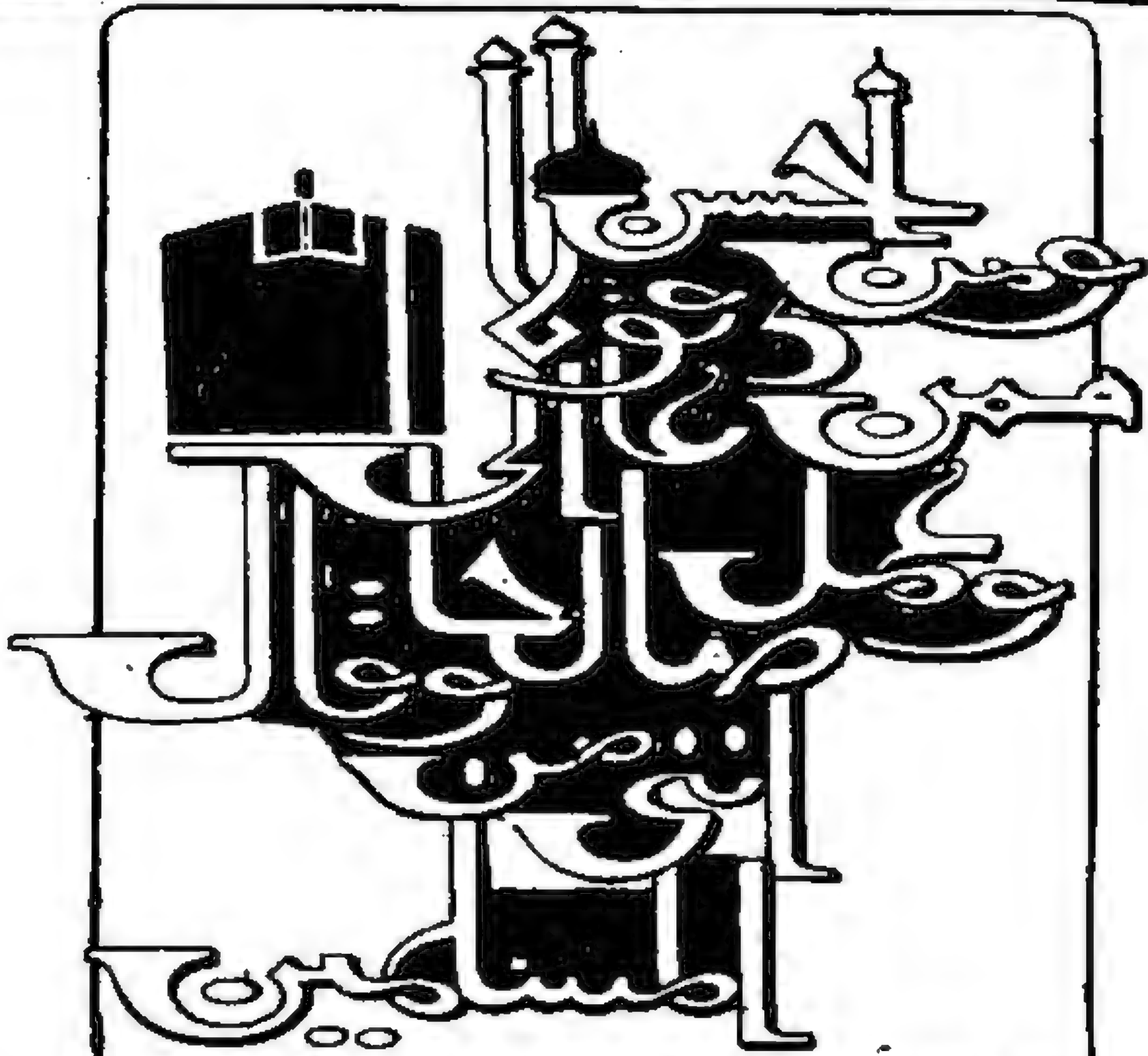
ندہ ہوں کہ جس کھیت میں بھی گرا وہیں دانہ چگ لیا اور پھر فکرِ معاش یا دنیا کے غم سے کیا تعلق، فکر تو تمہارے متعلق ہے۔

اے لوگو! تمہاری دنیا بھی گئی اور آخرت بھی گئی۔ یا اللہ رحم فرما مجھ پر بھی اور ان پر بھی۔

اے تکبر کرنے والو! تم پر افسوس ہے۔ تمہاری عبادتیں زمین کے اندر نہیں جایا کرتیں بلکہ آسمان کی طرف اٹھتی اور بلندی کی طرف چڑھتی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ عبادتوں کو باشندگانِ زمین اور مخلوق کے نام سے موسوم کئے دیتے ہو اور خدائے رب العرش کے مخلص بندے نہیں بنتے۔ وہ فرماتا ہے کہ حق تعالیٰ کو صاحبِ عزت وغلبہ معبود سمجھ کر عبادت کرو گے تو بے شک بلندی کی طرف چڑھنا نصیب ہوگا۔ اللہ کی طرف پاکیزہ باتیں چڑھتی ہیں اور نیک اعمال کو وہ بلندی کی طرف چڑھالیتا ہے۔ ہمارا پروردگار عرش پر قائم اور ملک پر حاوی ہے اور اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ اسی مضمون کی سات آیتیں اس نے قرآن مجید میں نازل فرمائیں۔

تم مجھے مال کی رغبت دیتے ہو اور میں اس کی ہوس نہیں رکھتا، میں تو بس اللہ ہی سے توقع رکھتا ہوں اور کسی سے توقع نہیں رکھتا۔ میں اسی کی پرستش کرتا ہوں اور بجز اس کے کسی کی پرستش نہیں کرتا۔ اسی کے لئے عمل کرتا ہوں اور غیر اللہ کے لئے عمل نہیں کرتا۔ میرا رزق اسی کے پاس ہے اور اسی کے ہاتھ میں ہے۔ سب اسی کے ہیں، غلام اور اموال جو کچھ بھی کسی کے پاس ہے سب اسی آقا کا ہے۔

اپنے کنبہ، اپنے شہر، اپنی بیوی اور اپنے بچوں کو صرف اللہ کے لئے چاہو۔ حقوقِ معاشرت سب کے ادا ہوں مگر دل کسی میں اٹک کر نہ رہ جائے۔ سب کچھ چھوڑ و اور حق تعالیٰ کے دروازے کی طرف چل کھڑے ہو۔ جب تم ان کے دروازے پر پہنچو تو نہ اس کے غلاموں میں الجھو نہ اس کی سلطنت میں اور نہ اس کے ملک میں۔ اگر اس کے غلام یا باشندگانِ مملکت، تمہارے سامنے طباقِ نعمت پیش کریں تو مت کھاؤ۔ اگر کسی کمرے میں ٹھہرائیں تو مت ٹھہرو۔ اگر بیوی عطا کریں تو مت قبول کرو کیونکہ تم شاہی مہمان ہو۔ تمہیں اس کی رعایا سے کیا سروکار۔ ان میں سے کوئی چیز بھی مت قبول کرو یہاں تک کہ تم اپنے سفر کے ان ہی کپڑوں میں اسی تکان کی حالت میں اور سفر کے گرد وغبار اور بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ اس سے ملاقات کرو۔ بس وہی کھلانے والا ہو، پلانے والا ہو۔ تمہاری



وحشت کو رحمت سے بدلنے والا، کشائشِ رزق دینے والا، تمہاری تکان کو راحت بخشنے والا اور تمہارے خوف کو امن عطا کرنے والا۔ تمہارے لئے اس کا قرب تونگری ہے اور اس کا دیدار تمہارا کھانا پینا اور لباس۔

مخلوق کو سرپرست سمجھنے کے اور کیا معنیٰ ہیں؟........ مخلوق سے ڈرنا اور ان سے توقع وابستہ کرنا اور ان کی طرف جھکنا اور ان پر بھروسہ کرنا۔ یہی تو مخلوق کو سرپرست سمجھنے کی طرز ہے، جس کی ممانعت کی گئی ہے، مگر افسوس! تم نہیں سمجھتے۔

اپنے ظاہر کو رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر مزین کرو اور اپنے باطن کو مخلوقات کی توقعات سے پاک کرو، ان کو نفع نقصان کا مالک نہ سمجھو۔ تو قالب کی زینت میں مشغول اور قلب کی زینت سے غافل ہے۔ قلب کی زینت توحید، اخلاص اور اللہ سے وابستہ ہونے سے ہے۔

اے مدعیٔ علم! عمل کے بغیر تیرے علم کا کوئی اعتبار نہیں اور اخلاص کے بغیر تیرے عمل کی کوئی وقعت نہیں، کیونکہ اخلاص کے بغیر عمل ایک ایسا جسم ہے جس میں روح نہیں ہے۔

(تحریر: فرخ اعظم) ◆◆◆

شہزادہ دارا شکوہ قادری

کی تصنیف

سفینۃ الاولیاء سے

- سلسلہ عالیہ قادریہ
- سلسلہ خواجگان بزرگوار
- سلسلہ شریفہ چشتیہ
- سلسلہ کبرویہ
- سلسلہ سہروردیہ

اولیائے کرام کے مستند اور جامع و مانع احوال وسوانح کا گلدستہ، بوریہ فقر پر زندگی بسر کرنے والے ان اولیاء کے یہ حالات شہزادہ داراشکوہ نے لکھے تھے! جو قصر سلطانی میں پیدا ہوا، جو شہریار ابن شہریار تھا، شاہجہاں کا لاڈلا، چہیتا اور عالم و فاضل ولی عہد، داراشکوہ، سرمدؒ کا رازداں، میاں میرؒ کا خوشہ چیں، ملا شاہ قادری کا مرید و معتقد، جسے تاجِ خسروی سے زیادہ، دلق درویشی عزیز تھی، جو عالم بھی تھا اور عامل بھی، مفکر بھی تھا اور مدبر بھی، اہل دل بھی اور اہل نظر بھی اور کشتۂ ستم بھی، شاید سرمدؒ نے اسی کے لئے کہا تھا:

سرمد غم عشق بوالہوس را نہ دہند
سوز غم پروانہ مگس را نہ دہند

ذکر سلسلہ عالیہ قادریہ کا جو حضرت غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی کی طرف منسوب ہے

سلسلہ عالیہ کو آپ کی وفات کے بعد سے سلسلہ قادریہ کہتے ہیں، آپ نے اوپر سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تک اس کا سلسلہ ملاتے ہیں۔

حضرت شیخ معروف کرخی قدس سرہٗ

آپ کی کنیت ابو محفوظ اور اسم گرامی آپ کے والد ماجد کا فیروز یا فیروزان یا بقول دیگر معروف بن علی الکرخی ہے۔ یہ اپنے آبائی دین آتش پرستی پر تھے۔ بعد میں امام علی بن موسیٰ رضاؓ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور حنفی مشرب وطریقہ اختیار کیا، حضرت امام علی بن موسیٰ کو آپ پر کمال شفقت ومحبت تھی اور جو کچھ ان کو حاصل ہوا ہے وہ حضرت امامؒ کی خدمت و صحبت کی برکت سے حاصل ہوا۔ امام مذکور کی خدمات دربانی پر مامور تھے۔

صاحب تذکرۃ الاولیاء نے لکھا ہے کہ اگر عارف نہ ہوتے معروف بھی نہ ہوتے۔ آپ حضرت داؤد طائی کی صحبت وخدمت میں زیادہ رہے جو امام اعظم رحمہ اللہ کے شاگرد تھے اور طریقت میں حبیب راعی کے مرید خاص تھے اور یہ حبیب راعی حضرت سلمان فارسیؓ سے بیعت تھے۔

روایت ہے کہ ایک دن ان کا وضو ٹوٹ گیا، فوراً تیمم کیا۔ لوگوں نے عرض کیا، حضرت دجلہ قریب ہے، تیمم کی کیا حاجت ہے، فرمایا جب تک میں وہاں پہنچوں گا اگر موت آجائے تو ناپاک حالت میں مروں گا۔

نقل ہے ایک دن امام رضاؒ کے آستانہ پر لوگوں کا بڑا اژدھام تھا۔ آپ کے ہاتھ تھک گئے۔ یہاں تک کہ بیمار پڑ گئے۔ حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا مجھے وصیت کیجئے۔ کہا کہ میرے مرنے سے پہلے ہی میرے پیراہن کو صدقہ کر دو۔ میں چاہتا ہوں کہ دنیا سے برہنہ خدا کے پاس حاضر ہوں جیسا کہ پیدا ہوا ہوں۔ بلاشبہ تجرید اور بے سروسامانی میں آپ کا کوئی ہمتا اور ثانی نہ تھا۔ صاحب کشف المحجوب نے لکھا ہے کہ حضرت معروف کے مناقب و فضائل بے شمار ہیں۔ اور علوم میں قوم کے مقتدیٰ اور امام ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ جواں مردوں کی علامت تین چیزیں ہیں۔ ایک وفاداری جس میں بے وفائی کا شائبہ نہ ہو، دوسرے ستائش بے جود، تیسرے بے مانگے داد و دہش۔

آپ کی وفات ۲ محرم ۲۰۰ھ کو ہوئی۔ مزار بغداد شریف میں ہے۔ لوگ دعا مانگنے اور حاضری کے لیے وہاں جاتے ہیں۔ اور ہزاروں بار کا آزمودہ ہے کہ جو دعا وہاں جا کر مانگی جاتی ہے، قبول ہوتی ہے۔

حضرت شیخ سری بن المفلس السقطی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوالحسن ہے۔ شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں۔ زمانہ کے پیشوا اور امام ہیں، اپنے وقت کے شیخ صاحب تصرف اور علم میں کامل و ماہر تھے۔

آپ کا فرمان ہے کہ مرد وہ ہے جو بازار میں بھی حق کے ذکر میں مشغول رہے۔ خرید و فروخت میں رہے لیکن ایک لحظہ کے لیے بھی ذکر الٰہی سے غافل نہ رہے۔ آپ نے فرمایا ہے سے بڑا بہادر اور پہلوان وہ ہے جو اپنے نفس امارہ پر غالب آئے۔ اور فرمایا کہ ادب دل کا ترجمان ہے۔ جو شخص اپنے نفس کی تربیت و تادیب سے عاجز ہے۔ وہ دوسروں کو کیا ادب سکھا سکتا ہے۔ فرمایا پانچ چیزیں دل میں نہیں رہتیں اگر دل میں دوسری چیز موجود ہو۔ خدا کا خوف۔ رجا۔ محبت۔ حیا۔ خلق خدا سے شفقت۔ اور آپ نے فرمایا کہ خلق خدا وہ ہے جس سے مخلوق خدا کو تکلیف و آزار نہ پہنچے۔ آپ نے فرمایا کہ میں دن میں کئی کئی بار آئینہ میں دیکھتا ہوں مبادا کسی گناہ کی پاداش میں میرا منہ سیاہ نہ ہو جائے۔

سید الطائفہ شیخ جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ میں نے کسی کو عبادت میں سری سقطیؒ سے زیادہ کامل نہیں پایا۔ ۹۸ سال کامل گزر گئے کہ زمین پر پہلو تک نہیں رکھا۔ بجز مرض الموت کے، اور فرمایا کہ میں نے آپ سے رحلت کے وقت کہا کہ مجھے کچھ وصیت کیجئے، فرمایا کہ لوگوں

کی وجہ سے خدا سے غافل نہ ہو۔ میں نے عرض کیا، کاش یہ نصیحت آپ پہلے سے فرما دیتے تو میں آپ کی صحبت میں وقت نہ صرف کرتا۔

آپ کی وفات منگل کے دن صبح کو ۳ رمضان ۲۵۰ھ کو ہوئی۔ آپ کا مزار شریف بغداد میں واقع ہے۔

حضرت شاہ سید الطائفہ شیخ جنید بغدادیؒ

کنیت ابو القاسم لقب سید الطائفہ وطاؤس العلماء وقواریری وزجاج اور خزاز ہیں۔ قواریری وزجاج آپ کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ کے والد محمد بن جنید آبگینہ فروش تھے اور نہاوند کے رہنے والے تھے، لیکن حضرت جنیدؒ کا مولد ومنشاء بغداد شریف میں ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ کے مذہب کے پیرو تھے۔ حضرت سری سقطیؒ کے بھانجے بھی تھے اور ان ہی سے بیعت تھے۔ آپ اکابر مشائخ کے لیے مرجع مطلع سعادت وانوار و بحر حقائق واسرار، سلطان طریقت و پیشوا اہل حقیقت زمانہ کے مقتدیٰ وامام اور سادات سے تھے۔ حارث محاسبی محمد قصاب کی صحبت میں رہتے تھے، رویم، ابوالحسن نوری، شبلی اور خزاز وغیرہ اکابر اولیاء ومشائخ اپنے سلسلوں کو ان کی طرف نسبت کر کے درست کرتے اور آپ سے نسبت رکھنے والوں کو جنیدیہ کہتے ہیں، اسی وجہ سے آپ کو سید الطائفہ اور امام الائمہ کہتے ہیں۔ آپ کا قول طریقت میں حجت ودلیل سمجھا جاتا ہے اور متقدمین ومتاخرین مشائخ میں سے کوئی بھی آپ کے ظاہر و باطن پر انگشت نمائی کی طاقت نہیں رکھتا، آپ کی ذات سب کے لئے مقبولیت کا درجہ رکھتی تھی۔ آپ کے مذہب کی بنیاد صحو پر ہے، صاحب کشف المحجوب نے صحو کے معنی کو خوب تفصیل سے لکھا ہے۔

ایک دن کسی نے سری سقطیؒ سے پوچھا کہ کیا کسی مرید کا درجہ اپنے پیر ومرشد سے بڑھ سکتا ہے؟ فرمایا یہ ظاہر دلیل ہے کہ جنید بغدادیؒ کا درجہ مجھ سے بہت بلند ہے۔ خلیفہ بغداد نے رویم سے ایک مرتبہ کہا کہ اے بے ادب! رویم نے کہا کہ میں کس طرح بے ادب ہو سکتا ہوں کہ اپنا نصف دن حضرت جنیدؒ کی صحبت وخدمت میں گزارتا ہوں۔ میں بے ادبی کیسے کر سکتا ہوں؟

شیخ ابو جعفر حداد نے کہا کہ اگر عقل مرد ہوتی تو جنیدؒ کی شکل میں ہوتی کہ حضرت جنیدؒ نے کامل تیس سال تک عشاء کی نماز پڑھ کر ایک پاؤں پر کھڑا رہ کر صبح تک اللہ اللہ کی ہے اور اسی

عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ تیس سال تک خدا تعالیٰ نے حضرت جنیدؒ سے جنیدؒ کی زبان میں گفتگو کی ہے اور کسی کو اس کا علم تک نہیں ہوا اور فرمایا ایک دن میرا دل گم ہو گیا، میں نے خدا سے عرض کیا۔ اے خدا میرا دل واپس فرما دے، آواز آئی۔ اپنے جنیدؒ کے ساتھ ہم دل لے گئے تھے تا کہ تو ہمارے ساتھ رہے تو پھر مطالبہ کرتا ہے کہ ہمارے غیر کے ساتھ رہے۔

روایت ہے کہ:

بزرگوں میں سے ایک بزرگ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ تشریف فرما ہیں۔ حضرت جنیدؒ سامنے حاضر ہیں۔ ایک شخص نے آ کر فتویٰ طلب کیا۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ جنیدؒ سے فتویٰ لے لو، اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی موجودگی میں دوسرے سے فتویٰ کیوں لوں۔ ارشاد فرمایا کہ تمام انبیاء کو جس طرح اپنی اپنی امت پر فخر و مباہات ہے۔ مجھے اپنے جنیدؒ پر فخر ہے۔ حضرت شیخ جنیدؒ سماع و وجد نہیں فرماتے تھے اور ظاہر و باطن میں شرع کے خلاف نہیں کرتے تھے۔

نقل ہے کہ ایک دن وعظ فرما رہے تھے، ایک مرید نے نعرہ لگایا آپ نے اس کو منع فرمایا اور کہا کہ آئندہ اگر تو نے پھر نعرہ لگایا، تو میرا تجھ سے تعلق ختم ہو جائے گا۔

اس نوجوان نے آئندہ کے لیے توبہ کر لی اور پھر ایسا کرنے میں احتیاط کی، یہاں تک کہ ایک مرتبہ اس میں جب تاب ضبط نہ رہی تو وہ ہلاک ہو گیا اور لوگوں نے دیکھا کہ وہ خاکستر ہو گیا تھا۔

روایت ہے کہ بغداد میں ایک چور کو لٹکایا ہوا تھا۔ آپ نے دیکھا چور کے پاؤں چومے، حاضرین نے استفسار کیا، فرمایا ہزاروں رحمتیں اس چور پر ہوں کہ اپنے کام میں جواں مرد اور بہادر تھا اور اپنے فن میں ایسا کامل تھا کہ اس درجہ تک پہنچ گیا۔ لیکن توبہ نہیں کی۔

روایت ہے کہ حضرت جنیدؒ کی مجلس میں ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے دریافت کیا کہ حضرت دل کس وقت خوش رہتا ہے؟ فرمایا جس وقت خدا دل میں جلوہ گر ہو اور حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ مرد کو مردانہ خصلت اختیار کرنا چاہیے۔ شبہات و وہم میں مبتلا نہ ہونا چاہیے۔ نیز فرمایا کہ جس نے خدا کی معرفت نہیں حاصل کی۔ وہ کبھی شاد نہیں رہ سکتا۔ نیز فرمایا کہ جب وقت گزر جاتا ہے تو پھر اس کو حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ وقت سے زیادہ قیمتی شے دوسری نہیں۔

آپ نے فرمایا:

جواں مردی یہ ہے کہ اپنا بوجھ دوسروں پر نہ ڈالے اور جو کچھ تیرے پاس ہے خدا کی راہ میں اسے دے ڈالے۔

فرمایا خلق چار چیزیں ہیں، سخاوت، الفت، نصیحت اور شفقت۔ شفقت یہ ہے کہ تو لوگوں کو برضا ورغبت دے اور جو کچھ وہ طلب کریں اس کے دینے میں ان پر احسان نہ رکھ کیوں کہ وہ کمزور ہیں اور طاقت نہیں رکھتے اور ان سے ایسی بات نہ کہہ جس کو وہ نہ سمجھ سکیں۔

کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ ہم کس شخص کی صحبت میں بیٹھیں۔ فرمایا کہ ایسے شخص کی صحبت میں کہ وہ تیرے ساتھ نیکی کر کے بھلا دے۔ کسی نے دریافت کیا کہ زندگی سے بہتر کوئی چیز ہے؟ فرمایا رونا اور پھر کسی نے پوچھا بندہ کی تعریف کیا ہے؟ فرمایا جو دوسروں کی بندگی سے آزاد ہو۔ پوچھا گیا کہ خدا تک پہنچنے کا راستہ کون سا ہے؟ فرمایا ترک دنیا اختیار کر، نفس کے خلاف کر، خدارسی حاصل ہو جائے گی۔

روایت ہے کہ آپ نے فرمایا رات کو میں نماز میں مشغول تھا۔ ہر چند چاہا مگر میرا نفس ایک سجدہ کے لیے تیار نہ ہوتا تھا۔ اس وقت اور کچھ نہ کر سکا، پریشان ہو کر گھر سے باہر جانا چاہا، دروازہ کھولا، ایک نوجوان کو دیکھا کمبل میں لپٹا ہوا دروازہ پر پڑا ہے۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگا، میں اتنے عرصہ سے تیرا انتظار کر رہا ہوں، میں نے کہا تو ہی ہے جس نے مجھے پریشان کیا ہوا ہے؟ کہا بے شک، مجھے جواب دیجئے، جس نفس میں درد ہو اور اس کے لیے کوئی علاج نہ ہو وہ کیا کرے؟ میں نے اس سے کہا نفس کی خواہش کے خلاف جب کرے گا تو درد خود اس کے لیے مرہم کا کام کرے گا۔ میں نے جب جواب دے دیا تو اس نے اپنا سر گریبان میں کیا اور اپنے نفس سے خطاب کر کے کہا کہ تو نے مجھ سے یہی جواب سن لیا تھا، اب یہی جواب جنیدؒ کی زبان سے سن لیا۔ یہ کہا اور چلا گیا۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم وہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں چلا گیا۔

وفات

آپ کی وفات شنبہ کے دن ۲۷؍رجب ۲۹۷ھ کو ہوئی۔ تاریخ یافعی میں سن وفات ۲۹۷ھ اور ایک دوسرے قول میں ۲۹۹ھ بتایا گیا ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

روایت ہے:

جب آپ کی وفات کا وقت قریب پہنچا۔ آپ کی زبان پر تسبیح جاری تھی، چار انگلیوں کو باندھے ہوئے تھے، سبابہ کو کھولے ہوئے تھے۔ بسم اللہ پڑھی، آنکھیں بند کیں اور واصل بحق

ہو گئے۔

غسال نے غسل دیتے وقت چاہا کہ آنکھوں کے اندر پانی ڈالے، آواز آئی ہمارے دوست کی آنکھوں سے اپنے ہاتھ کو الگ رکھو۔ جو آنکھ ہمارا نام لے کر بند ہو وہ ہمارے لیے ہی کھولی جاسکتی ہے۔ پھر چاہا کہ آپ کی انگلیوں کو کھول کر سیدھا کر دے۔ ندا آئی جو انگلیاں ہمارا نام لے کر بند ہوں۔ وہ ہمارے فرمان سے ہی کھل سکتی ہیں۔

جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو ایک سفید کبوتر جنازہ پر آ کر بیٹھ گیا۔ ہر چند اس کو اڑانا چاہا وہ کسی طرح نہ اڑتا تھا۔ پھر اس نے کہا کہ اپنے آپ کو اور مجھے پریشان نہ کرو۔ میرے پنجے عشق کی میخوں سے اس جنازہ کے گوشوں پر جمے ہوئے ہیں۔ آج جنیدؒ کا قالب فرشتوں کے دوش پر ہے، اگر تمہارا شور وغل نہ ہوتا تو جنیدؒ کا جسم سفید باز کی طرح ہمارے ساتھ ہوا میں اڑ جاتا۔

آپ کا مزار مقدس بغداد شریف میں ہے۔

حضرت شیخ ابوبکر شبلی قدس سرہٗ

آپ کی کنیت ابوبکر اور نام جعفر بن یونس اور دوسری روایت میں دلف بن مجد ہے۔ آپ حضرت جنید بغدادیؒ کے خاص مرید تھے، آپ کو خرقہ بھی اسی بارگاہ سے ملا تھا۔ چنانچہ شیخ فرماتے تھے کہ ہر قوم میں ایک تاج (سردار) ہوتا ہے اور اس قوم کا تاج شبلیؒ ہیں۔ آپ مذہب مالکی کے پیرو تھے۔ ایک قول کی بنا پر آپ کا خاندان خراسان کے موضع شبلیہ سے تعلق رکھتا تھا۔ طبقات سلمی میں ہے کہ ''خراسانی الاصل اور بغدادی المولد والمنشاء انہ'' یعنی آپ اصل کے اعتبار سے خراسانی ہیں۔ جائے ولادت بغداد شریف ہے۔ ایک روایت کے اعتبار سے آپ کی جائے ولادت سامرہ ہے اور آپ کی اصل سروشنبہ ہے۔ جو فرخانہ کے مضافات سے ہے۔ آپ ابتداء میں پوشیدہ طور پر خلیفہ تھے۔

آپ کی وفات جمعہ کی شب ۲۷/ذی الحجہ ۳۳۴ھ کو ہوئی۔ آپ کی عمر ۸۸ سال تھی، مزار مبارک بغداد شریف میں ہے۔ اس کی لوح پر لکھا ہوا ہے ''جعفر بن یونس۔''

روایت ہے کہ اواخر سال میں حضرت شبلی متصل اللہ کہتے تھے اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ نہیں کہتے تھے۔ اس بنا پر اس وقت کے مشائخ کو آپ کے متعلق شبہات پیدا ہوئے اور عوام نے طعن و تشنیع کرنا شروع کی، مگر چونکہ آپ کی ہیبت اور جلال غالب تھا۔ کسی کو آپ سے دریافت



کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ ایک دن ایک نوجوان آپ کی مجلس میں پہنچ گیا اور صبر وسکون کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ عرض کیا، اے پیر طریقت وحقیقت کچھ نصیحت فرمائیں جس سے دل جمعی حاصل ہو، آپ نے فرمایا کہ اس گروہ کو چاہیے کہ ہر سانس کو آخری سانس خیال کرے اور اس آخری سانس میں لفظ اللہ کا زبان پر رہنا اس سے بہتر ہے کہ کلمہ لا الہٰ الا اللہ پڑھا جائے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ لفظ اللہ سے پہلے نفی لا میں مشغول ہو اور سانس منقطع ہو جائے۔ جوان نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ بہتر اور اعلیٰ چاہتا ہوں۔ ارشاد فرمایا لا غیر اللہ کی نفی کے لیے ہے اور میں اس کی ذات کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا۔ جوان نے پھر عرض کیا کہ میں اس سے اور زیادہ وضاحت چاہتا ہوں، فرمایا اس معاملہ میں میں نے صدیق اکبرؓ کی اتباع کی ہے۔ جیسا کہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو تین مرتبہ حسب حیثیت مال دینے کی ہدایت فرمائی تھی اور صدیق اکبرؓ نے ہر مرتبہ اپنا سارا مال راہ خدا میں دے دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مرتبہ پوچھا کہ اے صدیق! اہل وعیال کے لیے کتنا چھوڑا؟ صدیق اکبرؓ نے پہلی مرتبہ جواب میں عرض کیا: اولاد دو حال سے خالی نہیں، یا تو نیک ہوگی یا بد، اگر وہ نیک ہوں گے تو خدائے تعالیٰ نیکوں کو ضائع نہیں فرماتا اور اگر وہ بد ہیں تو مجھے ان سے کیا مطلب۔ دوسری مرتبہ کے جواب میں فرمایا، میں نے ان کے لیے سورۂ واقعہ کو چھوڑ دیا ہے کہ بعد مغرب اس کی تلاوت کریں۔

تیسری بار کے جواب میں فرمایا کہ عمرؓ اگر کسی دن ابوبکرؓ پر سبقت اور فوقیت لے جا سکتا ہے تو وہ آج کا دن ہے۔ کیونکہ عمرؓ دولت مند ہے اور ابوبکرؓ ایک غریب مسکین۔ عمرؓ نے اپنا نصف مال راہ خدا میں پیش کیا اور صدیقؓ نے تمام مال۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن حضرت جبریلؑ کو انسانی شکل میں دیکھا کہ کھجور کی چھال بدن پر اوڑھے ہوئے تھے۔ اس کا سبب پوچھا گیا۔ حضرت جبریلؑ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آج آسمان پر تمام ملائکہ نے ابوبکرؓ کی اتباع میں کھجور کی چھال پہنی ہے۔

تھوڑی ہی دیر بعد صدیق اکبرؓ کو لوگوں نے دیکھا کھجور کی چھال سے اپنے جسم اطہر کو پوشیدہ کیے ہوئے ہیں ایک پرانی بوری، پگڑی اور ایک کرتہ جو آپ کے پہلو میں تھا، سر اقدس پر اس کو اٹھائے تشریف لا رہے ہیں۔ اس دن صدیق اکبرؓ کے پاس اس کے سوائے اور کچھ سرمایہ نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، ابوبکر بچوں کے لیے کیا چھوڑا؟ یہ تیسری مرتبہ آپ کا دریافت فرمانا تھا۔ صدیق اکبرؓ نے جواب دیا۔ اللہ، اس نوجوان نے عرض کیا، میں اس سے زیادہ اور اعلیٰ چاہتا ہوں۔ حضرت شبلیؒ نے فرمایا اے جوان! میں نے بہتر بہتر صورتیں اور مثالیں تجھ سے بیان کر دی ہیں لیکن تیری ہمت اور حوصلہ بہت بلند ہے اچھا اس سے زیادہ بہتر چیز بتاتا ہوں، فرمایا کہ اس طریق کا اختیار کرنا اور اس پر عمل کرنا بموجب حکم خداوندی ہے۔ کیونکہ اسی نے اپنے کلام میں فرمایا ہے قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون۔ یعنی اے محمد کہہ دیجیے کہ بس اللہ کافی ہے ان سب کو اپنے لہو ولعب میں مشغول رہنے دیجیے۔ ان سے کوئی سروکار نہ رکھیے۔

نوجوان نے عرض کیا، جزاک اللہ بس اب میرے لیے یہ بہت کافی ہے جو آپ نے فرمایا، ایک نعرا مارا اور واصل بحق ہو گیا۔

اس کے وارثوں نے حضرت شبلیؒ پر دعویٰ خون کا کر دیا، شیخ شبلیؒ نے فرمایا اس کی روح مشتاق دید ہوئی، رونے لگی، فریاد کی، اس طرف سے دعوت آئی، اس نے لبیک کہا اور واصل بحق ہو گئی۔ اس میں میرا کیا قصور تھا۔ مدعیان نے اپنا دعویٰ واپس لے لیا اور حضرت شبلیؒ کو بے قصور سمجھ کر معاف کر دیا۔

روایت ہے کہ کسی نے دریافت کیا کہ اکرم الاکرمین کون ہے اور کب ہوتا ہے؟ فرمایا جب کسی گناہ کو معاف کر دے، تو پھر اس گناہ پر اس کو سزا نہ دے۔ یہ کہنا بھی گناہ ہے کہ میں نے اپنے فلاں دوست کو بخش دیا۔ (مرج البحرین مصنفہ عبدالحق محدث دہلویؒ میں ہے کہ شیخ

شبلیؒ کا ایک لڑکا فوت ہوگیا۔ اس کی ماں نے اس کے غم میں بے قراری اور آہ وزاری شروع کی۔ سر کے تمام بال کاٹ دیے اور حضرت شبلیؒ نے اپنی داڑھی میں چونا مل لیا جس سے داڑھی کے بال جھڑ گئے۔ اہل بغداد نے حضرت شبلیؒ کی یہ حرکت ناپسند کی اور ان کی اس حرکت کی وجہ سے کوئی بھی ان کی تعزیت کے لیے ان کے پاس نہیں گیا۔ ان کے دوستوں میں سے ایک نے دریافت کیا کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ فرمایا کہ موافقت........ کہا کہ حقیقت حال بیان فرمایئے کہ اس جواب سے تسکین نہیں ہوئی۔ فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جو دوسروں کو پند ونصیحت کرتا ہے خود غافل ہوتا ہے اور لعنت کا مستحق بنتا ہے۔ پس میں نے نہیں چاہا کہ لوگ میری تعزیت کو آئیں اور زمانہ کی رسم کے مطابق ترجیع کریں گے، مجھے تسلی تشفی دیں گے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر سنائیں گے اور ان کے دل اور وہ خود خدا سے غافل ہوں گے اور محجوب ہونے کی وجہ سے لعنت کے مستحق ہوں گے اور اس کا سبب میں بنوں گا۔ اس لیے میں نے اپنی داڑھی کو صاف کر دیا اور خلق خدا کو ہلاکت سے باز رکھا۔ اب تم بتاؤ کہ میرا یہ فعل صدق اور نیکی پر مبنی ہے یا نہیں اور کیا میں نے اپنے فعل سے خلق خدا پر احسان اور شفقت نہیں کی؟)

شیخ عبدالواحد تمیمی قدس اللہ سرہٗ

کنیت ابوالفضل باپ کا نام عبدالعزیز بن حرث بن اسد ہے۔ اس گروہ کے اکابر حضرت شبلیؒ کے کامل ترین مریدوں میں سے تھے۔ آپ کی وفات جمادی الآخر ۴۲۵ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار مبارک حضرت امام حنبلؒ کے مقبرہ میں ہے۔

شیخ ابوالفرح طرطوسی قدس اللہ سرہٗ

آپ کی اصل طرطوس سے ہے اور حضرت شیخ عبدالواحد تمیمی کے مریدوں میں ہیں اپنے وقت کے اولیاء کاملین اور صاحب مقامات وکرامات میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔

حضرت شیخ ابوالحسن ہنکاری قدس اللہ سرہٗ

آپ کا نام علی بن جعفر القرشی الہنکاری ہے۔ شیخ ابوالفرح طرطوسی سے بیعت ہیں۔

اپنے زمانے کے مشائخ کبار اور صاحب کشف وکرامات میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔آپ کی وفات ماہ محرم ۴۸۶ھ میں ہوئی۔

حضرت شیخ ابوسعید مبارک قدس اللہ سرہٗ

آپ کا نام مبارک بن علی بن حسین المخدومی ہے، آپ سلطان الاولیاء عارفین کے پیشوا و سالکوں کے قبلہ گاہ پیر طریقت، واقف اسرار حقیقت، علوم ظاہری و باطنی کے جامع، حضرت خضر کے رفیق ومصاحب حنبلی المذہب ہیں۔ شیخ ابوالحسن ہنکاری سے بیعت ہیں۔ قطب ربانی حضرت عبدالقادر جیلانیؒ سے خرقۂ ولایت حاصل کیا۔غوث الثقلین سے روایت ہے کہ میں نے ابتدائے حال میں خدائے تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا کہ وہ خود نہ کھلائیں اور خود نہیں پیوں گا جب تک وہ خود نہیں پلائیں گے۔ چالیس دن گزرنے پر ایک شخص آیا اور کچھ کھانا دے کر چلا گیا۔قریب تھا کہ بھوک کی شدت سے میرا نفس کھانے پر آمادہ ہو، میں نے اپنے دل میں کہا۔ بخدا میں نے اپنے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس سے میں پھرا نہیں ہوں۔ اچانک میں نے غیب سے ایک آواز سنی کہ کوئی زور زور سے الجوع الجوع (بھوک بھوک) پکار رہا ہے۔اتنے میں حضرت شیخ ابوسعید مخدومیؒ تشریف لائے۔ یہ آواز سن کر آپ نے فرمایا عبدالقادر یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا یہ نفس کا اضطراب اور اس کی بے چینی ہے۔ لیکن روح اپنی جگہ پر قائم ہے اور اپنے خدا کے مشاہدہ میں مستغرق ہے۔فرمایا ہمارے گھر چلو۔ میں نے انتہائی رقت سے کہا کہ میں باہر کبھی نہ جاؤں گا۔اتنے میں ابوالعباس خضر علیہ السلام تشریف لے آئے۔ فرمایا اٹھو اور ابوسعید کی خدمت میں چلو۔ میں چل دیا دیکھا کہ ابوسعید اپنے مکان کے دروازے پر کھڑے میرا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمانے لگے کہ اے شاہ عبدالقادر جو کچھ میں نے تجھ سے کہا تھا وہ کافی نہ تھا کہ تو نے خضر کو بھی تکلیف دی، یہ فرمایا اور اندر مکان کے لے گئے اور جو کھانا تیار تھا لقمہ لقمہ میرے منہ میں دیتے تھے۔حتیٰ کہ میں سیر ہو گیا۔اس کے بعد مجھے خرقہ پہنایا۔ پھر میں ان کی صحبت میں رہنے لگا، مدرسہ باب الازخ کی عمارت جو غوث الثقلین کے دربار میں ہے آپ ہی کی بنوائی ہوئی ہے اور اپنی زندگی میں حضرت غوث الثقلین کی خدمت میں پیش کر دیا تھا چنانچہ حضرت غوث اعظم کا مزار مبارک اسی مدرسہ میں ہے۔ حضرت شیخ ابوسعید المخدومیؒ کی وفات ۵۱۳ھ میں واقع ہوئی۔

حضرت شیخ حماد دیاس قدس سرہٗ

آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور نام حماد بن مسلم ہے۔ دیاس ٹھنڈا باسی پانی بیچنے والے کو کہتے ہیں۔ آپ حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے خاص مصاحبوں میں تھے۔ اپنے زمانہ کے مشائخ کبار اور عارف علوم و اسرار و صاحب کرامات تھے۔ گو آپ امی محض تھے۔ لیکن حق تعالیٰ نے آپ کو علم لدنی عطا فرما کر دولت علم سے مالا مال فرما دیا تھا۔ کم و بیش آپ کے کامل مریدوں کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ بڑے اور چھوٹے سب حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے مریدوں میں شامل ہیں۔

روایت ہے کہ ایک دن شیخ حمادؒ فرماتے تھے کہ میرے بارہ ہزار مرید ہیں اور ہر رات کو میں سب کو یاد کرتا ہوں۔ ان کی ضرورتوں کو خدا سے طلب کرتا ہوں۔ ان میں سے اگر کوئی کسی گناہ و جرم میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے لیے توبہ کی توفیق کی درخواست کرتا ہوں۔ یا پھر اس کو اس جہان سے اٹھا لینے کی دعا کرتا ہوں تاکہ گناہوں میں تادیر نہ مبتلا رہے۔ حضرت شیخ عبدالقادرؒ وہاں حاضر تھے۔ فرمانے لگے اگر خدائے تعالیٰ مجھے یہ درجہ اور منصب عطا فرمائے تو میں خدا سے دعا کروں کہ میرے مریدوں کو قیامت تک توبہ نصیب نہ ہو اور بلا توبہ مریں اور میں ان کی ضمانت میں ماخوذ ہوں۔

شیخ حمادؒ نے فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ کا مشاہدہ کیا اور جو کچھ عبدالقادرؒ نے خدا سے دعا کی تھی۔ خدا نے اسے قبول فرمالیا۔

نقل ہے کہ حضرت غوث پاک نوجوان تھے اور شیخ حمادؒ کی صحبت میں رہتے تھے۔ ایک دن پاس ادب و احترام سے شیخ کی مجلس میں حاضر تھے۔ جب اٹھ کر باہر جانے لگے تو شیخ حمادؒ نے فرمایا کہ اس عجمی کو خدا نے ایسے قدم عطا فرمائے ہیں جو اپنے وقت کے تمام اولیاء کی گردن پر ہوں گے۔ اسی وقت حق تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ اے عبدالقادر کہہ دو قدمی ھذہ علیٰ رقبة کل ولی اللہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے اور جب بھی آپ یہ فرمائیں تمام اولیاء اپنی گردنوں کو جھکا لیں۔ آپ کی وفات رمضان ۵۲۵ھ میں ہوئی۔

حضرت غوث الثقلین شاہ محی الدین عبدالقادر الحسنی الحسینیؒ

آپ کی کنیت طریقت میں بادشاہ مشائخ اور شریعت میں امام الائمہ اور محبوب ربانی ابو محمد ہے۔ آنحضرت پیر کامل، مرشد زمانہ، سردار عارفان، فخر زہاد و عباد، قطب ہمدانی، محبوب ربانی کا اسم گرامی عبدالقادر ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ابن ابی صالح سنوسی حنبلی دوست بن ابی عبداللہ بن یحییٰ زاہد بن محمد بن داؤد بن موسیٰ الجون بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی مرتضیٰؓ ہے۔ آپ کو حسن حسینی اس لئے کہا جاتا ہے کہ عبداللہ محض کے والد حسن مثنیٰ بن حسن بن علی مرتضیٰؓ ہیں اور عبداللہ محض کی والدہ فاطمہ بنت حسین بن علی مرتضیٰؓ ہیں دوسرے یہ کہ آنحضرت کی والدہ ماجدہ بھی حسینی ہیں۔

آپ کا لقب محی الدین ہے۔ اس لقب سے شہرت کا سبب یہ ہے کہ آپ نے خود فرمایا کہ میں کسی سفر سے بغداد پہنچا۔ میرا گزر ایک ایسے بیمار پر سے ہوا جو نہایت کمزور جسم اور متغیر رنگ تھا۔ اس مریض نے مجھے دیکھ کر السلام علیک یا عبدالقادر کہا۔ میں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر کہا کہ میرے پاس آیئے۔ میں اس مریض کے قریب گیا۔ اس نے کہا مجھے بٹھایئے۔ میں نے اس کو سہارا دے کر بٹھا دیا۔ کیا دیکھا کہ بیٹھتے ہی اس کا جسم تازہ اور تندرست معلوم ہونے لگا۔ اس کا رنگ نکھرنے لگا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوف معلوم ہوا۔ اس نے کہا کہ اے عبدالقادر! آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ کہا میں آپ کے جدامجد کا دین ہوں۔ نحیف و لاغر ہو گیا تھا۔ جیسا کہ آپ نے بہ نفس نفیس مشاہدہ فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی برکت سے مجھے زندہ فرما دیا، آپ کا نام محی الدین (دین کے زندہ کرنے والے) ہے۔ میں اس سے رخصت ہو کر جامع مسجد پہنچا۔ ایک شخص نے میرے جوتے میرے پاس اٹھا کر رکھے اور کہا اے شیخ محی الدین! جب میں نماز سے فارغ ہوا، لوگ میرے چاروں طرف جوق در جوق اکٹھا ہونے لگے، میرے پاؤں کو بوسہ دیتے تھے اور کہتے تھے، اے محی الدین! آپ کا لقب آسمانوں پر باز اشہب ہے۔ جس کا آپ نے اپنے قصیدہ میں ذکر فرمایا ہے۔

حضرت غوث الثقلین نے فرمایا کہ میرا تصرف جن وانس پر ہے، لوگ آپ کی محفل میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوتے تھے اور پچھلے گناہوں سے تائب ہو کر واپس جاتے تھے اور آپ کی صحبت سے مستفیض ہوتے تھے۔ جنات بھی صف بہ صف آپ کی مجلس میں حاضر

ہوکراسلام لاتے تھے اور آپ کی صحبت سے فیض پاتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ انسانوں میں مشائخ ہوتے ہیں اور جنات وملائکہ میں بھی مشائخ ہوتے ہیں۔ میں جن وانس اور ملائکہ کا شیخ ہوں، شیخ ابوسعید عبداللہ بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ فاطمہ نامی میری ایک لڑکی تھی جس کی عمر سولہ سال تھی۔ وہ چھت پر گئی اور گم ہوگئی۔ حضرت غوث الثقلین کی خدمت میں حاضر ہوکر میں نے یہ ماجرا عرض کیا۔ فرمایا کہ آج رات تم بغداد کے محلہ خرابہ کرخ میں جاکر زمین پر ایک دائرہ کھینچو اور بسم اللہ علیٰ بنت عبدالقادر پڑھتے جانا، پھر اس دائرہ میں بیٹھ جانا، جب رات خوب تاریک ہوجائے گی۔ تو جنات کی ایک جماعت کا اس طرف سے گزر ہوگا۔ ان کی صورتیں مختلف ہوں گی تم ان سے خوف نہ کرنا۔ صبح کے قریب جنات کا بادشاہ لشکر کے ساتھ گزرے گا وہ تجھ سے کہے گا، بتایئے کیا کام ہے؟ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، اپنی لڑکی کا واقعہ اس کو بتادینا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا جیسا آپ نے مجھے حکم فرمایا تھا۔ جنات گروہ در گروہ مختلف شکلوں میں گزرتے جاتے تھے۔ لیکن اس دائرہ کے قریب جس میں میں بیٹھا ہوا تھا، کوئی نہیں آسکتا تھا۔ حتیٰ کہ ان کا بادشاہ ایک گھوڑے پر سوار جنات کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ ظاہر ہوا اور دائرہ کے مقابل آکر کھڑا ہوا۔ مجھ سے پوچھا تیرا کیا کام ہے، میں نے کہا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے تیرے پاس مجھے بھیجا ہے۔ یہ سنتے ہی گھوڑے سے اترا۔ زمین چومی اور دائرہ کے باہر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کیوں بھیجا ہے۔ میں نے اپنی لڑکی کے اس طرح سے غائب ہوجانے کا قصہ اس کو سنایا۔ اس نے فوراً حکم دیا جو جن اس کی لڑکی کو اٹھا کر لے گیا ہے، فوراً حاضر ہو۔ تھوڑی ہی دیر میں اس جن کو مع لڑکی کے وہاں حاضر کیا گیا اور کہا کہ یہ چین کے جنات میں سے ہے۔ بادشاہ نے اس سے فرمایا، کیا وجہ ہے کہ تو نے اس لڑکی کو حضرت غوث اعظمؒ کے حلقہ سے اٹھالیا۔ عرض کیا مجھے بھلی معلوم ہوئی اور میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہوگئی، حکم دیا کہ اس کا سر قلم کردیا جائے اور لڑکی کو میرے حوالے کردیا۔

میں نے اس سے کہا کہ میں نے تجھ سے زیادہ فرماں بردار شیخ کا کسی اور کو نہیں پایا۔ اس جنوں کے بادشاہ نے جواب دیا کہ ہم ان کے کیوں کر فرماں بردار نہ ہوں، وہ جب اپنے گھر سے دنیا کے تمام جنات پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کی ہیبت سے جنات ادھر ادھر پریشان ہوجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جب کسی قطب کو مقرر فرماتا ہے تو شیخ کو تمام جنات وانس پر حاکم و متصرف کردیتا ہے۔

آپ کو جیلی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ کی اصل ولایت جیل سے ہے۔ آپ کی ولادت مبارک بھی مقام جیل میں ہوئی۔ جیل طبرستان کے عقب میں ایک ملک کا نام ہے، جس کو جیلان اور گیلان اور کیل بھی کہتے ہیں۔

بعض مورخین کی رائے ہے کہ جیل دریائے دجلہ کے کنارہ ایک موضع کا نام ہے، بغداد سے واسط کی طرف جاتے ہوئے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے اور ایک روایت کے مطابق مداین کے نزدیک ایک موضع کا نام جیل ہے۔ ان دو موضعوں کی نسبت سے آپ کو جیلانی اور گیلانی کہا جاتا ہے۔

جس جماعت نے آنحضرتؒ کی نسبت ان مذکورہ دو مقامات کی طرف کی ہے۔ صاحب روضۃ النواظر، جو اپنے وقت کے اکابرین میں سے تھے اور ان کا قول مستند مانا جاتا ہے وہ آنحضرت کی نسبت ان دو مقامات کی طرف کرنے والوں کو غلط ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ آنحضرتؒ نے ان دو مقامات پر چند دن سکونت فرمائی ہو۔ چنانچہ برج عجمی میں آپ کی اصل ولایت گیلان سے بتائی ہے اور صاحب معجم البلدان نے آنحضرت کو مقام شتیز کی طرف منسوب کیا ہے جو ولایت گیلان کے مضافات سے ہے۔

آپ کی نسبت ارادت روحانی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو حاصل ہے اور خرقہ آنحضرت کا شیخ ابوسعید مخزومی اور شیخ ابوسعید اسامی و دیگر مشائخ مذکورہ بالا اور ...... آخر میں نسبت خرقہ حضرت معروف کرخیؒ تک پہنچ کر حضرت امام رضاؒ کے آباء کرام کے واسطہ سے سید الخلائق وسید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ آپ کے پیر صحبت شیخ حماد دباسؒ ہیں۔ آپ کی اکثر صحبت حضرت خضر علیہ السلام کے پاس رہی ہے۔ مذہب میں آپ احمد بن حنبلؒ کے پیروکار تھے اور فتویٰ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب پر دیا کرتے تھے۔

شیخ بقائی بن بطو نے کہا ہے کہ ایک دن حضرت غوث الثقلینؒ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مزار پر حاضری کے لیے تشریف لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ امام احمد بن حنبلؒ اپنے مزار سے باہر تشریف لے آئے ہیں اور غوث اعظمؒ کو اپنے آغوش میں لے لیا اور فرمایا اے عبدالقادر میں علم شریعت وعلم حقیقت وطریقت میں تیرا محتاج ہوں۔

آپ کی والدہ ماجدہ کی کنیت ام الخیر ہے اور لقب و نام امۃ الجبار فاطمہ بنت شیخ عبداللہ صومعی ہے جو گیلان میں اولیائے کرام اور اپنے زمانے کے مقتدر اور مستجاب الرشدات

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی المقبولؒ

آپ کا نام یحییٰ بن حبش ہے۔ مشائین اور اشراقیین کی حکمت میں عالم متبحر تھے۔ بعض مشائخ نے آپ کی بابت کہا ہے کہ آپ علم سیمیا جانتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ آپ کے عقیدہ میں کچھ خلل ونقص آ گیا تھا۔ فلاسفہ کے عقائد پر نظر زیادہ تھی۔ آپ جب حلب پہنچے تو علماء نے آپ کے قتل کا فتویٰ جاری کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ قید میں بند کر دیا۔ بعض روایت میں ہے کہ ان کو سولی دے دی گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ جس طرح چاہیں اپنے قتل ہونے کے لیے طریقہ پسند کرلیں۔ آپ کو ریاضت کی عادت تھی۔ فرمایا کہ مجھے بھوک سے ہلاک کیا جائے۔ حلب کے باشندے آپ کی بابت مختلف الرائے تھے۔ بعض ان کو ملحد اور زندیق کہتے اور بعض ان کو صاحب کرامات ودرجات ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ان کی عقل پر علم کا غلبہ تھا اور عقل کو علم پر غالب رہنا چاہیے۔

آپ کی وفات ۵۷۷ھ میں ہوئی۔ عمر شریف ۳۶ یا ۳۷ سال کی ہوئی۔

بزرگ ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی نے لکھا ہے کہ شیخ عبداللہ صومعی سرداران زہاد سے تھے اور خدا نے آپ کو مراتب عالیہ وکرامات ظاہرہ عطا فرمائی تھیں۔ آپ اگر غضب ناک ہوتے اور کسی سے ناراض ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ جلد آپ کی طرف سے انتقام لے لیتا اور جیسی آپ کی خواہش ہوتی اللہ تعالیٰ آپ کی خوشنودی کے مطابق ایسا ہی کرتا اور جس بات کی بابت ہونے سے پہلے کچھ فرما دیتے ویسا ہی ہو جاتا۔ حضرت غوث اعظمؒ کی والدہ ماجدہ کو خدا کی طرف سے بہت کچھ ملا ہوا تھا، شیخ عبدالرزاق صاحبزادہ حضرت غوث اعظمؒ نے فرمایا کہ جس وقت غوث صمدانی والد ماجد کی صلب سے مادر مشفقہ کے رحم لطیف میں منتقل ہوئے، والدہ صاحبہ ساٹھ سال کی تھیں۔ جب کہ اولاد کی توقع منقطع ہوتی ہے۔ یہ بھی آنحضرت کے کرامات سے ہے جو خدائے تعالیٰ کے افضال واکرام سے آپ کو حاصل تھیں آپ کی والدہ ماجدہ بڑی عارفہ صالحہ اور صاحب کشف وکرامات تھیں۔

آپ کی ولادت باسعادت جیلان میں ماہ رمضان کی پہلی شب کو ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ کو ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا ہے کہ جب میرا لڑکا عبدالقادر پیدا ہوا رمضان بھر دن میں دودھ منہ میں نہیں لیا۔ ایک مرتبہ ابر آلود ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہیں آسکا۔ لوگوں نے آکر مجھ سے دریافت کیا۔ میں نے کہا کہ آج میرے لڑکے عبدالقادر نے دودھ نہیں پیا۔ بعد

میں معلوم ہوا کہ اس دن رمضان کی پہلی تاریخ تھی۔ آپ فرماتے تھے کہ عنفوان شباب میں جب میری آنکھوں میں نیند آتی تو میں ایک آواز سنتا کہ اے عبدالقادر! تجھے ہم نے سونے کے لیے نہیں پیدا کیا۔ جب میں مکتب میں جاتا تو فرشتوں کی آواز سنتا وہ کہتے کہ اٹھو اور خدا کے ولی کو راستہ دو۔ آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی کہ آپ جیلان سے بغداد تشریف لے آئے، اور ۴۸۸ھ میں بغداد میں تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ سب سے پہلے قرآن شریف ختم کیا۔ پھر فقہ و حدیث اور دوسرے علوم دینیہ سے فراغت حاصل کی اور تھوڑی دیر میں اپنے ہم عصروں پر سبقت لے گئے اور سب میں ممتاز و فائق ہو گئے۔ اس پہلے سفر میں ساٹھ بڑے ڈاکوؤں نے آپ کے دست مبارک پر توبہ کی اور آپ کے مرید ہوئے اور ۵۲۱ھ کو مطابق فرمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے آب دہن مبارک صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے دہن میں ڈالا گیا تھا، آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر وعظ کرنا اور دعوت و تبلیغ کرنا شروع کر دیا اور آپ تمام علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور ہر علم سے متعلق آپ گفتگو فرماتے تھے۔ وعظ کرتے وقت فرماتے، اے اہل آسمان و زمین آؤ اور میری بات سنو اور مجھ سے کچھ سیکھ لو کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس زمین پر وارث و جانشین ہوں۔ آؤ میری اس مجلس میں خلعتیں عطا ہوتی ہیں اور خدائے تعالیٰ میرے قلب پر اپنی تجلی ڈالتا ہے۔ آپ کی مجلس وعظ میں تقریباً ستر ستر ہزار آدمیوں کا مجمع ہوتا اور چار چار سو آدمی آپ کے کلام کو نقل کرتے اور جب مجلس ختم ہوتی تو آپ کے حقیقت آموز اور معرفت سے بھرے ہوئے کلام کے اثر سے وجد و ذوق سے دو تین آدمی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔

شیخ ابو سعید قیلویؒ نے فرمایا کہ آپ کی مجلس وعظ میں بارہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر پیغمبران علیہم السلام و فرشتوں اور جنات کو صف بہ صف دیکھا ہے۔

تصنیفات میں آپ کی کتاب غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب مشہور کتابیں ہیں۔ حلیہ مبارک معتبر کتابوں میں اس طرح لکھا ہے۔ نحیف الجسم، قد میانہ، کشادہ سینہ، بلند پیشانی، گندم گوں رنگ، دونوں ابرو باہم پیوستہ، آواز بلند تھی۔ لباس عالمانہ زیب تن فرماتے، کبھی اطلس کے قیمتی کپڑے ہوتے اور کبھی ایسے کپڑے ہوتے ایک دینار کا ایک گز قیمت کا ہوتا۔

جبہ زیادہ تر پہنتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں جب تک نہیں پہنتا کہ وہ خود پہننے کا حکم نہ فرمائیں۔ میں نہیں کھاتا جب تک وہ نہ کھلائیں اور میں بات نہیں کرتا جب تک وہ نہ بلوائیں۔ اگر کوئی خدمت اقدس میں نذرانہ پیش کرتا تو اس کو قبول فرما لیتے، لیکن امراء اور

سلاطین کے علاوہ لوگوں سے اور اسی وقت حاضرین میں تقسیم فرما دیتے۔ایک دن امام مستنجد باللہ خلیفہ بغداد آپ کی خدمت میں آئے اور اشرفی کی دس تھیلیاں آپ کو پیش کیں۔آپ نے فرمایا مجھے ضرورت نہیں، جب زیادہ اصرار کیا تو آپ نے ایک تھیلی کو داہنے ہاتھ میں اور ایک کو بائیں ہاتھ میں اٹھالیا اور پھر ان کو دبایا ان میں سے خون جاری ہو گیا فرمایا اے ابوالمظفر خدا سے تجھے شرم نہیں آتی کہ خلق خدا کا خون چوستا ہے اور اپنے اوپر اس کی ذمہ داری لیتا ہے اور پھر میرے پاس آیا ہے۔خلیفہ بے ہوش ہو گیا۔پھر آپ نے فرمایا کہ بخدا اگر اس کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت نہ ہوتی تو میں اس کو اتنا نچوڑتا کہ یہ خون بہہ کر اس کے محل تک جائے۔

حضرت غوث اعظمؒ کبھی کسی خلیفہ اور دولت مند کے مکان پر نہ تشریف لے جاتے تھے۔ ان کے بستر پر کبھی نہ بیٹھتے تھے اور ان کی تعظیم نہ فرماتے اور جب آپ کے پاس خلیفہ آتا تو آپ مکان میں تشریف لے جاتے اور پھر واپس آتے، تاکہ اس کی وجہ سے آپ کو قیام نہ کرنا پڑے۔خلیفہ سے گفتگو کرنے میں آپ بہت مبالغہ کرتے۔خلیفہ آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیتا اور جب تک خدمت میں رہتا مؤدب بیٹھا رہتا اور اس طرح عرض کیا کرتا کہ حضرت جو حکم دیں ہمارے سر اور آنکھوں پر اور آپ جب بھی خلیفہ کو کچھ تحریر فرماتے تو انداز تحریر یہ ہوتا کہ عبدالقادر تجھ کو اس طرح حکم دیتا ہے اس کا حکم تیرے اوپر نافذ ہے اور تجھے مفید بھی اور کل قیامت میں تیرے لیے حجت ہوگا۔آپ کا فرمان جب خلیفہ کے پاس پہنچتا آنکھوں سے اس کو لگاتا۔سر پر رکھتا۔

روایت ہے کہ حضرت غوث اعظمؒ سے زیادہ خوش اخلاق، باحیا، شریف، مہربان اور نرم دل دوسرا نہیں دیکھا۔چنانچہ پاس بیٹھنے والوں میں ہر شخص کو یہ گمان ہوتا ہے کہ آنحضرت اسی کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔سائل کے جواب کو آپ رد نہ فرماتے اور جس مریض کے علاج کے لئے اطباء عاجز آجاتے، آخر میں وہ حضور کی خدمت میں لایا جاتا۔آپ دست شفا سے اس کو چھوتے اور وہ تندرست ہو جاتا۔

ایک مرتبہ ایک چور حضرت غوث اعظمؒ کے گھر میں آگیا، اندھا ہو گیا اور کچھ نہ لے جا سکا۔اسی اثناء میں حضرت خضرؑ حاضر ہوئے اور کہا کہ اے ولی اللہ! ایک ابدال فوت ہو گیا ہے جس کے لیے حکم صادر ہوا اس کو اس کی جگہ ابدال مقرر کیا جائے، فرمایا ہمارے گھر میں ایک شخص بہت عاجزی اور انکساری سے پڑا ہے۔جاؤ اس کو لاؤ اور اس کی جگہ ابدال

بینا دو۔ حضرت خضرؑ اس کو گھر سے باہر لائے اور حضرت غوث اعظمؒ کے پاس لے کر حاضر ہوئے، آپ کی ایک ہی نظر سے وہ بینا ہو گیا اور درجۂ ابدالیت پر فائز ہو گیا۔ آپ کے بقعہ شریف میں نور معرفت و حقیقت کے سوا اور تھا کیا جس کو چور وہاں سے چرا کر لے جاتا۔ چور انہیں چیزوں کو حاصل کرنے آیا تھا اور آنحضرت نے اس کو اس کے مقصد میں کامیاب واپس کیا، محروم نہیں جانے دیا بلکہ مقام ابدالیت پر پہنچا دیا۔

کہتے ہیں کہ اقطاب و ابدال اور اوتاد کا عزل و نصب اور اولیاء کا سب حال آپ کے اختیار میں تھا۔ جس کسی کو چاہتے معزول فرماتے اور دوسرے کو اس کی جگہ مقرر فرماتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک ابدال کی وفات ہوئی۔ قسطنطنیہ سے ایک کافر کو بلوایا۔ اس کی مونچھیں پکڑ کر اس کا نام محمد رکھ دیا اور اپنا عمامہ اس کے سر پر باندھا اور اس کو ابدالوں کی جماعت میں داخل کر دیا۔

ایک دن ایک مردِ غیب ہوا میں اڑ رہا تھا۔ جب وہ بغداد کی سمت پہنچا اس کے دل میں خیال گزرا کہ بغداد میں کوئی مرد خدا نہیں، حضرت غوث اعظمؒ کو اس کا علم ہوا، آپ نے اس کے کمالات و احوال کو اس سے سلب کر لیا، پس وہ مردِ غیب ہوا سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے قصور کی معافی چاہی، توبہ کی، آپ نے اس کے کمالات و احوال اس کو واپس فرما دیے اور وہ حسب سابق ہوا میں اڑ کر واپس چلا گیا۔

آنحضرت غوث اعظمؒ کا تمام تر طریقہ شریعت کے عین مطابق تھا اور اگر کسی کو شرع کے خلاف کام کرتے دیکھتے تو اس کے حال کو اس سے سلب فرما لیتے۔ آپ فرماتے اے لوگو! اگر شریعت کا پاس اور ادب نہیں رکھو گے میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ جو کچھ تم کھاتے اور جو کچھ تم جمع کرتے ہو، میرے سامنے آئینہ کی طرح ہے۔ تمہارے ظاہر و باطن کو میں اس آئینہ میں دیکھ لیتا ہوں۔

کسی بزرگ نے حضرت خضرؑ سے حضرت غوث اعظمؒ کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے کسی ولی کو یہ مقام نہیں عطا کیا جو بلند مقام شیخ غوث اعظمؒ کو عطا فرمایا ہے اور اپنی محبت کی چاشنی ان کو عطا فرمائی ہے جو کسی اور کو عطا نہیں کی اور فرمایا کہ حضرت غوث اعظمؒ احباب میں ممتاز درجہ کے مالک تھے اور اپنے زمانہ کے غوث و قطب میں ان کا شمار تھا۔

روایت ہے کہ حضرت غوث اعظمؒ نے ایک دن اپنی خانقاہ میں مجلس منعقد کی۔ قریب

ایک سو مشائخ موجود تھے، جن میں شیخ علی ہیتی، شیخ بقائی بن بطو، شیخ ابو سعید قیلوی، شیخ ابو النجیب سہروردی، جو شیخ شہاب الدین سہروردی کے چچا ہیں، شیخ جاگیر، قصب البان موصلی، شیخ ابو مسعود، شیخ عزاز بطائحی، شیخ منصور بطائحی، شیخ حماد بن مسلم دیاس، خواجہ یوسف بن ایوب ہمدانی جو خواجگان نقشبندیہ کے سردار ہیں، شیخ عقیل بن نخی، شیخ ابو بغراء مغربی، شیخ عدی بن مسافر، شیخ علی بن وہب سنجاری، شیخ موسیٰ بن یامین زونی، شیخ احمد بن ابوالحسن رفاعی، شیخ عبدالرحمٰن طفسونجی، شیخ علی مطربا، شیخ ماجد کردی، شیخ ابو محمد قاسم بن عبد منصور بصری، شیخ ابو عمرو عثمان بن مرزوق، شیخ سوید سنجاری، شیخ حیات بن قیس حرانی، شیخ مرسلان دمشقی، شیخ عبدالکریم الاکبر المعمر، شیخ ابوالعباس الجوسقی الصرصری، شیخ ابو حکیم ابراہیم بن دینار، شیخ مکارم اکبری، شیخ صدقہ بغدادی، شیخ یحییٰ دوری مرتعش، شیخ ضیاء الدین، ابراہیم بن ابی عبداللہ بن علی جوینی، شیخ ابو عبداللہ، شیخ ابوبکر الحمامی لمزین، شیخ جمیل، شیخ ابو محمد عبدالحق حریمی، شیخ ابو عمر الکہامی، شیخ ابو حفص عمر بن ابی النصر الغزال، شیخ مظفر الحمال محمد بن ذرمانی القزونی، شیخ ابوالعباس احمد یمانی، شیخ ابوالعباس احمد بن العربی، شیخ ابو عبداللہ محمد المعروف الخاص، شیخ ابو عمرو عثمان بن احمد شوکی وغیرہم یہ سب اکابرین مردان حق اور رجال الغیب مجلس شیخ میں حاضر تھے اور شیخ سلطان بن احمد المزین، شیخ ابوبکر بن عبدالحمید شیبانی، شیخ ابوالعباس احمد بن الاستاد و شیخ ابو محمد بن عیسیٰ المعروف بہ کوسج، شیخ مبارک بن علی الحملی شیخ ابوالبرکات بن معدان العراقی، شیخ عبدالقادر بن حسن بغدادی، شیخ ابوالسعود احمد بن ابی بکر عطار، شیخ ابو عبداللہ محمد الاوفی، شیخ ابو یعلی و شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ ابوالقاسم عمر بن مسعود الزار، شیخ ابوالنار محمود بن عثمان البقال، شیخ عباد البواب، شیخ عبدالرحیم فتاویٰ مغربی، شیخ ابو عمرو عثمان بن مروزہ، شیخ مکارم نہر خالص، شیخ خلیفہ بن موسیٰ نہر ملکی، شیخ ابوالحسن جوسقی، شیخ عبداللہ قریشی، شیخ ابوالبرکات بن صحراموی، شیخ ابوالحق ابراہیم بن علی اغلب و شیخ غوث الثقلین شاہ عبدالقادر جیلانیؒ منبر پر جلوہ افروز تھے اور ایک بلیغ خطبہ فرماتے تھے، درمیان خطبہ آپ نے ارشاد فرمایا:

"قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله"

شیخ علی ہیتیؒ اٹھ کر منبر کے قریب آئے اور حضرت غوث اعظمؒ کا پائے مبارک اٹھا کر اپنی گردن پر رکھ کر آپ کے دامن کے نیچے سے ہو کر نکلے۔ حاضرین میں تمام اولیاء نے اپنی گردنیں جھکا دیں۔

شیخ ابو سعید قیلویؒ کا فرمان ہے کہ جس وقت آپ یہ کلام مذکورہ فرما رہے تھے، اللہ تعالیٰ

نے آپ کے قلب صافی پر تجلی ڈالی اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس ملائکہ کی ایک جماعت کے جلو میں اور تمام ارواح اور تمام اولیائے کرام کے سامنے تشریف فرما ہوئے اور حضرت غوث اعظمؒ کو خلعت پہنایا۔ ہر چہار طرف سے ملائکہ ورجال الغیب کی جماعت آپ کو اپنے جلو میں لئے ہوئے تھی۔ فضا میں صفیں باندھے ہوئے سب حاضر تھے اور زمین پر کوئی ولی اور بزرگ ایسا باقی نہ تھا جس نے اپنی گردن کو آپ کے روبرو خم نہ کیا ہو۔

نقل ہے کہ عجم کے ایک شخص نے آپ کی بڑائی کو تسلیم نہیں کیا اور اس نے اپنی گردن آپ کی اطاعت میں خم نہیں کی۔ اسی وقت اس کے کمالات واحوال سلب کر لئے گئے اور وہ کورا رہ گیا۔ یہ اظہر من الشمس ہے کہ اس قسم کا دعویٰ کرنا اور بہ حکم ایزدی اس کا اس طرح اعلان وافشا کرنا، اللہ تعالیٰ کے بے نہایت افضال واکرام اور خصوصی عنایات واحسانات و تائید وحمایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن دلیل ہے کہ کرۂ ارض کے تمام اولیائے کرام نے آپ کی بڑائی کو تسلیم کیا اور آپ کے فرمان کو دل وجان سے تسلیم کرلیا۔ کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی اس بلند مقام پر نہ پہنچ سکا۔

بمقامیکہ رسیدی نہ رسد ہیچ ولی

ذالك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم

آپ کے ابتدائی ایام میں بعض مشائخ نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ اس عجمی جوان کے قدم تمام اولیا کی گردنوں پر ہوں گے۔ بڑے بڑے مشائخ نے اس واقعہ سے سو سال پہلے ہی آپ کے احوال، نیز اس مرتبہ سے متعلق پیشین گوئی کردی تھی، چنانچہ شیخ ابو بکر بن مرار بطائحی قدس اللہ سرہٗ نے جو غزا کے متقدمین مشائخ کبار میں سے ہیں اور صاحب کرامات اور مقامات بزرگ گزرے ہیں اور جو خواب میں حضرت صدیق اکبرؓ کے مرید ہوئے تھے اور بے واسطہ حضرت صدیق اکبرؓ سے خرقہ حاصل کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ سے اس امر کا عہد لیا تھا کہ جو بھی میرے روضہ میں داخل ہو اس پر دوزخ کی آگ حرام فرما، جس کا مزار مبارک بطائح میں ہے اور یہ مشہور ہے کہ ان کے مزار کے قریب گوشت یا مچھلی پکانے سے کبھی نہیں پکتی تھی۔ کہتے ہیں کہ عراق کے اوتاد سا بزرگ ہیں، معروف کرخی، امام حنبل، بشر حافی، منصور بن عمار، جنید بغدادی، سہیل بن عبداللہ تستری اور شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ اسرارہم۔ ان مذکورۃ الصدر بزرگوں سے پوچھا گیا کہ شیخ عبدالقادر کون ہے، فرمایا

ایک کریم النفس عجمی ہے۔ جو بغداد میں پیدا ہوگا اور اس کا ظہور قرن پنجم میں ہوگا اور شیخ ابو محمد تشتی جو شیخ ابو بکر بطائحی کے مرید خاص ہیں اور جو عراق کے مشائخ کبار سے ہیں اور جو صاحب مقامات عالیہ وکشف وکرامات بزرگ ہوئے ہیں۔ جن کا مزار مقدس حدادیہ میں ہے جو بطائح کے مضافات میں ایک قریہ ہے انہوں نے فرمایا کہ شیخ عبدالقادر ایک ایسا شخص ہوگا کہ اس کے اقوال وافعال میں اس کی اتباع کی جائے گی اور حق تعالیٰ انبوہ کثیر کو اس کی برکت سے بلند مقامات عالیہ پر فائز کرے گا اور قیامت کے دن سابقہ امتوں کے مقابل اس پر فخر ومباہات فرمائے گا۔

حضرت غوث نے فرمایا کہ ہر ولی اللہ اپنے پیغمبر کے نقش قدم پر ہوتا ہے اور میں اپنے جد امجد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر ہوں۔ جہاں میرے جد امجد نے قدم رکھے ہیں۔ میں نے اسی مقام پر اپنا قدم رکھا ہے بجز راہ نبوت کے کہ وہاں میں معذور تھا کیونکہ اس راہ میں غیر نبی کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ اس سے آپ کے معراج کمال اور بلندی مقام اور اتباع محمدی کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

شیخ شریف بن حضرت حسن موصلیؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد ماجد سے سنا، انہوں نے کہا میں تیرہ سال حضرت غوث اعظمؒ کی خدمت میں حاضر رہا۔ میں نے اس عرصہ میں نہیں دیکھا کہ مکھی آپ کے جسم اطہر پر بیٹھی ہو، یا آپ نے ناک صاف کی ہو۔

تمام مشائخ وقت کو آپ سے عقیدت وارادت حاصل تھی۔ امام یافعیؒ نے فرمایا کہ یمن کے اکثر مشائخ نے غوث اعظمؒ سے اپنی نسبت درست کی ہے، خواجہ معین الدین چشتیؒ وشیخ شہاب الدین سہروردیؒ آپ کی صحبت سے باطنی فیض حاصل کرتے تھے۔

روایت ہے کہ کسی نے شیخ عقیلیؒ کے روبرو ذکر کیا کہ عبدالقادر نامی ایک عجمی نوجوان بغداد شریف میں بہت مشہور ہے۔ فرمایا اس سے زیادہ اس کی شہرت آسمان پر ہے۔ شیخ ابو بغراء مغربی سے جو مغرب کے اکابر مشائخ سے تھے ان کے کسی دوست نے کہا کہ بغداد جا رہے ہیں۔ فرمایا جب بغداد میں پہنچو تو شیخ عبدالقادرؒ کی خدمت میں ضرور حاضری دیتے رہنا۔ بخدا تمام عجم میں اس جیسا بزرگ نہیں پیدا ہوا اور نہ عراق میں ایسا بزرگ دیکھا۔ زمین مشرق اس پر مغرب کی زمین پر فخر کرتی ہے اس کے علم وکمالات کا درجہ دوسرے اولیاء کے مقابل بہت بلند ہے۔ جب وہاں حاضری دو میرا سلام عرض کر دینا اور کہنا کہ مجھے دعا میں یاد رکھیں۔

روایت ہے کہ آپ نے خود فرمایا کہ پچیس سال کامل جنگلوں میں پیدل گھومتا رہا ہوں چالیس سال کامل عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی ہے اور پندرہ سال کامل نماز عشاء کے بعد ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر صبح سے پہلے تک ایک قرآن روز ختم کیا ہے۔ ایک رات میرے نفس نے سونے کی خواہش کی اور کہا کہ اگر کچھ دیر سو لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے۔ میں نے اس کی اس خواہش کو ذرا نہیں سنا اور اسی جگہ ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر ایک قرآن ختم کیا۔ نیند میرے سامنے مختلف صورتوں میں آتی اور میں غضب ناک لہجہ میں اس پر زجر و توبیخ کرتا پس نیند کافور ہو جاتی اور آپ نے فرمایا کہ چالیس چالیس دن کامل روزہ سے رہتا۔ عراق کے جنگل میں گیارہ سال عجمی برج میں رہا ہوں اور صرف میرے رہنے سے اس برج کا نام عجمی برج پڑ گیا۔ آپ کے صاحبزادہ شیخ عبدالرزاق نے بیان کیا کہ حضرت غوث اعظمؒ بیان فرماتے تھے کہ مجھے ایک کاغذ کی کے ہاتھ میں دے دیا گیا تھا۔ میں نے اپنی منتہائے نظر سے دیکھا کہ میرے اصحاب اور مرید قیامت کے دن اپنی نسبتوں کو میری طرف کر کے اصلاح چاہیں گے حکم ہوا کہ ان سب کو تیری وجہ سے میں نے بخش دیا۔

روایت ہے کہ حضرت غوث پاکؒ فرماتے تھے کہ خالق کی عزت و جلال کی قسم میں اپنے خدا کے سامنے سجدہ سے سر نہیں اٹھاؤں گا، جب تک میرے مریدوں کو میرے ساتھ جنت میں داخل ہونے کی اجازت نہ ملے گی اور آپ نے فرمایا کہ اگر میرا مرید مشرق میں ہوگا اور میں مغرب میں اور وہ برہنہ ہو جائے گا تو میں مغرب میں ہوتے ہوئے بھی اس کو دامن میں چھپا لوں گا۔

روایت ہے کہ شیخ عمران نے غوث اعظمؒ سے عرض کیا کہ اگر کوئی اپنے کو آپ کا مرید کہلوائے اور اس نے درحقیقت آپ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی ہو اور نہ آپ سے خرقہ پہنا ہو، ہم اس کو آپ کے مریدوں میں شمار کریں یا نہیں؟ حضرت نے جواب دیا کہ جو اپنی نسبت میری طرف کرے تو حق تعالیٰ اس کو قبول فرمائے گا۔ اس کے گناہوں کو معاف کرے گا اور میرے مریدوں میں ہی سمجھا جائے گا۔

روایت ہے کہ شیخ عمر بزارؒ نے حضرت غوث اعظمؒ سے کہا کہ حسین بن منصور حلاج سے لغزش ہوئی، اس کے زمانہ میں کوئی ایسا نہ تھا جو ان کی دستگیری کرتا، اگر میں ہوتا تو ضرور اس کی اعانت کرتا، میرے مریدوں میں جو بھی ادنیٰ لغزش کرے گا میں اس کی دستگیری کروں گا، یہ بڑی بشارت اور خوش نصیبی ہے ان کی جو حضرت کے مریدوں میں ہوں۔ جن کے پیر و مرشد

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط ۲۳

ترجمہ: اور تیرے رب نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ بجز اس کے اور کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

غوث اعظمؒ ہوں۔ جن کے امام ابوحنیفہ امام اعظم ہوں۔ جن کے پیغمبر خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، خوش نصیب ہیں وہ جن کو ایسی سعادت عظمٰی نصیب ہو اور اس بارگاہ سے نسبت ارادت و بندگی حاصل ہو۔ امید ہے کہ اس فقیر عاجز کو بھی اس درگاہ کے نیاز مندوں اور کمترین غلاموں سے ہونے کا شرف نصیب ہوگا اور حضرت پیر دستگیر کی توجہ اور عنایات سے دنیا اور آخرت میں نجات حاصل کرے گا اور حضرت کے مریدوں اور اس درگاہ کے متعلقین اور عقیدت مندوں میں شامل ہوگا۔

روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو مسلمان میرے مدرسہ میں آگیا ہے یا اس نے میری زیارت کی ہے عذاب قبر اور عذاب قیامت اس سے تخفیف کردیا جائے گا۔

نقل ہے کہ ہمدان سے ایک شخص خدمت غوث اعظمؒ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے والد کا انتقال ہوگیا ہے۔ اس کو میں نے خواب میں دیکھا اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے قبر میں عذاب دیا جارہا ہے۔ شیخ عبدالقادر کی خدمت میں جاکر دعا کی درخواست کرو۔ آپ نے دریافت کیا، کیا وہ میرے مدرسہ میں آیا ہے، عرض کیا بے شک۔ آپ خاموش ہوگئے۔ دوسرے دن وہ شخص پھر حاضر ہوا، عرض کیا رات میں نے والد کو خواب میں خوش و خرم دیکھا ہے اور سبز لباس پہنے ہوئے تھے اور فرماتے تھے کہ عذاب قبر دور کردیا گیا اور یہ خلعت شیخ کی برکت سے مجھے عطا ہوا ہے، تو ہمیشہ حضرت کی خدمت میں حاضری دیتا رہ، وہ آنکھیں خوش

نصیب ہیں جنہوں نے جمالِ جہاں آرا دیکھا، وہ کان سعادت مند ہیں جنہوں نے آپ کی آواز سنی۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جو آپ کے مدرسہ میں آیا۔

شیخ علی ہیتیؒ نے فرمایا کہ میں نے حضرت غوث پاکؒ کے طائفہ اور خرقہ سے زیادہ بابرکت کسی کا خرقہ اور طائفہ نہیں پایا اور کوئی دن میں نے ایسا متبرک اور مسعود اس دن سے زیادہ نہیں دیکھا جس دن میں نے جمالِ چہرہ حضرت غوث پاکؒ کا دیدار کیا۔

اہل یمن کا ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے یہ ارادہ کرلیا تھا کہ اہل یمن کے کسی بہتر شخص کی خدمت میں اسلام کی سعادت سے مشرف ہوں گا۔ خواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، وہ فرماتے ہیں کہ تو بغداد میں جاکر شیخ عبدالقادرؒ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کر کیوں کہ تمام روئے زمین پر ان سے بہتر اور کامل تر موجود نہیں۔

شیخ ابوعمرو بن مرزوقیؒ نے فرمایا کہ شیخ عبدالقادرؒ ہمارے شیخ اور امام ہیں جو شخص بھی اس زمانہ میں خدا کی راہ میں چلنا چاہتا ہے اور اس کو حال اور کوئی مقام حاصل ہوتا ہے وہ شیخ کی برکت سے حاصل ہوتا ہے اور وہی اس کے مقتدیٰ اور امام ہیں۔

حق تعالیٰ نے زمانہ کے اولیائے کرام سے عہد کرلیا ہے کہ وہ شیخ عبدالقادرؒ کے لیے ہر اس فیض کو قبول فرمائے گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کبار کو حاصل ہوا اور وہ فیض اب اس زمانہ کے اولیاء کو شیخ عبدالقادرؒ کے واسطہ سے ملے گا جس کو تمام اولیاء کے مراتب کا علم عطا ہوا ہے اور دوسروں کو شیخ کے درجہ ولایت کا کوئی صحیح علم نہیں اور اس طریقہ میں بجز رضائے الٰہی وسنت محمدی کے اور دوسری کوئی چیز نہیں ہے۔

حضرت غوث پاکؒ نے فرمایا کہ میں نے جنگلوں میں تنہا رہنے اور زندگی گزارنے کا عہد کیا تھا لیکن حق تعالیٰ نے مخلوق کی منفعتوں اور حاجتوں کو مجھ سے متعلق کر دیا اور اس وقت تک میرے ہاتھ پر ایک لاکھ آدمیوں نے بیعت کی ہے۔

شیخ ابومحمد محلیؒ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک دن میں شیخ عبدالقادرؒ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ کچھ عرصہ ان کی خدمت میں ٹھہرا رہا۔ جب مصر واپس جانے کا قصد کیا، آپ سے اجازت طلب کی، فرمایا کہ دیکھو کبھی کوئی چیز کسی سے ہرگز طلب نہ کرنا۔ اپنی انگشت مبارک میرے منہ میں رکھی اور فرمایا اس کو بار بار چوسو، میں نے ایسا ہی کیا۔ بغداد سے مصر تک راستہ میں مجھے بھوک و پیاس کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور جسم میں پہلے سے زیادہ قوت محسوس کرنے لگا۔

شیخ ابوالمظفر اسماعیل سے نقل ہے کہ ایک مرتبہ شیخ علی ہیتیؒ بیمار ہوئے۔ حضرت غوث پاکؒ ان کی عیادت کو تشریف لائے، اس جگہ دو کھجور کے درخت سوکھ گئے تھے۔ چار سال سے ان میں پھل بھی نہیں آتا تھا۔ حضرت نے ان درختوں کے نیچے بیٹھ کر وضو فرمایا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ ایک ہی ہفتہ میں دونوں درخت سرسبز و شاداب ہو گئے اور پھل آ گیا۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص حاضر خدمت ہوا۔ عرض کیا میری بیوی حاملہ ہے۔ مجھے لڑکے کی تمنا ہے، فرمایا انشاء اللہ ہوگا۔ جب بچہ ہوا تو وہ لڑکی تھی اس کو لیے ہوئے وہ شخص خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضرت یہ لڑکی پیدا ہوئی ہے، فرمایا گھر میں آ جاؤ اور اس کو کپڑے میں لپیٹ لو اور دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر میں کیا دیکھا کہ وہ لڑکا تھا۔

شیخ ابوالمسعودؒ سے نقل ہے کہ حضرت غوث صمدانیؒ فرماتے تھے کہ آفتاب و ماہتاب طلوع ہوتے ہی مجھے سلام کرتے ہیں۔ اسی طرح سال، مہینہ، ہفتہ اور دن مجھے سلام کرنے حاضر ہوتے ہیں اور جو کچھ خیر و شر ان میں خدا کی طرف سے مقدر ہو چکا ہوتا ہے، مجھے بتاتے ہیں۔

حضرت غوث اعظمؒ کے صاحبزادے شیخ سیف الدین عبدالوہاب نے فرمایا کہ ہر مہینہ آنے سے پہلے میرے والد کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اگر اس ماہ میں سختی اور شر مقدر ہوتا تو وہ بری صورت میں ظاہر ہوتا، اگر اس میں خوشحالی اور خیر مقدر ہوتیں تو وہ بہتر شکل میں نمودار ہوتا۔

۵۶۰ھ جمادی الآخر کے مہینہ میں جمعہ کے دن مشائخ کی ایک جماعت خدمت حضرت شیخ میں بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک خوبصورت نوجوان حاضر ہوا اور عرض کیا السلام علیک ولی اللہ میں مہربان مہینہ آیا ہوں کہ آپ کو مبارکباد پیش کروں اور میرے اندر کوئی شر اور سختی مقدر نہیں کی گئی۔ کہتے ہیں کہ آئندہ ماہ رجب میں بجز خیر و خوبی کے کوئی تنگی و تلخی لوگوں نے نہیں دیکھی۔

جب یکشنبہ کو رجب کے آخر میں ایک شخص کریہ المنظر خدمت میں حاضر ہوا اور آ کر سلام عرض کیا۔ السلام علیک یا ولی اللہ میں ماہ شعبان ہوں آپ کو مبارکباد اور سلامی کے لیے حاضر ہوا ہوں، میرے اندر باشندگان بغداد کے حق میں اموات اور ملک حجاز میں گرانی اور خراسان میں قتل و غارت گری مقدر کی گئی ہے۔ جب ماہ شعبان آیا تو جو کچھ اس نے کہا تھا، ٹھیک ٹھیک نکلا اور آپ ماہ رمضان میں کچھ عرصہ بیمار ہوئے، پیر کے دن ۲۹ رمضان کو شیخ علی ہیتیؒ، شیخ نجیب الدین سہروردی وغیرہ جیسے مشائخ کبار کی جماعت خدمت میں حاضر تھی، ایک شخص

مؤدبانہ خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا السلام علیک یا ولی اللہ میں رمضان کا مہینہ ہوں، آپ کی خدمت میں معذرت کرنے حاضر ہوا ہوں کیونکہ آپ سے میری آخری ملاقات ہے، ربیع الآخر سال دوم میں آپ کا وصال ہو گیا اور دوبارہ ماہِ رمضان زندگی میں نہ آسکا۔

آپ کی وفات شریف شنبہ کو بعد نماز عشاء ۸ یا ۹ ربیع الآخر ۵۶۱ھ کو واقع ہوئی۔ ایک روایت میں تاریخ وفات ۱۱ ربیع الآخر تھی اور بعض میں ۱۳ اور بعض روایت میں ۱۷ لیکن راجح قول ۹ ربیع الآخر ہے۔ آپ کی عمر شریف مطابق بقول اول سال ولادت نوے سال ۷ ماہ نو دن کی تھی اور دوسرے قول کے مطابق ۸۹ سال ۷ ماہ اور نو دن، ہندوستان میں آپ کا عرس شریف ۱۱ ربیع الآخر اور بعض ۱۷ کو کرتے ہیں۔ بغداد شریف میں ۱۷ کو عرس ہوتا ہے۔ یہ احقر حضرت کا عرس ۹ ربیع الآخر کی شب کو کرتا ہے کیونکہ زیادہ صحیح یہی تاریخ بتائی جاتی ہے۔

نقل ہے کہ وفات کے دن بہت سے مشائخ حاضر تھے۔ شیخ عبدالوہاب آپ کے صاحبزادے نے وصیت کرنے کی درخواست کی، فرمایا عليك بتقوى الله وطاعته الله کی اطاعت اور خاص اس کے لیے پرہیز گاری اختیار کرو۔ ولا تخف احد اولا ترج خوف اور امید بجز حق تعالیٰ کے اور کسی سے نہ رکھو وكل الحوائج الى الله واطلبو الله تمام ضرورتوں کو خدا کے سپرد کرو اور اس سے ہی طلب کرو لا تتق باحد سوى الله بجز اللہ تعالیٰ کے کسی پر اعتماد نہ کر خذ التوحيد التوحيد اجماع الكل توحید خالص کو لازم پکڑ کیونکہ اس پر تمام مشائخ و سادات کا اتفاق ہے۔ پھر اپنی اولاد سے جو حضرت کے چاروں طرف موجود تھے، فرمایا اٹھو، جگہ دو اور ان کا ادب کرو، رحمت خداوندی برس رہی ہے، جگہ تنگ نہ کرو اور بار بار علیک السلام ورحمۃ اللہ فرماتے تھے۔ ایک رات دن ان کلمات کو بار بار فرماتے تھے کہ انا لا ابالي بشئي ولا بملك الموت مجھے کسی چیز کی پروا نہیں نہ ہی میں ملک الموت سے ڈرتا ہوں۔

آپ کا مزار مبارک مدرسہ باب الازخ میں ہے جو شہر بغداد میں ہے۔ شیخ ابوسعید مخزومی کو برار و تبرکات خود بہ نفس نفیس حضرت غوث اعظمؒ نے اپنی حیات میں عطا کر دیے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس طرح تمام عالم پر حیات میں تصرفات عطا فرمائے تھے وفات کے بعد قبر مبارک میں بھی اسی طرح تصرفات عطا فرمائے تھے۔ چنانچہ امام عبداللہ یافعیؒ نے فرمایا ہے کہ جو صاحب حال بغداد میں آئے اور حضرت غوث اعظم محبوب سبحانیؒ کی خدمت میں حاضری نہ دے تو اس کا حال سلب ہو جاتا ہے۔

شیخ عبدالوہاب اور شیخ عبدالرزاق سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت والد بزرگوار مدرسہ باب الازخ میں دودھ نوش فرمارہے تھے کہ دودھ پیتے پیتے چھوڑ دیا اور بہت دیر تک غائب رہے اور پھر تشریف لے آئے اور فرمایا کہ ستر بڑے بڑے عالم لدنی کے دروازے میرے قلب پر کھول دیے گئے جن کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے۔ایک دن فرمایا کہ مشرق ومغرب، تری وخشکی (بحروبر) اور پہاڑ سب نے میری عظمت وبڑائی تسلیم کرلی اور کوئی ولی باقی نہیں جس نے اس وقت مجھے نہ مانا ہو۔

شیخ عمر بزارؒ نے فرمایا کہ غوث اعظمؒ نے فرمایا کہ جو پریشانی میں مجھ سے مدد طلب کرتا ہے میں اس کی پریشانی کو دور کرتا ہوں اور جو شدت کے وقت مجھے پکارتا ہے میں اس کو شدت سے نجات دیتا ہوں۔شیخ ابوعمر وصدیقی اور شیخ ابومحمد عبدالحق نے فرمایا کہ ایک مرتبہ منگل کے دن ۳ رصفر کو ہم حضرت کی خدمت میں مدرسہ میں حاضر تھے۔پس حضرت نے اٹھ کر وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کی، جب نماز سے فارغ ہوئے ایک پرجلال بلند نعرہ لگایا اور نعلین چوبی جو آپ پہنے ہوئے تھے، ان میں سے ایک نعل مبارک ہوا میں پھینکی وہ نعل مبارک ہوا میں جاکر غائب ہوئی پھر دوسری نعل بھی ہوا میں پھینک دی، وہ بھی ہوا میں غائب ہوگئی اور خود آنحضرت بیٹھ گئے، کسی کو سوال کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔۲۳ دن کے بعد بلادعجم سے ایک قافلہ آیا، اس نے کہا ہم کو حضرت کی نذر پیش کرنی ہے۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان سے ایک من ریشم اور ریشمی کپڑے اور سونا قبول کرلو۔پھر ان لوگوں نے حضرت کی نعلین مبارک لاکر رکھ دی۔حضرت نے پوچھا تم کو یہ نعلین کہاں ملیں۔عرض کیا منگل ۳ رصفر ہم راستہ میں تھے اچانک ڈاکوؤں نے حملہ کردیا اور قافلہ میں لوٹ مار شروع کردی۔بعض کو قتل کردیا۔مال ومتاع لے کر واپس چلے گئے۔کسی وادی میں پہنچ کر مال تقسیم کرنے کے لیے اترے۔ہم نے دل میں سوچا کہ اس وقت ہم حضرت شیخ غوث اعظمؒ کو یاد کریں۔فوراً ہم نے حضرت کے لیے نذر مانی۔پھر ہم نے دو نعروں کی آواز سنی جس کی ہیبت سے تمام وادی گونج اٹھی۔پھر دیکھا کہ پریشان اور عاجزانہ دو ڈاکو ہماری طرف آئے۔ہم نے خیال کیا کہ شاید ڈاکوؤں کا دوسرا گروہ ہمیں لوٹنے آرہا ہے۔ہم نے آپس میں یہ طے کیا کہ لاؤ سب مال جمع کریں اور دیکھیں کہ کیا مصیبت ہم پر آئی ہے۔ہم نے دیکھا کہ ان کے دو سردار مرے پڑے ہیں اور یہ دونوں جوتیاں پانی میں تران کے قریب پڑی ہیں انہوں نے ہمارا سب مال واپس کیا اور کہنے لگے کہ یہ کوئی بڑا معاملہ ہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص غوث اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بیوی کو مرگی کی شکایت ہے۔ بڑے سے بڑا علاج اور جھاڑ پھونک کرائی، کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ حضرت نے فرمایا اگر اب دورہ پڑے تو اپنی بیوی کے کان میں کہہ دینا۔ اے جانس شیخ عبدالقادر بغداد میں مقیم ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تو باز نہ آئے گا تو تجھ کو ہلاک کردیں گے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا جیسا مجھ سے کہا گیا، پھر میری بیوی کو کبھی دورہ نہیں ہوا۔ امام عبداللہ یافعیؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے بغداد میں پھر کوئی اس بیماری میں مبتلا ہی نہیں ہوا۔ آپ کے وصال کے بعد لوگ ضرور اس بیماری میں مبتلا ہوئے۔

ایک دن ایک بوڑھی عورت غوث اعظمؒ کی خدمت میں اپنے لڑکے کو لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرے لڑکے کو حضرت سے کمال محبت اور عقیدت ہے۔ میں اس پر سے اپنا ذمہ اٹھاتی ہوں اور حضرت کی خدمت کے لیے اس کو آزاد کرتی ہوں۔ حضرت نے خدا کے لیے اس کو قبول فرمالیا اور مجاہدات و ریاضت کی تعلیم دی۔ چند دن بعد وہ بوڑھی عورت اپنے بیٹے سے ملنے آئی۔ دیکھا کہ جو کی روٹی کھا رہا ہے اور رنگ زرد ہو گیا ہے اور کم خوابی و بیداری کی وجہ سے نحیف و لاغر ہو گیا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ حضرت کی خدمت میں گئی۔ ایک پلیٹ میں مرغ کی ہڈیاں تھیں جو حضرت تناول فرما چکے تھے۔ بڑھیا نے کہا اے شیخ آپ مرغ کا گوشت کھائیں اور میرا لڑکا جو کی روٹی۔ حضرت نے اپنا دست مبارک ہڈیوں پر رکھ کر فرمایا قومی باذن الذی یحیی العظام وھی رمیم اس ذات کے حکم سے جو بوسیدہ ہڈیوں میں جان ڈالتا ہے، تم اٹھ کر کھڑی ہو جاؤ، وہ مرغ زندہ ہو گیا اور اذان دینا شروع کی۔ حضرت غوث اعظمؒ نے اس بڑھیا سے فرمایا جب تیرا لڑکا اس قابل ہو جائے گا تو جو تو چاہے گی وہی کھائے گا۔

جاننا چاہیے کہ اس آفتاب شریعت محبوب سبحانی کا درجہ اور مرتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ اس کو بیان کیا جائے یا لکھا جائے اور ایک میں عاجز کیا مجھ جیسے ہزار لکھنے والے اور بیان کرنے والے بھی عاجز ہیں۔ یہاں جو کچھ آپ کی ذات ستودہ صفات کے متعلق لکھا گیا ہے آپ کے کمالات و کرامات کے ہزارواں حصہ سے بھی بہت کم ہے۔ آپ کے کمال مرتبہ کو سمجھنے کے لیے بس یہی ایک بات کافی ہے کہ آپ محبوبانِ الٰہی کے گروہ کے سردار ہیں۔ جیسا کہ شیخ جمال العارفین ابو محمد بن عبداللہ بصری سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے خضر علیہ السلام سے ملاقات کی۔ میں نے ان سے کہا اولیائے کرام کا کوئی بہت ہی عجیب قصہ بیان

کیجئے جو آپ کو پیش آیا ہو۔ فرمایا ایک مرتبہ میں بحرِ محیط سے گزر رہا تھا، وہاں کسی آدمی کا گزر نہیں تھا۔ دیکھا کہ ایک شخص کمبل اوڑھے لیٹا ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ ضرور ولی ہوگا، میں نے اس سے کہا کہ اٹھیے اور عبادت کیجئے۔ انہوں نے اٹھ کر کہا اے ابوالعباس! جاؤ اور اپنے نفس کو مشغول رکھو۔ میں نے پوچھا آپ نے مجھے کیسے پہچانا کہا تم خضر ہو یا نہیں۔ لیکن یہ بتاؤ کہ میں کون ہوں؟ میں نے اپنے خدا سے عرض کیا اے خدا! میں اولیاء کا نقیب ہوں اور میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟ غیب سے آواز آئی کہ اے ابوالعباس! تو بیشک اولیاء کا نقیب ہے۔ مگران اولیاء کا جو مجھ سے محبت کرتے ہیں لیکن یہ شخص اس گروہ سے ہے جن کو میں چاہتا ہوں۔ اس شخص نے میری طرف منہ کیا اور کہا اے ابوالعباس! سنا، میں نے کہا بیشک آپ میرے حق میں دعا فرمائیں۔ کہا کہ میں تم سے دعا کا طالب ہوں، میں نے کہا کہ میں اس قابل نہیں۔ معذور ہوں۔ فرمایا وفرك الله نصيبك منه میں نے عرض کیا اور زیادہ دعا کیجئے۔ پس اتنے میں آپ میری نظر سے غائب ہوگئے۔ حالانکہ کوئی ولی میری نظر سے غائب نہیں ہوسکتا۔ وہاں سے آگے گیا۔ ریت کے ایک بہت اونچے ٹیلے پر ایک نور دیکھا کہ نگاہ جس سے خیرہ ہوتی تھی۔ دیکھا کہ وہاں ایک عورت ایک نیا کمبل اوڑھے سو رہی ہے۔ جس کا کمبل اس مرد کا جیسا کمبل ہے، میں نے چاہا کہ اس کے پاؤں چھو کر اس کو بیدار کروں۔ آواز آئی، ادب سے رہو اور ان کا احترام کرو جن کو ہم دوست رکھتے ہیں۔ پس تھوڑی دیر میں بیٹھا۔ جب وہ بیدار ہوئے تو اس نے کہا الحمد لله الذی احیانی بعد ما اماتنی والیه النشور الحمد لله الذی الننی وادحثنی عن خلقه پھر اس عورت نے مجھ سے کہا اے ابوالعباس! اگر منع کرنے سے پہلے تم ادب سے رہتے تو بہتر تھا۔ میں نے کہا آپ کو خدا کی قسم آپ اس شخص کی بیوی ہیں۔ کہا ہاں، یہاں ابدال میں سے ایک عورت ابدال کا وصال ہوگیا تھا۔ خدا نے اس کے غسل و تجہیز و تکفین کے لیے یہاں بھیجا تھا۔ جب میں اس سے فارغ ہوگئی تو اس کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔ میں نے کہا دعا کیجئے، فرمایا اے ابوالعباس! میں تم سے دعا کی طالب ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ میں مجبور ہوں۔ کہا وفرك الله نصيبك منه میں نے کہا اور زیادہ دعا کریں۔ فرمایا اگر میں نظر سے غائب ہو جاؤں تو ملامت نہ کرنا۔ یہ کہا اور غائب ہوگئیں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ اس قسم کے خدا کے محبوبین کے گروہ کے بھی سردار ہوتے ہوں گے۔ فرمایا کہ ہاں، پھر میں نے پوچھا کہ ہمارے زمانے میں کون ہے۔ فرمایا، شیخ عبدالقادرؒ۔

اس بارے میں اس فقیر نے کہا ہے۔

عاشق یار خویش جملہ جہاں
اے خوش آنکس کہ یار عاشق اوست

صاحب فتوحات لکھتے ہیں کہ مفردان ایک ایسی جماعت ہے جو قطب کے دائرہ سے باہر ہے اور حضرت خضر علیہ السلام ان میں سے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے قبل اس جماعت سے تھے۔

حضرت غوث پاکؒ کے یہ حالات وکرامات جو لکھے گئے ہیں۔ ان کی نسبت ہزار میں سے ایک کی بھی نہیں۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ، امام عبداللہ یافعیؒ کی تاریخ سے نفحات الانس میں لکھتے ہیں کہ حضرت غوث اعظمؒ کی کرامات احاطہ تحریر وتقریر میں نہیں آسکتی ہیں۔ ائمہ کرام نے مجھے بتایا ہے کہ آپ کی کرامات تواتر سے ہم تک پہنچی ہیں اور یہ ثابت ہوگیا ہے کہ آپ سے جن کرامات کا ظہور ہوا ہے کسی مشائخ سے نہیں ہوا۔ آپ کی حیات مبارکہ میں جو کرامات ظاہر ہوئیں اور جو بعد کو دیکھنے میں آئیں اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک دفتر چاہیے۔ اس لیے اختصاراً اتنا لکھ دیا ہے یہ کرامات جو ظاہر ہوئیں اور ہوتی رہیں گی۔ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا اثر ہے۔ جیسا کہ عبدالرحمٰن جامیؒ نے فرمایا:

از ولی خارقی کہ مسموع است
معجزۂ آل نبی متبوع است

پہلی شب کو جب اس حقیر اور ادنیٰ مرید نے غوث پاکؒ کا تذکرہ لکھنا شروع کیا تو درحقیقت اپنے کو بغداد میں حضرت کے گنبد شریف میں حضرت موسیٰ کاظم وحضرت غوث اعظمؒ کے مزار کے طواف میں مشغول پایا۔ گویا اس کار عظیم کی برکت سے یہ سعادت مندی احقر کو حاصل ہوئی پس یقین ہوگیا اور دل میں خوش ہوگیا کہ میری یہ تحریر قبول ہوگئی۔ اللہ کا شکر ادا کیا۔

حضرت غوث الثقلین کے دس صاحبزادوں میں پہلے شیخ سیف الدین عبدالوہابؒ

آپ سب میں بڑے صاحبزادہ تھے۔ علوم ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد سے تحصیل

کئے اور تمام علوم میں آپ کو پوری مہارت اور عبور حاصل تھا۔ حضرت کی وفات کے بعد مدرسہ میں وعظ فرمایا کرتے تھے اور آپ کے فیض صحبت وتقریر سے خلق خدا مستفیض ہوتی تھی۔

آپ سے نقل ہے کہ ایک مرتبہ بلاد عجم میں سفر کر رہا تھا اور تمام قسم کے علوم وفنون حاصل کر کے بغداد واپس آیا اور حضرت والد سے موجودگی میں وعظ کہنے کی اجازت طلب کی۔ اجازت مل گئی۔ منبر پر اپنے علوم کی روشنی میں عالمانہ تقریر کی۔ کسی کے دل پر ذرا اثر نہیں ہوا اور کسی کے دل پر ادنٰی رقت طاری نہیں ہوئی۔ نہ کسی کی آنکھ سے آنسو جاری ہوئے۔ حاضرین نے قبلہ والد صاحب سے کچھ دیر وعظ کرنے کی درخواست کی۔ میں منبر سے نیچے اتر آیا اور والد صاحب منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ شجاعت صبر کی ایک گھڑی ہے۔ بس یہی ایک کلمہ آپ نے فرمایا تھا کہ اہلِ مجلس نے آہ وبکا شروع کیا۔ میں نے والد صاحب سے اس کا سبب دریافت کیا۔ فرمایا تو اپنے نفس سے مخاطب تھا اور میں غیر سے مخاطب تھا۔

شیخ سیف الدین کی ولادت ماہ شعبان ۵۱۲ھ میں ہوئی اور وفات ۲۵ رشوال ۶۰۳ھ کو ہوئی۔ آپ کا مزار بغداد میں ہے۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے، شیخ ابو منصور عبد السلام اور

شیخ ابوالفتح سلیمان۔آپ عالم باعمل تھے۔

شیخ شرف الدین عیسیٰؒ

کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔آپ حضرت غوث اعظمؒ کے صاحبزادہ ہیں۔علوم کی تحصیل والد صاحب سے کی۔ پھر حدیث وفقہ کا درس اور خلق خدا کو وعظ ونصیحت کرنا شروع کیا۔علم تصوف کے حقائق ومعارف پر آپ کی مشہور تصنیف کتاب جواہر الاسرار ہے اور حضرت غوث اعظمؒ نے کتاب فتوح الغیب آپ کے لیے تصنیف فرمائی۔آپ کی وفات ۵۷۳ھ میں مصر میں ہوئی۔

شیخ شمس الدین عبدالعزیزؒ

آپ کی کنیت ابوبکر ہے۔آپ حضرت غوث اعظمؒ کے صاحبزادہ ہیں۔آپ نے بھی علوم ظاہری و باطنی اپنے والد صاحب سے حاصل کیے اور آپ کی صحبت سے بہت فیض و برکات حاصل ہیں۔آپ سنجار کی طرف ہجرت فرما کر چلے گئے تھے اور وہیں آپ نے سکونت اختیار کرلی۔

شیخ تاج الدین ابوبکر عبدالرزاق قدس سرہٗ

آپ کی کنیت عبدالرحمٰن اور ابوالفرح ہے۔آپ حضرت غوث اعظمؒ کے صاحبزادہ ہیں۔علوم کی تحصیل والد ماجد سے کی، ملک عراق میں آپ مفتی مقرر ہوئے۔آپ کو علوم پر بڑی قدرت حاصل تھی۔رسالہ جلاء الخاطر جو ملفوظات حضرت غوث اعظمؒ والد ماجد پر مشتمل ہے۔آپ کی تصنیف ہے۔اس رسالہ میں تحریر ہے کہ حضرت غوث اعظمؒ نے فرمایا کہ طامع (لالچی) تہی دامن اور محروم رہتا ہے جیسے لفظ طمع کے حروف نقاط سے خالی ہیں۔آپ کا مزار بغداد میں ہے۔

حضرت شیخ ابواسحاق ابراہیم قدس سرہٗ

حضرت غوث اعظمؒ کے صاحبزادہ ہیں۔آپ اولیاء واتقیاء کے سردار اور بزرگ تھے، علوم ظاہری و باطنی اپنے والد صاحب سے حاصل کیے اور آپ کی صحبت سے فیوض و برکات

حاصل ہیں۔ آپ پر عالمِ تفکر اور سکوت غالب تھا۔ زہد وتقویٰ میں بلند درجہ کے مالک تھے۔ تیس سال تک آپ نے اپنا سر بلند نہیں کیا۔ آپ کی ولادت ۵۲۸ھ میں ہوئی۔ وفات ۲ رشوال ۶۲۳ھ کو ہوئی۔ آپ کی قبر مبارک والد بزرگوار کی قبر مبارک کے قریب ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لیے آپ باہر تشریف لائے اور میں اپنے دو بھائیوں کے ساتھ والد کے ساتھ تھا۔ میں نے دیکھا کہ بادشاہ کے لیے تین بار شراب لے جائی گئی جس سے بدبو آرہی تھی۔ سپاہی بھی ساتھ تھے۔ حضرت نے کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ وہ کھڑے ہوگئے۔ جانوروں کو تیز تیز ہانکنا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا ٹھہرو۔ سب نے فریاد کی اور اسی جگہ ٹھہر گئے۔ ہر چند کے سپاہی ان جانوروں کو مارتے تھے وہ جگہ سے حرکت نہ کرتے تھے اور اتنے میں سپاہیوں کے پیٹ میں قولنج کا درد شروع ہوگیا اور زمین پر گر پڑے اور تڑپنے لگے اور سب نے توبہ کرنا اور فریاد کرنا شروع کی اور درد بند ہوگیا۔ شراب سرکہ میں تبدیل ہوگئی، آپ مسجد میں تشریف لے گئے۔ یہ خبر بادشاہ کو ہوئی تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام محرمات شرعیہ سے توبہ کی۔

روایت ہے کہ ایک دن شیخ عبدالرزاق نے اپنے والد کی خدمت میں آسمان پر مردان غیب کو جاتے دیکھا تو ڈر گئے۔ حضرت غوث اعظمؒ نے فرمایا کہ ڈرو نہیں۔ رجال الغیب ہیں اور تو بھی انہی سے تعلق رکھتا ہے۔

آپ کے پانچ لڑکے تھے۔ شیخ ابوصالح نصر، شیخ ابوالقاسم عبدالرحیم، شیخ ابومحمد اسماعیل، شیخ ابوالمحاسن فضل اللہ اور شیخ جمال اللہ کہ حضرت غوثِ اعظمؒ سے بہت مشابہ تھے۔ سب نے اپنے چچا شیخ عبدالوہابؒ کی خدمت میں علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کی۔ ہر ایک کامل اور مشہور زمانہ ہوئے۔

حضرت شیخ ابوالفضل محمد قدس سرہٗ

حضرت غوث اعظمؒ کے صاحبزادہ ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل والد صاحب قبلہ سے کی اور درجہ کمال پر پہنچے۔ آپ کی وفات بغداد میں ۲۵ رذی قعدہ ۶۰۰ھ کو ہوئی۔

حضرت شیخ ابو عبدالرحمٰن عبداللہؒ

آپ حضرت غوث اعظمؒ کے صاحبزادہ ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل والد صاحب قبلہ سے کی اور اپنے وقت کے محدث وفقیہ گزرے ہیں۔ آپ کی وفات ۲۷/ماہ صفر ۵۸۷ھ کو ہوئی۔ آپ کی قبر بغداد میں ہے۔ آپ کے دو صاحبزادے ہوئے۔ شیخ ابو محمد عبدالرحمٰن اور دوسرے شیخ ابو محمد عبدالقادر، آپ کی کنیت اور نام اپنے جد امجد کے موافق تھا۔ تمام علوم والد صاحب قبلہ اور چچا عبدالرزاق سے حاصل کیے اور اپنے عہد کے عالم وکامل گزرے ہیں۔

حضرت شیخ ابو زکریا یحییٰؒ

حضرت قطب ربانی غوث اعظمؒ کے صاحبزادہ ہیں۔ علم فقہ وحدیث اپنے والد ماجد سے حاصل کیے اور اپنے وقت کے فاضل وکامل گزرے ہیں۔ آپ کی ولادت ۶/ربیع الاول ۵۵۰ھ میں ہوئی۔ وفات شب برات ۶۰۰ھ کو ہوئی۔

آپ کا مزار بغداد شریف میں اپنے بھائی شیخ عبدالوہاب کے مزار سے متصل ہے۔

شیخ ابو نصر موسیٰ قدس سرہٗ

حضرت غوث اعظمؒ کے آخری فرزند ہیں۔ تحصیل علوم والد صاحب سے کی۔ زمانہ کے بڑے فقیہ ومحدث اور عارف کامل گزرے ہیں۔ آپ کی ولادت ربیع الاول کے آخر میں ۵۳۸ھ کو ہوئی۔ آپ نے دمشق میں جا کر اقامت اختیار کی اور وہیں جمادی الآخر کی پہلی تاریخ ۶۰۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کی قبر بھی دمشق میں ہے۔ غوث اعظمؒ کے بواسطہ اور بے واسطہ مریدوں کی تعداد شمار سے بہت زیادہ ہے۔ خصوصاً ہندوستان کے اطراف میں اکثر مسلمان اس سلسلہ عالیہ سے بیعت ہیں اور کفار ومشرکین بھی آپ سے حسن عقیدت رکھتے ہیں۔ چنانچہ عام طور پر جمعہ کی شب کو مسلمان اور غیر مسلمان سب آپ کی نذر وفاتحہ کرتے ہیں۔

حضرت شیخ علی بن ہیتیؒ

بطائح کے مشائخ کبار میں آپ کا شمار ہے۔ شیخ تاج العارفین ابوالوفا سے بیعت ہیں

اور آپ شیخ ابو محمد شنبکی سے اور وہ شیخ ابو بکر بن مرار سے حضرت غوث اعظمؒ کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے اور صحبت سے فیض اٹھاتے، جس وقت کہ حضرت غوث اعظمؒ قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله فرمایا تھا۔ پہلا وہ شخص جس نے منبر پر جا کر حضرت کا قدم مبارک اپنی گردن پر رکھا اور آپ کے دامن کے نیچے آ کر اس سعادت سے مشرف ہوا، وہ آپ ہی کی ذات مبارک تھی۔ نقل ہے کہ ایک دن حضرت غوث اعظمؒ وعظ فرما رہے تھے۔ شیخ علی ہیتیؒ آپ کے قریب بیٹھے تھے، نیند آنے لگی، حضرت غوث نے اہل مجلس سے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ اور آپ بہ نفس نفیس منبر سے نیچے آئے اور شیخ کے سامنے ادب سے کھڑے ہو گئے اور ان کی طرف متوجہ تھے۔ جب شیخ علی ہیتیؒ بیدار ہوئے۔ حضرت غوث اعظمؒ نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، کہا جی ہاں، فرمایا میں آنحضرتؐ کے احترام میں مؤدب کھڑا تھا۔ پھر پوچھا کن باتوں کی وصیت فرمائی۔ کہا آپ کی صحبت میں رہنے کی۔

اس کے بعد شیخ علی سے لوگوں نے غوث اعظمؒ کے اس قول کی وضاحت چاہی جو آپ نے فرمایا تھا ''کہ من از برائے آں بادب ایستادہ بودم'' فرمایا جو کچھ میں خواب میں دیکھ رہا تھا حضرت غوث اعظمؒ اس کو عالم بیداری میں دیکھ رہے تھے۔

حضرت غوث اعظمؒ آپ کی بے حد تعریف فرماتے تھے اور اکثر فرماتے کہ جو بھی اولیاء اللہ عالم غیب و شہود سے بغداد میں آئے گا وہ میرا مہمان ہے لیکن میں شیخ علی بن ہیتیؒ کا مہمان ہوں، جب کبھی علی ہیتیؒ زریران سے جہاں وہ مقیم تھے حضرت غوث اعظمؒ کی خدمت میں جاتے اپنے مریدوں کو غسل کرنے کا حکم فرماتے اور خود بھی غسل فرماتے اور مریدوں سے کہتے کہ حضرت کی خدمت میں مؤدب اور ہوشیار رہا کرو اور یہ خیال کر کے جاؤ کہ سلطان المشائخ کی بارگاہ میں جاتے ہیں اور جب حضرت غوث اعظمؒ کی خدمت میں پہنچتے تو حضرت غوث اعظمؒ فرماتے کہ تم عراق کے اکابر مشائخ سے ہو کیوں تکلیف کرتے ہو، شیخ علی ہیتیؒ فرماتے کہ بادشاہ عراق تو آپ ہیں آپ کی زیارت کو حاضر ہوتے ہیں اور جب آپ امان دیں گے تو ہم مطمئن ہوں گے، حضرت غوث اعظمؒ فرماتے لا خوف علیکم تم پر کوئی خوف نہیں ہے۔

نقل ہے کہ ایک دن آپ نہر پر گئے اور دیکھا کہ وہاں کے باشندے ایک مردہ کے سرہانے کھڑے ہوئے جھگڑا کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اے اللہ کے بندے! یہ شخص اٹھ گیا اور آنکھیں کھول دیں اور کہا کہ فلاں بن فلاں نے مجھے قتل کیا ہے۔ حاضرین نے خود



اس ماجرے کو دیکھا۔ وہ یہ کہہ کر گیا اور جا کر مر گیا۔ شیخ علی ہیتیؒ کی کرامات میں لکھا ہے کہ اگر شیر کسی پر حملہ کرتا اور آپ کا نام لے لیا جاتا تو شیر واپس چلا جاتا۔

آپ کی وفات ۵۶۰ھ کو ہوئی، آپ کی عمر ۱۲۰ سال ہوئی۔ قبر مبارک مقام زریران میں ہے۔

حضرت شیخ ابو عمرو صریفی قدس سرہٗ

آپ کا نام عثمان ہے اور حضرت غوث اعظمؒ کے مرید تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ میرے کام کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ایک رات میں لیٹا ہوا تھا آسمان کی طرف نظر کر رہا تھا کہ آسمان پر پانچ کبوتر جاتے دکھائی دیئے۔ ایک پڑھتا جا رہا تھا سبحان من عنده خزائن کل شئی وما ننزله الا بقدر معلوم دوسرا پڑھتا تھا سبحان من اعطی کل شیئی خلقه ثم هدی تیسرا کبوتر پڑھتا جاتا تھا سبحان من بعث الانبیاء حجة علی خلقه وفضل علیهم محمدا چوتھا کبوتر پڑھتا جاتا تھا کل مافی الدنیا باطل الا ما کان لله ورسوله پانچواں کبوتر پڑھتا جاتا تھا اهل الغفلة عن مولاکم قوموا الیٰ ربکم رب کریم یعطی الجزیل ویغفر الذنب العظیم یہ سن کر میں بے خود ہو گیا۔ ہوش میں آیا تو دنیا و مافیہا کی محبت

میرے قلب سے نکل چکی تھی۔ صبح ہوئی تو میں نے خدا سے عہد کیا کہ کسی کامل ہستی کی خدمت میں جاؤں کہ مجھے ہدایت ہو، چل دیا، نہیں معلوم تھا کہ کس طرف جاؤں۔ اچانک ایک پر وضع باہیبت و باوقار شخص سامنے آیا اور کہا السلام علیک یا عثمان، میں نے سلام کا جواب دیا اور قسم دے کر پوچھا کہ آپ کون ہیں اور میرا نام کیسے معلوم ہوا؟ کہا میں خضر ہوں اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے مجھے طرفین میں تمہارے پاس دوڑ جانے کا حکم فرمایا، آپ کو سات آسمان کے اوپر سے ندا آئی کہ مرحبا بك عبدی اس شخص نے اپنے خدا سے عہد کیا کہ وہ کسی کامل شخص کی سپرد اپنے کو کردے وہاں جاؤ اور اس کو میرے پاس لاؤ اس لیے مجھے تمہارے پاس آنے کا حکم دیا ہے۔ پس اے عثمان! تم عبدالقادر سید العارفین کی خدمت میں ابھی جاؤ اور ان کی خدمت و احترام کرو میں ابھی روانہ نہیں ہوا تھا کہ اپنے کو بغداد میں پایا اور حضرت خضرؑ غائب ہو گئے۔ میں خود حضرت غوث اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا خوش آمدید عثمان جلد خداتعالیٰ تجھے مرید عطا کرے گا جس کا نام عبدالغنی بن نقطہ ہوگا اور اولیاء میں اس کا سر بلند مرتبہ ہوگا، فرشتوں کے مقابلہ خداتعالیٰ اس پر فخر فرمائے گا۔ پھر میرے سر پر طاقیہ رکھا جس کی ٹھنڈ میرے دماغ میں پہنچ گئی اور پھر دل پر اس کا اثر ہوا اور میرے دل پر عالم ملکوت منکشف ہو گیا۔ میں نے سنا ہے کہ دنیا اور جو کچھ اس دنیا میں ہے سب خدا کی تسبیح اپنی اپنی بولی میں بیان کرتے ہیں۔ قریب تھا کہ میری عقل زائل ہو جائے اور حضرت شیخ کے ہاتھ میں روئی کی طرح پارہ پارہ ہو جائے پھر میرے سینہ پر ہاتھ رکھا تو میری عقل درست ہو گئی۔ پھر کچھ عرصہ تنہائی میں بٹھایا۔ بخدا کوئی ایسی بات ظاہر و باطن نہ تھی کہ میرے کہنے سے پہلے انہوں نے نہ بتا دی ہو اور مجھے ان باتوں کی خبر دی جو تیس سال بعد واقع ہوئیں۔ وہ وہ باتیں جو اس کے ہاتھوں سے میرے خرقہ پہننے اور ابن نقطہ کے میرے ہاتھوں سے خرقہ پہننے کے درمیان جن کو ۲۵ سال ہو گئے۔ ابن نقطہ کی بابت جیسا حضرت نے فرمایا تھا، ٹھیک ویسا ہی میں نے ان کو پایا۔

حضرت شیخ ابوسعید قیلوی قدس سرہٗ

آپ حسنی سادات اور عراق کے مشائخ کبار میں سے تھے۔ کرامات و مقامات بلند کے حامل تھے۔ خرقہ ارادت حضرت غوث اعظم شاہ عبدالقادر جیلانیؒ سے حاصل تھا۔ آپ نے فرمایا کہ شیخ عبدالقادر کا درجہ اولیائے کرام میں یکتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت طہارت کے لیے

تشریف لے جاتے تھے۔ پانی سے بھرا ہوا لوٹا ایک مرید کے ہاتھ میں تھا۔ لوٹا ہاتھ سے چھوٹ گیا اور ٹوٹ گیا۔ حضرت نے لوٹے کو اٹھا کر درست کر دیا اور ٹوٹا ہوا لوٹا پہلے کی طرح ثابت ہو گیا اور پانی سے بھی بھر گیا۔ آپ نے وضو کیا۔ آپ کی وفات ۵۵۷ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک قیلویہ میں ہے۔

حضرت شیخ قصیب البان موصلیؒ

آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور حضرت غوث الثقلین کے کامل مریدوں میں سے ہیں۔ آپ سے کرامات وخوارق کا بے شمار ظہور ہوا۔ موصل کے قاضی کو آپ سے سخت اختلاف تھا۔ ایک دن موصل کی کسی گلی سے گزرتے ہوئے آپ کا مقابلہ قاضی سے ہو گیا۔ قاضی نے دل میں کہا کہ آج اس کو پکڑ کر حاکم کے سپرد کرنا چاہیے تا کہ اچھی طرح سزا ملے۔ اچانک دیکھا کہ دور سے گرد واڑ رہی ہے۔ جب وہ قریب آئی تو اس میں سے ایک فقیہ کی صورت انسان ظاہر ہوا اور قاضی سے پوچھا کہ کون سے قصیب البان کو تو حاکم کے سپرد کرا کے سزا دلانا چاہتا ہے۔ قاضی نے اپنی بدعقیدگی سے توبہ کی اور حضرت کا مرید ہو گیا۔

کسی نے حضرت غوث اعظمؒ سے آپ کی شکایت کی کہ قصیب البانؒ نماز نہیں پڑھتے۔ حضرت غوث اعظمؒ نے فرمایا کہ ان کا سر ہمیشہ خانہ کعبہ کے آستانہ پر سجدہ میں پڑا رہتا ہے۔

آپ کی وفات ۵۷۰ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک مقام موصل میں ہے۔

حضرت شیخ احمد بن مبارکؒ

آپ صاحب کشف وکرامات اور خادم خاص جناب شیخ شاہ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ تھے۔ شیخ احمد بن مبارک کی بزرگی اور عظمت کے لیے یہی ایک چیز کیا کم ہے کہ آپ کو ہمیشہ غوث اعظمؒ کی خدمت کی سعادت حاصل تھی۔ یہ شرف آپ کی بزرگی کے لیے روشن دلیل ہے۔ جب حضرت غوث اعظمؒ وعظ کے لیے کرسی پر تشریف رکھتے تھے تو آپ حضرت کے لیے کرسی پر اپنی چادر مبارک کو بچھایا کرتے تھے۔ آپ کی وفات ۵۷۰ھ میں ہوئی۔

حضرت شیخ صدقہ بغدادی قدس سرہٗ

آپ کی کنیت ابوالفرح اور والد ماجد کا نام حسین ہے۔ بغداد شریف سکونت تھی۔ غوث اعظمؒ کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے اور کسب فیض کرتے، ایک مرتبہ حضرت شیخ صدقہ غوث اعظمؒ کی خانقاہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت غوث اعظمؒ منبر پر تشریف لے گئے، مگر کچھ بولے نہیں اور قاری کو بھی پڑھنے کو نہیں کہا۔ لیکن لوگوں پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اور حالت غیر ہوگئی۔ شیخ صدقہ نے اپنے دل میں سوچا کہ حضرت غوث اعظمؒ نے کچھ نہیں فرمایا اور قاری نے بھی کچھ نہیں پڑھا۔ پھر یہ وجدانی کیفیت حاضرین پر کیسے ہے۔ غوث اعظمؒ نے شیخ صدقہؒ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، اے شیخ میرے مریدوں میں سے ایک مرید بیت المقدس سے چل کر ایک قدم میں یہاں آیا ہے اور اس نے میرے ہاتھ پر توبہ کی۔ آج تمام حاضرین اس کی مہمانی میں ہیں۔ شیخ صدقہؒ نے اپنے دل میں کہا کہ جو شخص بیت المقدس سے ایک قدم میں بغداد پہنچ سکتا ہے اس کو توبہ کی کیا ضرورت پیش آئی اور شیخ سے اس کو کیا کام؟ حضرت غوث اعظمؒ نے فرمایا، اے شیخ وہ اس لیے توبہ کرتا ہے کہ پھر خواہش نفس میں نہ گرفتار ہو جائے اور اس کا مجھ سے کام یہ ہے کہ میں اس کو حق سبحانہ وتعالیٰ کی محبت کا راستہ دکھاؤں۔ آپ کی وفات ۵۷۳ھ میں ہوئی۔

حضرت شیخ بقائی بن بطوؒ

صاحب کرامات اور بڑے زاہد و عابد تھے۔ آپ درویش کامل تھے اور آپ شیخ تاج العارفین ابوالوفا سے بیعت تھے۔ حضرت غوث الثقلین کی مجلس میں اکثر حاضر رہتے اور آپ کی صحبت سے فیض حاصل کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن میں مجلس میں حاضر تھا اور حضرت غوث اعظمؒ منبر کے پہلے پائے پر وعظ فرما رہے تھے کہ دفعتاً خاموش ہو گئے اور منبر سے نیچے آئے اور پھر کچھ دیر بعد منبر کے دوسرے پایہ پر بیٹھ گئے۔ میں نے دیکھا کہ منبر کا پہلا پایہ کشادہ ہو گیا ہے جہاں تک میری نگاہ کام کرتی تھی۔ مسند پر سبز رنگ کا فرش بچھایا ہوا تھا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہؓ کرام کے ہمراہ اس پر تشریف فرما ہیں اور حق تعالیٰ نے شیخ عبدالقادر جیلانی کے قلب پر تجلی فرمائی اور شیخ عبدالقادرؒ گرا چاہتے تھے کہ آپ کو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنبھال لیا اور پھر میں نے دیکھا کہ حضرت کا جسم چھوٹا ہوتا جاتا ہے اور ہوتے ہوتے ایک چڑیا کی طرح ہو گیا۔ پھر بڑھنا شروع ہوا اور پہلے کی طرح بڑا ہو گیا۔ مگر آپ کے چہرے سے خوف و دہشت کے آثار نمایاں تھے جس سے چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ پھر سب میری نظر سے غائب ہو گئے۔ شیخ بقائی سے آنحضرتؐ اور صحابہؓ کرام کی روایت کی بابت استفسار کیا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اعانت و تائید فرماتا ہے۔ کہ ان کی پاک روحیں مختلف اجساد اور ظاہری صفات میں متبدل ہوتی رہتی ہیں اور ان کو وہی حضرات دیکھ سکتے ہیں جن کو دیکھنے کی صلاحیت اور قوت خدا تعالیٰ عطا فرمائے، پھر آپ سے گرنے اور پہلے چھوٹا ہونے اور پھر بڑا ہونے کا سبب دریافت کیا، فرمایا کہ تجلی الٰہی ابتداء میں اس طرح تھی کہ انسان کو اس کی برداشت کی قوت نہیں۔ مگر بتائید نبویؐ۔ اسی لیے قریب تھا حضرت شیخ گر جاتے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو نہ سنبھالتے۔

دوسری تجلی صفت جلال کے ساتھ تھی اور اس طرح تھی کہ شیخ پگھلنے شروع ہوئے اور چھوٹے ہوتے ہوتے ایک چڑیا کی طرح ہو گئے۔

تیسری تجلی صفت جمال کے ساتھ تھی۔ اسی لیے شیخ نے بڑھنا شروع کیا اور اصلی حالت پر آپ آ گئے۔ یہ خدا کی دین اور اس کا فضل ہے جس کو عطا فرمائے، وہ بڑا فضل والا ہے۔

آپ کی وفات ۵۵۳ھ کے قریب ہوئی۔ قبر مبارک باب نوس میں واقع ہے جو فہر ملک کے قصبات میں سے ایک قصبہ ہے۔

شیخ محمد الاوانی المعروف بابن القایدؒ

آپ حضرت قطب ربانی شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کے کامل مریدوں میں ہیں۔ صاحب کرامات اور شیخ کامل تھے۔ فتوحات مکی میں ہے کہ غوث اعظمؒ آپ کو مرید الحضرت کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ محمد بن قاید اپنے زمانہ میں منفرد ہے۔ ابن القاید فرماتے ہیں کہ میں نے تمام چیزوں سے قطع تعلق کر لیا اور حضرت کی خدمت میں آ گیا۔ دفعتاً میں نے اپنے آگے اپنے پاؤں کا نشان دیکھا۔ مجھے شرم معلوم ہوئی اور سوچنے لگا کہ پاؤں کس کا ہے، کیونکہ میں اپنے خیال میں یہ سمجھتا تھا کہ مجھ سے کوئی سبقت نہیں کر سکتا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ قدم مبارک آنحضرت کے نشان ہیں۔ یہ سن کر مجھے اطمینان ہو گیا۔

حضرت شیخ ابوالسعود بن الشبلی قدس سرہٗ

آپ کا شمار مشائخ کبار میں ہوتا ہے۔ آپ صاحب کشف و کرامات بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت غوث پاکؒ سے بیعت ہیں۔ کتاب فصوص میں لکھا ہے کہ شیخ ابوالسعود نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ پندرہ سال ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مملکت میں قوت تصرف عطا فرمائی ہے لیکن میں نے اس سے کبھی کام نہیں لیا۔ ابن قائد نے ایک دن دریافت کیا کہ آپ تصرف کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا کہ میں نے تصرف صرف اللہ کے لیے چھوڑ دیا ہے وہ جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے اور جو اس کی منشا ہوگی اس کے مطابق اختیار فرمائے گا۔

حضرت شیخ ابوعمرو قرشی قدس سرہٗ

اسم گرامی عثمان بن مرزوق بن حمید بن سلامہ ہے۔ آپ کا مذہب حنبلی تھا۔ حضرت غوث اعظمؒ کے شاگرد رشید اور مرید تھے۔ مصر کے مشائخ کبار اور صاحب کشف و کرامات تھے۔ علم ظاہری و باطنی میں پوری دسترس تھی۔ ایک برس دریائے نیل میں طغیانی آئی۔ مصر کے باشندے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پانی کی کمی کی درخواست کی۔ آپ نے دریائے نیل کے کنارہ بیٹھ کر وضو فرمایا۔ پانی کم ہونا شروع ہوگیا اور اگلے سال بھی پانی کم رہا۔ پھر مصر کے لوگ خدمت میں حاضر ہوئے اور اس مرتبہ پانی کے بڑھ جانے کی درخواست کی، آپ دریا پر گئے اور اپنے ساتھ جو لوٹا تھا اس سے وضو فرمایا۔ دریا کا پانی بڑھنا شروع ہوگیا اور آپ کی دعا کی برکت سے زراعت حسب توقع ہوئی۔ حضرت کی وفات ۵۶۴ھ میں واقع ہوئی۔ آپ کی عمر شریف ستر سال سے زیادہ ہوئی۔ آپ کا مزار امام شافعیؒ کے مزار کے متصل مصر میں واقع ہے۔

حضرت شیخ موفق الدین المقدسیؒ

نام عبداللہ محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی ہے۔ آپ صاحب تصانیف اور علوم ظاہری و باطنی کے بڑے پایہ کے مشہور عالم گزرے ہیں۔ حضرت غوث پاکؒ کے شاگرد اور مرید تھے۔ آپ کی وفات ۶۲۰ھ میں ہوئی۔

حضرت شیخ محمد بن احمد الجوینی قدس سرہ

شیخ عبداللہ بطائحی کے مرید ہیں اور وہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مرید۔ کتاب بہجۃ الاسرار میں ہے کہ آپ نہایت خوب رو اور خوش اخلاق تھے گویا حسن صورت اور حسن سیرت ہر دو آپ میں موجود تھیں۔

روئے خوش خوئے نکو چو دوست میدارد خدا
خرم کے کورا بود خوئے خوش دروئے نکو

آپ کی وفات ۶۵۸ھ میں ہوئی۔

حضرت شیخ ابومدین مغربی قدس سرہ

آپ کا نام شعیب بن حسین یا شعیب بن حسن ہے، آپ شیخ ابوبغراء مغربی کے مرید اور شیخ محی الدین ابن عربی کے پیر ومرشد ہیں۔ زمین مغرب کے مشائخ کبار اور صاحب کشف و کرامات بزرگ گزرے ہیں۔ ایک دن شیخ ابومدین نے دیار مغرب کے کسی مقام پر اپنی گردن کو جھکا کر پڑھا اللھم انی اشھد ملائکتک انی سمعت واطعت آپ کے اصحاب نے اس کا سبب دریافت کیا، فرمایا کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ قدس سرہ نے بغداد میں یہ فرمایا قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ۔ اس کے بعد بغداد کے بعض اکابر حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے اطلاع دی کہ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے اسی وقت یہ الفاظ فرمائے تھے، آپ کی وفات ۵۹۰ھ میں ہوئی۔

حضرت شیخ محی الدین عربی قدس سرہ

آپ کا نام محمد بن عربی ہے۔ آپ کو خرقہ کی نسبت ایک واسطہ سے حضرت عبدالقادر جیلانیؒ سے حاصل ہے اور یہ نسبت شیخ ابومحمد یونس القصار ہاشمی سے وابستہ ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کو حضرت غوث اعظمؒ سے ارادت بلاواسطہ حاصل ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ خرقہ ولایت میں دوسری نسبت آپ کو حضرت خضر علیہ السلام سے ایک واسطہ سے حاصل ہے اور ایک نسبت بلاواسطہ حضرت خضرؑ سے حاصل ہے۔ اصطلاحات کاشی میں

لکھا ہے کہ شیخ محی الدین عربی نے اپنی کتاب الملابس میں ذکر فرمایا کہ انہوں نے خرقہ تصوف ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جامع کے دست مبارک سے پہنا ہے اور انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل کیا۔ نفحات الانس میں مذکور ہے کہ آپ کی تصانیف کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ محی الدین کو ایک مرتبہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے شرف ملاقات حاصل ہوا اور ہر ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا اور بغیر کلام کیے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ آپ سے شہاب الدین سہروردیؒ کے مقام کی نسبت دریافت کیا گیا۔ فرمایا کہ وہ حقیقتوں کا سمندر ہے۔ آپ کی ولادت دوشنبہ کی رات ۱۷ رمضان ۵۶۰ھ کو اندلس کے ایک شہر مرسیہ میں ہوئی اور وفات جمعہ کی رات کو ۲۲ ربیع الآخر ۶۳۸ھ میں دمشق میں واقع ہوئی۔ آپ کا مزار مبارک جبل قاسون میں ہے۔ جو آج کل صالحیہ کے نام سے مشہور ہے۔

شیخ صدرالدین محمد بن اسحاق قونویؒ

کنیت ابوالمعالی ہے اور شیخ محی الدین عربی کے ارشد مریدوں میں سے تھے۔ علامہ قطب الدین علم حدیث میں آپ کے شاگرد ہیں اور آپ کو طریقت و شریعت دونوں میں درجہ کمال حاصل تھا۔ آپ کے اور مولانا جلال الدین رومیؒ کے درمیان دوستی اور محبت کے خاص روابط تھے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ کی وفات آپ سے پہلے ہوئی اور اپنی نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت فرمائی تھی۔

حضرت امام عبداللہ یافعی بن سعد یافعیؒ

ابوالسعادات آپ کی کنیت اور عفیف الدین لقب تھا۔ یمن کے رہنے والے ہیں اور آپ کا قیام زیادہ عرصہ حرمین میں تھا۔ شافعی مذہب ہیں اور صاحب تصانیف و خوارق کرامات ہیں اور علوم ظاہر و باطن میں اپنے زمانہ کے علماء میں ممتاز ہیں۔ آپ کو نسبت ارادت چند واسطوں سے حضرت عبدالقادر جیلانیؒ سے حاصل ہے، آپ نے اپنی اکثر تصانیف، تاریخ یافعی، تکملہ روضہ الریاضین اور نشر المحاسن وغیرہ میں حضرت غوث الثقلین کے احوال اور خرق عادت کا تذکرہ کیا ہے اور آپ کو حضرت سے کمال درجہ کا اعتقاد و خلوص تھا۔ آپ کی وفات یکشنبہ کی رات ۲۱ رجمادی الآخر ۷۶۰ھ میں واقع ہوئی اور روضہ مبارک

حضرت فضیلؒ بن عیاض کے مزار کے متصل مکہ میں مزار معلا میں واقع ہے۔

حضرت شیخ مخدوم عبدالقادر قدس سرہٗ

آپ کو شیخ عبدالقادر ثانی کہتے تھے، آپ کو حضرت عبدالقادر جیلانیؒ سے سات واسطوں سے نسبت حاصل ہے۔اس طرح آپ کے والد ماجد شیخ محمد ہیں اور سلسلۂ نسب اس طرح سے حضرت غوث پاک تک پہنچتا ہے محمد بن سید شاہ میر بن سید علی بن سید مسعود بن سید احمد بن سید صفی الدین بن سید سیف الدین عبدالوہاب بن سید السادات سید عبدالقادر جیلانیؒ۔

آپ صاحب کرامات اور علوم باطنی وظاہری کے ایک جامع عالم تھے۔علم معقولات و منقولات میں بڑی دسترس حاصل تھی۔ بغداد سے خراسان میں اور پھر خراسان سے اچہ ملتان میں تشریف لے آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اکثر ممالک کا سفر پاپیادہ کیا۔آپ کا مزار مبارک مقام اچہ میں ہے۔ آپ ہندوستان کے مشائخ کبار سے ہیں۔سینکڑوں مشرکین و کفار نے آپ کے دست مبارک پر توبہ کی اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی تصنیف اخبار الاخیار میں آپ کا ذکر فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ عبدالقادر ولایت میں حضرت غوث پاک کے حقیقی وارث تھے۔

آپ کی وفات ۱۷ ربیع الاول ۹۴۰ھ میں ہوئی اور عمر شریف ۷۸ سال تھی۔آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ایک غلام شیخ زماں عبدالرزاق ہے، جو اپنے زمانہ کے بڑے عارف کامل گزرے ہیں۔۵ رجمادالآخر ۹۴۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

دوسرے صاحبزادے سید زین العابدین ہیں۔ جو والد ماجد کی زندگی میں ہی وفات پاگئے تھے۔ان کا ایک لڑکا تھا جس کا نام سید محمد تھا۔جن کی اولاد آج تک ہے۔

شیخ عبدالرزاق کا ایک لڑکا تھا جس کا نام شیخ حامد تھا۔جو آپ کے والد کے صحیح جانشین تھے۔ان کا بھی ایک لڑکا تھا شیخ جمال الدین ابوالحسن نامی۔ جو اپنے والد کی اجازت سے زندگی میں ہی مسند پر بیٹھے۔ان کی وفات ۲۹ ذی قعدہ ۹۷۸ھ کو ہوئی۔

حضرت شیخ عبداللہ تیمی قدس سرہٗ

آپ کے والد کا نام سید عمر بن سید حسن جیلی ہے۔ بارہ واسطوں سے آپ کی نسبت

حضرت غوث اعظمؒ سے جا کر ملتی ہے اور خرقہ ولایت دست بدست اپنے آباؤاجداد سے پہنا۔ پندرہ سال کے تھے کہ خدائے تعالیٰ کے حکم سے بغداد سے ہندوستان آگئے اور ہندوستان کے اکثر مشائخ کبارؒ سے ملاقات کی۔ علوم ظاہری و باطنی میں آپ کو درجہ کمال حاصل تھا۔ موضع تہہ میں آپ نے سکونت اختیار فرمائی تھی۔ جو دہلی کے مضافات میں سے ایک چھوٹا سا موضع ہے اور آپ کے مریدوں کا سلسلہ وسیع ہے۔ آپ ہمیشہ باوضو اور مراقبہ میں مستغرق رہتے تھے، آپ سے کرامات کا ظہور بہت ہوا ہے۔ مشہور ہے کہ اگر کوئی چور آپ کے گھر میں آجاتا تو وہ یا تو اندھا ہو جاتا یا مردہ پڑا پایا جاتا۔ بلکہ جس موضع میں آپ رہتے تھے وہاں چور کو آنے کی قدرت نہ تھی۔

آپ کی وفات جمعہ کے دن ۱۰ ربیع الاول ۹۳۷ھ میں ہوئی۔ عمر ایک سو سال سے زیادہ تھی۔ قبر مبارک موضع تہہ میں ہے۔

حضرت شیخ محمد مشہور بہ میاں میر قدس سرہٗ

آپ کے والد ماجد کا نام قاضی سانید نہ ہے۔ حضرت امیر المومنین عمر فاروقؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت میاں میر زمانہ کے قطب اور پیشوا، امام طریقت، واقف اسرار حقیقت علوم ظاہری و باطنی میں یکتائے روزگار اور عارف کامل گزرے ہیں۔ ظاہری اور باطنی حقیقت اور قابلیت میں اتنا بلند مقام تھا کہ بڑے سے بڑے فاضل شخص کو بھی ان کے سامنے مجال سخن نہ ہوتی تھی۔ آپ کے بھتیجے کے قول کی بنا پر آپ کی ولادت شریف ۹۵۷ھ شہر سوستان میں ہوئی۔ آپ کے والدین اور ہمشیرہ بھی صاحب کرامات ہوئی ہیں۔ آپ نے اپنی والدہ سے روایت کی ہے کہ جب میرے بڑے بھائی پیدا ہوئے تو والدہ نے کشف سے یہ معلوم کرلیا کہ یہ عارف نہیں ہوگا۔ تو والدہ نے خدا سے دعا کی کہ خدایا میرے اس لڑکے کو عارف کامل، تارک دنیا اور اپنی یاد میں مستغرق بنادے، غیب سے آواز آئی کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے لڑکے اور لڑکی دونوں کو عارف بنانا قبول فرمالیا اور تیری دعا کے مطابق خدا ان کو عارف کامل کردے گا بعد کو حضرت پیدا ہوئے اور پھر ان کی ہمشیرہ پیدا ہوئیں، جو اس وقت بقید حیات ہیں، خدا نے ان ہر دو کو صاحب حال و استغراق کامل پیدا فرمایا۔

حضرت نے ساٹھ سال سے زیادہ لاہور میں قیام فرمایا اور ہر خاص و عام کو آپ سے ارادت حاصل تھی۔ آپ کا سلسلہ قادریہ سے تعلق تھا۔ شیخ خضر سے بیعت ہیں جو سوستان کے صاحب کمال و یکتائے روزگار بزرگ گزرے ہیں۔ عالم ملکوت کا کشف حال کا علم اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کیا۔ آپ اویسی بھی ہیں اور حضرت غوث پاکؒ کی روح سے آپ کو یہ نسبت حاصل ہے۔

کہتے ہیں کہ آپ غوث اعظمؒ کے نام نامی کو بے وضو نہیں لیتے تھے۔ فقر و غنا، توکل و قناعت اور ترک دنیا و زہد و عبادت میں اپنے زمانہ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ شب و روز ذکر الٰہی میں مستغرق رہتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کے صوفی وہ ہے جس کا وجود فنا ہو جائے، کسی وزیر نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت خاص وقت میں جب حضرت کا مزاج و طبیعت بہتر ہو تو اس خاکسار کو دعا میں یاد فرمائیں، حضرت نے فرمایا کہ اس وقت پر خاک پڑے کہ جس وقت ماسوئ اللہ کا خیال کروں اور اس کی یاد دل میں نہ ہو۔ آپ سنت کے بڑے پابند تھے، شریعت کے خلاف ایک قدم باہر نہیں نکالتے تھے اور جلوت و خلوت میں کسی وقت بھی آپ زبان سے ایسی بات نہ نکالتے جو شرع کے مخالف ہو۔ طریقت میں تو اپنے وقت کے جنید تھے۔ آپ کسی کو مرید بہت مشکل سے کرتے تھے اور جس کسی کو مرید کرتے اس کو مطلوب تک پہنچا دیتے، زبان پر لفظ مرید نہیں لاتے بلکہ یوں فرماتے کہ ہمارے دوستوں کو بلاؤ، حکام وقت سے نذرانے قبول نہیں کرتے تھے، آپ کی باتیں مستقل وعظ و نصائح ہوتیں۔ موقع کے مناسب اشعار بھی سناتے تھے۔ عاشق ترک تھے اور فرماتے تھے کہ تارک وہ ہے جس کا کوئی مقصد اور غرض نہ ہو۔ جس طرح جنبی کا ایک بال بھی اگر غسل میں خشک رہ جائے تو وہ پاک نہیں ہوتا۔ اسی طرح دل میں اگر خطرات میں سے ایک خطرہ بھی ہوگا، تو اس کا حال بھی وہی ہے کہ درحقیقت وہ تارک اور خدا کا سچا عاشق نہیں کہلایا جا سکتا۔

اکثر یہ شعر سناتے تھے۔

شرط اول در طریق عاشقی دانی کہ چیست
ترک کردن ہر دو عالم را و پشت پا زدن

آپ کا معمول تھا کہ فجر کی نماز سے پہلے اپنے مریدوں کو ساتھ لے کر جنگل اور باغات کی طرف جاتے تھے اور وہاں جا کر جدا جدا درختوں کے نیچے بیٹھ جاتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو سب جماعت سے نماز ادا کرتے اور اپنے اپنے گھروں کو واپس جاتے، رات کو اپنے حجرہ کو بند کرتے اس میں بیٹھتے کبھی کبھی دو تین مرید بھی ہمراہ ہوتے تھے اور اکثر ساری

ساری رات تنہا عبادت میں مشغول رہتے۔

آپ کے مریدوں میں سے کسی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت ملا خواجہ کلاں کے ساتھ جو حضرت کے ارشد مریدوں میں سے تھے، قبرستان تشریف لے گئے اور دعا میں مشغول ہو گئے۔ ملا خواجہ کلاں کو کشف قبور ہوتا تھا۔ حضرت سے عرض کیا کہ آپ سنتے ہیں کہ اس قبر سے کیا آواز آتی ہے، آپ نے فرمایا کیا آواز آتی ہے؟ خواجہ کلاں نے عرض کیا کہ صاحب قبریوں کہتا ہے کہ میں جوانی کے عالم میں دنیا سے رخصت ہوا اور بداعمال کی وجہ سے میں عذاب قبر میں مبتلا ہوں اس سال آپ حضرات میری قبر پر آئے اور تعجب ہے کہ میں پھر بھی عذاب میں مبتلا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ صاحب قبر سے دریافت کرو کہ عذاب کس طرح رفع ہو سکتا ہے، خواجہ نے مراقبہ سے معلوم کر کے کہا کہ صاحب قبر کہتا ہے کہ اگر ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مجھے پہنچایا جائے تو یہ عذاب میرے اوپر سے دور ہو سکتا ہے۔ حضرت نے سب سے کلمہ پڑھنے کو فرمایا اور خود بھی پڑھنا شروع کیا۔ جب پورا ہو گیا اور اس کا ثواب صاحب قبر کو پہنچا دیا گیا تو ملا خواجہ نے پھر کہا کہ صاحب قبر کہتا ہے کہ کلمہ طیبہ اور آپ بزرگوں کی برکت قدم سے میرے اوپر سے عذاب رفع کر دیا گیا۔ غرض کہ کرامات کا ظہور آپ کی ذات سے اور آپ کے مریدوں سے اس کثرت سے ہوا ہے کہ اس کو لکھا نہیں جا سکتا۔

حضرت کے ایک خادم نے روایت کی ہے کہ حضرت گرم ہواؤں میں راتوں کو حجرہ کی چھت پر عبادت میں مصروف رہتے۔ ایک دن مجھ سے فرمایا کہ پانی کا ایک آب خورہ اور ایک پنکھا میرے پاس رکھ کر تم سو جاؤ۔ خادم کہتا ہے کہ میں نے پنکھا تو رکھ دیا۔ پانی کا کوزہ رکھنا یاد نہیں رہا۔ آدھی رات کو یاد آیا۔ میں اٹھا اور آب خورہ اوپر لے گیا، وہاں آپ کو نہیں پایا۔ کپڑے موجود ہیں۔ تلاش کیا کہ ممکن ہے حجرہ میں تشریف رکھتے ہیں۔ چراغ جلایا، حجرہ میں گیا وہاں بھی آپ موجود نہیں تھے۔ حیران ہو کر بیٹھ گیا۔ فجر کی نماز کے وقت حضرت نے اوپر سے آواز دی کہ وضو کے لیے پانی لاؤ۔ میں فوراً پانی کا کوزہ لے کر پہنچا۔ میں نے دریافت کیا حضرت کہاں تشریف لے گئے تھے؟ پہلے تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے خواب دیکھا ہے! میں نے عرض کیا کہ اگر آپ نہیں بتائیں گے تو زندگی بھر یہ خطرہ دل میں رہے گا۔ فرمایا، بتاتا ہوں لیکن کسی اور سے نہ کہنا۔ اگر کسی سے کہہ دے گا تو نقصان ہوگا۔ فرمایا میں اس وقت تک غار حرا میں تھا، میں نے پوچھا غار حرا کہاں ہے؟ فرمایا، ایک غار ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے قبل خدا کی عبادت اور اس کے ذکر میں مشغول

رہتے تھے۔ مجھے حج کرنے والوں پر افسوس ہوتا ہے کہ حج کے لیے جاتے ہیں، اس غار سے گزرتے ہیں اور تھوڑی دیر کے لیے بھی اس غار میں نہیں جاتے۔ اگر کسی شخص کو بارہ سال عبادت کرتے کرتے کشائش اور انشراح نہ ہوا ہو۔ اس غار میں صرف ایک رات کی عبادت میں فتوحات حاصل ہوتے ہیں اور اس کا سینہ کشادہ ہو جاتا ہے۔

یہ خاکسار حضرت کی رفاقت میں دو بار وہاں حاضری دے آیا ہے۔ حضرت اس خاکسار کے حال پر خاص کرم فرماتے تھے، بیس سال کی عمر میں جب میں بیمار پڑا، اطباء علاج سے عاجز ہو گئے تو بادشاہ میرا ہاتھ پکڑ کر حضرت کی خدمت میں لے گیا اور عرض کیا کہ میرا بڑا لڑکا ہے، اور تمام طبیب اس کے علاج سے تنگ آ گئے ہیں، آپ توجہ فرمائیں کہ حق تعالیٰ اس کو شفا عطا فرمائے۔ حضرت نے ایک پیالہ میں پانی منگوایا اور کچھ پڑھ کر اس پر دم کیا اور مجھے دیا، جب میں نے اس کو پیا تو اسی ہفتہ میں شفائے کامل حاصل ہوگئی اور بیماری بالکل جاتی رہی چونکہ میں اس سے پہلے ایک کتاب ''سکینۃ الاولیاء'' میں آنحضرت کے حالات اور آپ کے مریدوں کے حالات بہت تفصیل سے لکھ چکا ہوں، اس لیے اس رسالہ میں بس اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔

آپ کی وفات منگل کے دن، ظہر کی نماز کے بعد ۷ ربیع الاول ۱۰۴۵ھ کو شہر لاہور میں محلہ خانی پورہ میں ہوئی۔ آپ کی نماز جنازہ میں بے شمار لوگوں نے شرکت کی، آپ کی عمر ۸۸ سال تھی، مزار مبارک شہر لاہور کے قریب موضع ہاشم پور میں واقع ہوئی۔ آپ کے عارف و کامل اور مشہور مریدوں میں سے جن کا وصال ہو چکا، ایک عارف کامل حضرت حاجی نعمت اللہ سرہندی بھی گزرے ہیں۔ شیخ تنہا، شیخ اسماعیل، ملا خواجہ کلاں، میاں حامد، حضرت ملا عبدالغفور دانشمند اور حاجی صالح وغیرہ حضرات آج بھی بقید حیات ہیں اور حضرت کے کامل مریدوں میں حضرت ملا وشاہ حضرت ملا خواجہ بہاری، شیخ محمد لاہوری، شیخ احمد سنامی اور شیخ احمد دہلوی وغیرہ ہیں۔ سلسلہ عالیہ قادریہ کے مشائخ کبار کے احوال و کوائف کو تمام کر کے دوسرے سلسلہ خواجگان کے مشائخ کبار کا تذکرہ شروع کرتا ہوں۔

سلسلہ قادریہ کے مشائخ کبار جن کے ذکر پر میں نے اس بیان کو ختم کیا ہے۔ میری نظر سے ایسے کاملین درویش نہیں گزرے اور آج بھی جو حضرات بقید حیات ہیں ان کی صحبت و خدمت میں رہ کر ہی فیض و برکات حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

تا ابد این سلسلہ نگسستہ باد
گردن ایام بدین بستہ باد

سلسلہ شریفہ خواجگانِ بزرگوار قدس اسرارہم

حضرت شیخ ابو یزید بسطامی قدس سرہٗ

آپ کا لقب سلطان العارفین۔ نام طیفور بن عیسٰی بن آدم بن سروشان ہے۔ آپ کے دادا گبر (آتش پرست) تھے۔ آخر میں مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ آپ اصل میں بسطام کے رہنے والے تھے۔

صاحب رشحات نے لکھا ہے کہ آپ حضرت امام جعفر صادق کے اویسی ہیں۔ صاحب تذکرۃ الاولیاء نے لکھا ہے کہ آپ نے ایک سو تیرہ پیروں کی خدمت کی ہے۔ من جملہ ان کے ایک امام جعفر صادقؒ ہیں۔ حضرت ابو حفص، یحییٰ معاذ اور شفیق بلخی سے بھی شرف ملاقات حاصل کیا ہے۔ آپ کی ماں نے کہا کہ ایام حمل میں جب میں اپنے منہ میں لقمہ کھاتی اور اس لقمہ میں کسی قسم کا شبہ ہوتا تو بایزید بسطامی میرے پیٹ میں بے چین ہو جاتے اور مجھے قے ہو جاتی اور وہ لقمہ پیٹ میں نہ رہتا۔

سید الطائفہ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ بایزید ہمارے اندر اس طرح ہیں جیسے ملائکہ میں جبرئیلؑ ہیں۔ ان بڑی بڑی باتوں میں سے جو بایزید بسطامیؒ کی بابت مشہور ہیں ایک یہ ہے کہ شیخ السلام نے فرمایا کہ بایزید بسطامیؒ پر بڑے بڑے اتہام لگائے گئے ہیں، حضرت بایزید بسطامیؒ سے کسی نے پوچھا کہ سنت کس کو کہتے ہیں اور فرض کیا ہے؟ فرمایا سنت ترک دنیا اور فرض خدا کی محبت۔ نقل ہے کہ ایک دن آپ دجلہ پر گئے، دجلہ دونوں کناروں سے بھر آیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس امر کے ظاہر کرنے میں ذرا بھی غرور اور فخر محسوس نہیں ہوتا کہ گو میں کیسا ہی بے حیثیت ہوں لیکن اپنی عمر کے تیس سال کسی قیمت پر ضائع نہیں کر سکتا۔ مجھے کریم چاہیے کرامت نہیں چاہیے۔ آپ نے فرمایا عارف وہ ہے جو بجز وصل و دیدار الٰہی کے کسی چیز پر رضا مند نہ ہو۔ آپ کا فرمان ہے کہ نیکوں کی صحبت نیک کام کرنے سے بدرجہا بہتر ہے اور بروں کی صحبت برے کام کرنے سے زیادہ نقصان دہ اور مہلک ہے۔

نقل ہے کہ آپ کے وصال کے بعد کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا، پوچھا کہ آپ کا

کیا حال ہے؟ فرمایا کہ مجھ سے دریافت کیا گیا اے بوڑھے کیا لایا ہے؟ میں نے کہا اس سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تو کیا لایا ہے بلکہ اس سے یہ کہا جائے گا کہ تو کیا چاہتا ہے۔ طریقہ طیفور آپ ہی کی طرف منسوب ہے۔ اس فرقہ کی بنیاد سکر وغلبہ پر ہے۔ یعنی ہمیشہ یہ لوگ نشہ الٰہی میں سرشار و مست رہتے ہیں۔

آپ کی وفات ۱۵ ر شعبان ۲۶۱ ھ اور دوسری روایت ۲۳۴ ھ میں ہوئی۔ آپ کی وفات کی یہ دونوں تاریخیں معتبر کتابوں سے نقل کی ہیں جو قدیم مستند اور مشہور کتابیں ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے جو تاریخ وفات ۲۳۴ ھ طبقات سے نقل کی ہے وہ خالی از علت نہیں۔ آپ کا مزار بسطام میں ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ

آپ کا نام علی بن جعفر ہے۔ قزوین کے قریب موضع خرقان کے قدیم باشندے ہیں۔ اپنے زمانہ کے غوث ہوئے ہیں۔ تصوف وطریقت میں آپ کو شیخ بایزید بسطامیؒ سے نسبت ہے اور راہ سلوک میں بھی آپ کو روحانی فیض بایزید بسطامیؒ سے حاصل ہے۔ شیخ بایزید بسطامیؒ کی وفات کے بعد آپ کی ولادت ہوئی اور آپ کی وفات منگل کی شب ۱۰ ر محرم ۴۲۵ ھ کو ہوئی۔ آپ کا فرمان ہے کہ ایسے شخص کی صحبت میں ہرگز نہ بیٹھو کہ تم کہو خدا اور وہ کچھ اور کہے۔ شیخ شبلیؒ نے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں۔ کسی نے کہا کہ یہ بھی تو چاہنا ہوا۔ ایک دن اپنے دوستوں سے کہا کہ کون سی چیز سب سے بہتر ہے؟ دوستوں نے کہا حضرت آپ فرمائیں۔ کہا کہ وہ دل جس کے دل میں ہمہ وقت بس اسی کی یاد ہو۔

حضرت شیخ ابوعلی رودباری قدس سرہٗ

آپ کے والد کا نام محمد بن قاسم بن منصور ہے۔ آپ شاہی خاندان سے ہیں اور سلسلہ نسب شاہ کسریٰ تک پہنچتا ہے۔ ابوعبد رودباری کے ماموں ہیں اور حضرت جنید بغدادیؒ کے بے واسطہ مرید ہیں۔ آپ کی وفات ۳۳۲ ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک مصر میں ہے۔

حضرت شیخ بوعلی کاتبؒ

آپ کے آباؤ اجداد مصر کے رہنے والے تھے، اکثر مشائخ سے آپ کو شرف صحبت

حاصل تھا۔ شیخ بوعلی رودباری سے بیعت ہیں۔ آپ فرماتے کہ جب کوئی مشکل مجھے پیش آئی۔ حضرت محمد رسول اللہ کو خواب میں دیکھتا اور آپ سے اس کا حل معلوم کر لیتا۔

آپ کی وفات ۳۴۶ھ میں دوسری روایت میں ۳۵۶ھ کو ہوئی۔ مزار مصر میں ہے۔

شیخ ابو عثمان مغربی قدس سرہٗ

آپ کا نام سعید بن سلام ہے۔ مغرب کے رہنے والے ہیں۔ ابوالحسن صالح دینوری کے شاگرد رشید اور شیخ علی کاتب کے مرید۔ شیخ یعقوب نہر جوری، حبیب مغربی اور ابوعمرو زجاج وغیرہ کی صحبتوں میں آپ رہتے تھے۔ برسوں مکہ معظمہ کے مجاور رہے۔ شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ آپ تیس سال کامل مکہ معظمہ میں رہے اور احترام میں کبھی حرم شریف میں آپ نے پیشاب تک نہیں کیا۔ ۳۷۳ھ میں آپ کی وفات نیشاپور میں ہوئی اور مزار مبارک حضرت ابو عثمان جرمی اور عثمان نصیبی کے پہلو میں نیشاپور میں ہے۔

شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ

آپ کا نام علی ہے اور نسبت ارادت باطنی آپ کو دو سلسلہ سے حاصل ہے۔ ایک شیخ عثمان مغربی سے۔ دو واسطہ سے شیخ جنید بغدادیؒ تک پہنچتی ہے اور دوسری نسبت شیخ حسن خرقانی سے بواسطہ شیخ بایزید بسطامیؒ کے صاحب کشف المحجوب ابتدائی دور میں ان کی صحبت میں پہنچے۔ وہ لکھتے ہیں کہ آپ اپنے وقت کے قطب اور مدار علیہ گزرے ہیں۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ آپ کی وفات ۴۵۰ھ میں ہوئی۔

شیخ ابوعلی فارندی قدس سرہٗ

آپ کا نام فضیل محمد بن محمد ہے۔ فارند کے رہنے والے تھے جو مضافات طرس میں ایک قریہ ہے۔ آپ کو خراسان کا شیخ الشیوخ کہا جاتا تھا۔ امام قشیری کے شاگرد اور شیخ ابوالقاسم گرگانی سے مرید تھے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ سے ملاقات وصحبت کا شرف حاصل تھا۔ آپ کی وفات ۴۷۷ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک مقام طوس میں واقع ہے۔

حضرت خواجہ یوسف بن ایوب ہمدانیؒ

آپ کی کنیت ابو یعقوب ہے اور آپ کے آباؤ اجداد ہمدان کے باشندے تھے۔ شیخ بوعلی فارندی سے بیعت ہیں۔ شیخ ابو اسحٰق شیرازی سے بھی کسب فیض حاصل کیا۔ شیخ عبداللہ جونی اور شیخ حسن سمنانی سے صحبت رکھتے تھے۔ بغداد میں جب آپ تشریف لے گئے تو حضرت غوث اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اکثر آپ کی مجلسوں میں حاضر رہتے۔ مذہباً حنفی تھے۔ سلسلہ خواجگان کے سردار ہیں۔ آپ کی ولادت ۴۴۰ھ میں ہوئی اور آپ کی وفات ۵۳۵ھ میں مرو سال کے راستہ میں ہوئی۔ قبر مبارک مرو میں ہے۔ آپ کے چار خلیفہ ہوئے۔ خواجہ عبداللہ برقی۔ خواجہ حسن انداقی۔ خواجہ احمد یسوی اور خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ۔

حضرت خواجہ حسن انداقیؒ

آپ کی کنیت ابو محمد اور نام حسن بن حسین ہے۔ انداق کے باشندے ہیں جو بخارا کے نواح میں ایک موضع ہے۔ آپ کی ولادت ۴۶۰ھ میں اور وفات ۵۵۲ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک بخارا میں دروازہ کلاباد کے باہر شیخ ابوبکر اسحاق کلابادی کے مزار سے متصل ہے۔

حضرت خواجہ احمد یسویؒ

آپ کی جائے پیدائش مقام یسی ہے۔ جو ترکستان کا ایک مشہور شہر ہے۔ آپ صاحب کرامات اور مقامات عالیہ کے حامل تھے۔ ایام طفولیت میں باب ارسلان کے منظور نظر تھے، جو ترک کے مشائخ عظام سے گزرے ہیں۔ باب ارسلان نے آپ کو حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور بشارات پر تربیت کیا اور باب ارسلان کی خدمت میں ہی کچھ مرتبے آپ نے طے کر لیے تھے اور خواجہ یوسف ہمدانی کی صحبت میں تصوف کے باقی مدارج کی تکمیل کی اور حضرت یوسف ہمدانی کے بلند مرتبہ خلیفہ ہوئے اور منصور اتا۔ سید اتا، سلیمان اتا اور حکیم اتا آپ کے خلیفہ گزرے ہیں۔

حضرت خواجہ احمد یسویؒ کی وفات ۵۶۲ھ کو ہوئی۔ مزار مبارک مقام یسی میں ہے۔

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ

آپ کے والد کا نام امام عبدالجمیل ہے۔ آپ کی والدہ روم کے بادشاہوں کی اولاد میں سے تھیں۔ سلسلہ خواجگان کے سردار تھے۔ خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ کی نسبت آپ کی طرف ہے۔ علوم ظاہری و باطنی میں عالم کامل گزرے ہیں۔ اتباع سنت۔ شریعت حقہ آپ کا طریقہ تھا۔ حضرت خضرؑ نے آپ کو اپنی فرزندی میں لینا قبول کیا تھا۔ معرفت الٰہی کے سمندر بے پایاں میں غوطہ لگانا اور گہرائی قلب سے ذکر الٰہی میں مشغول رہنا حضرت خضرؑ سے سیکھا تھا۔ جب خواجہ یوسف ہمدانی بخارا پہنچے تو آپ ان کی صحبت میں حاضر رہنے لگے اور خرقہ ولایت آپ سے پہنا، ولایت کے اس درجہ پر پہنچے ہوئے تھے کہ ایک وقت نماز کے لیے کعبہ میں جاتے اور نماز وہاں پڑھ کر واپس آتے۔

آپ کی ولادت شریف غجدوان میں ہوئی۔ غجدوان چھ فرسنگ فاصلہ پر ایک قصبہ کا نام ہے وہیں آپ کی پرورش ہوئی۔ آپ نے خود فرمایا "ہوش دارم ونظر برقدم سفر در وطن خلوت در انجمن"۔ آپ کی وفات ۵۷۵ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک غجدوان میں ہے۔

حضرت خواجہ عارف ریوکری قدس سرہٗ

آپ حضرت خواجہ عبدالخالق کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کی جائے ولادت اور جائے وفات موضع ریوکری ہے اور وہیں آپ کا مزار مبارک بھی ہے۔ ریوکر مضافات بخارا کے ایک قصبہ کا نام ہے۔ آپ کی وفات ۷۱۵ھ میں ہوئی۔

حضرت خواجہ محمود الخیر فغنویؒ

آپ خواجہ عارف ریوکری کے مرید اور خلیفہ تھے، آپ کی ولادت شریف "مقام الخیر فغنون ہے جو بخارا کے مضافات میں ایک قصبہ ہے، آپ کی وفات ۷۱۵ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار بخارا میں ہے۔

حضرت خواجہ علی راتینی قدس سرہٗ

سلسلہ خواجگان میں آپ حضرت عزیز کے لقب سے مشہور ہیں اور خواجہ محمود الخیر فغنوی

کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ بڑے درجہ اور کرامات کے حامل تھے۔ آپ سے نقل ہے آپ نے فرمایا اگر روئے زمین پر عبدالخالق غجدوانیؒ کے فرزندوں میں سے ایک بھی ہوتا تو حسین بن منصور ہرگز دار پر نہ چڑھائے جاتے، اس جگہ فرزندوں سے مراد آپ کے مریدوں سے ہے۔ آپ کی ولادت شریف مقام راتین میں ہوئی جو بخارا کے قریب ایک قصبہ ہے۔ وفات ۷۲۱ھ میں ہوئی۔ عمر شریف ۱۳۰ سال تھی۔ مزار مبارک خوارزم میں ہے۔

حضرت خواجہ محمد بابا سماسی قدس سرہٗ

آپ حضرت عزیز کے مرید اور خلیفہ تھے اور خواجہ بہاء الدین نقشبندی کو فرزندی میں قبول کیا ہے۔ آپ اپنے مریدوں میں فرماتے تھے کہ یہ ایسا شخص ہے کہ جس کی بو ہم کو آتی تھی۔ وہ وقت قریب ہے کہ یہ زمانہ کا پیشوا اور امام ہوگا۔ پھر آپ نے اپنے مرید اور خلیفہ سید میر کلاں کی طرف منہ کیا اور فرمایا کہ میرے لڑکے بہاء الدین کے معاملہ میں شفقت و عنایت میں تم کسی طرح کی کوتاہی نہ کرنا۔ اگر تم نے اس معاملہ میں ذرا بھی کوتاہی کی تو میں معاف نہیں کروں گا۔ میر کلاں مؤدب کھڑے ہوگئے اور دونوں ہاتھ سینہ پر رکھے اور عرض کیا کہ اگر میں کوتاہی کروں تو مرد نہیں۔

آپ کی ولادت رامتین کے قصبہ سماسی میں ہوئی، مزار بھی اسی قصبہ میں ہے۔

حضرت سید امیر کلاں قدس سرہٗ

آپ خواجہ محمد بابا سماسی کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ کی ولادت مقام سوخار میں ہوئی اور وفات صبح کو جمعرات کے دن ۸ / جمادی الاول ۷۷۳ھ کو ہوئی۔ آپ کا مزار سوخار میں ہے۔

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی قدس سرہٗ

آپ کا نام محمد بن التجاری ہے۔ آپ کو نقشبندی کہنے کی وجہ رسالہ بہائیہ میں جو مقامات خواجہ میں ہے، یہ لکھی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اور والد دونوں کمخواب کے کپڑے بننے اور ان پر نقوش بنانے میں مشغول رہتے تھے اور یہی روایت مولانا عبدالرحمٰن جامی کے مکتوبات

میں ملی ہے۔ آپ سلسلہ خواجگان نقشبندیہ کے سرتاج ہیں اور آپ کو خواجہ محمد بابا سماسی نے فرزندگی میں قبول فرمایا تھا۔ آپ سید میر کلاں کے مرید ہیں۔ آپ اویسی بھی ہیں اور روحانی نسبت آپ کو خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہٗ سے حاصل ہے اور آپ نے قثم شیخ و خلیل اتا مشائخ ترکستانی کی خدمت وصحبت سے فیض و برکات حاصل کی ہیں۔ اپنے زمانہ کے غوث اور اولیائے وقت کے قبلہ وامام گزرے ہیں۔ ہر خاص و عام آپ سے خوش عقیدگی رکھتا تھا۔ آپ شریعت مطہرہ کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ مذہباً حنفی تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کے مقلد تھے۔ اس سلسلہ کے اکثر مشائخ حنفی المذہب گزرے ہیں۔ خواجہ بزرگ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کے طریقہ میں جہر وخلوت اور سماع کا جواز ہے؟ فرمایا نہیں۔ پھر آپ سے پوچھا کہ آپ کے طریقہ کی بنیاد کس چیز پر ہے؟ فرمایا ظاہر میں خلق خدا پر اور باطن میں حق تعالیٰ پر۔

از دروں شو آشناؤ وز بیروں بیگانہ باش
ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں،

دیگر

دائم ہمہ جاو باہمہ کس درکار
میدار نہفتہ چشم و دل جانب یار

روایت ہے کہ حضرت خواجہ کے کوئی لڑکا اور لڑکی یعنی اولاد نہیں تھی۔ جب اس کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ بندگی خواجگی کے ساتھ زیب نہیں دیتی۔ پھر آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کا سلسلہ کسی ایک جگہ پر جاکر منتہی ہوتا ہے۔ فرمایا کہ کوئی سلسلہ بھی کسی جگہ پر منتہی نہیں ہوتا۔ پوچھا گیا کہ سماع کی بابت آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا نہ میں انکار کرتا ہوں اور نہ اس کام کو کرتا ہوں۔

حضرت خواجہ بزرگ کی کرامات وخوراق اس درجہ ہیں کہ ان کا عشر عشیر بھی بیان نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کی والدہ ماجدہ سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرا لڑکا خواجہ بہاؤالدین جب چار سال کا تھا اس نے گائے کی بابت کہا کہ یہ ہماری گائے سفید پیشانی کا بچہ دے گی۔ چند مہینہ کے بعد اس صورت کا بچہ گائے نے دیا۔

نقل ہے کہ جب حضرت خواجہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے، جس دن حاجی قربانی کررہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم بھی ایک لڑکا رکھتے ہیں، ہم نے بھی راہ خدا میں اس کو قربان کردیا۔ جو مرید و درویش سفر میں ہمراہ تھے، سب نے اس دن اور تاریخ کو نوٹ کرلیا، جب بخارا

واپس گئے اور تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت کا لڑکا اسی دن فوت ہوا تھا۔

زندگی میں جو تصرف آپ کو حاصل تھا، وفات کے بعد بھی اسی طرح تصرف حاصل ہے۔ آپ کی ولادت ماہ محرم ۷۱۸ھ میں قصر عارفان میں ہوئی اور وفات دوشنبہ کی شب کو ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ میں واقع ہوئی، آپ کی عمر ۷۳ سال کی تھی۔ مزار مبارک بخارا کے قریب قصر عارفان میں ہے۔ حضرت نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے جنازہ کے سامنے یہ شعر پڑھا جائے۔

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو
شیئاً للہ از جمال روئے تو

حضرت کے مرید بہت ہیں۔ ماوراء النہر کے اکثر باشندے آپ ہی سے بیعت ہیں۔ زیادہ مشہور اور کامل ترین ہستی خواجہ پارساؒ، خواجہ علاؤ الدینؒ عطار، ملا یعقوبؒ چرخی اور خواجہ علاؤالدین غجدوانی ہوئے۔

حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ

آپ کا نام محمد بن محمود الحافظی البخاری ہے۔ لقب پارسا ہے۔ یہ لقب خواجہ بزرگ کا عطا فرمودہ تھا۔ خواجہ بزرگ نے اپنے مرض الموت میں حضرت کی عدم موجودگی میں اپنے مریدوں سے حضرت کی بابت فرمایا۔ ہمارے وجود کی غرض و غایت درحقیقت ان کا وجود ہے۔ ان کو ہم نے جذب وسلوک کے ہر دو طریقہ سے تربیت کیا ہے۔ اگر وہ روشن ہو جائے تو ساری دنیا اس سے منور ہو سکتی ہے۔ محرم کے مہینہ میں ۸۲۲ھ کو طواف بیت الحرام کے لیے زیارت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب آپ نے سفر کیا۔ راستہ میں جگہ جگہ مشائخ وعلماء آپ کے استقبال و احترام میں آپ کی پیشوائی کے لئے حاضر تھے۔ جب آپ مکہ معظمہ میں پہنچے اور ارکان حج ادا فرمائے پھر آپ علیل ہو گئے، اور وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ چہار شنبہ ۲۳ ذی الحجہ کو آپ مدینہ پہنچے اور پنجشنبہ ۲۴ ذی الحجہ کو آپ کا وصال ہو گیا۔ شب جمعہ کو آپ کی تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔ مزار مبارک جنت البقیع میں حضرت امیر المومنین عباسؓ کے جوار میں واقع ہے۔ آپ کی عمر شریف ۸۳ سال کی تھی۔

حضرت خواجہ ابونصر پارساؒ

لقب برہان الدین اور حافظ الدین ہے۔ خواجہ محمد پارسا کے فرزند ہیں اور آپ کے مرید بڑے کامل و عارف گزرے ہیں۔ نفحات میں لکھا ہے کہ آپ کے علوم و معرفت اور طریقت کا درجہ اپنے والد ماجد کے درجہ تک پہنچا ہوا تھا۔ نفی وجود اور بذل موجود کی صفات میں آپ والد ماجد سے بڑھے ہوئے تھے۔ سفر حجاز میں آپ اپنے والد ماجد کے ہمراہ تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا۔ میں سرہانے موجود نہ تھا۔ جب میں حاضر ہوا اور آپ کے روئے مبارک کو دیکھنے کے لئے میں نے منہ کھولا، آپ نے آنکھیں کھولیں اور مسکرائے۔ میری بے چینی اور زیادہ ہوگئی۔ میں نے اپنا منہ والد صاحب کے پائے مبارک پر رکھ دیا، آپ نے اپنے پاؤں کھینچ لئے۔

خواجہ ابونصر پارسا کی وفات ۸۶۵ھ کو ہوئی۔ مزار مبارک بلخ کے نواح میں کسی موضع میں واقع ہے۔

حضرت خواجہ علاؤالدین عطارؒ

آپ کا نام محمد بن محمد البخاری ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد خوارزم کے رہنے والے تھے۔ خواجہ بزرگ کے ارشد مرید اور خلیفہ تھے۔ خواجہ بزرگ نے اپنی حیات میں اپنے بہت سے مریدوں کی ہدایت اور ارشاد آپ کے سپرد کر دی تھی۔ خواجہ بزرگ فرماتے تھے کہ علاؤالدین نے ہمارا کام بہت ہلکا اور آسان کر دیا ہے۔ خواجہ بزرگ کی صاحبزادی آپ کے فرزند خواجہ حسن عطار کے گھر میں تھیں۔ چنانچہ خواجہ احرار سے روایت ہے کہ خواجہ حسن، حضرت خواجہ بزرگ کے داماد تھے۔

آپ کی وفات عشاء کی نماز کے بعد چہارشنبہ کی شب کو ۲۰/رجب المرجب ۸۰۲ھ کو ہوئی۔ مزار تو جغانیاں کے ایک گاؤں میں ہے۔ آپ کی وفات دوشنبہ عیدالاضحیٰ کی شب کو ۸۲۶ھ کو واقع ہوئی۔

مولانا یعقوب چرخیؒ

آپ کی اصل موضع چرخ سے ہے۔ چرخ ایک قصبہ ہے نواح غزنین سے، یہ احقر وہاں ہو آیا ہے۔ آپ کے اجداد کے مزارات اسی جگہ میں ہیں۔ آپ خواجہ بزرگ سے بے واسطہ مرید ہیں۔ پہلی مرتبہ جب آپ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ ہم کوئی کام خود سے نہیں کرتے، آج رات ہم دیکھتے ہیں اگر تجھ کو انہوں نے قبول کر لیا تو ہم بھی قبول کر لیں گے۔ مولانا یعقوب چرخی نے فرمایا کہ میرے اوپر اس رات سے زیادہ سخت کوئی رات نہیں ہوئی۔ آیا میرے لیے کیا حکم ہوتا ہے، صبح کو جب میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا کہ تجھے قبول کر لیا گیا ہے اور خواجہ علاؤالدین عطار کے سپرد کیا ہے۔ خواجہ بزرگ کے انتقال کے بعد علاؤالدین عطار کی صحبت میں آپ مرتبہ کمال پر پہنچے اور علوم ظاہری و باطنی میں جامع ہوئے۔ آپ کی ولادت مقام غزنین میں ہے، مزار مبارک موضع ملفقو میں ہے جو حصار شادمانی کے مواضعات میں سے ایک موضع ہے۔

حضرت خواجہ عبداللہ قدس سرہٗ

آپ کا لقب ناصرالدین احرار ہے۔ والد ماجد کا اسم گرامی خواجہ محمود بن شہاب الدین ہے۔ آپ کے جدامجد بڑے بزرگ ہوئے ہیں۔ حضرت خواجہ مولانا یعقوب چرخی کے کامل ترین مریدوں میں تھے۔ سلسلۂ خواجہ احراری کے سرتاج ہیں اور طریقت کے مقتدیٰ اور راہ حقیقت کے راہ نما ہیں۔ ماوراء النہر اور خراسان کے لوگ آپ کو بہت بڑا مانتے تھے اور آپ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ کرامات و خوارق عادات آپ سے بے شمار ظاہر ہوئی ہیں۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ کو آپ سے کمال اخلاص اور حسن اعتقاد تھا۔ چنانچہ اپنی بعض تصنیفات کو ان کے نام سے معنون کیا ہے اور آپ کو بجائے اپنے بیٹے کے سمجھتے تھے۔ حضرت خواجہ کو بھی آپ سے بے حد محبت اور خلوص تھا۔ تین مرتبہ مولانا جامیؒ نے آپ سے ملاقات کی

ہے۔ جب آخری مرتبہ مولانا جامیؒ کو آپ نے دیکھا تو فرمایا آپ نے تمام محاسن سفید کر لیے۔ جامی نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

پیرانہ سر کشیدم سردرہ سگانت
موئے سفید کردم جاروب آستانت

کہتے ہیں کہ خواجہ احرار کے پاس مال و زمینداری کافی تھی۔ سب مال و دولت خدا کی راہ میں صرف کر ڈالتے تھے۔ جب سال آخر ہوتا تو انبار کے انبار لگ جاتے۔ یہ بھی حضرت خواجہ کی کرامت تھی۔ مولانا کی شان میں آپ نے یہ اشعار کہے ہیں۔

ہزاراں مزرعہ درزیر گشت ست
کہ زاد رفتن راہ بہشت ست

دریں مزرعہ فشاند تخم دانہ
درآں عالم نہد انبار خانہ

آپ کی ولادت ماہ رمضان ۸۰۶ھ میں تاشقند کے ایک قریہ باغستان میں ہوئی اور آپ کی وفات سنیچر کی رات ۲۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ کو ہوئی۔ آپ کی عمر چند مہینہ کم نوے سال کی ہوئی۔ مزار مبارک سمرقند میں ہے۔

حضرت مولانا نظام خاموشؒ

آپ مولانا نظام الدین خاموش کے کامل و فاضل ترین مریدوں میں ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی میں آپ کو کافی دسترس حاصل تھی۔ شرع شریف کے سختی سے پابند تھے۔ جب آپ خراسان تشریف لے گئے تو سید قاسم تبریزی، مولانا ابو یزید بورانی اور شیخ بہاء الدین کی صحبت میں تمام عمر رہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ نے کتاب نفحات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنے مرید کو خواب و بیداری میں فرق بتا رہے تھے کہ اس وقت تک یہ فرق نہیں معلوم ہو سکتا کہ تم خود سو جاؤ۔ ورنہ خواب و بیداری دونوں حالت میں ان کی مشغولیت کی حالت یکساں ہے بلکہ خواب کی حالت میں بعض موانع مرتفع ہوتے ہیں۔ مجھے ایسا گمان ہوتا ہے کہ جو کچھ آپ فرما رہے تھے اپنی کیفیت کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا۔ آپ کی وفات چہار شنبہ کو نماز

کی حالت میں ۷ رجمادی الآخر ۸۶۰ھ میں ہوئی۔ مزار آپ کا ہرات کے خیابان میں ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ

آپ کا اصل لقب عماد الدین ہے۔ لیکن مشہور لقب نورالدین ہے۔ تخلص جامی۔ والد ماجد کا نام احمد بن دشتی۔ دشت اصفاہان کے محلات میں سے ایک محلہ کا نام ہے۔ آپ حنفی المذہب تھے اور عوام میں جو آپ کے متعلق مشہور ہے آپ شافعی المذہب تھے، یہ غلط اور بے بنیاد ہے چنانچہ ایک شخص نے حضرت مولانا زین الدین قواس سے اس سلسلہ میں استفسار کیا، آپ نے فرمایا کہ لوگوں نے غلط اس چیز کو مشہور کر دیا ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ بجز اس کے کہ شیخ سعید خرقانی کی کتاب چہار مذہب کو آپ مکہ معظمہ سے اپنے ہمراہ لائے تھے اور اس میں سے بعض محتاط مسائل پر عمل فرماتے تھے۔ مثلاً عورت کو چھو کر وضو کرنا، اعضائے نہانی کو اگر ہاتھ لگ جائے تو وضو کرنا وغیرہ چند مسائل پر عمل کرنے کی وجہ سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ آپ شافعی المذہب ہیں اگر چہ ایسا نہیں تھا۔

حضرت مولانا عارف کامل اور علوم ظاہری و باطنی میں بڑے ماہر اور جامع تھے، ماوراء النہر خراسان کے امام و پیشوا تھے۔ اپنے وقت کے امام گزرے ہیں۔ سلطان حسین مرزا کو آپ سے کمال خلوص اور عقیدت تھی۔ حضرت سعد الدین کاشغری کے ارشد مریدین میں تھے۔ جب آپ مولانا سعد الدین کی خدمت میں پہنچے۔ آپ نے فرمایا کہ آج ہمارے چنگل میں ایک شہباز پھنسا ہے۔ تین واسطوں سے خواجہ بزرگ سے آپ کو نسبت ہے۔ طفولیت کے زمانہ میں آپ خراسان میں تھے۔ خواجہ محمد پارسا کی صحبت میں عرصہ تک رہے۔ حضرت خواجہ نے آپ کو تبرکاً نبات کا ایک ٹکڑا عنایت فرمایا۔

خواجہ احرار قدس سرہٗ کو آپ سے بڑی عقیدت تھی اور آپ کا بڑا احترام کرتے تھے چنانچہ انتہائی محبت اور کمال عقیدت میں اپنے مکتوبات میں لفظ عرضداشت لکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ خراسان میں ایک آفتاب ہے۔ پھر لوگ چراغ کی روشنی میں ماوراء النہر میں کیوں آتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ آپ کو حضرت مولانا سے اس درجہ عقیدت تھی کہ کبھی اپنی درویشی اور کرامات کا اظہار نہیں فرماتے تھے بلکہ یوں کہتے تھے کہ کشف و کرامات پر اعتماد نہیں۔ اپنے کو کبھی علم ظاہری کے بھیس میں اور کبھی شعر و شاعری کے لباس میں پوشیدہ رکھتے

تھے اور فرماتے تھے کہ اس طریقہ میں اپنے کو پوشیدہ رکھنا پہلی شرط ہے۔ حاشا کہ کبھی آپ کے ذہن میں شعر و شاعری کے پیشہ کا خیال آتا ہو۔ کسی وقت بھی آپ قلبی ذکر سے خالی نہیں رہتے تھے۔ علم و فضل میں ایک بحرِ ذخار تھے۔ ایسے ذی علم و فضل کم لوگ گزرے ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ کو نفس قدسی عطا کیا تھا۔ آپ کے اشعار کا تمام دفتر حقائق و معارف پر مشتمل ہے۔ حضرت مولانا پر ابتدائے عمر سے آخر تک کمال عشق و جذبۂ محبت کا غلبہ رہا۔ چنانچہ آپ نے اس کا خود بھی اظہار کیا ہے۔

لذت عشق فرد رفتہ مرا در رگ و پی
عشق می گویم و جان میدہم از لذتِ وے

دیگر

غم عشق از دل کس کم مبادا
دلے بے عشق در عالم مبادا
متاب از عشق او گر خود مجازیست
کہ آں بہر حقیقت کار سازیست

اگرچہ ظاہر میں آپ کے دل میں جمال و حسن الٰہی سے خاص تعلق تھا اور اس میں کسی کے طعن و تشنیع کی پروانہ کرتے تھے: رباعی

کار جامی عشق خوبانست ہر سو عالمی
درپئی انکارِ او اوہچناں درکار خویش

یہ جذبہ حسن و جمال پرستی اس وجہ سے تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ کتنا ہی بڑا عارف کامل ہو جب تک اس کو محبوب ازلی سے عشق کامل نہ ہوگا اس کو کچھ بھی نظر نہیں آسکتا اور کسی چیز کو بھی حاصل کرنا چاہے گا کچھ بھی اس کو حاصل نہیں ہوگا۔ آخر عمر میں تمام تعلقات سے یکسر منحرف ہو گئے تھے اور فرماتے کہ محبت نام ہے ہر چیز سے قطع تعلق کر لینے کا، اس کی رضا۔ رضا الٰہی ہو اور بس۔

باعشق توام ہوا نماندست وہوس
با آتش سوزندہ چساں ماند خس
خواہد زتو مقصود و دل خود ہمہ کس
جامی ازتو ترا ہمیں خواہد وبس

آخر زمانہ میں سوائے طلب الٰہی کے اور کوئی طلب آپ کو نہ تھی۔ آپ فرماتے تھے۔

ہست مراد ہر کسے چیز دگر از ہم ایں جہاں
نیست مراد غیر تو جامی نامراد را

آپ ہر وقت ذوق اور وجد کی حالت میں سرشار رہتے تھے۔ کئی مرتبہ فرماتے تھے اور آخر زمانہ میں جب آپ معراج کمال پر فائز تھے، آپ فرماتے تھے۔ رباعی

خوش وقت کسیکہ می دریں خم خانہ
از خم بسبو کشد نہ از پیمانہ
صدبار اگر نیست شود عالم ہست
واقف نہ شود کہ ہست عالم یا نہ

حضرت مولانا جامیؒ کو قدرت نے ایسی طبیعت اور سمجھ عطا فرمائی تھی کہ بہت کم لوگوں کو ملی ہوگی۔ آپ نہایت خلیق اور ملنسار تھے، گفتگو کا لہجہ نہایت نرم اور دلچسپ ہوتا تھا۔ گفتگو میں ظرافت آمیز جملے اور حکیمانہ باتیں ہوتیں۔ تصانیف کی تعداد تقریباً ۴۴ ہیں۔ لفظ جام کے جتنے عدد ہوتے ہیں اتنی ہی آپ کی تصانیف کی تعداد ہے اور آپ کی تمام تر تصانیف نہایت مشہور اور مقبول خواص و عام ہیں۔ کسی کو کسی قسم کا اعتراض نہیں۔ شواہد النبوۃ اور نفحات الانس جو حکیمانہ و عارفانہ لطائف و نکات پر مشتمل ہے گویا آپ کی تصانیف کی دو آنکھیں ہیں۔ مثنوی میں یوسف و زلیخا اور غزلیات میں دیوان اول اپنی آپ مثال ہیں۔ اس خاکسار کے زیر مطالعہ حضرت کی تصانیف کے نظم و نثر کے مجموعے ہر وقت رہتے ہیں۔ آپ کے کلام کی برکت اور حقیقت سے بیشمار فوائد حاصل ہیں۔ یہ کتاب بھی میں نے حضرت کی شاگردی اور اتباع کی وجہ سے لکھی ہے۔ حضرت کے کلام میں فصاحت و بلاغت اور سوز و گداز بھرا ہوا ہے۔ اس زمانہ کے علماء میں سے ایک عالم آپ کے حق میں طعن و تشنیع اور سوء عقیدگی کا اظہار کرتا تھا اور آپ کی شان کے نامناسب باتیں کہتا تھا، اس خاکسار نے کئی مرتبہ اس کو ایسا کہنے سے روکا اور سمجھایا، جب اس کا انتقال ہوا تو ایک عالم باعمل اور فاضل اجل نے اس عالم بدعقیدہ کو خواب میں دیکھا کہ سخت پریشان ہے، اس سے پوچھا کہ کیوں پریشان ہے۔ کہنے لگا کہ میں جنت میں جانا چاہتا تھا کہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ تشریف لائے اور میرا دامن پکڑ کر مجھے کھینچ لیا اور اندر جانے سے روک دیا اور کیوں کہ اس خاکسار کو حضرت سے جو عقیدت تھی اس عالم کو معلوم تھا۔ میرا نام لیا اور عرض کیا کہ وہ مولانا جامیؒ سے کہہ دیں کہ وہ مجھے معاف کر دیں اور جنت میں

جانے دیں۔

آپ کی ولادت ۲۶ رشعبان ۸۱۷ھ کو حریر و جام میں ہوئی۔آپ کی عمر ۸۱ سال کی تھی۔ وفات خواجہ احرار کی وفات کے تین سال بعد ۸۹۸ھ کو ۱۸ رمحرم جمعہ کے دن ہوئی۔آپ کا مزار مبارک خیابان ہرات میں واقع ہے، اپنے پیر و مرشد کے پہلو میں آسودہ ہیں۔آپ کا جنازہ اٹھاتے وقت سلطان حسین مرزا کو سب حاضرین جنازہ نے دیکھا کہ آپ موجود ہیں۔

حضرت مولانا عبدالغفور لاری قدس سرہٗ

آپ کا لقب رضی الدین تھا۔ لار کے قدیمی باشندے اور وہاں کے اعیان واشراف میں آپ کا شمار تھا۔ حضرت سعد بن عبادہؓ کی اولاد میں ہیں جو قبیلہ انصار اور قبیلہ خزرج سے تھے، آپ مولانا جامیؒ کے ارشد تلامذہ میں ہیں۔ حضرت جامیؒ نے آپ کے حق میں فرمایا۔

آنجا کہ فہم و دانش مرغی بود شکارے

بازیست تیز رفتار عبدالغفور لارے

مولانا جامیؒ بہت کم مرید کرتے تھے۔آپ کا فرمان ہے کہ ایک کامل مرید کا ہونا بس کافی ہے اور یہ اشارہ عبدالغفور لاری کی طرف تھا۔ جو نہایت کامل اور علوم ظاہری و باطنی میں پوری مہارت وقدرت رکھتے تھے، آپ ہی نے شرح ملا اور نفحات الانس پر حاشیہ لکھا ہے۔ مشکل لغات والفاظ کا حل بھی آپ ہی نے کیا ہے۔اپنے پیر سے کمال خلوص اور عقیدت رکھتے تھے۔ وفات کے وقت اپنے پیر کی خدمت میں حاضر تھے۔آپ کی وفات طلوع آفتاب کے بعد بروز یکشنبہ ۵ رشعبان ۹۱۲ھ میں ہوئی۔آپ کا مزار مقدس اپنے پیر کی آغوش میں خیابان ہرات میں واقع ہے، کیسا خوش نصیب اور سعادت مند مرید ہے جسے وفات کے بعد بھی اپنے پیر کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہے۔

حضرت خواجہ عبدالشہید قدس سرہٗ

آپ کے والد ماجد کا نام خواجہ بن حضرت خواجہ عبداللہ احرار ہے۔آپ جب پیدا ہوئے تو خواجہ کے والد حضرت خواجہ احرار کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت نے گود میں لے کر فرمایا کہ یہ لڑکا عارف کامل ہوگا۔ حضرت کے فرمان کی برکت سے خواجہ عبدالشہید کو خدا

نے ظاہری اور باطنی کمالات پر فائز کیا۔ آپ سے کرامات و خوارق بہت ظاہر ہوئے، آپ ہند تشریف لائے تو اہل ہند نے آپ کا شایان شان احترام کیا اور بہت سے لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ آپ کا طریق راہ سلوک میں حضرت خواجہ کے طریقہ کے مطابق تھا، ۹۸۲ھ تک اٹھارہ سال آپ ہندوستان میں مقیم ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ اب ہمارے کوچ کا وقت قریب ہے۔ فرمایا کہ حکم ہوا ہے کہ ہم اپنی ایک مشت ہڈیوں کے ڈھانچے کو سمرقند میں جا کر اپنی آخری آرامگاہ میں پہنچا دیں۔ چنانچہ آپ سمرقند کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر دو تین دن بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ مزار مبارک حضرت خواجہ احرار کے پہلو میں ہے۔

حضرت خواجہ باقیؒ

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی کے اویسی اور ظاہر میں مولانا خواجگی الکینی کے مرید ہیں، خواجہ کے کسی مرید نے کہا کہ حضرت خواجہؒ نے رحلت کے وقت اپنے تمام فرزندوں کو پاس بلایا اور پوچھا کہ ان چھوٹوں کے حق میں آپ کیا کہتے ہیں، فرمایا۔

فرزند بندہ ایست خدارا غمش مخور

آپ کی وفات ۱۰۱۲ھ کو ہوئی۔ عمر شریف صرف چالیس سال کی ہوئی۔ مزار دہلی میں ہے۔

ہاشم خواجہ و صالح خواجہ دہبیدی قدس اسرارہم

دہبید سمرقند کے مضافات میں ایک موضع کا نام ہے یہ دونوں بھائی بھائی تھے اور اپنے زمانہ کے امام اور ماوراء الہند میں مقتدا مانے جاتے تھے اور ماوراء الہند کے تمام لوگوں کو آپ سے کمال عقیدت تھی۔ ہاشم خواجہ بڑے بھائی اور چھوٹے صالح خواجہ تھے۔ سمرقند میں رہتے تھے۔ اپنے والد سے بیعت تھے۔ خواجہ کلاں اور آپ خواجہ کلاں جویباری کے مرید تھے اور وہ خواجہ محمد کاشانی کے مرید تھے اور وہ مولانا محمد قاضی کے اور وہ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کے مرید۔

ہاشم خواجہ کی وفات دوشنبہ کو ماہ ربیع الاول ۱۰۴۶ھ کو ہوئی۔ قبر دہبید میں ہے۔ صالح خواجہ بلخ میں رہے۔ کرامات و خوارق دونوں برادارن سے بہت ظاہر ہوئیں۔ آپ کی وفات ماہ محرم ۱۰۴۸ھ میں ہوئی۔ قبر بلخ میں ہے۔ عمر شریف ۷۸ سال تھی۔ احوال مشائخ سلسلہ نقشبندیہ قدس اسرارہم تمام ہوئے۔ ◆◆◆

سلسلہ شریفہ چشتیہ جو حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ تک منتہی ہوتا ہے

حضرت خواجہ عبدالواحد زیدؒ

آپ کے آباؤ اجداد بصرہ کے قدیمی باشندہ تھے۔ حسن بصریؒ سے بیعت اور امام اعظمؒ کے شاگرد ہیں۔ خرقہ ارادت آپ نے ان سے ہی پہنا ہے۔ چونکہ حضرت حسن بصریؒ کا ذکر صحابہ کرامؓ کے تذکرہ کے بعد ہے۔ اس لیے اس سلسلہ میں ابتداء میں ذکر نہیں کیا گیا، آپ بڑے درجہ کے مالک تھے۔ خوارق و کرامات آپ سے بہت ظاہر ہوئی ہیں۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ درویشوں کی ایک جماعت پر بھوک کا غلبہ تھا اور یہ سب حضرت کی خدمت میں حاضر تھے۔ حلوہ کھانے کی خواہش ظاہر کی اور کچھ بھی موجود نہ تھا۔ خواجہ نے آسمان کی طرف منہ کیا اور حق سبحانہٗ سے اس جماعت کے حق میں دعا فرمائی۔ اسی وقت سرخ سرخ دینار آسمان سے برسنا شروع ہو گئے۔ حضرت نے مریدوں سے فرمایا، حلوا کے لیے جس قدر دینار کی ضرورت ہے ان میں سے اٹھا لو اور حلوا لاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سب نے حلوا کھایا، لیکن خواجہ نے نہیں کھایا اور آپ کے نہ کھانے کا سبب یہ معلوم ہوا کہ ان دیناروں کا گرنا حضرت کی کرامت سے تھا۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اپنی کرامت سے حاصل کی ہوئی چیز سے اپنی خوراک حاصل کریں۔ کیونکہ یہ حضرات محنت و مشقت سے حاصل کر کے خوراک کھاتے ہیں، چنانچہ ایک درویش کسی جنگل میں پیاسا ہوا۔ اس کے لئے آسمان سے ایک سنہری پیالہ پانی سے بھرا ہوا آیا۔ اس درویش نے کہا خدا کی قسم میں اس میں سے ذرا بھی نہ پیوں گا مگر اس اعرابی کے ہاتھ سے جو میرے ایک تھپڑ رسید کرے اور پھر پانی پلائے ورنہ میری کرامت سے پانی نہیں آ سکتا تو قادر و توانا ہے کہ میرے پیٹ میں پانی پیدا فرما سکتا ہے یعنی کرامات ظاہری مکر کے خطرہ سے باہر نہیں۔ آپ کی وفات ۱۷۷ھ میں ہوئی۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ

کنیت ابوعلی، اصل وطن کوفہ تھا۔ بعض روایت میں آپ کا اصل وطن خراسان ہے جو مرو کے نواح میں ایک مقام ہے۔ ولادت سمرقند میں ہوئی اور نشو ونما باورد میں ہوئی۔ ایک دوسری روایت میں آپ کو بخاری الاصل بتایا ہے۔ خواجہ عبدالواحد بن زید کے مرید اور امام اعظمؒ کے شاگرد رشید ہیں۔ ابراہیم ادھم، بشر حافی، سفیان ثوری اور داؤد طائی کے ہم عصر تھے، معارف وحقائق میں یکتائے روزگار تھے۔ روایت ہے کہ ایک دن آپ نے اپنے چھوٹے لڑکے کو گود میں لے لیا۔ اس کے منہ کو چوما۔ جیسا کہ آپ کی عادت ہے۔ بچے نے کہا۔ باپ آپ کو مجھ سے محبت ہے کہا ہاں۔ بچے نے کہا خدا سے آپ کو محبت ہے۔ فرمایا ہاں۔ بچے نے کہا باپ ایک دل میں دو محبتیں رہ سکتی ہیں؟ باپ نے اب سمجھا کہ یہ بات کس نے کہلوائی ہے۔ ہاتھ سر پر مارا، بچے کو زمین پر ڈال دیا اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئے اور فرمایا کہ خدا سے ڈرتا ہے کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ آپ نے فرمایا جب حق تعالیٰ بندے کو دوست کہتا ہے اس کو بہت رنج وغم دیتا ہے اور جب کسی کو دشمن رکھتا ہے دنیا اس پر کشادہ کر دیتا ہے، آپ نے فرمایا جو اپنے کو قیمتی جانتا ہے تو اضع سے اس کو کوئی حصہ نہیں۔ آپ نے فرمایا اگر ہو سکے تو ایک جگہ ساکن ہو جاؤ، تاکہ کوئی تم کو نہ دیکھ سکے اور نہ تم کسی کو دیکھ سکو کہ یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہے۔ فرمایا کہ جس طرح بہشت میں رونا قابل تعجب ہے اس سے زیادہ قابل تعجب یہ ہے کہ دنیا میں ہنسا جائے۔ فرمایا دنیا میں آنا بہت آسان ہے لیکن دنیا سے نجات پا جانا اور خلاصی حاصل کرنا بہت دشوار ہے۔ فرمایا کہ اگر تجھ سے پوچھا جائے کہ تو خدا کو دوست رکھتا ہے تو تو خاموش ہو جا۔ اگر تو نے انکار کیا تو کافر ہو جائے گا اور اگر ہاں کرے گا تو تیرا فعل خدا کے دوستوں کے موافق نہ ہوگا۔ آپ کی وفات ماہ محرم ۱۸۷ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک مکہ شریف میں مزارات معلیٰ میں واقع ہے۔

حضرت سلطان ابراہیم ادھمؒ

آپ کی کنیت ابواسحٰق، باپ کا نام ادھم بن سلیمان بن منصور بلخی ہے۔ آپ شاہی خاندان سے ہیں۔ ابتداء میں بلخ کے بادشاہ تھے۔ جوانی میں تائب ہوئے، نقل ہے کہ ایک

رات تخت پر سو رہے تھے۔ نصف شب کے قریب چھت ہلنے لگی، آپ نے آواز دی کون ہے؟ آواز آئی میرا اونٹ گم ہو گیا ہے اس کو تلاش کرتا ہوں، آپ نے کہا کہ اونٹ چھت پر کس طرح آ سکتا ہے۔ آواز آئی اے غافل، تو خدا کو اطلس کے کپڑے پہن کر سونے کے تخت پر بیٹھ کر تلاش کرتا ہے یہ تو چھت پر اونٹ تلاش کرنے سے زیادہ عجیب بات ہے، اس بات کو سن کر سلطان ابراہیم کے دل پر ایک ہیبت طاری ہو گئی اور ایک فکر میں مبتلا ہو گئے۔ دوسرے دن دربار عام کیا، ارکان دولت بھی موجود تھے، دفعتاً ایک ہیبتناک مرد اندر سے باہر آیا کہ کوئی اس کو اندر آنے سے نہ روک سکا۔ سلطان کے تخت کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا، سلطان نے پوچھا کیا ارادہ ہے۔ پوچھا اس سرائے میں آ سکتا ہوں۔ فرمایا یہ عام رباط نہیں ہے، میری سرائے ہے۔ کہا یہ سرائے تیرے پاس کس سے آئی، تجھ سے پہلے کس کے پاس تھی؟ کہا میرے باپ کے پاس۔ کہا اس سے پہلے کس کے پاس؟ کہا ان کے باپ کے پاس! کہا اس سے پہلے۔ کہا فلاں کے پاس۔ پھر اس طرح چند آدمیوں کو گنایا۔ پھر کہا یہ رباط تیرے پاس نہ رہے گی۔ ایک جاتا ہے، دوسرا آتا ہے، سلطان اس گفتگو سے بہت پریشان ہو گیا، پوچھا آپ کون ہیں۔ کہا کہ میں خضرؑ ہوں، یہ سن کر دل میں اور بھی خوف و ہراس پیدا ہوا اور بس سب دولت و تخت کو چھوڑ کر سلطان نے جنگل کی راہ لی۔ لوگوں نے ہاتف کو یہ کہتے سنا کہ بیدار ہو قبل اس کے کہ موت کے بعد تجھے بیدار کیا جائے اور اس طرح چند بار ہاتف نے کہا! دفعتاً ایک ہرن آتا دیکھا۔ سلطان اس کے پیچھے ہو لیا۔ ہرن کو خدا نے قوت گویائی عطا کی اور کہا کہ مجھے تمہارے شکار کرنے کو بھیجا ہے تو مجھے کیسے شکار کرے گا۔ یہ سن کر سلطان کی حالت بدل گئی۔ کپڑے اتار پھینکے۔ حکومت و تخت کو ٹھوکر ماری اور راہِ طریقت میں چلنا شروع کیا۔ مکہ شریف پہنچے۔ امام اعظمؒ، سفیان ثوریؒ اور ابو یوسف غولیؒ کی صحبت میں رہنے لگے۔ امام اعظمؒ سے علم حاصل کیا۔ امام اعظمؒ آپ کو سیدنا کہا کرتے تھے۔ سید الطائفہ حضرت جنید قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ ابراہیم ادھمؒ اس جماعت علم کی کنجی ہیں۔ حضرت خضرؑ کی صحبت میں رہتے تھے۔ خرقہ ولایت حضرت فضیل بن عیاضؒ سے پہنا تھا۔ تمام عمر اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے، زمانہ میں یکتا شاہ ہر دو جہاں اور اپنے ہم عصروں کے سردار تھے۔ آپ سے کرامات کا اس درجہ ظہور ہوا ... بیان نہیں ہو سکتا۔ کہتے ہیں جب غیب سے ندا آئی تو آپ فرماتے کہ دنیا کے بادشاہ جہاں ہیں۔ آ کر دیکھیں کہ یہ کیا معاملہ ہے اور یہ کیسا کاروبار ہے تاکہ اپنے ملک و حکومت سے ... کو شرم آئے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ کشتی میں سفر کیا۔ پیسے پاس نہ تھے۔ ملاح نے کرایہ طلب کیا، آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور خدا سے کہا۔ خدایا مجھ سے یہ کچھ مطالبہ کرتے ہیں۔ فوراً دریا کے دونوں کناروں کا ریت سونا ہوگیا۔ ایک مٹھی بھر اٹھائی اور ملاح کو دے دی۔ روایت ہے کہ ایک بار دریا کے کنارے پر بیٹھے ہوئے اپنے پھٹے ہوئے کپڑے سیتے تھے۔ آپ کی سوئی دریا میں گر گئی۔ دریا کو آپ نے اشارہ فرمایا۔ ہزاروں مچھلیوں نے اپنا سر نکالا اور ہر ایک کے منہ میں سونے کی ایک سوئی تھی، فرمایا میں اپنی سوئی چاہتا ہوں۔ ایک کمزور سی مچھلی منہ میں آپ کی سوئی لے کر حاضر ہوئی۔ سلطان کے سامنے رکھ دی۔ فرمایا بلخ کی حکومت کو چھوڑ کر ادنیٰ چیز جو مجھے حاصل ہوئی وہ یہ ہے۔ آپ کی وفات ۱۶ر جمادی الاول ۱۲۴ھ کو ہوئی۔ مزار مبارک جبلہ شام میں ہے، ایک روایت میں بغداد میں کہا گیا ہے۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

حضرت خواجہ حذیفہ مرعشیؒ

مرعش شام کے قریب ایک شہر کا نام ہے۔ آپ وہاں کے رہنے والے تھے۔ آپ کا شمار مشائخ کبار میں ہے۔ سلطان ابراہیم ادھم قدس سرہٗ کے مرید ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اخلاص یہ ہے کہ انسان کے افعال ظاہر و باطن میں یکساں ہوں۔ آپ کی وفات ۱۴ر شوال کو ہوئی۔ سنہ وفات معلوم نہ ہوسکا۔

حضرت خواجہ ہبیرہ بصریؒ

آپ بصرہ کے قدیمی باشندے تھے۔ اپنے زمانہ کے اکابر میں سے تھے۔ خواجہ حذیفہ مرعشی کے مرید تھے۔ کرامات و خوارق آپ سے بہت ظاہر ہوئیں۔ تصوف میں آپ کا مقام بلند تھا۔ وفات ۱۸ر شوال کو ہوئی۔ سنہ وفات معلوم نہیں ہوسکا۔

حضرت شیخ علوی دینوریؒ

خواجہ ہبیرہ بصریؒ کے خاص مریدوں میں تھے، اپنے وقت کے مشائخ کبار میں تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کے عالم متبحر تھے۔ خوارق و کرامات عجیب عجیب آپ سے ظاہر ہوئیں،

چنانچہ روایت ہے کہ جس دن آپ تولد ہوئے اس دن سے آخری وقت تک اپنی تمام عمر روزہ دار رہے۔ صائم الدہر تھے۔ ایام طفولیت میں دن میں دودھ نہیں پیتے تھے۔ تذکرۃ الاصفیاء اور مشائخ چشت کے بعد ملفوظات میں لکھا ہے کہ شیخ علی دینوری اور شیخ ممشاد دینوری دونوں ایک ہیں اور شیخ ممشاد علوی دینوری ان کو لکھتے ہیں نفحات الانس اور بعض دوسری کتابوں سے پتا چلتا ہے کہ شیخ علوی دینوری وہ نہیں ہیں جو شیخ ممشاد دینوری ہیں۔ شیخ ممشاد دینوری کا تذکرہ سلسلہ سہروردیہ میں کیا جائے گا۔

حضرت شیخ ابواسحٰق شامیؒ

آپ اپنے زمانہ کے قطب تھے۔ شیخ علوی دینوری کے خاص مرید۔ آپ کی وفات ۱۴ ربیع الثانی کو ہوئی۔ مزار شام کے علاقہ میں مقام عکہ میں واقع ہے۔

حضرت خواجہ احمد ابدال چشتیؒ

حلقۂ سلسلہ چشتیہ کے سردار اور سلطان فرسانفہ کے لڑکے ہیں۔ اس ولایت کے امیر اور شیخ ابواسحٰق شامیؒ کے مرید ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب شیخ ابواسحٰق قصبہ چشت میں پہنچے، خواجہ نے فوراً آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

روایت ہے کہ ایک دن خواجہ ابواحمد، جب بیس سال کی عمر تھی اپنے والد ماجد سلطان فرسانفہ کے ہمراہ شکار کے ارادہ سے پہاڑ کی طرف گئے۔ اثنائے سفر میں کہیں تنہا رہ گئے، والد سے بچھڑ گئے۔ ایک پہاڑ پر پہنچے۔ جہاں چالیس رجال الغیب ایک پتھر پر کھڑے تھے۔ شیخ ابواسحٰق شامیؒ بھی اس جماعت میں موجود تھے۔ یہ دیکھ کر ان کو بڑا تعجب ہوا۔ گھوڑے سے نیچے اترے اور شیخ ابواسحٰقؒ کے پاؤں پر گر پڑے، گھوڑا، ہتھیار، جو کچھ ساتھ تھا سب وہیں چھوڑ دیا اور ایک کمبل اوڑھ کر ان کے ساتھ چل دیے۔ والد نے اور دوسرے لوگوں نے تلاش کیا کہیں نہیں ملے۔ کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ آپ شیخ ابواسحٰقؒ کے پاس ہیں اور فلاں جگہ موجود ہیں۔ باپ نے کچھ آدمیوں کو لانے کے لیے بھیجا۔ ہر چند سمجھایا، آپ واپس نہیں آئے اور کوئی بھی نصیحت کارآمد نہیں ہوئی۔ کہتے ہیں کہ آپ کے باپ کا ایک شراب خانہ تھا، ایک دن موقع پا کر اندر پہنچ گئے اور تمام گھڑوں کو توڑنا شروع کیا، باپ کو معلوم ہوا، غصہ میں چھت

سورة البقرہ

پس انہوں نے شکست دی جالوت کے لشکر کو اللہ کے اذن سے اور قتل کر دیا داؤدؑ نے جالوت کو اور عطا فرمائی داؤدؑ کو اللہ نے حکومت اور دانائی اور سکھا دیا اس کو جو چاہا اور اگر نہ بچاؤ کرتا اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کا بعض کے ذریعہ تو برباد ہو جاتی زمین لیکن اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمانے والا ہے سارے جہانوں پر۔ یہ آیتیں ہیں اللہ کی ہم پڑھتے ہیں آپ پر (اے حبیب) ٹھیک ٹھیک اور یقیناً آپ رسولوں میں سے ہیں۔ یہ سب رسول ہم نے فضیلت دی ہے (ان میں سے) بعض کو بعض پر ان میں سے کسی سے کلام فرمایا اللہ نے اور بلند کئے ان میں سے بعض کے درجے اور دیں ہم نے عیسیٰ فرزند مریم کو کھلی نشانیاں اور مدد فرمائی ہم نے ان کی پاکیزہ روح سے اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ لڑتے (جھگڑتے) وہ لوگ جو ان (رسولوں) کے پیچھے آئے بعد اس کے کہ آ گئیں ان کے پاس کھلی نشانیاں لیکن انہوں نے اختلاف کیا۔ ان میں سے کوئی ایمان پر (ثابت) رہا اور ان میں سے کوئی کافر ہو گیا اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ لڑتے (جھگڑتے) لیکن اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ (آیت 251 تا 253) (ترجمہ: بحوالہ ضیاء القرآن)

پر چڑھے اور ایک بڑا پتھر اٹھایا اور چاہا کہ سوراخ میں سے ان کو ماریں۔ سوراخ نے پتھر کو پکڑ لیا اور مع پتھر کے ان کو ہوا میں اٹھا لیا۔ جب یہ حالت دیکھی توبہ کی۔ اس قسم کی کرامتیں آپ سے بے شمار ظاہر ہوئیں جن کے لیے بڑی تفصیل کی ضرورت ہے۔

آپ کی ولادت ۲۶۰ھ میں اور وفات ۱۰ ارجمادی الآخر ۳۵۵ھ میں ہوئی۔ آپ کی قبر مبارک مقام چشت میں واقع ہے۔

حضرت خواجہ محمد چشتی قدس سرہٗ

آپ خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ کے لڑکے اور مرید ہیں۔ علوم دینیہ کے مالک تھے۔ زہد و عبادت میں کامل تھے۔ کہتے ہیں کہ غزوۂ سومنات میں محمود سبکتگین کے ہمراہ ستر سال کی عمر میں محمود کی امداد کے لیے بحکم الٰہی گئے تھے۔ آپ کی برکت قدوم سے سومنات فتح ہوا۔ آپ کی وفات ماہ رجب ۴۱۱ھ میں ہوئی۔ مزار مقام چشت میں ہے۔

حضرت خواجہ یوسف بن سمعانؒ

آپ کا لقب ناصر الدین ہے، خواجہ محمد بن خواجہ ابو احمد چشتیؒ کے بھانجے، مرید اور تربیت

یافتہ ہیں۔ نقل ہے کہ خواجہ محمد کی ہمشیرہ جن کی تقریباً چالیس سال عمر تھی بھائی کی خدمت کی وجہ شادی کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھیں، ہر وقت عبادت اور اطاعت الٰہی میں مشغول رہتی تھیں۔ ایک رات خواجہ محمد بزرگوار نے خواجہ ابواحمد کو خواب میں دیکھا، وہ فرماتے ہیں کہ ولایت شام میں ایک شخص محمد سمعان نامی ہے جو عالم باعمل اور پرہیز گار ہے، اپنی ہمشیرہ کا ان سے عقد کردو۔ خواجہ نے ان کو بلوا کر اپنی ہمشیرہ کا ان کے ساتھ عقد کر دیا۔ خواجہ یوسف چشت میں ان سے پیدا ہوئے۔ ان پر آخری عمر میں سکر اور حیرت کا اتنا غلبہ تھا کہ کبھی ایسا ہوتا کہ خادم وضو کراتا اور اثنائے وضو میں غائب ہو جاتے، تھوڑی دیر غائب رہ کر پھر موجود ہو جاتے اور وضو کو پورا کرتے۔ آپ کی وفات ۴ ربیع الآخر ۴۵۹ھ میں ہوئی۔ آپ کی عمر ۸۴ سال کی تھی۔ رحلت کے وقت اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ قطب الدین مودود کو اپنا جانشین بنایا۔ آپ کا مزار چشت میں ہے۔

حضرت خواجہ مودود چشتیؒ

آپ کا لقب قطب الدین ہے۔ سات سال کی عمر میں پورا قرآن قرأت و تجوید کے ساتھ حفظ ختم کیا تھا۔ پھر علوم دینیہ کی تحصیل کی۔ ۲۶ سال کی عمر تھی کہ والد ماجد حضرت خواجہ یوسف کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور وصیت کے مطابق آپ باپ کے جانشین ہوئے، اخلاق حسنہ اور حسن سیرت میں آپ سب میں مشہور تھے۔ اس جگہ کے تمام لوگ آپ سے حسن عقیدت رکھتے تھے۔ اگرچہ آپ والد کے مرید تھے لیکن آپ کے والد کے انتقال کے بعد جس وقت حضرت شیخ الاسلام احمد جام ہرات میں پہنچے اور خواجہ مودود اور حضرت شیخ جام کا وہ معاملہ جو کتاب نفحات الانس میں مذکور ہے کہ جب خواجہ مودود نے اپنی تربیت اور خلوص کی بابت حضرت شیخ جام سے درخواست کی تو حضرت شیخ جام نے آپ کو آغوش میں بٹھایا اور تین مرتبہ فرمایا۔ ''بشرط علم'' تین دن تک آپ حضرت جام کی خدمت میں رہے اور فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔ سلسلہ چشتیہ خواجہ مودود سے حضرت شیخ جام تک بھی پہنچتا ہے۔

آپ کی وفات ماہ رجب ۵۷۷ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار مبارک بھی مزار چشت کے اندر واقع ہے۔

حضرت خواجہ احمد بن مودود چشتیؒ

اپنے وقت کے قطب اور بہت بڑے مشائخ میں تھے۔ اپنے والد ماجد کے مرید تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں پوری مہارت تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے خواب میں دیکھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے احمد اگر تو ہمارا عاشق نہیں ہے ہم تیرے عاشق ہیں۔

ایک رات اس طرح کہ کوئی آپ کو پہچان نہ سکے آپ حرمین شریفین کی زیارت کو تشریف لے گئے۔ جب ارکان حج سے فارغ ہوئے۔ مدینہ منورہ گئے۔ چھ ماہ وہاں رہے۔ نقل ہے کہ آپ کا مدینہ میں اتنے عرصہ رہنا حرم کے مجاروں کو ناگوار تھا اس لیے وہ آپ کو وہاں سے جانے پر مجبور کرنا چاہتے تھے اور تنگ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ روضہ شریف سے آواز آئی۔ ہمارے مشتاق کو کوئی آزار نہ پہنچاؤ، یہ آواز سب حاضرین نے سنی، واپسی میں بغداد آ کر شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خانقاہ میں ٹھہرے، شیخ شہاب الدینؒ نے آپ کو بڑے احترام سے رکھا اور آپ کی خاطر مدارات کی، آپ کی ولادت ۵۰۷ھ میں ہوئی اور وفات ۵۷۷ھ کو، مزار چشت میں واقع ہے۔

حضرت شاہ سنجانؒ

آپ کا لقب رکن الدین اور نام محمود ہے۔ آپ سنجان خواف کے ایک قصبہ کے قدیمی باشندے تھے۔ خواجہ مودود چشتیؒ کے مرید۔ شاہ کا لقب آپ کو خواجہ مودود نے عطا کیا تھا۔ روایت ہے کہ جتنے عرصہ آپ کا قیام چشت میں رہا آپ باوضو رہے کبھی بے وضو نہیں ہوئے۔ جب ضرورت ہوتی تو چشت سے باہر جا کر قضائے حاجت کرتے اور وضو فرما کر آتے۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ جگہ ادب کی ہے۔ آپ کی وفات ۵۹۷ھ میں ہوئی۔

حضرت خواجہ حاجی شریف زندنیؒ

خواجہ مودود چشتیؒ کے مرید ہیں۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کا سلسلہ آپ کی طرف سے خواجہ مودود چشتیؒ پر منتہی ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص نے وفات کے بعد شاہ سنجر کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا خدا نے تیرے ساتھ کیسا معاملہ کیا۔ شاہ سنجر نے کہا کہ میری بابت فرشتوں کو

حکم ملا کہ دوزخ میں عذاب کے لیے لے جائیں۔ اسی اثنا میں پھر حکم آیا کہ فلاں دن یہ دمشق میں حاجی شریف زندنی کی صحبت کی سعادت سے مشرف ہوا تھا۔ اس برکت سے ہم نے اس کی مغفرت کردی۔ آپ کی وفات ۶ رجب المرجب کو ہوئی۔

حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہٗ

آپ حاجی شریف زندنی کے مرید ہیں۔ اپنے زمانہ کے یکتا اور قطب گزرے ہیں۔ بہت سے اکابر مشائخ کی صحبت اٹھائی ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے روایت ہے کہ ایک دن شیخ عثمان ہارونیؒ سفر میں ایک جگہ پہنچے تو آتش پرستوں کی بستی تھی، وہاں آتش کدہ تھا، جس میں روزانہ بیس اربے لکڑیاں ڈالی جاتی تھیں اور آگ کسی دن سرد نہیں ہوتی، آپ نے پوچھا کہ اس آگ کی پرستش سے کیا حاصل۔ تم لوگ خدا کی پرستش کیوں نہیں کرتے جس نے اس آگ کو پیدا کیا ہے، جواب دیا کہ ہمارے مذہب میں آگ کو بڑا مانا گیا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ اچھا تم اپنے ہاتھ پاؤں کو آگ کے اندر ڈال سکتے ہو۔ کہا آگ کا کام جلانا ہے۔ یہ کس کی مجال ہے کہ اس کے قریب بھی جائے۔ شیخ نے ایک بچہ کو جو ایک آتش پرست کی گود میں تھا لے لیا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قلنا یا نار کونی برداً وسلاماً علی ابراھیم کہہ کر آگ میں چلے گئے اور چار گھنٹہ کے بعد باہر آئے، نہ آپ کا خرقہ آگ سے جلا اور نہ اس بچہ پر آگ کا کوئی اثر ہوا۔

یہ دیکھ کر تمام آتش پرست قدموں پر گر پڑے اور اسلام لے آئے، وہ بچہ اور اس کا باپ دونوں چلہ کر ولی کامل ہوئے، نیز خواجہ معین الدین چشتیؒ نے فرمایا کہ شیخ عثمان ہارونیؒ فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ کے کچھ دوست ہیں جو ایک ساعت بھی حق تعالیٰ سے غافل اور محجوب نہیں رہتے۔ اگر ذرا دیر کے لئے بھی وہ حق تعالیٰ سے محجوب ہو جائیں تو فنا ہو جائیں نیز شیخ نے فرمایا جس میں یہ تین خصلتیں ہوں گی سمجھو کہ خدا اس کو دوست رکھتا ہے۔

سخاوت دریا کی مانند۔ شفقت آفتاب کی مانند۔ تواضع وانکساری زمین کی مانند۔
آپ کی وفات ۱۶ رشوال کو ہوئی۔ مزار مکہ معظمہ میں واقع ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

جائے پیدائش اور آبائی وطن سجستان ہے۔ آپ کی تربیت خراسان کے ملک میں ہوئی۔

والد ماجد کا نام خواجہ غیاث الدین حسن ہے جو حسینی سادات سے ہیں۔ شیخ ہارونی کے مرید تھے، ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے سردار مانے جاتے ہیں۔ شیخ ہارونی فرماتے ہیں کہ ہمارے معین الدین خدا کے محبوب ہیں۔ مجھے اپنے ان جیسے مریدوں پر فخر ہے۔ جو اپنے وقت کا قطب اور صاحب تصرف سردارِ اولیاء اور مرکز انوار معرفت ہے۔ ہندوستان کے لوگ عام طور پر آپ کے عقیدت مند تھے۔ آپ علوم ظاہری و باطنی میں یکتائے زمانہ تھے۔ خوراق و کرامات کا بے شمار ظہور ہوا۔ جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ روایت ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آپ کو توفیق توبہ عطا فرمائی اور آپ نے اپنا تمام مال و اسباب درویشوں میں تقسیم فرما دیا، تو آپ سمرقند اور بخارا تشریف لے گئے اور وہاں قرآن مجید حفظ کیا۔ علوم دینیہ کو حاصل کیا۔ پھر وہاں سے عراق عرب تشریف لے گئے۔ جب آپ نیشا پور کے قصبہ ہارون میں پہنچے۔ شیخ ہارونی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کامل بیس سال تک آپ کی خدمت کی۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ نے دور دور ممالک کا سفر کیا اور بڑے بڑے مشائخ سے آپ نے فیض حاصل کیا۔ چنانچہ حضرت غوث الثقلینؒ سے جیلان میں ملاقات کی اور تقریباً چھ ماہ ان کی خدمت میں رہے۔ ان کی صحبت سے آپ نے فیوض و برکات حاصل کیں۔ نجار میں شیخ الدین کبریٰ سے، ہمدان میں خواجہ یوسف ہمدانی سے، تبریز میں شیخ ابو سعید تبریزی اور لاہور میں شیخ حسین زنجانی سے ملاقاتیں کیں اور بلخ سے لاہور تشریف لائے۔ پھر دہلی اور دہلی سے اجمیر شریف جا کر وہاں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ آپ کے قدوم کی برکت سے سینکڑوں مشرکین اور کفار کو دولت اسلام ملی اور جو لوگ اسلام نہیں لائے وہ بھی حضرت سے خوش عقیدگی رکھتے تھے، آپ کی خدمت میں تحفے بھیجتے تھے اور آج تک قرب و جوار کے کفار و مشرکین ان کی زیارت کے لیے حاضری دیتے ہیں۔ اور روضہ منورہ کے مجاورین اور خدام کو نذرانے پیش کرتے ہیں۔

آپ کی ولادت ۵۳۷ھ میں ہوئی۔ آپ کی وفات دوشنبہ ۶/رجب ۶۳۳ھ کو ہوئی۔ ایک دوسری روایت میں ۳۰/ذی الحجہ کو وفات ہوئی۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے وصال کے وقت آپ کی پیشانی پر لوگوں نے لکھا ہوا دیکھا "حبیب الله مات فی حب الله" حضرت کا عرس شریف ہندوستان کے مشائخ ۶/رجب کو کرتے ہیں اور اس ماہ میں اطراف و جوانب سے مسلمان اور کافر، خواص اور عوام دور دراز سے گروہ در گروہ سفر کر کے شریک ہوتے ہیں۔ جن کی تعداد ہزاروں ہوتی ہے اور ہر سال لوگوں کی حاضری کا بھی معمول ہے۔ حضرت کی عمر ایک سو چار سال ہوئی۔ حضرت کی قبر مبارک اجمیر شریف میں

ہے۔ یہ خاکسار بھی کئی مرتبہ روضہ منورہ پر حاضری دے آیا ہے۔ اجمیر شریف پر فضا اور ایک پرنور اچھی آب و ہوا کا شہر ہے، اس کے ہر چہار طرف ایک بڑا تالاب ہے جو دریا کی طرح وسیع ہے۔ جس کا نام ساگرتال ہے۔ اس فقیر کی ولادت بھی اجمیر کے خطہ میں ساگرتال کے اوپر ہوئی۔ اور تاریخ ولادت اس فقیر کی ماہ صفر دوشنبہ کی شب ۱۰۲۴ھ ہے۔ والد صاحب کے گھر میں تین لڑکیاں ہوئیں۔ لڑکا تولد نہیں ہوا تھا اور عمر ۲۴ سال کی ہو چکی تھی۔ تو حضرت نے اس اخلاص وعقیدت کی بنا پر جو آپ سے تھی۔ نذر و نیاز کی اور درخواست کی۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی دعا کی برکت سے اس فقیر کو پیدا فرمایا۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے اور اس کی رحمت سے امید ہے کہ وہ اپنی اور اپنے دوستوں کی محبت نصیب فرمائے اور نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت شیخ حمید الدین الصوفی السعدی الناگوریؒ

آپ کی کنیت ابواحمد ہے۔ لقب سلطان التارکین۔ ناگور ہندوستان کے شہروں میں ایک شہر ہے۔ آپ وہاں کے باشندے تھے اور خواجہ معین الدین چشتیؒ کے خلیفہ ہیں۔ آپ اپنے زمانہ کے یکتا، متقدمین مشائخ میں آپ کا درجہ بہت بلند ہے۔ علوم ظاہری و باطنی کے جامع اور صاحب کرامات وتصوف گزرے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو بلند مرتبہ عطا کیا تھا۔ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی سے فقر وغنا کے سلسلہ میں آپ سے بڑی خط و کتابت رہی ہے۔ شہر ناگور اور طناب میں آپ کی کچھ زمینداری تھی جس کی خود کاشت کرتے تھے۔ جس سے اہل وعیال کے لیے معاش حاصل کرتے تھے۔ آپ کی وفات ۲۹ ربیع الثانی ۶۷۳ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک قصبہ ناگور میں ہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین اوشی کاکیؒ

آپ کا نام بختیار بن احمد بن موسیٰ ہے۔ جائے ولادت اور اصلی وطن اوش فرغانہ ہے۔ مضافات اندجان کا ایک قصبہ ہے۔ کاکی آپ کو اس مناسبت سے کہتے ہیں کہ جب آپ دہلی میں تھے اور نذرانہ کسی سے قبول نہیں کرتے تھے اور ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کے اہل وعیال بڑی عسرت وتنگدستی کی زندگی بسر کرتے تھے اور پڑوس کی ایک بقال عورت سے کچھ بطور قرض لے لیا کرتے تھے۔ جس سے قوت لایموت حاصل کریں۔ ایک

دن اس عورت نے کہا کہ اگر میں تمہارے پڑوس میں نہ ہوتی تو تم سب بھوک سے مر جاتے۔ حضرت کی اہلیہ کو اس عورت کی بات ناگوار گزری اور عہد کیا کہ آئندہ اس سے قرض نہ لیا جائے۔ ایک دن یہ واقعہ حضرت قطب الدین کے سامنے آیا۔ فرمایا میں ہرگز کسی سے قرض نہیں لیتا اور فرمایا کہ جب ضرورت ہو ہمارے حجرہ کے طاق میں ہاتھ ڈال کر پکی ہوئی روٹی حاصل کرلیا کریں اور اس کو اپنی ضرورت میں صرف کریں اور جس کو چاہیں اس کو بھی اس میں سے دیں۔ اس کے بعد سے جب بھی ضرورت ہوتی اس طاق سے روٹی حاصل کر کے صرف کرتے۔ اس روٹی کو کاک کہتے ہیں بس اس وجہ سے حضرت کے نام کے آگے کاکی کا لقب موجود ہے۔

نقل ہے کہ حضرت قطب الدینؒ ایک سال کے تھے کہ باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ حضرت خضرؑ نے آپ کو شیخ ابو جعفر کے سپرد کر دیا کہ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کرائیں۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ جب مقام اوش پہنچے تو حضرت قطب الدین ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے دست مبارک پر بیعت کی۔ حضرت معین الدین چشتیؒ کو آپ کے حال پر کمال شفقت و عنایت تھی۔ آپ خضر علیہ السلام کی صحبت میں بھی رہتے تھے۔ اپنے وقت کے قطب ظاہری و باطنی فضائل کے جامع اور صاحب تصوف و کرامات تھے۔ نقل ہے کہ مرید ہونے سے پہلے بیس سال کی عمر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی صحبت میں بڑے بڑے ریاض و مجاہدے آپ نے کیے تھے اور دور دراز سفر میں بھی آپ کے ہمراہ رہتے تھے۔ روایت ہے کہ جب آپ بغداد پہنچے، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کو معلوم کر کے ان کی خدمت میں آئے۔ چونکہ آپ کو شیخ سے جوان کے پیر تھے کمال اخلاص اور اشتیاق تھا۔ وہاں سے واپسی پر ہندوستان تشریف لائے اور ملتان پہنچے، وہاں شیخ بہاؤ الدین کبریا ملتانی قدس سرہ سے ملاقات کی۔ ملتان میں شیخ فرید الدین گنج شکرؒ ان کی خدمت میں آکر آپ کے ہاتھ پر مرید ہوئے۔ جب دہلی آئے تو اپنے مرشد کو جو اجمیر شریف میں تشریف فرما تھے ایک عریضہ لکھا جس میں حاضری کی درخواست کی۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ اگرچہ ظاہر میں ہم میں اور تم میں یہ دوری ہے اور کافی بعد ہے لیکن قلبی اور باطنی بعد نہیں وہاں قرب ہے اس لیے تم وہیں مقیم رہو۔ کچھ دن دہلی میں قیام کیا اور کچھ عرصہ کے بعد اجمیر شریف تشریف لانے کا ارادہ فرمایا اور روانہ ہو گئے۔ راستہ میں دہلی کے لوگوں نے آکر فریاد کرنا شروع کیا اور آپ کی جدائی کی تاب نہ لاکر آہ و زاری شروع کی۔ حضرت نے جب یہ دیکھا تو خواجہ قطب

الدین سے فرمایا کہ میں نے شہر دہلی کو تمہاری پناہ میں دے دیا۔ تم دہلی میں ہی رہو، تمہارے جانے سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ کے فرمانے سے آپ نے دہلی کا واپسی ارادہ ترک کر دیا اور دہلی میں مقیم رہے۔ آپ اکثر سماع فرماتے تھے کیونکہ سلسلہ چشتیہ میں سماع مروج ہے اور لوگ عام طور پر سماع میں شرکت کرتے ہیں۔ بعض سلسلوں میں مثلاً سلسلہ قادریہ میں اس کی اجازت نہیں اور سید الطائفہ بھی سماع نہیں سنتے تھے۔ بعض اکابر جیسا کہ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ ذوالنون مصری، شیخ شبلی، خراز اور لوزی دراج وغیرہ اکابر نے سماع کی اجازت دی ہے۔

سلطان المشائخ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ شیخ سجانی کی خانقاہ میں محفل سماع منعقد تھی۔ صاحب حال اور اہل کمال درویشوں کا مجمع تھا۔ قوالی کے اثنا میں شیخ احمد جام کے اس شعر کو قوال نے پڑھا۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانی دیگر است

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی حالت بدلنا شروع ہوگئی اور آخر بے ہوش ہو گئے۔ جو مشائخ کہ اس وقت مجلس میں حاضر تھے، جن میں قاضی حمید الدین ناگوری۔ شیخ بدرالدین غزنوی وغیرہ آپ کو مکان لے آئے اور قوال برابر اس شعر کی تکرار کرتے رہے اور حضرت خواجہ سماع فرماتے رہے، چنانچہ کئی دن اور رات اسی حالت میں گزر گئے اور خواجہ کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ دوشنبہ ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ میں آپ کا وصال ہو گیا۔

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ

آپ کا نام مسعود بن عزیز الدین محمود ہے، باپ کی طرف سے حضرت عمر خطابؓ کی اولاد میں ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ مولانا وحید الدین خجندی کی صاحبزادی تھیں۔ بڑی باعصمت اور صاحب کرامات بی بی تھیں۔ حضرت صائم الدہر تھے اور تندرستی اور بیماری دونوں حالتوں میں آپ روزے سے رہتے تھے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کو گنج شکر اس لیے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ کو کامل سات دن ہو گئے تھے افطار نہیں کیا تھا، آپ پر ضعف غالب تھا۔ اپنے پیر کی خدمت میں روانہ ہوئے، ضعف

سے آپ کا پاؤں پھسل گیا اور آپ زمین پر گر گئے۔ آپ کے دہن مبارک میں مٹی کا ایک ڈھیلا کسی طرح آ گیا جو سب شکر بن گیا۔ وہاں سے اٹھ کر پیر کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا، فرید! جو مٹی کا ڈھیلا تیرے منہ میں آیا۔ حق تعالیٰ نے تجھے گنج شکر بنا دیا ہے تو ہمیشہ شیریں رہے گا۔ جب آپ پیر کے پاس سے باہر آئے جو بھی آپ کو دیکھتا تھا گنج شکر کہتا تھا۔ پھر آپ خواجہ معین الدین چشتیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے فرمایا کہ بختیار نے ایک بڑے شاہباز کو اپنے دام میں پھانسا ہے جس کی پرواز سدرۃ المنتہیٰ سے کم نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی شمع ہے جس سے درویشوں کے گھروں میں اجالا ہو جائے گا، آپ اپنے وقت کے غوث و قطب تھے۔ آپ سے خوارق کرامات کا بے شمار ظہور ہوا ہے کہ اس سلسلہ میں دوسروں سے نہیں ہوا۔ خواجہ قطب الدین کو آپ کے حال پر کمال عنایت و شفقت تھی چنانچہ مشہور ہے کہ جب حضرت خواجہ کی وفات کا وقت قریب ہوا، تو آپ نے ان کو حصار کے علاقہ ہانسی سے بلوایا اور وصیت فرمائی کہ میرے جانشین آپ ہوں گے، پیر کی وفات کے بعد آپ نے ملتان کے مضافات اور دیپالپور کے متصل قصبہ اجودھن میں سکونت اختیار فرمائی اور ہزاروں تشنگان علوم باطنی آپ کے دریائے فیض سے سیراب ہوئے۔

حضرت شیخ فرید بہت سے مشائخ کی خدمت میں پہنچے اور ان کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ مثلاً حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی وغیرہ۔ مشہور ہے کہ آپ جب ریاضات شاقہ اور مجاہدات شدیدہ سے فارغ ہوئے اور معراج کمال پر پہنچے تو ایک دن آپ نے فرمایا جو خدا کرتا ہے وہی ہوتا ہے۔ ہاتف غیبی نے فوراً کہا کہ جو کچھ فرید کہتا ہے وہ ہوتا ہے۔

آپ کے اہل و عیال پر فقر و فاقہ کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپ کی بیوی نے آ کر آپ سے عرض کیا کہ آپ کا فلاں لڑکا بھوک کی وجہ سے مر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا، بندہ مسعود کیا کرے؟ اگر خدا کا فیصلہ اسی طرح ہے اور اس کی موت آ جائے اس کے پاؤں میں ایک رسی باندھو اور باہر پھینک دو، آپ نے فرمایا کہ جب درویش کپڑے پہنتا ہے تو یہ تصور کرتا ہے کہ کفن پہن رہا ہے۔

آپ کی ولادت شریف ملتان کے قریب قصبہ کھووال میں ہوئی تھی اور وفات سہ شنبہ ۵ محرم ۶۶۴ھ کو ہوئی۔ عمر شریف ۹۵ سال کی تھی۔ قبر مبارک پاک پتن شریف میں مرجع خلائق ہے، جو ملتان اور لاہور کے مابین واقع ہے۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ

نام محمد بن احمد بن دانیال بدایونی ہے۔ بدایوں سنبھل کے مضافات میں ایک قصبہ کا نام ہے۔ آپ کا لقب خدا کی طرف سے سلطان المشائخ ہے۔ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ بڑے کامل اور عالم باعمل درویش تھے۔ تمام علوم میں ماہر تھے۔ ہندوستان میں مشائخ کبار میں آپ کا شمار ہے۔ سلاطین وقت اور خواص وعوام سب کو آپ سے بڑی عقیدت تھی۔ ہر شخص آپ کے احترام واکرام کو اپنے اوپر ضروری جانتا تھا اور آپ کا پورا پورا احترام کرتا تھا۔

دار السلطنت دہلی میں آپ کی مستقل سکونت تھی اور وہیں آپ مریدوں کی تعلیم وتربیت میں مشغول رہتے تھے۔ خوارق وکرامات آپ سے بے شمار ظاہر ہوئیں۔ ایک مرتبہ آپ نے وضو فرمایا۔ چاہا کہ موئے مبارک میں شانہ کریں۔ کنگھا طاق میں رکھا تھا۔ کوئی دوسرا شخص موجود نہ تھا کہ کنگھا لا کر دے۔ کنگھا خود بخود وہاں سے آکر آپ کے ہاتھ میں آگیا۔

حضرت سلطان المشائخ کی مجالس میں وعظ، وجد اور سماع ہوتا تھا۔ قوال سناتے اور آپ خود کھڑے کلام سنتے۔ اگر کسی کو دیکھتے کہ وہ بھی آپ کی تقلید میں سماع کرتا ہے، تو آپ احترام سماع میں اٹھ کھڑے ہوتے اور سماع کا پورا پورا ادب فرماتے تھے۔

روایت ہے کہ ایک شخص کی دستاویز گم ہوگئی۔ آپ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا حضرت گنج شکر کی روح پاک کو حلوہ کی فاتحہ دلاؤ، وہ شخص بہت جلد حلوہ ایک کاغذ میں لے کر حاضر ہوا۔ کاغذ کھولا تو اس میں اس کی گمشدہ دستاویز مل گئی۔

روایت ہے کہ آپ نے وصال سے چالیس دن پہلے کھانا پینا ترک کر دیا تھا اور مریدوں سے فرمایا کہ جو کچھ وجود ہے سب کو خیرات کردو کہ ایک حبہ باقی نہ رہے۔

آپ کی ولادت قصبہ بدایوں میں ہوئی اور وفات چہار شنبہ ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو ہوئی۔ عمر ۹۴ سال ہوئی۔ نماز جنازہ شیخ رکن الدین ابوالفتح بن صدر الدین نے پڑھائی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں ملتان سے صرف نماز جنازہ پڑھانے کے لیے ہی آیا تھا۔

مزار مبارک نئی دہلی میں ہے، جہاں آپ کی سکونت تھی۔ مرجع خلائق ہے۔ یہ خاکسار کئی بار روضہ منورہ پر حاضری دے آیا ہے۔ چہار شنبہ کے دن سینکڑوں لوگ زیارت کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ آج تک فیوض وبرکات اس جگہ سے حاضرین کو پہنچتے ہیں اور کافی نذر ونیاز

آپ کے روضہ پر پیش کی جاتی ہیں۔ سال میں ایک مرتبہ عرس ہوتا ہے۔ جس میں ہزاروں لوگ دوردراز سے حاضری دیتے ہیں۔ قوال اپنا کلام سناتے ہیں اور زبردست مجلس ہوتی ہے اس سلسلہ کے اکثر مشائخ شریک ہوتے ہیں اور وجداور سماع میں حصہ لیتے ہیں۔ حضرت کے اگرچہ مریدوں کی تعداد کثیر ہے۔ لیکن چار مرید فاضل اور کامل اپنے وقت میں گزرے ہیں۔

حضرت امیر خسرو، شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی، شیخ برہان الدین غریب اور شیخ حسن دہلوی۔

حضرت امیر خسرو دہلویؒ

آپ ہزارہ کے امیرزادوں میں ہیں۔ نواحی بلخ کے ترک خاندان سے ہیں۔ آپ کی جائے ولادت مومن آباد ہے۔ جو آج پٹیالہ کے نام سے مشہور ہے اور مضافات سنبھل میں ہے۔ آپ مختلف علوم وفنون کے جامع تھے، سلطان المشائخ کے مرید، محبوب اور منظور نظر تھے۔ نقل ہے کہ حضرت امیر خسروؒ نے خود اپنے پیر سے درخواست کی تھی کہ خسرو بادشاہوں کا نام ہوتا ہے اور میں تو درویش ہوں۔ میرے لیے کوئی اور نام تجویز فرمایئے۔ شیخ نے فرمایا آج تمہارے نام کے لیے میں خدا سے التماس کروں گا۔ دوسرے دن جب امیر خسروؒ حاضر ہوئے تو شیخ نے فرمایا کہ ہم سے ایسے کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن تجھے محمد کاسہ لیس کہہ کر پکاریں گے۔

سلطان المشائخ کو آپ کے حال پر کمال عنایت وشفقت تھی اور تمام مریدوں سے زیادہ چاہتے تھے اور فرماتے تھے کہ قیامت میں ہر شخص سے پوچھا جائے گا کہ کیا لایا۔ جب مجھ سے پوچھا جائے گا تو میں کہوں گا کہ اس اللہ کے ترک کے سینہ کی تپش اور سوز۔ حضرت امیر خسروؒ کے سوز سینہ کا یہ حال تھا کہ سینہ کا حصہ آپ کے کرتے کا ہمیشہ جلا رہتا تھا۔ آپ چالیس سال صائم الدہر رہے اور سلطان المشائخ کے ہمراہ خوب سیر وسیاحت کر کے حج فرمایا۔ سلطان المشائخ نے آپ کے حق میں فرمایا۔

ایں خسرو ماست ناصر خسرو نیست
زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

کہتے ہیں کہ آپ کی تصانیف کی تعداد نظم ونثر ملا کر ۹۹ ہیں اور آپ کے اشعار جیسا کہ مشہور ہے پانچ لاکھ سے کم اور چار لاکھ سے زیادہ ہیں۔ ہندی تصانیف اس کے علاوہ ہیں۔

حضرت سلطان المشائخ کے آب دہن کی برکت سے آپ کی طبیعت اور کلام میں خدا تعالیٰ نے عجیب شیرینی اور طاقت عطا فرمائی تھی۔ آپ شعر گوئی پر ایسے قادر تھے کہ مخزن اسرار کے جواب میں مطلع انوار صرف دو ہفتہ میں مکمل کر لی۔ آپ کے اشعار میں وہ حسن وخوبی پنہاں ہے جو دوسروں کے کلام میں نہیں پائی جاتی اور اشعار ایک بیت کے ہیں جو دوسرے شعراء کے ہاں نہیں ہیں۔ یہ شعر بھی آپ کے انہیں شعروں میں سے ایک ہے۔

زلفت زہر دو جانب خونریز عاشقان ست
چیزے نمی تواں گفت روئے تو درمیان ست

آپ کے اشعار میں وہ عالی اور اچھوتے مضامین ہیں کہ اگر سب کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو آپ کی تصانیف میں اور اضافہ ہو۔ اسی طرح زبان کی انواع واقسام اور ہندی فنون علم میں آپ کا کلام بے مثل ہے۔ یہ شان جامعیت بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔

چونکہ حضرت کے پیر ومرشد کو سماع ونغمہ کا کامل ذوق وشوق تھا تو یہ مروجہ ہندوستان کی روش قوالی، جو اس سے پہلے کہیں نہیں تھی۔ آپ نے اس میں نئی نئی اختراعات کیں اور آپ خود پڑھتے تھے اور سلطان المشائخ سنتے تھے۔

روایت ہے کہ جب شیخ سعدیؒ ہندوستان میں آئے دہلی میں امیر خسروؒ سے ملاقات کی۔ ایک رات آپ کے ساتھ گزاری، خسروؒ نے سعدیؒ کی خدمت میں ایک درہم پیش کیا اور عرض کیا کہ جو کچھ دنیا کے مال سے ہمارے پاس ہے وہ حاضر ہے اور جو حکم ہو مہیا کیا جائے۔ سعدیؒ نے فرمایا چراغ کے لیے تیل خرید لو تا کہ آج کی رات تمہارے ساتھ گزاریں۔

کہتے ہیں کہ خسرو کو اپنے پیر ومرشد سے جو اخلاص واعتقاد تھا ایسا کم دیکھنے میں آیا ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک درویش سلطان المشائخ کی خدمت میں مفلسی کی وجہ سے حاضر ہوا۔ فرمایا کہ کہہ دو۔ اس وقت ہمارے پاس کچھ موجود نہیں۔ آج جو کچھ ملے گا تم کو دے دیا جائے گا۔ اس دن اتفاق سے کچھ نہیں آیا۔ فرمایا کہ کل۔ اس طرح چند دن گزر گئے اور کہیں سے کوئی نذرانہ نہیں آیا۔ اپنے کفش مبارک اس درویش کو عطا فرما دیے۔ وہ آپ سے انتہائی عقیدت مند ہو گیا اور دہلی سے باہر چلا گیا۔ راستہ میں امیر خسروؒ جو بادشاہ کے ساتھ کہیں گئے ہوئے تھے اور وہاں سے واپس دہلی آ رہے تھے اس فقیر سے ملاقات ہو گئی۔ خسروؒ نے اس درویش سے پوچھا کہ سلطان المشائخ کا حال کچھ معلوم ہے؟ درویش نے کہا

اچھی طرح ہیں۔ پوچھا کہ کوئی نشانی ان کی تیرے پاس ہے۔ کہا ہاں یہ آپ کے جوتے ہیں جو حضرت نے مجھے عطا کیے ہیں۔ پوچھا ان کو فروخت کرتا ہے۔ کہا ہاں، پانچ لاکھ روپیہ جو سلطان محمد نے قصیدے کے صلہ میں خسرو کو دیے تھے، وہ سب آپ نے ان جوتوں کے عوض اس درویش کو دے دیے اور اپنے پیر کے جوتوں کو خرید لیا۔ اپنے سر پر ان جوتوں کو رکھ کر سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلطان المشائخ نے فرمایا، خسرو! سستے خرید لیے۔

جب سلطان المشائخ کا وصال ہوا۔ خسروؒ دہلی میں موجود نہیں تھے۔ لوگوں نے خسرو سے حضرت کی وفات کو پوشیدہ رکھا۔ لیکن جب خسروؒ دہلی آئے اور یہ روح فرسا خبر معلوم ہوئی۔ سر کے بال منڈوا دیے۔ منہ کالا کیا اور اپنے پیر کے مزار کے سامنے آ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے سبحان اللہ آفتاب زمین کے نیچے ہے اور خسرو زندہ زمین کے اوپر! یہ کہا اور سر کو قبر کے اوپر دے مارا اور بے ہوش ہو گئے۔ چھ ماہ تک اسی رنج و غم میں اسی جگہ رہے۔ چہار شنبہ ۱۸ شوال ۷۲۵ھ کو آپ کا وصال ہو گیا۔ مزار اپنے پیر کے مزار کے پاؤں کے نیچے ہے۔

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ

نام محمود، قدیمی وطن شہر اودھ ہے۔ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کے کامل ترین مریدوں اور خلفاء میں ہیں۔ ۲۵ سال تک درس ترک و تجرید اختیار کیے رہے۔ سخت سخت ریاضات کیے۔ چالیسویں سال میں آپ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت کو آپ سے بے انتہا خلوص اور کمال اتحاد تھا۔ شیخ کے کسی مرید سے اتنی کرامتیں ظاہر نہ ہوئیں جتنی آپ سے ظاہر ہوئیں۔ حالانکہ شیخ نصیر الدینؒ وجد و سماع کے قائل نہیں تھے نہ اس کو سنتے اور نہ اس میں شریک ہوتے۔ حالانکہ اس سلسلہ میں عام طور پر سماع کا رواج ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ سنت کے خلاف ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو آپ کا سماع کو خلاف سنت کہنا، کبھی ناگوار نہیں ہوتا تھا بلکہ آپ فرماتے تھے کہ نصیر الدین ٹھیک کہتا ہے۔

روایت ہے کہ ایک قلندر نے گیارہ زخم لگائے۔ آپ حالت استغراق میں تھے آپ کو خبر نہیں تھی۔ خون نالی سے بہہ کر آیا اور مریدوں نے دیکھا تو پھر قلندر کو پکڑا اور چاہا کہ اس قلندر کو سزا دیں۔ مگر آپ نے فرمایا کہ کوئی اس سے کچھ نہ کہے بلکہ کچھ روپیہ اس کو انعام میں

دیے۔ مبادا چھری مارتے وقت اس کو کوئی اذیت پہنچی ہو۔ اس واقعہ کے تین سال بعد ۱۸ ر رمضان چاشت کے وقت ۷۵۷ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزار نئی دہلی کے باہر ہے۔ یہ خاکسار بھی حاضری دے آیا ہے۔ آپ کے خلیفہ خاص میں سید محمد گیسو دراز ہیں۔

حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ

سلطان المشائخ کے مریدوں میں ہیں۔ حضرت سلطان المشائخ نے آپ کو برہان پور اور دولت آباد کی طرف اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے حکماً بھیجا تھا کہ اس حدود و اطراف کے باشندوں کی اصلاح فرمائیں۔ شیخ حسن دہلوی کو چند مریدوں کے ہمراہ آپ کے ساتھ کر دیا۔ آپ کی تبلیغی مساعی سے اس طرف کے سینکڑوں آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

آپ کو اپنے پیر سے کمال درجہ کا خلوص اور عقیدت تھی۔ آخر وقت تک سلطان المشائخ کے وطن مالوف موضع غیاث پور کی طرف کبھی پشت نہیں کی۔ سنہ و تاریخ وفات نہیں معلوم ہو سکی۔ مزار مبارک دولت آباد دکن میں ہے، یہ خاکسار وہاں حاضری دے آیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ

امام اعظمؒ کی اولاد سے ہیں۔ شیخ محمد بن شیخ عارف بن شیخ احمد عبدالحق کے مرید ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی کے عالم متبحر تھے، وجد و سماع میں شریک ہوتے۔ شیخ احمد عبدالحق کی روحانیت کے تربیت یافتہ ہیں۔ آپ کی کثیر اولاد ہیں۔ سب اولاد عالم باعمل ہوئی۔ خصوصاً شیخ زین کہ راہ درویشی و طریقت میں اپنے والد ماجد کے قدم بہ قدم چلے۔ آپ سے کرامات بے شمار ظاہر ہوئیں۔ آپ کی وفات ۹۴۵ھ میں ہوئی۔ مزار گنگوہ شریف میں ہے۔ جو دہلی کے مضافات میں ایک قصبہ ہے۔

حضرت شیخ جلال تھانیسری قدس سرہٗ

آپ ماں اور باپ دونوں طرف سے فاروقی ہیں۔ آپ قدیمی باشندے بلخ کے ہیں۔ سات برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا اور سترہ سال کی عمر میں علوم دینیہ سے فارغ التحصیل

ہوئے اور درس وتدریس کی خدمت شروع کی۔فتاویٰ نویسی کا کام بھی انجام دیا۔شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید ہیں اور وہ شیخ محمد عارف کے اور وہ اپنے والد بزرگوار احمد عبدالحق کے اور وہ شیخ جلال پانی پتی کے اور وہ شیخ شمس الدین ترک پانی پتی کے اور وہ علی صابر کے اور وہ شیخ فرید الدین گنج شکر قدس اللہ اسرارہم کے مرید ہیں۔

کہتے ہیں کہ ابتدائی عمر میں ایک شخص خوش الحانی سے ایک غزل گا رہا تھا اس کی آواز جب شیخ جلال کے کان میں پہنچی۔آپ بے ہوش ہوگئے اور عالم بے ہوشی میں چھت سے نیچے گر گئے اور نیم بسمل کبوتر کی طرح تڑپنے لگے۔کافی دیر کے بعد ہوش آیا۔

آپ سے بے شمار کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں۔آپ کا استغراق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ جب نماز کا وقت ہوتا،مرید اللہ اکبر اللہ اکبر کہتے ہوش میں آتے پھر نماز پڑھتے۔وجد و سماع خوب فرماتے۔قصبہ تھانیسر میں آپ کا مستقل قیام تھا۔وہی آپ کا وطن مالوف تھا۔سلسلہ چشتیہ میں مشائخ متاخرین میں آپ سے زیادہ بزرگ نہیں ہوا۔

کہتے ہیں کہ شیخ جلال کے مریدوں میں سے ایک مرید نے آپ کی بہت عرصہ خدمت کی۔اس عرصہ میں اس نے آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ایک دن شیخ سے باتیں کر رہا تھا اس کے دل میں خیال آیا کہ پہلے زمانہ میں شیخ نجم الدین کبریٰؒ ایسے تھے جس پر ایک نظر ڈالتے اس کو ولایت کے مرتبہ تک پہنچا دیتے۔آج ان جیسا کوئی نظر نہیں آیا۔شیخ کو اس کے دل کے اس خطرہ پر آگاہی ہوگئی۔اس کی طرف دیکھا اور فرمایا۔آج بھی ایسے لوگ ہیں کہ ایک نظر میں مرتبہ ولایت تک پہنچا دیں۔یہ سن کر وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور جب وہ ہوش میں آیا تو ولایت کے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچا ہوا تھا۔تھوڑی دیر زندہ رہ کر اس کا وصال ہوگیا۔پھر شیخ نے فرمایا ہر شخص کو اس بار کے اٹھانے کی برداشت نہیں ہوتی۔

شیخ جلال تھانیسریؒ کی وفات جمعہ کو ۲۵رذی الحجہ ۹۸۹ھ کو ہوئی۔آپ کی عمر ۹۶ سال کی تھی۔مزار مبارک تھانیسر میں واقع ہے۔مشائخ سلسلہ چشتیہ کا تذکرہ تمام ہوا۔

سلسلہ کبرویہ جو حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ سے منسوب ہے

حضرت شیخ ابوبکر بن عبداللہ نساجؒ

آپ کا آبائی وطن طوس ہے۔ عبدالقاسم گرگانی کے مرید ہیں۔ شیخ ابوالقاسم گرگانی کی نسبت ارادت کی بابت خواجہائے بزرگوار کے بیان میں لکھا جاچکا ہے۔ یہ سلسلہ کبرویہ خواجہائے بزرگوار کے سلسلہ کے ساتھ شیخ ابوالقاسم پر جاکر مل جاتا ہے۔ شیخ ابوبکر نساج حضرت ابوبکر دینوری سے صحبت رکھتے تھے۔

کسی نے شیخ ابونساج سے پوچھا کہ مطلوب کا دیدار کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے، آپ نے فرمایا، صدق کی آنکھ سے طلب کے آئینہ میں مطلوب کا دیدار کیا جاسکتا ہے۔

حضرت شیخ احمد غزالیؒ

آپ کا اصل وطن طوس ہے۔ شیخ ابوبکر نساج مرید ہیں۔ حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ کے بھائی ہیں۔ بڑے عالم تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں پوری دسترس حاصل تھی۔ آپ کی وفات ۵۰۷ھ میں واقع ہوئی۔ مزار قزوین میں ہے۔

حضرت شیخ ابوالنجیبؒ

آپ کا نام عبدالقادر ہے۔ لقب ضیاء الدین۔ آپ کا سلسلہ نسب بارہ واسطوں سے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ آپ کی نسبت ارادت دو طرف سے ثابت ہے۔ ایک شیخ احمد غزالیؒ کی جانب سے، جیسا کہ اس سلسلہ میں مذکور ہوا۔ دوسرے شیخ وجیہہ الدین سے جو آپ کے چچا ہیں۔ جن کا ذکر سلسلہ سہروردیہ میں کیا جائے گا۔ آپ تمام علوم میں کامل تھے۔ آپ کی تصانیف بہت ہیں۔ آپ کو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی صحبت بابرکت کی سعادت بھی نصیب ہوئی تھی۔

روایت ہے کہ ایک دن آپ بغداد میں ایک قصاب کی دکان پر پہنچے۔ دکان پر ایک بکری لٹکی ہوئی تھی۔ آپ وہاں کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ یہ بکری یوں کہتی ہے کہ مری ہوئی بکری ہوں، ذبح کی ہوئی نہیں ہوں۔ قصاب بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ ہوش آیا تو شیخ کے قول کی تصدیق کی اور توبہ کی۔ درویش کے دل میں جو کچھ گزرے۔ اظہار کرامت شیخ کو اس میں ضرور دخل ہوتا ہے اور اس میں دو حکمت پوشیدہ ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ حرام گوشت کو مسلمان کھانے سے باز رہیں۔ دوسرے یہ کہ قصاب کی توبہ کی توفیق کا وقت آچکا تھا۔

آپ کی وفات شنبہ کی شب کو ۱۲ ماہ جمادی الثانی ۵۶۳ھ کو ہوئی۔ مزار بغداد شریف میں ہے۔

حضرت شیخ عمار یاسر قدس سرہٗ

آپ شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ کے مرید ہیں۔ مریدوں کی تربیت و ترتیب اور ان کے واقعات کے کشف میں کمال درجہ رکھتے تھے۔ اپنے زمانہ کے بزرگ اور صاحب کرامات ہوئے ہیں۔

حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ

آپ کی کنیت ابوالجناب ہے، یہ کنیت آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں عطا فرمائی تھی۔ نام احمد بن عمر الجنوقی ہے اور لقب نجم الدین کبریٰ ہے۔ کبریٰ اس وجہ سے آپ کو کہتے ہیں کہ عنفوان شباب میں جب آپ تحصیل علم میں مشغول تھے جس کسی سے مناظرہ یا مباحثہ کرتے، اس پر غالب آتے اس سبب سے آپ کو طامۃ الکبریٰ کہنے لگے، کثرت استعمال سے لفظ طامۃ حذف ہوکر صرف کبریٰ باقی رہ گیا۔

آپ کو شیخ ولی تراش بھی کہتے ہیں۔ اس مناسبت سے حالت وجد میں جس پر آپ کی نظر پڑ جاتی وہ درجہ ولایت تک پہنچ جاتا۔ چنانچہ کسی دن ایک سوداگر آپ کی خانقاہ میں آگیا۔ اس وقت شیخ کی حالت متغیر تھی۔ اس پر آپ کی نظر پڑی اسی وقت وہ ولایت کے مرتبہ پر فائز ہوگیا۔ پوچھا کس جگہ کے رہنے والے ہو۔ کہا فلاں مملکت کا۔ اس کو اس مملکت کی ارشاد و تبلیغ کی اجازت لکھ کر عطا فرمادی کہ اپنے حدود مملکت میں خلق خدا کی راہ نمائی کرے۔

ایک دن ایک باز نے ہوا میں چڑیا کو شکار کیا ہوا تھا اتفاق سے آپ کی نظر کیمیا اثر اس پر پڑی، وہ چڑیا اس باز پر غالب آگئی اور باز کو پکڑے ہوئے حضور کے سامنے زمین پر اتار لائی۔

ایک دن خانقاہ کے دروازہ پر آپ کھڑے ہوئے تھے۔ایک کتا آیا، آپ کی نظر اس پر پڑی بس اس کی حالت ہی کچھ اور ہوئی۔ دیوانہ ہو گیا اور شہر سے قبرستان کی طرف چلا گیا۔ اپنا سر زمین پر پٹکتا تھا اور جہاں سے گزرتا تھا محلّہ کے کتے اس کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے کھڑے ہو جاتے۔ کچھ دن بعد وہ مر گیا۔آپ کے حکم کے بموجب اس کو دفن کر دیا گیا۔اس کی قبر پر ایک عمارت تعمیر کرائی جس کی بابت مولانا روم فرماتے ہیں۔

یک نظر فرما کہ مستغنی شوم از بنائے جنس
سگ کہ شد منظور نجم الدین سگانرا سرور است

غرض یہ کہ آپ راہ طریقت وتصوف میں یکتائے روزگار تھے۔آپ کی کرامات مشہور و معروف ہیں۔نسبت ارادت آپ کو دو طرف سے حاصل ہے۔ایک شیخ عمار یاسر سے۔اس ترتیب سے جو اس کتاب میں بتائی گئی ہے جو شیخ ابولقاسم گرگانی تک منتہی ہوتی ہے اور دوسرا طریق وسلسلہ شیخ اسماعیل حضری سے محمد مانکیل تک اور ان سے محمد بن داؤد تک اور ان سے ابو العباس ادریس تک اور ان سے ابوالقاسم بن رمضان تک اور ان سے حضرت ابو یعقوب طبری تک اور ان سے ابوعبداللہ بن عثمان تک اور ان سے ابو یعقوب نہر جوری تک اور ان سے ابو یعقوب سوسی تک اور ان سے عبدالواحد زید تک اور ان سے کمیل بن زیاد تک اور ان سے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ تک اور پھر سلسلہ یہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

آپ کی وفات ۱۰ر جمادی الاولیٰ ۶۱۸ھ کو ہوئی۔ جب ہلاکو خوارزم میں پہنچا، اس وقت آپ کی عمر شریف ساٹھ سے زیادہ تھی۔ شیخ نے اپنے اصحاب کو مثلاً شیخ سعدالدین حموی اور شیخ رضی الدین علی لالا وغیر ہم کو بلا کر فرمایا کہ صبح سویرے اٹھ کر اپنے اپنے ملکوں کو چلے جاؤ کیونکہ مشرق سے ایک آگ اٹھے گی۔ جو مغرب تک سب کو جلا دے گی اور مجھ کو یہیں ہونا ہے یہ ایک بلائے مبرم ہے جس کا کوئی علاج نہیں پھر آپ نے نیزہ اپنے ہاتھ میں لیا اور کفار سے جنگ شروع کی۔ حتیٰ کہ آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ روایت ہے کہ شہادت کے وقت ایک کافر دین کی کاکل آپ کے دست مبارک میں تھیں اور کسی کو یہ مجال نہ ہوئی کہ آپ کے

دست مبارک سے ان کو چھڑا سکے۔ آخر کار ان کو کاٹ دیا گیا۔

حضرت کی نظر کیمیا اثر سے آپ کے مرید بڑے کامل اور عالم ہوئے اور بڑے بڑے مدارج پر فائز ہوئے۔ جن میں بہت سے مشہور و معروف ہیں۔ جیسے شیخ مجد الدین بغدادی۔ شیخ سعد الدین حموی۔ بابا کمال خجندی شیخ رضی الدین علی لالا۔ شیخ سیف الدین ماخزری۔ شیخ نجم الدین رازی۔ شیخ جمال الدین کیلی، وغیرہ۔ بعض مولانا شیخ بہاؤ الدین ولد مولانا جلا الدین رومی کو بھی ان میں شمار کرتے ہیں۔

حضرت شیخ سعد بن حمویؒ

آپ کا نام محمد بن ابی بکر بن ابی حسن ہے۔ شیخ نجم الدین کبریٰ کے کامل ترین مریدوں میں ہیں۔ اپنے وقت کے بڑے فاضل اور عارف کامل گزرے ہیں۔ آپ صاحب تصانیف تھے اور تصانیف کی تعداد کافی ہے۔

آپ کی وفات عید الاضحیٰ کے دن ۶۵۰ھ کو ہوئی۔ عمر شریف ۶۳ سال تھی۔ قبر بحر آباد خراسان میں ہے۔

حضرت شیخ سیف الدین ماخزریؒ

شیخ نجم الدین کبریٰ کے منتخب مریدوں میں ہیں۔ جب حضرت نے ان کو ابتدائی زمانہ میں ایک چلہ میں بٹھایا اور دوسرے چلہ میں آپ دروازہ پر تشریف لے گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا اور فرمایا اٹھو اور باہر آؤ۔

منم عاشق مرا غم ساز دار است
تو معشوقی ترا با غم چکاراست

آپ کی وفات ۶۵۸ھ میں واقع ہوئی۔ عمر ۷۳ سال تھی۔ مزار بخارا میں بنا ہے۔

حضرت شیخ رضی الدین علی لالاؒ

آپ کا لقب رضی الدین اور نام علی بن سعید بن عبد الجلیل لالا ہے۔ آپ کی اصل غزنی ہے۔ آپ کے والد ماجد حکیم سنائی غزنوی کے صاحبزادہ ہیں۔ آپ شیخ نجم الدین کبریٰ کے

مرید ہیں۔ شیخ احمد یسوی۔ خواجہ ابو یوسف ہمدانی کی صحبت میں شریک ہوئے ہیں اور بہت سے مشائخ کبار کی صحبت میں بیٹھے۔ ایک سو چوبیس مشائخ کاملین سے خرقہ ولایت حاصل کیا۔ علوم ظاہری و باطنی دونوں میں پوری دسترس حاصل تھی۔ اپنے وقت کے بزرگوں میں گزرے ہیں۔ ہندوستان کا سفر کیا اور حضرت ابو الرضا رتن ہندیؒ کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ جن کا مزار حصار کے نواح میں مقام تلتبدہ میں واقع ہے اور ابو الرضا رتن ہندیؒ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت شانہ مبارک حاصل کیا۔

آپ کی وفات ۳ ربیع الاول ۶۴۲ھ کو ہوئی۔ آپ کا مزار مبارک روضہ سلطان محمود کے درمیان غزنی میں واقع ہے، یہ نیاز مند بھی وہاں حاضری دے آیا ہے۔ عصر کی نماز بھی وہیں ادا کی اور بہت سے مشائخ غزنی۔ ملک بار برزہ وخواجہ شمس العارفین، شیخ اجلی سرزرے، حکیم سنائی، امام محمد حداد، ابی محمد اعرابی، خواجہ محمد باغبان متوفی ربیع الاول ۴۴۰ھ، خواجہ علی ناز، خواجہ احمد مکی، شیخ بہلول، خواجہ ابی بکر بلغاری جو اولاد صدیق اکبر سے ہیں۔ پر فیض شیخ عثمان و لد پیر علی ہجویری، شیخ حاجی بلدی ختم الاولیاء خواجہ بقال اور تاج الاولیاء شاہ میر فالیز بانی وغیرہم قدس اللہ ارواحہم کے مزارات مقدسہ پر حاضری دے دی ہے۔

حضرت شیخ جمال الدین احمد جورقانیؒ

شیخ رضی الدین علی لالاؒ کے مرید ہیں۔ آپ کا شمار بڑے مشائخ وقت میں ہے۔ راہ تصوف میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا۔ شیخ رضی الدین علی فرماتے تھے جو شخص ہمارے جمال الدین احمد کی خاموشی وسکوت کے ساتھ موافقت کرے تو دوسروں نے جو کچھ حضرت جنیدؒ و شبلیؒ سے حاصل کیا وہ جمال الدین احمد سے حاصل کرسکتا ہے۔

آپ کی وفات آخر ربیع الآخر ۶۶۲ھ کو ہوئی۔

حضرت شیخ نور الدین عبد الرحمٰن السفرانی کسرقیؒ

آپ کسرق کے رہنے والے تھے۔ کسرق اسفرائن کے مضافات میں ایک موضع ہے۔ شیخ احمد جورقانی کے مرید ہیں۔ اپنے زمانہ کے مشائخ کبار اور عارفین میں شمار تھا۔ آپ کی ولادت ماہ شوال ۶۳۷ھ یا ۶۳۹ھ کو ہوئی اور وفات شب یکشنبہ ۱۲ ر جمادی الاول ۷۰۰ھ کو



ہوئی۔ قبر بغداد شریف میں واقع ہے۔

حضرت شیخ رکن الدین علاؤالدولہ سمنانیؒ

آپ کی کنیت ابوالمکارم ہے۔ نام احمد بن محمد بیابانگی۔ آپ ملوک سمنان سے تھے، پندرہ سال کی عمر میں آپ سلطان وقت کے ہمراہ تھے اور ۶۷۷ھ کو بغداد میں شیخ نورالدین عبدالرحمٰن کسرقی کے مرید ہوئے۔ آپ صاحب ریاضات و مقامات تھے۔ کہتے ہیں کہ اپنی عمر میں ایک سو تیں چلہ کیے۔ آپ کی ولادت ۶۵۹ھ کو ہوئی اور وفات جمعہ کی شب ۲۲ رجب ۷۳۶ھ کو ہوئی۔ آپ کی عمر ۷۷ سال تھی۔ مزار مقبرہ عمادالدین عبدالوہاب میں واقع ہے۔ اس زمانہ میں ایک رسالہ دیکھنے میں آیا جس کی بابت مشہور ہے کہ وہ شیخ علاؤالدین سمنانی کی تصنیف اور خودنوشت ہے۔ جو آپ نے اپنے عقائد کے بیان میں تحریر فرمایا ہے۔ اس رسالہ میں بعض مسائل اہل سنت و جماعت کے مسلک کے خلاف ہیں۔ جو خود آپ نے اجتہاد سے لکھے ہیں۔ اگر واقعتاً وہ رسالہ آپ کی ہی تصنیف اور خودنوشت ہے۔ پس میں خدا کی پناہ میں آتا ہوں۔ ایسے آدمی سے جو اس کے احکام کی مخالفت کرے اور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے مسلک کے خلاف ہو۔

شیخ نجم الدین محمد الاوکانیؒ

آپ شیخ علاؤالدولہ سمنانی کے مرید ہیں۔ صاحب کشف و کرامات بزرگ ہیں۔ آپ

کی وفات ۷۷۸ھ میں ہوئی۔ عمر ۸۰ سال تھی۔ قبر اسفرائن کے صوبہ حصار میں واقع ہے۔

حضرت شیخ محمود مزدہ کانیؒ

آپ کا لقب شرف الدین ہے۔ والد کا نام عبداللہ۔ شیخ علاؤ الدولہ سمنانی کے کامل ترین مریدوں میں ہیں۔

حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی قدس سرہٗ

امیر سید علی ہمدانی کے والد کا نام شہاب الدین بن محمد ہے۔ آپ شیخ شرف الدین محمود مزدہ کانی کے مرید ہیں۔ راہ طریقت آپ نے شیخ تقی الدین علی دوستی سے طے کی۔ جو خود بھی علاؤ الدولہ سمنانی کے مرید تھے۔ اپنے پیرو مرشد شیخ شرف الدین محمود کے فرمانے سے تین مرتبہ آپ نے ایک چوتھائی دنیا کی سیر و سیاحت کی۔ ایک ہزار چار سو اولیاء کاملین سے ملاقات کی اور ایسی مجلسوں میں شریک ہوئے جہاں ایک مجلس میں چار چار سو اولیاء کا مجمع تھا۔ ابتدائی اسلام کے زمانہ میں آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے کشمیر میں قیام کیا۔ آج آپ کی خانقاہ کشمیر میں موجود ہے۔ آپ کی وفات ۶ رذی الحجہ ۷۸۰ھ میں ہوئی۔ قبر مقام ختلان میں ہے۔

حضرت شیخ بہاء الدین ولدؒ

آپ شیخ نجم الدین کبریٰ کے مرید ہیں۔ اسم مبارک آپ کا محمد بن حسین بن احمد الخطی الکبری ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد میں ہیں۔ آپ کی والدہ علاء الدین محمد بن خوارزم شاہ کی لڑکی تھیں۔ آنحضرت کے منشا اور اشارہ سے علاء الدین محمد نے اپنی لڑکی حسین بن احمد کے نکاح میں دی تھی۔ آپ سے شیخ بہاء الدین پیدا ہوئے۔ آپ نہایت بزرگ اور صاحب کرامات تھے۔ آپ نے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے ملاقات کی ہے۔

آپ کی وفات ۶۲۸ھ میں ہوئی۔ مزار قونیہ میں ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ

آپ مولوی رومی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا نام محمد بن بہاء الدین محمد ہے۔ اصل

وخاندانی وطن بلخ ہے۔نشو ونما روم میں ہوئی۔آپ اپنے باپ کے مرید تھے۔صاحب حال و قال اور بہت بڑے مرتبہ کے تھے۔آپ کے درس میں روزانہ چار چار سو طلبا شریک ہوتے۔ آپ مشہور شاعر تھے۔آپ کا کلام اسرار معرفت اور رموز تصوف سے بھرا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ چھ سال کی عمر میں تین چار دن میں ایک بار افطار کرتے ،اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک دن آپ چند لڑکوں کے ساتھ مکانوں کی چھت پر سیر کر رہے تھے۔ایک لڑکے نے کہا آؤ اس چھت سے دوسری چھت پر کودیں۔مولانا نے فرمایا کہ اس قسم کی حرکتیں کتے بلی کرتے ہیں۔ اگر انسان ان لغو چیزوں میں مشغول ہو تو اس پر ہزار افسوس ہے اگر تم میں طاقت ہے تو آؤ آسمان کی طرف اڑیں۔بس اتنی دیر میں آپ سب لوگوں کی نظر سے غائب ہو گئے۔لڑکوں نے شور کرنا اور فریاد کرنا شروع کیا۔تھوڑی دیر کے بعد واپس آ گئے۔آنکھوں اور چہرہ کا رنگ بدلا ہوا تھا اور فرمایا کہ جب میں تم سے گفتگو کر رہا تھا، میں نے دیکھا کہ ایک سبز پوشوں کی جماعت ہے جس نے مجھے اٹھا لیا اور آسمان کی خوب سیر کرائی۔عجائبات ملکوتی کی خوب سیر کی۔جب تمہاری آہ وفغان کی آواز سنی، واپس آ گیا۔نیز مولانا رومیؒ نے فرمایا کہ جو جانور زمین سے اوپر اڑتا ہے اگرچہ آسمان تک نہیں پہنچ سکتا تاہم اتنا ضرور ہے کہ وہ جال سے زیادہ دور ہو جاتا ہے اور اس طرح ہلاکت سے بچ جاتا ہے۔اسی طرح اگر کوئی درویش بن جاتا ہے ،اگرچہ معراج کمال تک نہ پہنچ سکے تاہم اتنا ضرور ہوتا ہے کہ وہ عام مخلوقات کے گروہ سے ممتاز ہو جاتا ہے اور دنیا کے مخمصوں اور جھگڑوں سے محفوظ رہتا ہے۔

آپ کی ولادت ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ کو اور وفات غروب آفتاب کے وقت ۵ جمادی الآخر ۶۷۲ھ میں ہوئی۔آپ کی قبر قونیہ میں ہے۔

حضرت شیخ حسام الدین حلبیؒ

آپ کا نام حسن محمد بن حسن بن اخی ترگست ہے۔حضرت مولانا روم کو آپ کے حال پر کمال عنایت وشفقت تھی۔آپ مولانا کے ممتاز خلفاء میں تھے۔جب مولانا روم کا وصال ہوا۔ساتویں دن حسام الدین تمام اصحاب کے ہمراہ سلطان ولد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے والد مرحوم کی جگہ آپ بیٹھیں اور مریدین و مخلصین کی راہ نمائی فرمائیں اور ہمارے شیخ بنیں اور میں آپ کی غلامی میں حاشیہ بردوش رہوں اور پھر یہ

شعر پڑھا۔

برخانہ ولی اے جاں آں کیست ایستادہ
برتخت شہ کہ باشد جز شاہ شہزادہ

سلطان ولد بہت روئے اور پھر فرمانے لگے الصوفی اولی بخرقتہ والھم اخری بحرقتہ تم جس طرح اپنے والد کی حیات میں خلیفہ اور ہمارے بڑے تھے۔ آج بھی اسی طرح ہمارے خلیفہ اور قابل احترام ہوئے۔ آپ کی وفات ۶۸۳ھ کو ہوئی۔

حضرت سلطان ولدؒ

آپ مولانا جلال الدین رومی کے فرزند خلف ہیں اور مولانا کے مرید اور صاحب سجادہ بھی ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی اپنے والد صاحب اور مولانا حسام الدین حلبی اور شیخ شمس الدین تبریزی قدس اسرارہم سے حاصل کیے۔ مولانا روم نے آپ کی شان میں فرمایا کہ ہمارا ظہور ہی تیرے وجود کی خاطر ہوا۔ یہ باتیں میرا قول ہیں اور تو میرا فعل اور عمل اور فرمایا کہ ایک دن میرے والد صاحب نے کہا کہ اے بہاء الدین اگر تو چاہتا ہے کہ بہشت بریں میں ہمیشہ رہے تو ہر ایک سے محبت کر، کسی سے دل میں کینہ نہ رکھ اور پھر یہ رباعی پڑھی:۔

رباعی

پیش طلبی زہیچکس پیش مباش
چوں مرہم و موم باش و چوں پیش مباش
خواہی کہ زہیچکس بتوبدنہ رسد
بدگوئی وبد آموز وبداندیش مباش

آپ کی ولادت لارندہ میں ۶۲۳ھ میں ہوئی اور وفات شنبہ کی شب ۱۰رجب ۷۱۲ھ کو ہوئی۔ روایت ہے کہ جس شب کو آپ کا وصال ہوا۔ یہ شعر آپ پڑھ رہے تھے۔

امشب شب آں ست کہ بینم شادی
دریابم از خدائے خود آزادی

سلسلہ کبرویہ کے مشائخ کبار کا تذکرہ تمام ہوا۔

سلسلہ سہروردیہ جس کو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے نسبت ہے

حضرت ممشاد دینوریؒ

دینور قرمیسین کے قریب حنبل کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے۔ حضرت ممشاد دینوریؒ عراق کے مشائخ کبار میں سے ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی اور کرامات وتصرفات میں یکتائے روزگار تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے کامل ترین مریدوں میں ہیں اور حضرت رویم نوریؒ کے ہم عصر تھے۔

آپ نے فرمایا کہ چالیس سال سے بہشت مع اپنی تمام نعمتوں کے میرے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ میں نے اپنی آنکھ کا ایک گوشہ بھی اس کو دیکھنے کے لیے نہیں صرف کیا۔ یعنی ایک نظر تک اس پر نہیں ڈالی۔ آپ کی وفات ۲۹۹ھ میں ہوئی۔

حضرت شیخ احمد اسود دینوریؒ

آپ کے والد کا نام عطار ہے۔ حضرت ممشاد دینوریؒ کے کامل مریدوں اور اپنے وقت کے مشائخ کبار میں ہیں۔ آپ کی وفات ماہ ذی الحجہ ۳۶۷ھ میں ہوئی۔

حضرت شیخ محمد عمویہؒ

آپ کے والد کا نام عبداللہ ہے۔ اپنے وقت کے مشائخ کبار میں تھے۔ آپ شیخ احمد اسود دینوریؒ کے مرید ہیں۔

حضرت شیخ الشیوخ رویمؒ

آپ کی کنیت ابومحمد، ابوالحسین اور ابوسیبان ہیں۔ باپ کا نام احمد بن یزید بن رویم ہے۔ آپ کا اصل وطن بغداد ہے۔ آپ جید عالم اور فقیہ تھے۔ علوم ظاہری و باطنی دونوں میں

مہارت حاصل تھی۔ مگر آپ اپنے آپ کو چھپاتے تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے مرید کامل اور شاگرد رشید تھے۔ خواجہ عبداللہ انصاری نے فرمایا کہ اگرچہ رویم خود کو جنید کا شاگرد بتاتے مگر آپ اپنے استاد سے زیادہ کامل اور بہتر تھے۔ میں ان کے ایک بال کو بھی ایک سو جنید سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔

حضرت شیخ ابو عبداللہ خفیف فرماتے ہیں کہ کسی نے میری نگاہ کو نہیں دیکھا جیسا کہ رویم نے دیکھا ہے۔ ہمیشہ آپ توحید کی باتیں کرتے۔ نقل ہے کہ آخر عمر میں آپ دنیا والوں سے پوشیدہ ہو گئے تھے۔ لیکن اپنے شغل سے محجوب نہیں ہوتے تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ہم فارغ ہوتے ہوئے مشغول ہیں اور رویم مشغول بھی فارغ ہے۔

آپ کی وفات ۳۰۳ھ کو ہوئی۔ مزار بغداد شریف میں مقام شونیز میں ہے۔

حضرت شیخ ابو عبداللہ بن خفیفؒ

نام محمد اور اصل شیراز ہے۔ آپ شاہی خاندان سے ہیں۔ اپنے زمانہ کے قطب اور امام گزرے ہیں اور اہل طریقت کے پیشوا۔ ریاضات و مجاہدات میں آپ کی مثال نہ تھی۔ حضرت رویم کے مرید ہیں۔ منصور حلاج سے شرف نیاز حاصل تھا۔ ابو حسین مالکی، ابوالحسین مزین۔ ابوالحسین دراج وغیرہ مشائخ سے صحبت تھی۔ علوم ظاہر و باطن میں کامل درجہ تھا۔ شافعی المذہب تھے۔ علم تصوف میں آپ کی بہت تصانیف ہیں۔ طریقہ خفیفہ آپ ہی کی طرف منسوب ہے۔ آپ کے مذہب کا طریق حضور و غیبت تھا۔

روایت ہے کہ شیخ ابو عبداللہ خفیف نے فرمایا کہ میں نے ابتداء میں چاہا کہ حج کو جاؤں ایک جنگل میں پہنچا، ڈول اور رسی ساتھ تھی۔ پیاس کا غلبہ تھا، ایک کنوئیں پر پہنچا۔ ایک ہرن کو پانی پیتے دیکھا۔ جب میں کنوئیں پر پہنچا پانی گہرائی میں چلا گیا۔ میں نے کہا، خدایا عبداللہ کا درجہ اس ہرن سے بھی کم تر ہے۔ آواز آئی کہ اس ہرن کے پاس ڈول رسی نہیں صرف ہمارے اوپر بھروسہ تھا اور تیرا ڈول اور رسی پر۔ یہ سن کر میں خوش ہوا۔ ڈول اور رسی کو پھینک دیا۔ پھر آواز سنی۔ ہم نے تجھے آزمایا تھا، اب تم باز آگئے، ہم بھی باز آگئے۔ اتنے میں دیکھا کہ پانی کنوئیں کے کنارہ پر تھا۔ خوب سیر ہو کر پیا اور وضو کیا۔

ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ مصر میں ایک جوان اور ایک بوڑھا ہمہ وقت مراقبہ میں رہتے

ہیں۔ میں وہاں گیا دیکھا کہ دونوں قبلہ رو بیٹھے ہیں۔ تین مرتبہ سلام کیا۔ جواب نہیں دیا پھر میں نے خدا کی قسم دے کر سلام کیا۔ اس جوان نے سر اٹھایا اور کہا اے ابن خفیف! دنیا تھوڑی ہے اور اس تھوڑے کا بھی تھوڑا باقی رہ گیا ہے۔ اس تھوڑے سے بہت حصہ حاصل کر۔ اے ابن خفیف! فارغ کون ہے جو تو سلام میں ہم کو مشغول کرتا ہے۔ یہ کہا اور سر نیچا کرلیا۔ میں بھوکا اور پیاسا تھا۔ بھوک اور پیاس سب کو بھول گیا اور ان کے اس قول کا قلب پر بڑا اثر ہوا۔ کچھ دیر ٹھہرا اور نماز ظہر اور عصر ان کے ساتھ پڑھی۔ پھر میں نے درخواست کی کہ کچھ نصیحت فرمایئے۔ کہا اے ابن خفیف! ہماری زبان سے نصیحت نہیں ہوتی۔ کسی اور کو چاہیے کہ مصیبت زدوں کو نصیحت کرے۔ میں تین دن وہاں رہا۔ اس عرصہ میں میں نے سونے اور کھانے کا کوئی واقعہ نہیں دیکھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس خیال میں رہنے سے کیا فائدہ کہ یہ مجھے نصیحت کریں گے۔ جوان نے سر اٹھایا اور کہا۔ ایسی کسی کی صحبت میں جاؤ جس کا دیکھنا تجھے خدا کی یاد دلائے اور تیرے دل پر اس کی ہیبت ہو اور زبان فعل سے تجھے نصیحت کرے۔ زبان قال سے نہیں۔

آپ کی وفات ۳۷۱ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک شہر آذر میں ہے۔ آپ کی عمر ۹۵ سال اور ایک روایت میں ۱۰۴ سال کی عمر ہوئی۔

حضرت شیخ ابوالعباس نہاوندیؒ

آپ کا نام احمد بن محمد بن الفضل ہے۔ آپ کا قدیمی وطن نہاوند ہے۔ حضرت جعفر خلدی کے شاگرد رشید اور شیخ ابو عبداللہ خفیف کے مرید ہیں۔ شیخ ابوالعباس نے فرمایا آپ بڑے صاحب حوصلہ اور عالی ہمت تھے۔ آپ کی وفات ۶۴۳ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک وصیت کے مطابق خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے قدموں میں مقام دہلی میں ہے۔ اس خاکسار نے اس کی زیارت کی ہے۔

حضرت شیخ نجیب الدین علی برغشؒ

آپ کی جائے پیدائش شیراز ہے اور اصلی وطن شام ہے۔ نقل ہے کہ آپ نے ابتداء عمر

سے فقراء سے محبت تھی اور فقراء کی صحبت میں اٹھتے بیٹھتے تھے، باپ ہر چند بہتر سے بہتر لباس آپ کے لیے بناتے اور لذیذ سے لذیذ کھانے پکواتے۔ آپ اس طرف توجہ نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں دنیا کا جامہ ہرگز نہیں پہنوں گا اور نازک مزاجوں کا کھانا ہرگز نہیں کھاؤں گا۔ آپ کمبل اوڑھتے تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید تھے۔ عارف کامل اور ایک جید عالم تھے۔ آپ کی پر حکمت اور لطف آمیز باتیں اور خطوط بے شمار ہیں۔ آپ کی وفات ٦٧٨ھ کو ہوئی۔ مزار شیراز میں ہے۔

حضرت شیخ عبدالرحمٰن بن علی برغشؒ

آپ کا لقب ظہیر الدین ہے۔ اپنے باپ کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ صاحب مقامات وکرامات تھے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو شیخ الشیوخ نے اپنے خرقہ مبارک کا ایک ٹکڑا آپ کے پہننے کے واسطے ارسال کیا۔ دنیا میں سب سے پہلے خرقہ آپ نے پہنا۔ آپ کی وفات ٧١٦ھ کو ہوئی۔

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ

آپ کی کنیت ابو محمد اور ابوالبرکات ہے۔ والد کا نام وجیہ الدین بن کمال الدین علی شاہ قریش ہے۔ ملتان کے قدیمی باشندے تھے۔ علوم ظاہر و باطن اور فقہ و حدیث اور اصول و فروع میں کامل اور اپنے عہد کے قطب وغوث تھے۔

آپ کا مذہب حنفی تھا۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کے کامل ترین خلیفہ اور مرید تھے۔ آپ صاحب کشف وکرامات اور بڑے درجہ کے حامل تھے۔ جب آپ حج بیت اللہ واپس آکر بغداد شریف پہنچے۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر مرید ہوگئے۔ آپ کے خرقہ پہننے کا طریقہ اس طرح ہے کہ جب آپ شیخ الشیوخ کی خدمت میں پہنچے تو اس انتظار میں تھے کہ حضرت شیخ الشیوخ خرقہ پہنائیں گے۔ ایک دن خواب میں دیکھا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف رکھتے ہیں اور شیخ الشیوخ ان کے حضور دست بستہ کھڑے ہوئے ہیں۔ اس گھر میں ایک طناب بندھی ہوئی ہے اور اس طناب پر خرقے لٹکے ہوئے ہیں۔ آنحضرت نے مجھے طلب فرمایا۔ شیخ الشیوخ نے میرے

ہاتھوں کو پکڑ کر آنحضرت سے قدم بوس کرایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خرقوں میں سے ایک خرقہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ عمر واس خرقہ کو بہاؤ الدین کو پہناؤ۔ شیخ الشیوخ نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر علی الصباح مجھے اندر طلب کیا۔ جب میں اندر گیا، وہی مکان اور اس پر اسی طرح طناب پر خرقے لٹکے ہوئے ہیں۔ شیخ الشیوخ نے وہی خرقہ جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا تھا۔ طناب سے اتار کر مجھے پہنایا اور کہا، اے بہاؤ الدین یہ خرقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بخشا ہوا ہے اور میں درمیان میں صرف ایک واسطہ ہوں اور کسی کو بغیر اجازت کے نہیں دے سکتا۔ پھر آپ شیخ الشیوخ سے اجازت لے کر ملتان آئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی اور طالبان حق کی ہدایت وارشاد میں مشغول ہوئے۔ آپ کی برکت سے بہت سی مخلوق راہِ راست پر آئی اور اس شہر اور اطراف کے تمام لوگ معتقد ہوئے اور آج بھی اس نواح میں آپ کے مرید کثرت سے موجود ہیں۔ آپ کی کرامات وخوارق ظاہر ہیں۔

آپ کی ولادت ۵۶۶ ھ کو قلعہ کوت کرد میں ہوئی اور وفات جمعرات کے دن ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر ۷/ماہ صفر ۶۶۶ ھ کو ہوئی۔ عمر ایک سو سال کی پائی۔ قبر مبارک ملتان میں حصار قدیم میں واقع ہے۔

حضرت شیخ فخر الدین عراقیؒ

آپ شیخ بہاؤ الدین زکریا کے کامل ترین مریدوں میں ہیں اور حضرت شیخ الشیوخ کی صاحبزادی بھی آپ کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ آپ ہمدان کے رہنے والے ہیں۔ بہت چھوٹی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا اور سترہ سال کی عمر میں علوم دینیہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔ آپ کا دیوان مشہور ہے۔ لمعات بھی آپ کے تصنیف کردہ ہیں۔ آپ صاحب کرامات وخوارق تھے۔ آپ کی وفات ماہ ذی قعدہ ۶۸۸ھ کو ہوئی۔ عمر ۸۲ سال ہوئی۔ آپ کی قبر مبارک شیخ محی الدین ابن عربی کے مزار کے عقب میں واقع ہے جو دمشق میں صالحیہ میں ہے۔

حضرت امیر حسین ساداتؒ

آپ کا نام حسین بن عالم بن ابی الحسین ہے۔ غور کے رہنے والے ہیں۔ علوم ظاہر و

باطن میں عالم اجل تھے۔ کتاب کنز الرموز، زاد المسافرین، نزہتہ الارواح، سوالات اور گلشن راز آپ کی تصانیف ہیں۔ آپ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے مرید ہیں۔ آپ کی وفات ۱۰ / شوال ۷۱۸ھ کو ہوئی۔ مزار مفرخ ہرات میں واقع ہے۔

حضرت شیخ صدرالدین محمدؒ

آپ کی کنیت ابوالمغانم ہے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے جانشین، مرید کامل اور فرزند رشید ہیں۔ اپنے والد مرحوم کے بعد ملتان کے خانقاہ میں اٹھارہ سال کامل، طالبان حق کی ہدایت اور مریدوں کی تربیت میں والد کے حکم کے مطابق مشغول رہے۔ آپ کی کرامات بے شمار ہیں۔ آپ کی وفات سنہ شنبہ ۲۳ / ذی الحجہ ۶۸۴ھ کو ہوئی۔

قبر مبارک ملتان میں اپنے والد بزرگوار کے مزار کے متصل ہے۔

حضرت شیخ رکن الدینؒ

آپ کی کنیت ابوالفتح اور لقب فضل اللہ ہے، اپنے والد شیخ صدرالدین محمد بن شیخ بہاؤالدین زکریا کے مرید اور خلیفہ ہیں، اپنے دادا اور اپنے والد کی گدی پر ۵۲ سال کامل طالبان حق کی رشد و ہدایت میں مشغول رہے۔ آپ علوم ظاہر و باطن کے جید عالم تھے، کشف و کرامات آپ سے بے شمار ظاہر ہوئیں۔ اپنے وقت کے جلیل القدر و عظیم المرتبہ بزرگ تھے۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی والدہ ماجدہ شیخ بہاؤالدین کے سلام کو حاضر ہوئیں۔ جس وقت شیخ رکن الدین سات ماہ کے آپ کے پیٹ میں تھے۔ حضرت شیخ نے کھڑے ہو کر آپ کی تعظیم کی۔ شیخ رکن الدین کی والدہ کو تعجب ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تعظیم اس کی وجہ سے ہے جو تمہارے پیٹ میں سات ماہ کا ہے وہ خاندان کا چراغ اور شفیع بنے گا۔ آپ کی وفات ۹ / جمادی الاولیٰ ۷۳۵ھ کو ہوئی۔ عمر ۸۸ سال کی ہوئی۔ قبر مبارک اپنے والد اور جدامجد کے مزار کے جوار میں ہے۔

حضرت مخدوم جہانیاںؒ

آپ کا نام جدامجد کے نام پر سید بخاری ہے۔ بخارا کے اس قبیلہ سے پہلی بار جو سب

سے پہلے ہندوستان آیا، آپ کے جد امجد سید جلال بخاری ہیں جن کی بابت مخدوم جہانیاںؒ نے فرمایا کہ جب آپ بخارا سے ہندوستان آئے تو حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے مرید ہوئے۔ آپ جلیل القدر بزرگ ہوئے۔ علوم ظاہری و باطنی میں عالم اجل تھے۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ سید احمد کبیر، سید بہاؤالدین، سید محمد، سید احمد کبیر کے دولڑکے ہوئے جونہایت سعادت منداور فرماں بردار تھے۔

ایک اپنے وقت کے قطب اور شیخ المشائخ، یکتائے زمانہ حضرت مخدوم جہانیاںؒ اور دوسرے سید راجوی قتال۔ یہ سب اپنے وقت کے اولیائے کاملین میں گزرے ہیں۔ گو حضرت مخدوم جہانیاںؒ کوظاہر و باطن میں تربیت آپ کے والد نے فرمائی۔ لیکن مرید شیخ رکن الدین بن شیخ صدرالدین بن شیخ زکریا ملتانی کے ہیں اور اس سلسلہ کی برکت سے اور آپ کی توجہ اور اصلاح سے معراج کمال پر پہنچے ہیں۔ اپنے زمانہ کے یکتا اور کامل تھے۔ آپ کو مخدوم جہانیاں اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عید کے دن آپ حضرت شیخ بہاؤالدین اور شیخ صدرالدین کے روضہ پر حاضر ہوئے اور عید کی دعا فرمائی۔ اندر سے آواز آئی کہ حق تعالیٰ نے تجھ کو مخدوم جہانیاں کر دیا، تیری عید بس یہی ہے۔ جب شیخ رکن الدین کے روضہ پر گئے۔ وہاں سے بھی یہی آواز آئی، جب باہر آئے تو ہر شخص آپ کو مخدوم جہانیاںؒ کہہ کر خطاب کرتا تھا۔

آپ سے خوارق وکرامات بے شمار ظاہر ہوئی ہیں۔ جب آپ مکہ معظمہ میں پہنچے تو امام عبداللہ یافعی سے ملاقات کا شرف حاصل کیا اور دونوں میں اس درجہ اتحاد ومحبت بڑھا کہ اس سے زیادہ گہرا تعلق دیکھا نہیں گیا۔ مکہ معظمہ سے جب ہندوستان لوٹے اور دہلی میں حضرت نصیرالدین چراغ دہلی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خرقہ چشت آپ کو اسی بارگاہ سے ملا۔

آپ کی ولادت شب جمعہ یکم شعبان ۷۰۷ھ کو ہوئی۔ وفات غروب آفتاب کے وقت چہارشنبہ عیدالاضحیٰ کو ۷۸۵ھ کو ہوئی۔ عمر ۷۸ سال کی پائی۔ مزار اچہ ملتان میں ہے۔

حضرت شیخ برہان الدین قطب عالمؒ

آپ کی کنیت ابومحمد نام عبداللہ بن ناصرالدین محمد بن مخدوم جہانیاںؒ ہے۔ اس قبیلہ میں بیشتر صاحب کمال بزرگ گزرے ہیں۔ آپ اپنے آباء کرام کے مرید تھے۔ خوارق وکرامات

آپ سے بے شمار ظاہر ہوئی ہیں۔

روایت ہے کہ ایک رات تہجد کی نماز پڑھنے کے لیے اٹھے۔ رات اندھیری تھی۔ پاؤں میں ایک کیل چبھ گئی۔ آپ کو معلوم تک نہ ہوا۔ فرمایا یہ کوئی پتھر یا لکڑی یا کوئی کیل ہے۔ صبح کو جب لوگوں نے دیکھا تو جس طرح آپ نے فرمایا اور جو کچھ آپ کی زبان مبارک سے نکلا لکڑی کا ٹکڑا اپنی اصلی حالت پر موجود تھا جس میں کچھ پتھر کچھ لوہا اور کچھ اور چیز بھی اس میں ملی ہوئی تھی کہ انسان اس طرح سے مرکب نہیں کر سکتا۔ آج تک وہ چیز احمد آباد میں جو آپ کا وطن تھا آپ کے فرزندوں کے پاس موجود ہے۔

آپ کی ولادت ۱۴؍رجب ۷۹۰ھ میں ہوئی۔ وفات طلوع آفتاب کے وقت ۸؍ذی الحجہ ۸۵۶ھ کو ہوئی۔ عمر ۶۸ سال اور ۴ ماہ ہوئی۔ آپ کا مزار موضع تبوہ میں ہے جو احمد آباد و گجرات کے مضافات سے ہے۔

حضرت سراج الدین محمد شاہ عالمؒ

آپ کی کنیت ابوالبرکات اور نام محمد بن قطب عالم ہے، اپنے والد ماجد کے خلف صادق اور خلیفہ رشید اور مرید تھے۔ صاحب کشف و کرامات اور مقامات عالیہ کے حامل تھے۔ ظاہر و باطن میں اپنے وقت کے سردار تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کا حلیہ شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک سے بہت مشابہ تھا اور آپ کی عمر اور والدین نیز دایہ کا نام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین و عمر کے مطابق تھا۔

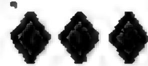
روایت ہے کہ ایک بوڑھی عورت آپ سے بیعت تھی۔ اس کا ایک بیٹا تھا جس کی عمر چار پانچ سال تھی۔ جو بیمار ہو کر فوت ہو گیا۔ وہ ضعیفہ اس کی جدائی اور فراق میں اس درجہ رنجیدہ تھی کہ فرط الم میں اس نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور گڑگڑانا شروع کیا کہ جب تک میرا لڑکا مجھے نہیں مل جائے گا میں آپ کا دامن نہیں چھوڑوں گی۔ جب اس کا گریہ و تضرع حد سے بڑھا، آپ نے اس کو تسلی دی اور اندر تشریف لے گئے۔ آپ کا بھی ایک لڑکا تھا، جو چھوٹا تھا، اس کو گود میں اٹھا کر اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور دعا کی کہ خدایا وہ لڑکا نہیں یہ لڑکا۔ اسی وقت آپ کا لڑکا فوت ہو گیا۔ باہر آ کر اس ضعیفہ سے فرمایا۔ جا تیرا لڑکا زندہ ہو گیا۔ جب وہ عورت گھر گئی۔ اپنے لڑکے کو زندہ پایا۔ آپ کی ولادت ۷؍ذی قعدہ ۸۱۷ھ کو ہوئی

اور وفات شنبہ کی شب ۲۰ رجمادی الآخر ۸۸۰ھ کو ہوئی۔ عمر شریف ۶۳ سال پائی۔ مزار مبارک شہر احمد آباد میں ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی روح پر فتوح کی برکت سے سلسلہ قادریہ ونقشبندیہ، چشتیہ اور سلسلہ کبرویہ وسہروردیہ کے اکابر قدس اسرارہم کے حالات مکمل ہوئے۔

جاننا چاہیے کہ بنی نوع انسان کے امور اخروی کے انتظام کا دارومدار اور نظام عالم کا قیام انہی مذکورہ بالا سلسلوں پر ہے۔ اہل اسلام کے اکثر حضرات خواص وعوام ان سلسلوں سے باہر نہیں ہیں کیوں کہ ان بزرگوں کے وسیلہ اور اعانت کے بغیر مقصود اصلی تک پہنچنا اور اس دار فنا سے ایمان کی متاع کو ڈاکوؤں کی دست برد سے بچا کر لے جانا بہت دشوار ہے۔ آخرت کی نجات ان سلسلوں میں منسلک ہوئے بغیر متصور نہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص تہی دامن کی وجہ سے اعمال سے خالی ہونے کی وجہ سے نجات پانے سے ناامید ہوگا حق تعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندے تو فلاں محلہ میں میرے دوست کو جانتا ہے، وہ عرض کرے گا ہاں میں اس کو پہچانتا ہوں۔ خدا فرمائے گا جا میں نے اس کی برکت سے تیری مغفرت کر دی۔

پس یہ معلوم ہو گیا کہ اس سلسلہ سے رشتہ جوڑنے سے نجات کی امید ہے اور اولیاء الٰہی کی دوستی اور ان کی سیرت کی اتباع اور پیروی آخرت میں فائدہ پہنچاتی ہے، تو ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے کو کسی سلسلہ میں منسلک کرے۔ اس امید پر اس احقر نے بھی اپنے آپ کو سلسلہ قادریہ میں شامل کر لیا ہے اور امام الاولیاء شاہ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کے دامن کو اپنے ہاتھ میں تھام لیا ہے کہ اس برکت سے کونین کی نجات وسعادت حاصل ہو اور حق تعالیٰ اس سلسلہ کی برکت سے اس خاکسار کی بخشش فرمائے۔ شہزادہ داراشکوہ کہتے ہیں کہ اس کو اچھی طرح جانو کہ ان تمام سلسلوں میں جو اسمائے گرامی مذکور ہوئے ہیں صرف انہی پر انحصار نہیں۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ عامل وبہتر اولیاء موجود ہیں۔ جو بڑے بڑے درجات کے حامل تھے مگر جب ان کی تاریخ ولادت ووفات اور دیگر حالات کا پتا نہیں معلوم ہو سکا اور اس صورت میں ترتیب کی رعایت بھی باقی نہیں رہتی۔ اس ڈر سے صرف انہیں چند اکابر مشائخ کے حالات پر اکتفا کیا ہے۔



منقبت غوث الاعظم دستگیرؒ

حلقہ بگوش تو بھی ہو پیرانِ پیرؒ کا
دامن پکڑ لے مجھ سا تو بھی دستگیرؒ کا

مانا کہ تم ہو یادِ شہِ وقت دوستو
میں تو فقط غلام ہوں روشن ضمیرؒ کا

ہے آسمان اوڑھنا، بستر زمین ہے
جینا بھی ہے غوثؒ کے سچے فقیر کا

میں دنیوی گناہوں کی آفت سے بچ گیا
پایا ہے جب سے راستہ روشن ضمیرؒ کا

راہِ خدا میں ولیوں سا ہر چیز چھوڑ دی
ہے یہ کمالِ فقر مرے قلبِ میر کا

شاغل ادیب! صالحوں کی صف میں آ گئے
یہ بھی ہے اک کرشمہ مرے دستگیرؒ کا

شاغل ادیب ایم، اے

امام اعظمؒ نمبر

جس میں مجتہدین کے رئیس...... ماہرین حدیث کے امام اور استاد......وارفتگان شوق کے قبلہ......عابدوں کے رہنما......زاہدوں کے قافلہ سالار......صوفیوں کے پیشوا......سراج الملۃ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے بے شمار محاسن واوصاف اور جس قدر فضائل ہو سکتے ہیں، تفصیلات کے ساتھ یکجا کر دیے گئے ہیں۔

علمی، عملی، فقہی نکات اور کمالات

◆ امام ابوحنیفہؒ کی داستان حیات ◆ بحث ومناظرے ◆ بے باکانہ حق گوئی ◆ قید وبند کی صعوبتیں ◆ زندگی کی آخری گھڑیاں ◆ مدح وقدح کی کثرت اور وہ سب کچھ جو ہدیٰ کے نمبروں کی خصوصیات ہیں، ہر مضمون عقیدت ومحبت، ادب واحترام اور علم وعرفان کی خوشبو ئے جانفزا سے معطر

لگ بھگ پانچ سو صفحات ہدیہ صرف ساٹھ روپے (محصول ڈاک چالیس روپے)

مندرجہ ڈاک پتہ پر -/100 روپے کا منی آرڈر بھیج کر بذریعہ رجسٹری بھی منگا سکتے ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نمبر

جلال وجمال کی وہ عظیم الشان شخصیت جسے رہتی دنیا تک کے لیے پیران پیر دستگیر اور محی الدین کے خطاب عطا ہوئے جس کے قدم تمام ولیوں کی گردنوں پر تھے۔ عبرت ونصیحت حاصل کرنے والی سبق آموز وہ داستانیں جو اس سے قبل آپ کے علم میں نہ آئی ہوں گی۔

○ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے کلام کی تاثیر ○ حضرت شیخ جیلانیؒ جس رات میں پیدا ہوئے اس رات میں پیدا ہونے والے منزل ولایت تک پہنچنے والے [illegible]بزرگوں کی داستان ○ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی فاقہ مستی اور توکل کے واقعات ○ زمانہ طالب علمی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے خلاف زور وشور کے ساتھ تحریکیں۔

○ جب علمائے بغداد کے ذہنوں سے ان کا غرور رخصت ہو گیا ○ جب پورا بغداد فتنہ وفساد سے بھر گیا تھا ○ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے کانوں میں غیبی آواز کا آنا اور جب ذہن میں آنے والے شبہات دور ہو گئے۔ وہ سب کچھ جس کی آپ ادارہ ہدیٰ سے توقع کر سکتے ہیں۔

ہدیہ صرف -/60 روپے (محصول ڈاک چالیس روپے)

مندرجہ ڈاک پتہ پر -/100 روپے کا منی آرڈر بھیج کر بذریعہ رجسٹری بھی منگا سکتے ہیں۔

محبوب سبحانی شہباز آسمانیؒ نمبر

◆ مقبول بارگاہ رسول محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانیؒ کے حالات وکرامات ◆ تعلیمات جیلانی، انقلاب کی نشانی ◆ سلسلہ قادریہ کے اوراد ووظائف ◆ شیخ کی تلقین اور اقوال ◆ بندے کے سوالات، بندے کے جوابات، شیخ کے الہامات ◆ بے نواؤں کی دستگیری اور مسیحائی۔ ستاروں میں چاند، سب اس کے سامنے ماند

◆ فقیروں میں فقیر شاہوں میں شہنشاہ ◆ اقوال کے اندر روشنی کا سمندر ◆ دلوں سے گناہ دھو ڈالنے والے خطبات ◆ شعاع نور، دل کا سرور، عرفانی مکتوبات ◆ تصنیفات اور قلم کے معجزات ◆ ریاضت، ولایت، تصوف اور حقانیت کی امتیازی فضیلت ◆ ہر مہینے کی گیارہویں تاریخ ◆ قادری سلسلے کی اذان ◆ قصیدہ غوثیہ مع اردو ترجمہ

وہ سب کچھ جس کی آپ ادارہ ہدیٰ سے توقع کرسکتے ہیں۔

ہدیہ صرف -/60 روپے (محصول ڈاک چالیس روپے)

مندرجہ ڈاک پتہ پر -/100 روپے کا منی آرڈر بھیج کر بذریعہ رجسٹری بھی منگا سکتے ہیں۔

بذریعہ ڈاک منگانے کا پتہ: صدیقی طباعت گھر، 96، چرچ روڈ، جنگ پورہ، نئی دہلی۔ 110014

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ

بندہ نواز آپ ہیں کوئی دوسرا نہیں
بے شک ہیں آپ شانِ خدا گو خدا نہیں
در اور کوئی میری جبیں کو رچا نہیں
سر تیرے آستاں پہ جھکا تو اٹھا نہیں
وہ بدنصیب ہے جسے خوفِ خدا نہیں
اس کے لئے کبھی درِ توبہ کھلا نہیں
بندہ نواز آپ کی چاہت ہے دل میں اب
مجھ کو جہاں میں غیر سے کچھ واسطہ نہیں
دیکھا ہے میں نے خواب میں بندہ نوازؒ کو
اب تک ہے کیوں خمار مجھے کچھ پتا نہیں
اب کس کے در پہ جاؤں گا میں آپ کے سوا
میرا جہاں میں اور کوئی آسرا نہیں
کھا کے قسم کہتا ہوں میں بندہ نوازؒ کی
بندہ نواز آپ ہیں کوئی دوسرا نہیں
جو اولیاء میں ہو فنا اُس کو نہیں ہے موت
ہے مودۂ حیات دوامی قضا نہیں
کلمہ عمل میں جو پڑھے بن جائے وہ ولی
مومن نہیں عمل میں جو کلمہ پڑھا نہیں
بے ہوشی ایسی دے کہ فقط یاد تو رہے
میں خود کو بھول جاؤں تو کچھ فائدہ نہیں
آتے رہیں گے اولیاءِ اُمت میں تا ابد
یہ سلسلہ رواں ہے کبھی بھی رکا نہیں
جس نے بھی دیکھا خواب میں بندہ نوازؒ کو
جاہل کی موت وہ کبھی بھی مرا نہیں
بابر نے حق کو پالیا بندہ نوازؒ سے
جب تک نہ ہو وسیلہ تو ملتا خدا نہیں

محمد ظہیر الدین بابر

شیخ صوفی بدھنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ جب ذکر اللہ فرماتے تو آپ کے سب اعضاء جسم سے جدا ہو جاتے تھے

پیدائش ۶۳۹ھ میں ہوئی اور وفات ۷۰۴ھ میں ہوئی

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ کیتھل میں ایک بزرگ رہتے تھے جنہیں لوگ صوفی بدھنی کہا کرتے تھے۔ وہ اس قدر تارک الدنیا تھے کہ ستر پوشی تک نہ کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا کہ جو اس قدر کھائے کہ اس سے بھوک ختم ہو جائے اور قوائے بدن برقرار رہیں، نیز اتنا کپڑا پہنتا ہو کہ اس سے ستر پوشی ہو جاتی ہو تو ایسے آدمی کی اتباع کرنی چاہیے لیکن اس قول کے خلاف ان کا اپنا عمل یہ تھا کہ نہ خود کھاتے اور نہ ہی پہنتے تھے۔ فوائد الفواد میں بھی ان کی یہی کیفیت لکھی گئی ہے۔

خیر المجالس میں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ صوفی بدھنی کو عبادت کا بے انتہا ذوق و شوق تھا۔ مسجد میں رہتے اور شب و روز محراب کے سامنے نماز پڑھتے رہتے۔ اس کے علاوہ آپ کا اور کوئی کام نہ تھا۔ آپ کے پاس لوگوں کا ہجوم لگا رہتا تھا۔ ایک دن کچھ علمائے کرام آپ کی خدمت میں تشریف لائے۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا جنت میں نماز ہوگی؟ علمائے کرام نے جواب دیا کہ جنت تو اصل میں جزا کی جگہ ہے جہاں کھانے پینے اور عیش کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا۔ عبادتیں تمام تر دنیا ہی میں کی جاتی ہیں۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ جس جنت میں نماز نہ ہوگی اس سے میرا کیا تعلق۔ اس کے بعد ہندی زبان میں ایک جملہ کہا جو قابل تحریر نہیں۔ اس کے بعد شیخ چراغ دہلویؒ نے آپ کے اکثر مناقب بیان کئے، منجملہ ان کے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ شیخ صوفی بدھنی کسی بلند جگہ پر چڑھ گئے جہاں ایک مرد غیب سے ملاقات ہوئی، پھر اس مرد سے شیخ صوفی بدھنی نے دریافت کیا کہ صوفی بدھنی کس قسم کا آدمی ہے؟ مرد غیب نے جواب دیا کہ ایک بزرگ ہے لیکن افسوس! اتنا کہنے کے بعد وہ استغفار

حضرت شیخ جاگیر قدس سرہٗ

آپ کردستان کے باشندے تھے۔ نواحی سامرہ آپ کا وطن تھا۔ شیخ تاج العارفین ابوالوفا نے اپنا طاقیہ (درویشوں کے پہننے کی خاص قسم کی ٹوپی) شیخ علی ہیتیؒ کے ذریعہ ان کی خدمت میں بھیجی تھی۔ خود حاضری کی زحمت نہیں فرمائی اور فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ جاگیر کو میرا مرید بنا دے۔ حق تعالیٰ نے مجھے عنایت فرما دیا حضرت غوث الثقلین سے شرف ملاقات تھا۔ آپ صاحب کرامات عالیہ تھے۔

آپ کی وفات ۵۹۰ھ کو ہوئی۔ قبر سامرہ کے اطراف میں واقع ہے۔

میں مشغول ہو گیا اور استغفر اللہ کہنے لگا۔ اتنا کہہ کر شیخ صوفی نے کہا کہ اس نے صوفی بدھنی پر آتے وقت استغفار شروع کر دیا تھا اگر وہ استغفار نہ پڑھتا تو میں اس کو بلندی پر سے ایسا پٹختا کہ اس کی گردن ٹوٹ جاتی۔

منقول ہے کہ شیخ صوفیؒ جب ذکر اللہ میں مشغول ہوتے تو اس وقت آپ کی کیفیت یہ ہوا کرتی تھی کہ ہاتھ، پاؤں، سر، غرض کہ سب اعضاء جدا جدا ہو جایا کرتے تھے۔ کسی نے دریافت کیا کہ شیخ صوفی بدھنیؒ کس زمانے کے بزرگ تھے تو شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ نے جواب دیا کہ صوفی بدھنیؒ شیخ الاسلام حضرت فرید الدینؒ کے عہد و زمانے میں موجود تھے، نیز یہ بھی مشہور ہے کہ صوفی بدھنیؒ کے گنبد پر کسی چڑیا کو بیٹھے یا گزرتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا۔

لوگوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ ایک دفعہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور شیخ صوفی بدھنیؒ دونوں چنگیز خانیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ ایک روز تمام قیدی سخت بھوکے اور پیاسے تھے۔ کرامت کے طور پر خواجہ قطب الدین صاحبؒ اپنی بغل سے روٹیاں نکال کر قیدیوں کو تقسیم کر رہے تھے اور صوفی بدھنی ایک ہی لوٹے سے تمام قیدیوں کو پانی پلاتے رہے۔ اس واقعہ کے بعد خواجہ صاحب کاکی کے لقب سے اور شیخ صوفی بدھنیؒ کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ ہندی زبان میں ٹونٹی دار لوٹے کو بدھنی کہتے ہیں۔ اسی طرح خواجہ صاحب کے بارے میں معلوم ہوا کہ ان کی نسبت بھی کاک کی طرف اسی مناسبت سے کی جاتی ہے (یعنی روٹی والا) اللہ کی آپ پر رحمتیں نازل ہوں۔

◆◆◆

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

اوران کے خاندانی اولیاء

خودان کی اپنی زبانی

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''اخبار الاخیار'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے جدامجد آغا محمد ترک بخاری سلطان علاؤ الدین خلجی کے زمانے میں بخارا سے دہلی تشریف لائے۔ چونکہ یہ اپنے قبیلہ کے سردار تھے اس لئے بہت سے ترک جو آپ کے مرید اور رشتہ دار تھے وہ بھی آپ کے ہمراہ دہلی آ گئے، بادشاہ کی نظرِ عنایت اور ان کی مخلصانہ تربیت کے باعث عزت وشوکت کے بلند ترین منصب پر فائز ہوئے۔

سلطان علاؤ الدین خلجی گجرات فتح کرنے کے ارادہ سے نکلا اور اپنے ساتھ چند امیروں اور آپ کو بھی ہمراہ لیا اور فتح کرنے کے بعد آپ کو وہاں رہنے کا حکم دیا، آخر کار ایک دن آپ کی کسی امیر سے رنجش پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے آپ وہاں سے چل کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور پہلے سے زیادہ عزت وعظمت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔

جب سلطان علاؤ الدین خلجی کی حکومت ختم ہوئی تو ہمارے جدامجد اپنے فرزندوں کے ساتھ جو کہ فضیلت ذاتی اور کسبی کے مالک تھے سلطان قطب الدین اور سلطان محمد تغلق کے زمانے میں بھی لوگوں میں ممتاز نظر آتے تھے اور اس آیت کے مصداق بنے ہوئے تھے المال والبنون زینۃ الحیوۃ الدنیا ترجمہ: (مال وفرزند دنیاوی زندگی کی زینت ہیں) اللہ نے آپ کو (۱۰۱) نرینہ اولاد دی، ان کے علاوہ آپ کی زندگی میں آپ کے پوتے وغیرہ بھی

تھے لیکن کچھ عرصہ کے بعد ہی آپ کے تمام بیٹے بحکم الٰہی انتقال کر گئے، صرف ایک بڑا لڑکا ملک معزالدین زندہ رہا، اس حادثہ کی وجہ سے آپ کی آسائش وفراغت سب کی سب رنج وغم سے بدل گئی، آپ نے حکومت کے بلند ترین منصب وعزت کو چھوڑ کر سیاہ لباس پہنا اور شیخ صلاح الدین سہروردیؒ کی خانقاہ میں بغرض اعتکاف بیٹھ گئے، ایک عرصہ بعد آپ کو غیبی اشارہ ہوا کہ اہل وعیال کی طرف رجوع کیا جائے، نیز یہ کہ موجودہ فرزند ملک معزالدین کی بکثرت اولاد ہوگی اور تا قیام قیامت وہ باقی رہے گی، اللہ تعالیٰ نے ملک معزالدین کو ان کے سو بھائیوں کی فضیلت، استعداد اور نعمتوں سے مالا مال کیا اور بے انتہا صلاحیتوں سے نوازا اور اپنے بیٹے ملک موسیٰ کو اپنی دولت وغیرہ حوالہ کر کے ۷۳۹ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ عید گاہ شمسی کے عقب میں آپ کا مزار ہے۔

ملک موسیٰ بھی مملکت کے بڑے عہدہ دار اور رئیس وقت تھے ماوراء النہر گئے اور وہاں سے صاحب قرآن امیر تیمور گورگاں کے معزز عہدیدار کے طور پر دہلی تشریف لائے اور اپنے آباؤ اجداد کا سلسلہ تازہ کیا اور دہلی میں سکونت اختیار کی۔ پھر ان کی اولاد میں سے کوئی بھی باہر نہیں گیا۔ ملک موسیٰ کے کئی لڑکے تھے جن میں ایک کا نام شیخ فیروز تھا جو میرے والد کے حقیقی دادا تھے۔ یہ شیخ فیروز تمام فضائل ظاہری و باطنی سے موصوف تھے اور دینی و کسبی نعمتوں سے مالا مال تھے، فن جنگ میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے، جنگی ترکیبوں میں اپنی قوت طبع اور سلیقہ کے لئے بے نظیر تھے۔ علم شاعری، دلیری، سخاوت، ظرافت، لطافت، عشق ومحبت اور دیگر صفات حمیدہ میں یکتائے روزگار تھے۔ نیز دولت وحشمت، عزت وعظمت میں شہرۂ آفاق تھے، ہمارے گھر میں شیریں کلامی، ذوق وظرافت آپ ہی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، آپ سلطان بہلول کے دورِ خلافت کے ابتدائی زمانہ میں بقید حیات تھے، آپ نے سلطان حسین شرقی کی آمد اور سلطان بہلول سے جنگ کا قصہ نظم کیا ہے جو ہمارے پاس تھا لیکن اس وقت موجود نہیں ہے۔ البتہ اس کے دو شعر یاد ہیں جو سلطان بہلول کو حسین شرقی نے مخاطب کر کے کہے تھے۔

ایا قابض شہر دہلی شنو
حیاتت چو خواہی ازیں جا برو
منم قابض ملک ماراست ملک
خداداد مارا خدا راست ملک

شیخ فیروز ۸۶۰ھ میں بہرائچ گئے تھے جہاں جنگ میں شہادت پائی اور وہیں دفن ہوئے، جنگ میں جاتے وقت آپ کی اہلیہ محترمہ نے کہا کہ امید سے ہوں۔ آپ نے جواب دیا انشاء اللہ بیٹا پیدا ہوگا اور اس سے بکثرت اولاد ہوگی، پیٹ کے فرزند اور تم دونوں کو اللہ کے سپرد کیا، جنگ میں نہ معلوم کیا صورت پیش آئے، غرض کہ اللہ نے ان کو بیٹا دیا جن کا نام سعد اللہ تھا اور وہ میرے حقیقی دادا تھے۔ یہ بھی اپنے والد محترم کی طرح فضیلت، لطافت، ظرافت، خوش طبعی، عشق و محبت وغیرہ میں ہمہ صفت موصوف تھے، بچپن ہی میں آپ کے چہرے و بشرہ سے رشد و ہدایت اور بزرگی کے آثار نمایاں تھے، علم کی دولت حاصل کرنے کے بعد مصباح العاشقین شیخ محمد منگن کے مرید ہوئے جو اپنے زمانہ کے کاملین میں سے تھے جن کا ذکر گزر چکا ہے۔ غرض کہ ان کی خدمت میں رہ کر خوب ریاضت کی اور پیر و مرشد کی مہربانیوں کی وجہ سے ان کے خلیفہ بنے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے بڑے فرزند شیخ رزق اللہ کو بھی شیخ محمد منگنؒ سے بیعت کرائی۔

میرے والد بزرگوار شیخ سیف الدینؒ فرماتے تھے کہ ہمارے والد ماجد شیخ سعد اللہ ہر وقت ذوق و شوق، ریاضت و مجاہدہ اور فقر و طلب میں فنا تھے، راتوں کو جاگتے اور گریہ و زاری کرتے تھے اور عاشقانہ اشعار پڑھتے تھے۔ ان میں سے امیر خسرو کے یہ شعر مجھے یاد رہ گئے ہیں جو اخیری راتوں میں پڑھا کرتے تھے۔

ہمہ شب رود رہی راکہ مرا صبا نشستہ
ہمہ کس بخواب راحت من مبتلا نشستہ
غرض ورای امکاں چہ خیال فاسداست ایں
ہوس جمال سلطاں بدل گدا نشستہ

میرے چچا فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے دریافت کیا ابا جان! کبیر شاعر جوئے سے پڑھا کرتا تھا یہ مسلمان تھا یا کافر؟ فرمایا موحد تھا۔ اس پر میں نے کہا کیا غیر کافر مسلمان اور کافر بھی موحد ہوتا ہے؟ جواب دیا، ابھی یہ سمجھنا مشکل ہے انشاء اللہ آئندہ سمجھ جاؤ گے، غرض کہ دادا صاحب شیخ سعد اللہؒ نے بروز جمعہ ۲۲، ربیع الاول ۹۲۸ھ کو وفات پائی اور اس وقت میرے والد صاحب شیخ سیف الدینؒ کی عمر ۸ سال کی تھی۔ والد ماجد فرماتے تھے کہ جب ہمارے والد بزرگوار کا وقت قریب آیا تو مجھے نماز تہجد کے وقت کو ٹھے پر لے گئے، نماز پڑھ کر مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور کہا اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے اپنے

دوسرے لڑکوں کی تربیت کی اور ان کے حقوق ادا کئے لیکن اس کو یتیم، بے کس چھوڑے جا رہا ہوں ابھی اس کے حقوق ادا کرنا میرے ذمہ تھے اس لئے اس کو تیرے حوالہ کر رہا ہوں، تو ہی اس کا محافظ ہے۔ یہ دعا کر کے فوراً ہی کوٹھے سے اتر آئے۔

غرض کہ دادا صاحب کے وصال کے بعد میرے والد بزرگوار شیخ سیف الدینؒ میں اپنی ذاتی استعداد اور والد صاحب کی دعا کی برکت سے آثار ترقی نمودار ہونے لگے، آپ نے اپنے بھائیوں کی موجودگی میں اپنی والدہ کی خوب خدمت کی، خرچ کی تنگی اور دیگر موانع کے باوجود تعلیم حاصل کرنے لگے، شاعری، فضیلت، قبولیت، ذوق وشوق، محبت والفت، خوش طبعی، بے تعلقی، خوش کلامی، حضور قلب، ذکر الٰہی، لطائف وظرائف، باریک بینی اور دوررسی میں یکتائے زمانہ اور ملک کی یادگار ثابت ہوئے۔

شہر والے کہتے تھے کہ دلی ان بھائیوں کی وجہ سے دہلی ہے، مقام عقل وتمیز کو سمجھنے کے بعد والد صاحب نے درویشانہ طریقہ اختیار نہیں کیا، نیز درویشوں کی خدمت کا انہیں خیال تک نہ ہوا، باوجودیکہ اپنے ہم عصر رئیسوں اور مالداروں سے اپنی کفاف معیشت کے حصول میں ملتے جلتے رہتے تھے لیکن ان میں سے کسی کو بھی آپ کے فقر وغنا کا علم نہ ہو سکا، شہر کے صرف گنے چنے لوگ ہی میرے چچا صاحبان اور والد بزرگوار کے حالات درویشانہ سے واقف تھے، باقی شہر بھر کے تمام لوگ ان کے علم وفضل، سخن فہمی، سخن شناسی، سخن گوئی، خوش مزاجی کی تعریف کرتے اور اسی اعتبار سے ان سے واقف تھے، ہاں جو ان کی خلوت کے ساتھی تھے وہ ان کے فقر وغنا سے واقف تھے اور باوجود تمام ظاہری اور باطنی وسیلوں کے دنیا کی شوکت وحشمت کی طرف رخ نہیں کرتے تھے بلکہ تمام ہمت اور پوری نیت کے ساتھ صرف قلب اور باطن کی جانب متوجہ رہتے تھے، قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہمیں دنیا کی طلب، مال و دولت کی زیادتی، مالداری اور سرمایہ داری کا شوق نہیں ہے کیونکہ ہمارا اولی رجحان صرف محبت الٰہی اور فقر کی طرف ہے، جب نفس کی گفتگو ہوتی ہے تو ادھر دل لگا جاتا ہے، نیز فرماتے تھے کہ مجھے ان لوگوں پر حیرت آتی ہے جو اپنا اعتبار بڑھانے کے لئے لوگوں کے کام کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ لوگوں سے کیا واسطہ، صرف خدا سے وابستہ رہنا چاہئے۔ فرماتے تھے کہ مجھے سات سال کی عمر سے جس میں ادراک، شعور اور عقل کی ابتداء ہوتی ہے، درد محبت، طلب الٰہی اور معرفت کا شوق دامن گیر تھا اور اسی ذکر وفکر میں عمر بسر ہوئی ہے، نیز فرماتے تھے کہ مجاہدہ اور ریاضت کے زمانے میں میں نے وہ حالات دیکھے ہیں جن کا اظہار نہ کرنا ہی اسرار اور

رازداری ہے اور یہی چیز فقیروں کے لئے ضروری ہے۔

فرماتے تھے کہ دنیا کی لذت کی مثال بالکل لذت احتلام کی طرح ہے جو ایک لمحہ بعد زائل ہو کر اپنی کثافت و کدورت باقی رکھتی ہے، نیز فرماتے تھے ابتدائی زمانہ میں نسبت یاد داشت برقرار رکھنے کی کوشش کیا کرتا تھا اور اب یہ حالت ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی غافل ہونا چاہوں تو یہ بات میرے اختیار گر میں نہیں ہے، علاوہ ازیں ابتدائی زمانہ میں مجھے اس راہ میں ایسی مشکلات درپیش ہوئیں کہ جان نکلنا باقی رہ گیا تھا اور اتنی وحشت ہوتی تھی کہ اپنی جان دے دی جائے، میں نے اکثر ارادہ کیا کہ کسی کنویں میں کود پڑوں اور اس کشمکش سے نجات پاؤں لیکن پروردگار نے اپنی مہربانی سے مجھ پر معرفت کے دروازے کھول دیئے اور اس حقیر نالائق کو گرانمایہ نعمتوں سے سرفراز فرمایا، آپ فرماتے تھے کہ سالکان تصوف جو نوافل و مستحبات ادا کرتے ہیں میں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی ہے مگر اللہ نے مجھے عاجزی، حسرت، ندامت اور نیستی کی نعمت سے سرفراز کیا تھا کاش یہ سب بارگاہ الٰہی میں قبول ہو جائیں اور یہ جملے آپ نے اس مجلس میں کہے جب کہ مشرب قلندریہ کا آپ کے سامنے تذکرہ ہوا اور آپ سے کہا گیا تھا کہ آپ نے زیادہ سے زیادہ نوافل و مستحبات ادا نہیں کیے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ فرائض کی تکمیل کرتے، دوسرے لوگوں کے رسوم و عادات ناجائز کو ناکارہ فرماتے اور قلب کو اللہ کی جانب مائل کرتے تھے۔ فرماتے تھے میں بذاتہ کچھ نہیں ہوں اور جو کچھ ہوں وہ اسی راہِ معرفت کے مشرب کے سبب سے ہوں۔

آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ سے نسبت و ارادت تھی اور دوسرے سلسلوں کے ذریعہ بھی اجازت و نسبت حاصل تھی، مشغولی باطن کی وجہ سے آخری عمر میں سلسلہ نقشبندیہ پر قائم ہو گئے تھے اور زیادہ سے زیادہ آپ پر مشربِ توحید غالب تھا۔

فرماتے تھے جب میں بڑے بڑے علماء اور فضلاء کو طلب عزت و جاہ اور کثرت اموال میں لوگوں سے لڑتے ہوئے دیکھتا ہوں تو خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ بہت زیادہ پڑھ کر بہت بڑا آدمی نہ بنا۔

اکثر اوقات احقر سے فرماتے تھے کہ علمی بحثوں میں کسی سے تکرار نہ کرتا اور نہ کسی بھی شخص کو مشقت میں ڈالنا اور اگر فریق مخالف حقیقت پر ہو تو اس کی بات بلا چون و چرا مان لینا اور [illegible] وصداقت پر ہو تو اپنے فریق مخالف کو دو تین مرتبہ سمجھانا تاکہ وہ صداقت [illegible] معلوم ہے جو ہم تم سے کہہ رہے ہیں اور

شیخ عبدالرحیم مغربیؒ

آپ کی کنیت ابومحمد ہے۔ آبائی وطن زمین مغرب ہے۔ حسنی سادات سے تھے۔ مصر کے صاحب کرامات مشائخ میں تھے۔ ایک دن شیخ وضوفرمار ہے تھے، ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ شیخ نے جس پانی سے وضو کیا ہے اس میں سے کچھ پینا چاہتا ہوں آپ نے اجازت دے دی اور اس نے اس کو پیا۔ اس شخص کے حالات وکرامات سلب ہو چکے تھے۔ وہ اس کو واپس مل گئے۔

آپ فرماتے تھے کہ شیخ عبدالقادرؒ دنیا میں اعیان واوتاد میں ہیں۔

آپ کی وفات ۵۹۲ھ کو ہوئی۔ عمر ۷۰ سال کی ہوئی۔

قبر موضع قن میں واقع ہے۔ جو مضافات مصر میں ایک موضع ہے۔

ممکن ہے کہ جو تم کہہ رہے ہو وہ بھی امر واقعہ ہو لیکن اصل نزاعی مسئلہ صداقت و بطلان کا باقی رہ جاتا ہے اور اگر گفتگو تمہارے کسی استاد یا پیر سے ہو تو ان سے اپنی محبت اور خوش اعتقادی کو برقرار رکھو اور کسی صورت میں بھی ان سے جنگ نہ کرو، ان سے تعصب نہ کرو کیونکہ محبت کرنے والوں کا کام ہی یہ ہے کہ وہ محبت سے کام لیں، یاد رہے کہ اساتذہ و مشائخ کی محبت ہی سودمند ہے اور لڑائی جو کی جاتی ہے وہ اپنے نفس کے لئے ہوتی ہے دوستوں سے کوئی نہیں لڑتا۔

آپ فرماتے تھے کہ سالکِ طریقت کو چاہیے کہ مشائخ کے اقوال پر اعتماد کرے اور کامل طور پر ان کے احکام پر کاربند رہے اگر چہ اس مسئلہ میں اختلاف رکھتا ہو لیکن اس کی بابت کوئی شک وشبہ نہ کرتے ہوئے پیر و مرشد کے حکم پر آمنا و صدقنا کہے، نیز یہ وہ راستہ ہے کہ اس میں شروع ہی سے پیر و مرشد کے کہے کو بے چون و چرا مانتا رہے۔ ورنہ آگے چل کر اس کے لئے نقصان کا سبب ہوتا ہے، پہلے تو پیر و مرشد کی پیروی و اعتقاد میں مشغول رہے اور پھر رفتہ رفتہ ان کی صحبت اور اپنے ذوق وشوق فطرت سلیمہ کے مطابق تحقیق و یقین کے مرتبہ پر فائز ہو جائے۔

فرماتے تھے کہ ابتدا مجھے بھی مسئلہ توحید میں ایک قسم کا تردد تھا، میں اپنے دل میں کہتا تھا کیا اتنے علماء کرام اور مشائخ عظام جو توحید کا اعتقاد رکھتے ہیں یہ سب گمراہی پر ہیں۔ ان

بزرگوں کے سامنے میری کیا ہستی ہے، اب حالت یہ ہوگئی ہے کہ لاکھوں حیلے بہانے کروں تب بھی راہ توحید کے بارے میں مجھے کوئی شبہ نہیں ہوتا۔

فرماتے تھے میں جب کسی کی جانب نظر کرتا ہوں تو پہلے اس میں ایک اجمالی بسیط نور کی کیفیت دکھائی دیتی ہے اس کے بعد تفصیلی حالات وکوائف اس شخص کی صورت وشخصیت ظاہر کرتے ہیں۔

آپ کی علالت کے آخری زمانے میں آپ کے ایک دوست تیمارداری کے لئے آئے، آپ نے ان سے فرمایا دوست! جانتے ہو مشاہدہ کی کیا حالت ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ اللہ کو مظاہر کونیہ میں اس طرح دیکھتے ہیں جیسے آئینہ میں صورت اس طرح دیکھی جائے کہ آئینہ درمیان میں نہ رہے اور صورت پیش نظر رہے، فقیروں کی اس دنیا میں دید کی یہی صورت ہے اور آخرت میں ان کے دیکھنے کا ایک دوسرا ہی طور ہے۔

طریقت کے کئی راستے ہیں اور صاحبانِ ہمت نے متفرق راہیں اختیار کرلی ہیں لیکن اصلیت یہ ہے کہ معیت حق کو اس طرح پیش نظر رکھا جائے کہ کسی وقت کسی معاملہ اور کسی چیز میں غیر حق نہ دکھائی دے اور فوراً ہی اس دیدار الٰہی سے خیال منتشر نہ ہوجائے ہاتھ سے دنیا کے کام کرتے رہو اور دل کو یار کی طرف لگائے رکھو۔

دائم ہمہ جا باہمہ کس در ہمہ کار
می دار نہفتہ چشم دل جانب یار

ترجمہ: (ہر جگہ، ہر شخص کے ساتھ اور ہر کام میں اپنے دل کی آنکھوں کو یار کی طرف لگاؤ)

اللہ کی معرفت کو اس طرح سمجھنا چاہیے کہ اس نے ہم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے، اس طرز پر عمل کرنے کا اس نے حکم دیا ہے کہ اس کی رویت کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دے اور دنیاوی طور پر مطلق اللہ کی پاکیزگی، رویت اور اعتبار دنیا والوں کی آنکھوں میں محفوظ ہے۔

فرماتے تھے جب تک حقیقت کے معنی مثالی طور پر معلوم نہیں ہوتے اس وقت تک شک وشبہ آتا ہی نہیں ہے۔ فرماتے تھے کہ یہ دولت مجھ کو شیخ امان اللہؒ سے حاصل ہوئی۔

فرماتے تھے کہ میں کتنی ہی کوشش کروں کہ معنی توحید کے سوائے کسی اور صورت ظاہر ہو لیکن اس کا امکان ہی نظر نہیں آتا، وحدت سے کثرت میں آنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے

لیکن فطرت سلیم بتاتی ہے کہ یہ صورت بھی فطری طور پر صاحبان فطرت سلیمہ کو میسر ہوتی ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذوق صحیح اور فہم سلیم عنایت کر دیتا ہے۔

فرماتے تھے کہ حضور وتوجہ اور ذکر واذکار کی حالت بھی غفلت کے منافی اور برعکس ہے۔ حضور وتوجہ کی صحیح نسبت حاصل ہو جانے کی علامت یہ ہے کہ خور ونوش، غضب ونزاع کے وقت بھی ہر ایک شخص سے ہوشیار رہے اور توجہ وحضوری قلب کو کسی قیمت پر ہاتھ سے جانے نہ دے۔

فرماتے تھے جب چاہو میرا امتحان لے لو کہ میں اس نسبت سے واقف ہوں یا نہیں۔

ایک مرتبہ دو فقیر باہم ایک دوسرے کے حضور قلبی کا امتحان لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ دونوں ایک دن ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور میں وہاں پہنچا تو ان میں سے ایک نے کہا اس آنے والے کو پہچانتے ہو؟ دوسرے نے کہا ہاں وہی ہے جسے تم جانتے ہو۔ ان کے اس سوال وجواب سے مجھے معلوم ہوا کہ آگاہی وحضور قلبی کی گفتگو تھی چنانچہ میں نے اپنے دل میں کہا، میں اپنے بارے میں ان دونوں کے حضوریٔ قلب کا امتحان لوں گا، میں ابھی اس خیال میں تھا کہ ایک نہایت شاندار بارعب بزرگ اچانک اس مجلس میں آگئے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک نے دوسرے سے کہا، ان بزرگ کو جانتے ہو یہ کون ہیں؟ دوسرے نے جواباً کہا بخدا میں ان سے واقف نہیں، اس پر پہلے والے نے کہا یہ بھی وہی شخص ہیں جنہیں تم جانتے ہو اور مقام غفلت میں ہوشیار رہنا نہایت دشوار ومشکل ہے۔

فرماتے تھے خور ونوش بھی ایک قسم کی غفلت ہے اور شخص ہشیار کا مشاہدہ ہے کہ وہ غذا کی لذت، اس کی آمد لذت کی وجہ اور غذا دینے والے کی لذت سے بھی واقف ہوتا ہے۔

فرماتے تھے کتاب وتحریر کی حالت بھی عجیب مشاہدہ دکھاتی ہے پردۂ غیب سے مختلف حروف اپنی متفرق صورتیں خارج سے وجود میں لاتے اور وحدت علم وارادۂ قلبی کی عجیب وغریب مثالی صورتیں وحدت سے کثرت میں ظاہر کرتے ہیں اور اپنے تمثالی وعملی وجود سے احکام وآثار وماہیت کے ذریعہ علمی صورتیں جلوہ گر کرتے ہیں۔

فرماتے تھے مطابق مقصود تمثالی کی ایک مثال حضرت جبریلؑ کا دحیہ کلبی کی صورت میں نمودار ہونا ہے، یہاں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ جبریلؑ اپنی برتری، قدرت، ارادۂ کاملہ کے باوجود احکام کی تعمیل کے پیش نظر بصورت افادی جلوہ گری کرتے تھے اور دحیہ کلبی کے مانند جسم ولباس اختیار کرکے بارگاہ رسالتؐ میں حاضری دیا کرتے تھے اور اسی کے ساتھ وہ اپنی

ذات میں بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل اور حلول کے موجود رہا کرتے تھے بحکم الٰہی جبریلؑ چاہیں تو ایک ہی وقت میں ہزاروں صورتوں میں ظاہر اور نمودار ہو سکتے ہیں بغیر تشبیہ اسی طرح اللہ تعالیٰ مظاہر صوری و معنوی میں جلوہ گر ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے ہیں۔

فرماتے تھے ہمارے شیخ امان اللہؒ اس جملہ کو بار بار کہتے تھے، اللہ تعالیٰ اپنی وحدت واطلاق کے باوجود ہر ایک ذرہ میں موجود اور کار فرما ہے، نیز والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ نور کی تقسیم کرنا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا محال ہے، اگر ایک چراغ سے ہزاروں چراغ روشن کریں تو پہلے والے چراغ کی روشنی میں کوئی کمی نہیں آئے گی، اسی طرح وجود باری تعالیٰ ہے تمام کا مصدر ہونے کے باوجود اپنی حالت تجرد واطلاق پر قائم و برقرار ہے۔

فرماتے تھے کہ روحیں کیا چیز ہیں؟ سنو یہ اللہ کی مہربانیوں اور اس واجب الوجود کے تعینات کے حصے ہیں جو مختلف ماہیتوں میں تقسیم ہوئے ہیں اور یہ تقسیم اس قسم کی نہیں ہے جسے عقل وشعور اپنے دوسرے مقتضیات پر محمول کرے، اس عبارت کو آپ نے پھر ایک اور مثال سے اچھی طرح واضح کر دیا، فرمایا، تم نے دیکھا ہوگا کہ بچے ایک ہانڈی میں بہت سے سوراخ کر کے اس میں جلتا ہوا چراغ رکھتے ہیں جس کی روشنی اس ہانڈی کے سوراخوں میں سے نکلتی رہتی ہے اور وہ چراغ اپنی اصلی روشنی برقرار رکھتا ہے جس کی روشنی میں کسی قسم کا تجزیہ تقسیم اور حصے نہیں ہوتے۔ بلاتشبیہ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کا وجود اپنے اطلاق حقیقی پر باقی قائم و برقرار ہے اور کائناتی ماہیتوں کے روزنوں اور دریچوں سے تاباں و درخشاں ہے۔

فرماتے تھے علماء ومشائخ کا بیان ہے کہ عالم اس سے ہے اور اس پر ہے بلکہ تمام اشیاء اس سے ہیں، زیادہ اچھا کہنا یہ ہے کہ عالم اللہ سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دل کا کام ہے اس کو زبان سے کوئی تعلق نہیں ہے زبان سے صرف وہی کہنا چاہیے جو شریعت کے بالکل موافق ہو اور اگر بنظر غور دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ عالم اس سے ہے اور یہ سب اس سے ہیں ایک معنی میں ہیں۔

فرماتے تھے اللہ کے سوا کون چیز ہو سکتی ہے اور کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهٗ شَيْئًا ۔ جو چیز عدم سے وجود میں آئی وہ، اللہ تعالیٰ کی وجہ سے آئی، اللہ تعالیٰ جیسا تھا ویسا ہی اب بھی ہے یعنی وہ پہلے بھی اللہ تھا اور اب بھی اللہ ہی ہے اور اس کے ساتھ کوئی چیز اس کی شریک نہیں ہے۔

کجا غیر و کو غیر و کو نقش غیر
سوئی اللہ و اللہ ما فی الوجود

ترجمہ: (کہاں ہے غیر اللہ اور کہاں ہے نقش غیر اللہ، بجز اللہ تعالیٰ کہ وجود میں موجود ہے)

فرماتے تھے لوگ ہمارے سامنے اللہ کی بابت کچھ ہی کہیں ہم تو اس سے توحید کے معنی ہی سمجھتے ہیں، عالم کا مخلوق ہونا یا اللہ کا مظہر ہونا ان دونوں جملوں کا مطلب ہمارے نزدیک بالکل ایک ہے۔ اپنی جوانی میں اس قسم کی باتیں کرنے سے ذوق حاصل ہوتا ہے لیکن اب جو کوئی اس طرح کی باتیں کرے تو اس کے منہ پر طمانچہ مارنے کو جی چاہتا ہے تاکہ پھر وہ اللہ کی توحید مطلقیت و موجودگی کے بارے میں کوئی غیر غلط بات نہ کہے۔

فرماتے تھے کہ ان باتوں کے اظہار میں کیا فائدہ ہے بجز شریعت کی بے حرمتی اور اپنا ضرر ہاں اس آدمی کے ساتھ اظہار کرنے میں کوئی خرابی نہیں ہے جو کہ ہمراز اور ہمدم ہو۔

میرے والد بزرگوار اپنی فطرت کے لحاظ سے عشق و محبت کا مشرب رکھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا ہے۔ مصرعہ۔

کہ ایں لذت بشیر آمد درون باجاں بروں آید

اور ان کی خود بذاتہ یہی کیفیت و حالت تھی، وہ فرماتے تھے کہ میں اپنی پانچ چھ سال کی عمر میں مکتب جایا کرتا جہاں ایک لڑکا میرا ہی ہم عمر تھا، مجھے اس سے بے حد عشق تھا لیکن کیفیت یہ تھی کہ اس وقت عشق کی حقیقت سے بالکل بے خبر تھا، میری عمر کا ایک لمحہ بھی عشق بازی کے بغیر نہیں گزرا ہے، اب بھی آتش عشق سے میرا دل کباب ہے، بڑھاپے میں چونکہ عشق بازی رسوائی ہے اس لئے اپنے کو دور رکھتا ہوں۔

والد ماجد فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم قلعہ تغلق آباد کے اوپر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک ایسے آدمی پر نظر پڑی جس سے ہم کو لگاؤ تھا، اس کو دیکھتے ہی ہم زمین پر گر گئے، اس وقت تو قلعہ پر سے زمین پر گرنے کی چوٹ محسوس نہیں ہوئی لیکن اب بڑھاپے کی وجہ سے ان چوٹوں کا درد محسوس ہو رہا ہے، میرے والد بزرگوار اور چچا صاحب دونوں جب خلوت میں ہوتے تو ذوق و حال ان پر طاری رہتا، یہ دردآمیز باتیں اور دل آویز واقعات بیان کرتے لیکن اس وقت کسی شخص میں بھی ذوق و حال نظر نہیں آتا۔ ان بزرگوں کی مجلس شروع سے اخیر تک عشق و محبت سے بھرپور رہا کرتی تھی۔

چچا صاحب شیخ رزق اللہ کی مثال اس چنگاری کی طرح تھی جو راکھ میں چھپی ہوتی ہے اور ذرا سی تلاش پر وہ انگارہ بن جاتی ہے۔

والد ماجد اس پانی کی طرح تھے جو ٹپک کر ایک جگہ جمع ہوگیا ہے، ذرا سا ہاتھ لگنے پر بہنے لگے، آپ بہت ہی نرم دل اور سریع التاثیر تھے، جب بھی درد و محبت کی کوئی گفتگو ان کے سامنے کی جاتی تو وہ متاثر ہوکر گریہ وزاری کرنے لگتے تھے، میں نے خیام کی یہ رباعی جب ان کے سامنے پڑی تو ان پر جذب کی کیفیت طاری ہوگئی اور گریہ وزاری کرنے لگے۔ حالانکہ میں اس رباعی کو روزانہ بارہ مرتبہ پڑھتا ہوں۔

ایں کوزہ چومن عاشق زارے بودہ است
دربند سر زلف نگارے بودہ است
ایں دست کہ درگردن او می بینی
دستے است کہ درگردن مارے بودہ است

والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ مجلس سماع میں حال وجذبہ صرف ایک لمحہ کے لئے پیدا ہوتا ہے اور اس وقت عقل وشعور بالکل مفقود ہوتا ہے، اس کی مثال بالکل اس بجلی کی چمک کی طرح ہے جو ایک لمحہ رہ کر ختم ہوتی ہے، غرض کہ ایک لمحہ کے اثرات سے جو حال، جذبہ، گریہ و تجلی لطیف پیدا ہوتا ہے وہ ایک دو منٹ یا دس گیارہ منٹ تک رہتا ہے اس سے زیادہ اس کی تاثیری قوت اور کیا ہوسکتی ہے؟

فرماتے تھے کہ فقہاء کا یہ کہنا کہ سماع نفاق پیدا کرتا ہے، میری سمجھ سے باہر رہا، نفاق و منافقت کو گانا سننے سے کیا تعلق؟ سماع کے وقت تو خود اپنی ہی خبر نہیں رہتی، اس حالت میں نفاق کی آمیزش کیسے ہوتی ہے؟ اور یہ حال خاص بندگان الٰہی کا ہے کہ وہ اس کی یاد میں محو ہوجاتے ہیں باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

میرے والد بزرگوار اور چچا صاحب قبلہ کی یہ حالت تھی کہ یہ دونوں جب کسی کی جانب توجہ کرتے یا اس کی تربیت فرماتے اور طلبگار میں ذرا سی بھی قابلیت ہوتی تو وہ متاثر ہوکر اثرات، تربیت اور توجہ قبول کرتے ہوئے کیا وقت تآب ہو جاتا، مجھ فقیر کو یقین ہے کہ انہوں نے اپنی محبت والفت کی خاص نظروں اور عنایت فرمائیوں سے جو انسانی طبیعت کا خاصہ ہے مجھے مخصوص فرمایا ہے، مجھے یاد ہے کہ والد بزرگوار کے سامنے میں ایک دن ایک علمی مسئلہ پر گفتگو کر رہا تھا، وہ میری جانب متوجہ تھے، چنانچہ انہوں نے دونوں ہاتھ میرے منہ پر



ملتے ہوئے مجھے دعا دی اور فرمایا مجھے تمہارے چہرے پر ایک تجلی اور نور جگمگاتا ہوا دکھائی دیا جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ جانتا ہے کہ وہ کیا کیفیت تھی۔

فرماتے تھے کہ مجھے درویشوں کی صحبت سے یہ حال نصیب ہوا ہے کہ ہر آدمی کی حالت کو بتا سکتا ہوں، میں نے آپ کی اس صفت کا بار بار مشاہدہ کیا کہ جس آدمی کے متعلق کوئی بات کہہ دی تو اگرچہ اس وقت اس میں موجود نہ تھی لیکن بعد میں ضرور اس میں نمودار ہوتی تھی، مبالغہ کر کے فرماتے تھے اگر اندھیری رات میں بھی کسی کو ہاتھ لگا کر دیکھوں تو اس کی حقیقت حال بیان کر دوں گا۔

فرماتے تھے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو کسی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن وہ کسی کو کوئی تکلیف بھی نہیں پہنچاتے۔

فرماتے تھے کچھ لوگ ایسے ہیں جو تصنع، تکلف، منافقت اور دکھاوا کرتے ہیں اور خود کو ایسا ظاہر کرتے ہیں گویا ان کو مخلوق سے کسی قسم کی کوئی طلب نہیں ہے اور حقیقتاً ہونا بھی یہی چاہیے کہ تصنع و تکلف برطرف کر کے تمام مخلوق سے صداقت و الفت کا برتاؤ کیا جائے، انسان کا ظاہر و باطن یکساں ہونا چاہیے اور اصل معاملہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ راستی و راستبازی کا ہے جو ہمیشہ ٹھیک رہنا چاہیے۔

والد بزرگوار نے بہت سی غزلیں، رباعیاں، نظمیں اور قصیدے لکھے لیکن وہ صفحۂ

قرطاس پر لکھنے نہ پائے تھے کہ انتقال فرما گئے، شہر کا ایک مشہور بد معاش آپ کے کلام کے صندوقچے اس خیال سے چرا لے گیا کہ ان میں زر نقد ہوگا لیکن محرومی کے سبب تمام مسودات کو راز فاش ہو جانے کے خوف سے نذر آتش کر دیا۔

والد ماجد فرماتے تھے کہ میں جوانی کے عالم میں بعض موقع پر اشعار کہا کرتا تھا اور اس سے میرا دل خوش ہوتا تھا لیکن شعر گوئی سے مجھ کو مناسبت نہ تھی، یہ ایک دو رسالہ اس فن میں جو نظر آتے ہیں اس کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن میں شیخ امان کی خدمت میں حاضر تھا کہ انہوں نے فرمایا معلوم نہیں یہ لوگ جو ہمارے پاس آتے جاتے ہیں کچھ سمجھتے بھی ہیں یا نہیں، ان کو چاہیے کہ کوئی بات پوچھنے میں شرم محسوس نہ کریں، جس پر میں (عبدالحق) نے عرض کیا کہ فقیر کی یہ مجال نہیں جو آپ کے سامنے کچھ کہہ سکے البتہ اگر اجازت ہو تو کچھ لکھ کر خدمت میں پیش کروں، چنانچہ لکھنے کی اجازت مل گئی۔

والد مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ مجھ میں وہ قوت فصاحت وہ بلاغت نہیں ہے کہ سخن آرائی کا دعویٰ کر سکوں، اس وقت جو کچھ ذہن میں موجود ہے، انہیں سپرد قلم کرتا ہوں، والد ماجد کے تحریر کردہ علوم میں سے ایک رسالہ مسمیٰ بہ کاشفات ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ حقیقت مطلقہ کا بلا کم وکیف ادراک تین طرح ہوتا ہے، ایک یہ کہ مرتبۂ جمعیت میں بلحاظ شمول واحاطہ اس کا بلا کم وکیف اس طرح ادراک ہو کہ وہ تمام اشیاء میں جاری وساری نظر آئے اور یہ وہ حالت ہے جو عین مرتبہ کم وکیف میں نمودار ہوتی ہے، دوسرا یہ کہ حقیقت مطلقہ کو بلا کم وکیف بلحاظ مماثلت وواسطہ سرور عالمؐ اس طرح ادراک کرے کہ سیرت نبویؐ میں دکھائی دے اور اس لحاظ سے ہر اس انسان کو جو اپنے ترکیب عنصری کو تحلیل کر دے، حقیقت مطلقہ کا ہر چیز کے ذریعہ بخوبی ادراک ہوتا ہے، اگر انسان کے تمام حواس ظاہری و باطنی جنہیں انسان کے اعضائے رئیسہ کہتے ہیں اگر بفرض محال محو وفنا ہو جائیں تب بھی اس کے وجود وجسم کے لحاظ سے اس کو انسان ہی کہتے ہیں اور یہ دوسری بات ہے کہ صاحب عقل وشعور ہی کو انسانیت تو از انسان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور دراصل جبکہ انسان اپنی خواہشات وغیرہ کو بحضور محویت فنا کر دیتا ہے تو بلا کم وکیف حقیقت مطلقہ کا ادراک ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ نے اپنی توحید کو یوں بیان فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہ خلق اٰدم علی صورتہٖ اور اپنی جامعیت کو علم اٰدم الاسماء کلّھا کے ذریعہ ظاہر کیا ہے، اس کے علاوہ آپ کی ایک مثنوی سلسلۃ الوصال ہے جس میں تقریباً پانچ سو اشعار ہیں جس کے متعلق فرماتے تھے کہ غلبۂ شوق کی وجہ سے یہ پوری مثنوی

ایک دن میں لکھی اور پھر اس پر نظر ثانی نہیں کی، اگر اس میں کوئی غلطی پائی جائے تو پڑھنے والے اصلاح کر لیں چنانچہ پیر و مرشد شیخ امان اللہؒ کی مدح میں لکھا ہے۔

ہر چہ زمن درسخن آمد یقین ہست ہم از صحبت آں مرد دیں
ورنہ چہ حدے است کہ رازِ دروں از دہن چوں منی آید بروں!
من کیم و کیستم و چیستم! از دمِ عیسیٰ نفسے زیستم
اوست دریں راہ مرا رہنما خاک درش چشم مرا توتیا
ہست دل او بحق آویختہ آب صفت درہمہ آمیختہ
دستِ من و دامن او بالیقیں مقصد و مقصود من آں شاہ دیں
عشق رخش ہمدم و ہمساز من
درغمش مونس و ہمراز من

غزل

سازی نمودہ درہمہ اعیاں چناں عیاں کز غایت ظہور نہاں است درنہاں
ازنام و ازنشاں کہ تواند نشاں دھد گویا ہزار نام و نشان ست بے نشاں
پیش از ظہور بود وَمَا. کان شئی معہ بعدازظہور ہست علیٰ ماعلیہ کاں!
کون و مکاں بہ پرتوحسن جمال اوست دیں طرفہ ترنگر کہ نہ کون ست و نے مکاں
نزدیکِ عارفان محقق محقق است کو عین عالم است ولیکن ورائے آں
گہ روئے پوش، ہچو عروسان جلوہ گر گہ بازار شوروشغب جامہا دراں
سیفی بخویش نسبت ہستی گمان تست اے وائے برکسے کہ بماند دریں گماں

ایک اور غزل

ہمائے سدرہ نشینی و مرغ بالائی زبہرِ دانہ فتادی بدام رسوائی!
شراب شوق بکام تو کے رسدازحرص پری بگرد شکر چوذباب حلوائی
زدمنی است کہ نفس تو بہر پارۂ ناں بساخت است تراہر درائے ہرجائی
مدام درچمن ازدست ساقی مہوش چہ خام مشربی از بادہ را نہ پیمائی
لباس بوریا گر پوشی از ریا ندہد ہزار مرتبہ بہتر زصوف دارائی
برو بمیکدہ سیفی و بنگر از سرہوش کہ عارفانِ خدایند زیرِ یکتائی

فرماتے تھے کہ سیفی بخاری بہت بلند پایہ شاعر ہیں میں ان کی برابری نہیں کرتا اور میں

خود سیفی تخلص رکھنا پسند بھی نہیں کرتا ہوں، چونکہ میرا نام سیف الدین ہے اس لئے بعض دوستوں کے اصرار پر مجبوراً سیفی تخلص رکھا ہے۔

غرض کہ پدر بزرگوار اپنے بڑھاپے کے زمانے میں جبکہ محویت وفنا کا ان پر غلبہ تھا کھانے پینے پہننے، راحت وآرام، صحبت اور شعر وشاعری وغیرہ سے بالکل علیحدہ ہو گئے تھے، اگر ان کے علاج معالجہ کی کوشش کی جاتی تو فرماتے میں نے آج تک کون سا اچھا کام کیا ہے جو آئندہ کے لئے صحت وتندرستی کی خواہش کروں، میرا وجود وعدم دونوں برابر ہیں، آپ پر خوف الٰہی اتنا غالب ہوگیا تھا کہ کبھی بھی خشیت الٰہی سے فارغ نہ بیٹھتے اور فرماتے میں اپنی ذات میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھتا جس پر ناز کرسکوں اور اس کو دربار الٰہی میں پیش کروں۔ اس کے بعد خوب گریہ وزاری کرتے۔

اگر کوئی شخص آپ کی تسلی کے لئے کہتا کہ خدا کے خوف سے ایک آنسو بھی دوسری عبادتوں سے افضل ہے اور آپ کے تو اس قدر آنسو نکل چکے ہیں اب نہ روئیے، تو فرماتے کہ حیرانی ہے، میری نگاہ جب اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور استغناء پر پڑتی ہے تو اپنی تمام عبادتیں اور اطاعتیں برباد نظر آتی ہیں۔ خدا ہی جانتا ہے کہ انجام کیسا ہوگا اسی وجہ سے ہر وقت رونے کو جی چاہتا ہے۔

آخر زمانے میں یہ حالت ہوگئی کہ جب میں گھر پر بوقت تلاوت قرآن پاک ان آیات کو بالکل آہستہ پڑھتا جن میں عذاب کا تذکرہ ہے اور اگر کبھی ذرا سی رمق ان کے کان میں آیات عذاب کی پڑ جاتی تو وہ بے انتہا روتے اور جاں بلب ہو جاتے البتہ رحمت وکرم الٰہی کی آیات بوقت تلاوت ذرا بلند آواز سے پڑھتا جس کے سننے سے آپ میں فرحت وتازگی پیدا ہوتی، بیماری کے زمانے میں ایک رات یہ حالت رہی کہ تین گھنٹہ تک وہ بے سدھ رہے پھر رات کے اخیری حصہ میں جب ان کو ذرا ہوش آیا تو میں نے پورے شوق اور خوش الحانی سے قرآن کریم کی تلاوت شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچا اِنَّ الَّذین قالوا ربّنا اللّٰہ ثمَّ استقاموا تتنزّل علیھم الملائکۃ اَنْ لَّا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنّۃ الّتی کنتم توعدون ترجمہ (جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ ہی ہمارا مربی، تربیت کرنے والا اور پالنے والا ہے پھر اپنے اس قول پر ثابت قدم رہتے ہیں تو فرشتے ان لوگوں کے پاس آکر کہتے ہیں کہ تم کسی قسم کا خوف وملال نہ کرو تم کو جنت کی خوشخبری دی جاتی ہے جس کا اللہ نے تم سے وعدہ کیا ہے)۔

مجھ سے یہ آیت سن کر بڑی خوشی ہوئی اور بار بار اس جملہ کو دہراتے رہے کہ بیٹے! رحمت ہو اور سو بار رحمت ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے ذوق وشوق اور عمر میں زیادتی کرے تم اپنے نیک اعمال کا بدلہ پاؤ گے۔

چنانچہ آج تک مجھ فقیر عبدالحق کو والد محترم کی یہ دعائیں یاد ہیں اور امید ہے کہ ان کی یہ دعا میرے لئے سرمایۂ دارین ثابت ہوگی۔ والد بزرگوار نے انتقال سے تھوڑی دیر پہلے فرمایا وہ اشعار اور دعائیں جو عفو ومغفرت کے لئے مناسب حال ہوں ایک کاغذ پر لکھ کر میرے کفن کے ساتھ رکھ دینا اور یہ رباعی بھی۔

دارم دل کہ غمیں بیامرز و مپرس
صد واقعہ در کمیں بیامرز و مپرس
شرمندہ شوم اگر بپرسی عملم!
اے اکرم الاکرمیں بیامرز و مپرس

اور یہ دو شعر بھی

قدمت علی الکریم بغیر زاد
من الحسنات والقلب السلیم
تحملِ الزّاد اقبح کلّ شئی
اذاکان القدوم علی الکریم

اس کے بعد فرمایا منکر نکیر کے جواب میں لکھو! اللہ میرا رب ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نبی ہیں اور شیخ عبدالقادر جیلانی میرے شیخ ہیں۔

ایک دن فرمایا ہم کو دنیا سے کوئی تعلق باقی رہا ہے اس کے تیسرے دن عصر کی نماز کے وقت حالت غیر ہوگئی، میں (عبدالحق) اس وقت مسجد میں تھا۔ بلوایا، میں نے آکر دیکھا تو اس وقت آپ میں ایک عجیب قسم کا ذوق وشوق اور تازگی کے آثار تھے جسے تحریر نہیں کرسکتا، چنانچہ فرمایا بابا! اب ہم کو کسی قسم کا رنج وغم نہیں ہے اب تم عبادت الٰہی میں مصروف ہوکر دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ جلدی ہم کو اپنے یہاں بلائے، میری زندگی بھر کا مقصود ہاتھ آگیا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہاتھ سے نکل جائے۔ میں (سیف الدین) ہمیشہ یہ دعا کرتا رہتا ہوں کہ اے اللہ تو مجھے اپنی یاد میں مصروف رکھ اور اس دنیا سے شوق وذوق کے ساتھ لے جا، اللہ کا فضل وکرم ہے اس وقت جمال بامراد نمودار ہے اگر اس حالت میں اللہ تعالیٰ اپنے یہاں بلالے تو ان کا بہت

بڑا فضل و کرم ہے، اس حالت میں آپ کے جو دوست و احباب عیادت کے لئے آتے تھے تو آپ ان سے فرماتے تھے کہ دعا کرو اللہ تعالیٰ جلدی خاتمہ بخیر کر دے، اگر کوئی کہتا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفاء اور تندرستی دے تو اس سے ناراض ہو کر کہتے خدا کے لئے یہ نہ کہو بلکہ دعا کرو اللہ جلد مجھے اپنے پاس بلا لے، کبھی فرماتے اگر کوئی آدمی دو تین دن سرائے میں رہے تو عاجز و تنگ ہو جاتا ہے اور میں نے ستر سال اس سرائے دنیا میں بسر کئے ہیں بتاؤ میں غمگین اور ملول کیوں نہ ہوں؟

آپ نے کھانا بالکل ترک کر دیا تھا، فرماتے تھے دل ہی نہیں چاہتا کھاؤں کیسے اور کھانے سے کوئی فائدہ بھی نہیں ہے، نیز اس خوف سے بھی نہیں کھاتا کہ اس سے مزید بقائے حیات کا سبب ہو جاتا ہے، یہاں جو گھڑی گزر رہی ہے وہ مصیبت معلوم ہو رہی ہے، میرا دل تو صرف اللہ کی طرف لگا ہوا ہے، ایک شخص حالت علالت میں گلاب کا پھول آپ کے پاس لایا، آپ نے اسے سونگھ کر درود شریف پڑھا اور فرمایا گلاب کی خوشبو اور درود شریف دونوں بارگاہ نبوت میں پیش ہوتے ہیں اور گلاب کا جسم یہاں تم لوگوں کے سامنے موجود رہتا ہے اس کے بعد حوض سلطان اور اس کے اطراف و اکناف کے مقامات اور اپنے اوقاتِ عبادت یاد کر کر کے خوش ہوئے اور فرمایا انشاء اللہ عنقریب ہم پھر ان مقامات کی دل کھول کر بآزادی سیر کریں گے۔ آپ پر سکرات کا عالم طاری تھا۔ کسی نے پوچھا کیا دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا باغ، نہریں اور سادات بخارا موجود ہیں انہیں دیکھ رہا ہوں۔

زمانۂ علالت میں ایک دن فرمایا۔ حضرت غوث الثقلین کا فرمان آیا ہے، پڑھو کیا لکھا ہے، میں فقیر (عبدالحق) نے عرض کیا کیسا فرمان کون لایا ہے؟ فرمایا ایک صالح و سعادت مند لایا ہے، ذرا ٹھیک ٹھیک پڑھو کیا لکھا ہے؟ ایک دن میں فقیر (عبدالحق) نے آپ کی علالت کے زمانے میں عرض کیا۔ انسان کی عاجزی کیا کوئی عجیب و غریب بات ہے؟ فرمایا حقیقت عاجزی یہ ہے کہ ضرورت و حاجت جو ماہیت امکانی کے لئے لازمی ہے اس کو وجدان کے ذریعہ معلوم کریں اور ساتھ ہی اس ذوق معنی کا ادراک بھی ہو اس حالت کو عاجزی کہتے ہیں اور یہی انوکھی چیز ہے۔

ایک دن فرمایا بیٹے! خوش الحان حافظ تمہارے دوست ہیں انہیں بلواؤ، کچھ قرآن شریف سنیں گے، اس کے بعد فرمایا رہنے بھی دو، تم خود ہی دن رات ہمارے پاس قرآن شریف پڑھتے ہو بس یہی بہت کافی ہے، اب کسی بات کی خواہش نہیں یہ عبودیت

کا وقت ہے اللہ جب چاہیں گے کسی کو بھیج کر بلالیں گے۔

اسی دن انتقال سے پہلے میں نے سنت طریقہ پر آپ کو تلقین کی اور عرض کیا درویش اس وقت پاس انفاس میں مشغول رہتے ہیں تو آپ نے آنکھیں کھول کر آہستہ سے کہا ہاں ''پاس انفاس'' اس وقت کارآمد ہوتا ہے کیونکہ تمام اعضائے جسمانی بیکار ہو گئے ہیں اور سانس لینے کی بھی قوت نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ نے بلند آواز سے کئی مرتبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ فرمایا اور خاموش ہو کر دل میں اللہ کی یاد کرنے لگے، جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دل میں سے کلمۂ طیبہ کی آواز آتی ہے اور اس کے چند لمحہ بعد آپ ۲۷ رشعبان ۹۹۰ھ کو رحمتِ حق سے پیوست ہو گئے۔ بعض لوگوں نے آپ کی تاریخ وفات ولی تحت النقاب بھی نکالی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

عبدالحق محدث دہلویؒ اپنے ابتدائی حالات میں لکھتے ہیں کہ والد ماجد اپنی پیری اور کمزوری کے زمانے میں میری طرف اکثر متوجہ رہتے تھے۔ جوانی ختم ہو جانے اور دوستوں کے انتقال کی وجہ سے وہ ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے۔ اس زمانے میں میری عمر تقریباً چار سال کی تھی، اس وقت میں آپ کی خدمت اور دل دہی کیا کرتا تھا، آپ ہمہ وقت مجھ پر شفقت و عنایت فرمایا کرتے، انہی دنوں جب کہ میں بچہ تھا صوفیوں کے اقوال سناتے اور شفقت و عنایت فرمایا کرتے اور میری باطنی تربیت کرتے اور میں بھی فطری طور پر ان باتوں کے سننے کا متوالا تھا، وہ باتیں کرتے کرتے خاموش ہو کر بالکل از خود رفتہ ہو جاتے۔

جس زمانے میں میری عمر دو ڈھائی سال کی ہوگی اس وقت کی اکثر باتیں اب تک مجھے یاد ہیں اور یہ وہ باتیں ہیں جو دانشمندوں کی آگاہی کے لئے بے انتہا ضروری اور مفید ہیں۔ غرض کہ جس زمانے میں پدر بزرگوار کی مہربانیوں کے ظہور کا وقت آیا تو میں تحصیل علوم میں مشغول ہو گیا اور شب و روز ذکر و تذکرہ اور بحث و تکرار میں بسر کرنے لگا۔ اکثر اوقات وہ بذات خود مجھ سے علمی مباحث سنتے اور خوش ہو کر خاص طور سے علم توحید کے مسائل اس طرح سمجھاتے گویا علم شہود اور آنکھوں دیکھی باتیں کر رہے ہیں، جب مقدمات علمی کے لحاظ سے علم شہود و حقیقت کے سمجھنے میں مجھے کچھ شبہ ہو جاتا تو فرماتے اسی قسم کے شکوک و شبہات ان مسائل میں اکثر و بیشتر پیدا ہوتے رہتے ہیں اور انشاء اللہ یہ تمام شبہے آئندہ دور ہو کر تم خود بہ جمال یقینی ان کا مشاہدہ کر لو گے تاہم جہاں تک بھی ہو سکے کوشش کرتے رہو اور ہمیشہ اسی خیال میں رہو کہ مسائل بخوبی از بر ہو جائیں اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

عدل کے تقاضے اور انصاف کی ذمہ داریاں

کسی شخص نے قاضی سوار بن عبداللہ کے خلاف ابو جعفر منصور کے پاس شکایت کی۔ منصور نے تحقیق احوال کی غرض سے قاضی کو دربار میں طلب کرلیا۔ قاضی صاحب حاضر دربار ہوگئے۔ اسی اثنا میں منصور کو چھینک آئی۔ اس نے چھینک مارنے کے بعد دیکھا کہ قاضی صاحب حسب معلوم خاموش بیٹھے تھے۔

منصور نے ذرا تاؤ میں آکر کہا:

"آپ نے میرے چھینک مارنے پر یرحمک اللہ (اللہ تم پر رحم کرے) کیوں نہ کہا"

قاضی صاحب نے نہایت بے تکلفی سے جواب دیا کہ میری دعا سے پہلے خود آپ کو شکر خداوندی بجالانا چاہیے تھا۔ لہٰذا آپ نے چونکہ الحمدللہ (تعریف اللہ ہی کے لئے ہے) نہیں کہا۔ میں نے یرحمک اللہ نہیں کہا۔

منصور اس پر جھینپ گیا اور کہنے لگا کہ میں نے تو اپنے دل میں الحمدللہ کہہ لیا تھا۔ قاضی صاحب کہنے لگے کہ میں نے بھی اپنے دل میں یرحمک اللہ کہہ دیا تھا۔ اس جواب پر منصور کی آنکھیں کھل گئیں اور بے اختیار بول اٹھا کہ "قاضی صاحب! کچھ لوگوں نے آپ کے خلاف شکایت کی تھی لیکن میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آپ جب میری رعایت نہیں کرتے تو کسی اور کی کیا رعایت کرتے ہوں گے!"

لنگ و لوک و خفتہ شکل و بے ادب
سوئے او می خیزد و اورا می طلب

میں نے بغیر حروف تہجی پڑھے پہلے دو تین سپارے قرآن کریم کے اس طرح پڑھے کہ والد ماجد مجھے ایک ایک سبق لکھ کر دیتے اور میں پڑھتا جاتا، اس کے بعد ان کی تربیت و شفقت کا یہ اثر ہوا کہ روزانہ جتنا قرآن کریم پڑھتا وہ سنا دیا کرتا، چنانچہ اس طرح دو تین مہینہ کے اندر میں نے پورا قرآن کریم پڑھ لیا اور جس طرح معلم صاحبان مدرسہ میں اپنے شاگردوں کو رٹاتے ہیں میں نے رٹا نہیں، والد ماجد نے مجھے فا یا قاف تک تختی لکھائی تھی اس کے بعد شاید ایک مہینہ میں مجھے لکھنے پر قدرت حاصل ہوگئی اور میں انشاء لکھنے لگا، اللہ تعالیٰ نے والد ماجد میں یہ اثر وخاصیت رکھی تھی کہ کوئی شخص چاہے کتنا ہی غبی ہو ان کی توجہ اور تربیت سے اس غبی شخص میں صلاحیتیں ظاہر ہو جاتی تھیں اور مجھے جو کچھ ملا وہ صرف والد بزرگوار کی توجہ و مہربانی کا اثر ہے اور انہوں نے اپنے پورے حقوق پدری میری تربیت و تعلیم پر صرف فرمائے، بوستاں و گلستاں، دیوان خواجہ حافظ اور نظم کی مروجہ کتابیں خود پڑھائیں، بچپن سے لے کر قرآن کریم ختم کرنے تک اور اس کے بعد میزان منشعب سے لے کر کافیہ کی بھی خود ہی تعلیم دی۔ پڑھانے کے زمانے میں اکثر و بیشتر فرمایا کرتے، انشاء اللہ تم جلد عالم بن جاؤ گے اور

اس تصور سے مجھے بڑی مسرت ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ تم کو درجۂ کمال عطا کرے گا اور میں تمہارے دائرۂ درس و افادیت پر اپنے بڑھاپے میں تکیہ کروں گا، کبھی چند کتابوں کے نام لے کر فرماتے بس یہ کتابیں پڑھ لو، عالم ہو جاؤ گے، فرماتے ہر علم کی تھوڑی تھوڑی کتابیں پڑھو جو تمہارے لئے کافی ہیں اور اس کے بعد انشاء اللہ برکت و سعادت کے دروازے کھل جائیں گے اور تم تمام علوم بلا تکلف حاصل کر لو گے، والد ماجد کے ان پاکیزہ جملوں نے وہ اثر کیا کہ کتب متداولہ و مروجہ میں نے جلدی جلدی پڑھیں اور کم مدت میں زیادہ سے زیادہ علوم حاصل کئے، علوم کی وسعت سے معلوم ہوتا ہے کہ سالہا سال اور بہت عرصہ تک تعلیم کے حصول میں زندگی بسر ہوئی ہے۔

علوم نحو میں کافیہ، لب الالباب اور ارشاد وغیرہ کے بعض اوقات ایک نشست میں سولہ سولہ صفحے پڑھ جاتا اور شوق کا یہ حال تھا کہ جب کوئی حاشیہ والی کتاب مل جاتی تو اسے استاد سے نہ پڑھتا بلکہ اکثر اوقات اسے خود ہی پڑھ کر سمجھ لیتا، ہاں اگر کوئی مشکل باب ہوتا تو اسے لازماً استاد کے روبرو پڑھ کر سمجھتا تھا، البتہ اتنا یاد ہے کہ کتاب کی اصل عبارت اس کے حاشیہ کے ذریعہ بخوبی سمجھ لیا کرتا تھا۔ میرے ہاتھ جو کتاب پڑتی، میں اس کے اول و آخر کا لحاظ کئے بغیر اسے کھول کر آخر تک پڑھ لیا کرتا، مطالعہ کو مقدم اور ضروری سمجھتا کیوں کہ علم کا حصول میرا نصب العین تھا، بارہ تیرہ سال کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد نسفی پڑھی اور پندرہ سولہ برس کی عمر میں مختصر المعانی اور مطول ختم کی اور لوگوں کے خیال سے بیس برس کی عمر میں فلسفہ، ادب، فقہ و حدیث وغیرہ پڑھ چکا تھا اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کے بعد ایک سال کچھ دنوں میں قرآن کریم بھی حفظ کیا اور کلام اللہ کی حفاظت میں آیا اور وہ نعمت پائی جس کے ایک حرف کا شکریہ بھی سو سال میں ادا نہیں کر سکتا، غرض کہ تمام کتب مروجہ پر میں نے عبور حاصل کیا، پھر ادب، فلسفہ، علم کلام وغیرہ میں مہارت اور پڑھانے کی مشق کے لئے ماوراء النہر گیا اور وہاں تحصیل علوم میں اتنا مشغول رہا کہ تعلیم و مطالعۂ کتب سے شب و روز میں دو تین گھنٹہ کی فرصت ملتی تھی، جب اساتذۂ کرام کے روبرو اثنائے سبق میں انوکھی بحث کرتا یا مفید بات کہتا تو وہ فرماتے، اے عزیز! ہم تم سے استفادہ کرتے ہیں اور تمہارے شکر گزار ہیں، خدا جانے وہ کیا شوق تھا اور وہ کیسی طلب تھی، اگر اتنا ذوق و شوق طلب الٰہی اور باطن کی صفائی کے لئے ہوتا تو نہ معلوم کس مقام پر پہنچتا۔

ایک مرتبہ جب کہ میں کافیہ وغیرہ پڑھا کرتا تھا کہ ہمارے ساتھی طالب علم آپس میں

ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔ حصولِ علم کے بعد کیا کرو گے؟ بعض نے ظاہری طور پر کہہ دیا کہ ہمارا مقصد معرفت الٰہی ہے، بعض نے اپنی سادگی سے کہا، ہمارا مقصد حصولِ دنیا ہے، پھر مجھ سے پوچھا، بتاؤ تم کیا کرو گے؟ میں نے کہا مجھے بالکل نہیں معلوم کہ تحصیل علم کے بعد معرفت الٰہی میں مشغول رہوں گا یا دنیا طلبی میں، البتہ فی الحال اتنا معلوم ہے کہ پہلے زمانے کے عقلمندوں اور عالموں نے کیا کہا ہے اور کشف حقیقت و معلومات مسائل میں کون کون سے موتی پروئے ہیں، اس کے بعد جو حالت پیش ہوگی دیکھا جائے گا کہ عیش و عشرت دنیاوی کی طرف متوجہ ہوں گا یا محبت الٰہی اور طلبِ آخرت کے راستہ پر گامزن ہوں گا۔

بچپن ہی سے مجھے معلوم نہیں کہ کھیل کود کیا ہوتا ہے اور خواب و راحت، مصاحبت و دوستی اور سیر و تفریح کیا چیز ہے۔

شب خواب چہ و سکون کدام است
خرد خواب بعاشقاں حرام است

شوق علم و عمل میں کبھی وقت پر کھانا نہ کھایا اور بروقت آبائی محل میں نہ سویا۔ موسم سرما کی سخت ٹھنڈی ہواؤں اور موسم گرما کی تپتی ہوئی تیز دھوپ میں گھر سے روزانہ دو مرتبہ مدرسہ جاتا تھا، دوپہر کو گھر آکر ایک دو نوالے بقائے حیات کی خاطر کھالیتا۔ عرصۂ دراز تک قبل از وقت مدرسہ جاکر ایک دو پارے چراغ کی روشنی میں تلاوت کرتا، اس پر طرہ یہ کہ گھر پر جتنا وقت ملتا اس میں کوئی لمحہ بیکار نہ بیٹھتا بلکہ مطالعۂ کتب، بحث و تکرار میں لگا رہتا۔ رات دن پڑھتا نیز رات کے کسی حصہ میں خوش خطی بھی لکھتا۔

میرے والدینؒ ہمیشہ فرماتے کہ کسی وقت محلّہ کے بچوں کے ساتھ کھیل کود کر دل خوش کرلیا کرو اور رات کو آرام سے سویا کرو لیکن میں عرض کرتا کہ کھیل کود سے جب دل خوش کرنا ٹھہرا تو میں اس سے خوش ہوتا ہوں کہ لکھتا پڑھتا رہوں۔

عام طور پر لوگ اپنے بچوں کو اسکول جانے اور پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں اس کے برعکس مجھے کھیل کی جانب متوجہ کیا جاتا تھا۔

پڑھتے پڑھتے جب رات کے بارہ بج جاتے تو والد ماجد فرماتے، بابا! کیا کر رہے ہو؟ تو میں فوراً ہی لیٹ جاتا تاکہ جھوٹ نہ ہو جائے اور پھر عرض کرتا جی میں سو رہا ہوں فرمایئے ارشاد کیا حکم ہے؟ اس کے بعد پھر پڑھنے لگتا۔ اکثر ایسا ہوا کہ چراغ کی لو سے میرے صافے اور سر کے بالوں میں آگ لگ گئی اور مجھے اس وقت پتہ چلا جب حرارت میرے دماغ پر

پہنچی۔

چہ دود ہائے چراغ کہ در دماغ نہ رفت
کدام بادۂ محنت کہ در ایاغ نہ رفت
کدام خواب و چہ آسائش و کجا آرام
چہ خار خار کہ در بسترِ فراغ نہ رفت
بحیرتم ز دل خود کہ عمر رفت ولے
زکنجِ غمکدہ ہرگز بصحنِ باغ نہ رفت

تحصیلِ علم کے شوق اور محنت کے باوجود نماز، وظیفے، شب بیداری، مناجات وغیرہ میں فطری طور پر بچپن ہی سے اتنا مشغول تھا کہ لوگ حیرت کرتے تھے۔ اب بھی اللہ کے فضل وکرم سے شب خیزی کا شوق ہے اور مجھے اس راہ سے کافی نعمتیں ملی ہیں اور اس وقت پہلے سے بھی زیادہ محنت وریاضت اور تعلیم وافادہ میں مشغول ہوں، تعلیم وافادہ نہیں کہنا چاہیے بلکہ تعلم و استفادہ کہنا اچھا ہے، گوشۂ تنہائی میں پڑا ہوں۔ دنیا کے نیک وبد سے مجھے کوئی واسطہ نہیں ہے نیز لوگوں کی دوستی ودشمنی سے میرا دل خالی ہے اور نحوی جملوں زید وعمر کے قصوں سے علیحدہ ہوں۔

صد شکر کہ باہیچ کسم کارے نیست
و از من بدل ہیچکس آزارے نیست
گر بر دلِ دشمناں من بارے نیست
بر خاطر دوستانِ من بارے نیست

پروردگار عالم نے جس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا میرے بس میں نہیں اس نے مجھ غریب کو اپنے ذوق وشوق کی اس حالت سے مخصوص اور مالا مال کیا ہے کہ میرا دل اور میرا تمام وقت صرف اس کے حضور میں مشغول رہتا ہے اور لوگوں کے میل جول وغیرہ سے الگ ہوں، میں اپنے خیال میں مگن ہوں اگرچہ وہ رازہائے سربستہ کا سراہی ہو یا مالیخولیا لیکن یہ مقطعہ میرے حالات کا آئینہ دار ہے۔

حقی کجا و صحبت کس کز خیال دوست
دارم بخود چو مردم دیوانہ عالمے

بحکم والد ماجد کہ "ملائے خشک وناہموار نہ بنا" میں بچپن ہی سے ہمیشہ عشق ومحبت کا دم

بھرتا ہوں اور غم خواری و دردمندی کی راہ چلتا ہوں۔

بیدرد نہ ایم ہرگز از عشق
دائم دل دردناک داریم

امید ہے کہ صاحب قدم کی بدولت میرا دل کارفرمائی کرے اور اصل کام یہ ہے کہ نفس کو بیکار کر دیا جائے میں بیکار نہ رہوں اور میں اپنا جی اس طرح خوش کروں کہ کام کے آغاز یا اس کے دوران میں جن چیزوں کے ذریعہ قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور دل کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں وہ تمام دقتیں میرے سامنے آئیں اور پھر پردۂ غیب سے میری دستگیری ہو اور کارخانہ نفس و شیطان پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ غلبہ پا کر مجھے گوشہ نشین بنادے اور دوسروں سے میں اپنی روزی طلب کرنے کے بجائے صرف اللہ ہی سے ہر چیز کا طلبگار ہو جاؤں۔

ایک عرصہ تک عقل کی معارضت اور وہم کی مزاحمت سے مجھے توحید کی حقیقت سمجھ میں نہ آئی جو کہ طالبان حقیقت کے لئے اولین شرط ہے۔ آخر کار جب مخلوق کے مشوروں سے مقصد براری نہ ہوئی تو مجبوراً اللہ ہی سے طلب خیر کی اور اس طلب میں عقل کی گتھیاں سلجھائیں تا کہ دیوانگی کا ساتھ نہ چھوٹے۔

زیں، خرد بیگانہ می باید شدن
دست در دیوانگی باید زدن

غرض کہ راحت و آرام کے حصول اور خطرات و وسواس کے زوال کے بعد جس کا نتیجہ مایوسی ہوا کرتا ہے میں تمام امور سے ہاتھ دھو کر اور لوگوں سے آنکھیں بند کر کے در دل پر اس انتظار میں بیٹھ گیا کہ اب کیا ہوتا ہے اور کون سی راہ کھلتی ہے، چنانچہ جس نے دربار الٰہی میں توبہ کی وہ مایوس نہ رہا اور جس نے اللہ کے حضور التجا کی وہ کامیاب ہوا، کے احکام کے پیش نظر اچانک بیکسوں کے چارہ گر اور آوارہ لوگوں کے رہنما نے مجھے اپنی طرف بلایا اور خانماں برباد کی گردن میں زنجیر شوق ڈال کر اپنے گھر کی جانب کھینچ لیا اور مجھ گم کردہ راہ کو منزل مقصود تک پہنچا دیا یعنی اپنے حبیب پاکؐ کے دربار فیض آثار میں پہنچا دیا اور ان کی نوازشات سے سرفراز ہوا۔

حاشا وان یحرم الراجی مکانۃ
او یرجع البحار منہ غیر محتزم

مجھ فقیر حقیر کو حضرت خبیر و بشیر و نذیرؐ کے انعامات و اکرامات سے جو کچھ بشارت ملی ہے

وہ بیان سے باہر ہے اور یقین ہے کہ یہ آثار وانوار نیک لوگوں کے لئے انشاء اللہ ضامن وکفیل ہوں گے۔

اگرچہ میں اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اس قابل نہیں ہوں کہ اپنا مطلب حاصل کرسکوں لیکن امید قوی ہے اور پائے یقین مضبوط ہے کہ کشتی نوح میں بیٹھا ہوا ہوں اور انشاء اللہ ساحل نجات پر پہنچ جاؤں گا اور وہاں پہنچ کر جمالِ الٰہی سے مسرور ہوں گا اور جو کوئی دنیاوی کشتی میں بیٹھ کر سرکشیاں اور غرور کرے تو وہ اس کا بھی یقین کرلے کہ آتش دوزخ کے طوفان سے اس کو ہرگز ہرگز نجات نہیں مل سکے گی۔

میرا مرکز اعتماد صاحب قدم پر ہے جو مالک رقاب اولیاء ہیں اور کوئی رہرو ایسا نہیں جو ان کی خدمت میں اپنے سر کے بل نہ جائے اور ان کے قدموں پر اپنا سر نہ رکھے اور یہ سب کچھ خود ان ہی کی سرفرازی ہے، ان کی صفت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ قدم بہ قدم گامزن رہے بلکہ سرور عالم ہی کی طرح قدم بہ قدم چلتے رہے اور سعادت اسی کو ملی جس نے آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور بہرنوع آپ کے احکام کی تعمیل کی، رسول اکرمؐ وحضرت علیؓ کی وراثت سے تمام بزرگوں کو جو کچھ ملا وہ صرف خلف صادق کے حصہ میں آیا اور یہ کتنی بڑی دولت ہے، اگرچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث بکثرت تھے لیکن جو کچھ خلف صادق کو ملا وہ کسی اور کو نہ مل سکا۔ دولت و مال میں تمام ورثاء کو برابر مقررہ حصہ ملتا ہے لیکن وراثت حال و کیف میں ایک کو دوسرے کے برابر حصہ نہیں ملا کرتا، کیونکہ حال و کیف اور مراتب وہ دولت ہے جس کے مستحق ہی کو یہ دولت دی جاتی ہے، اگر دوسرے لوگ قطب ہیں تو یہ خلف صادق قطب الاقطاب ہیں، اگر دوسرے سلطان ہیں تو یہ خلفِ صادق شہنشاہِ سلاطین ہیں اور آپ کا اسمِ گرامی حضرت شیخ سید سلطان محی الدین عبدالقادر گیلانیؒ ہے جنہوں نے دین اسلام کو دوبارہ زندہ کیا اور طریقۂ کفار کو یکسر ختم کر دیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فرمایا ہے: الشیخ یحیی و یمیت۔

شیخ کے مقام کا اس سے بھی اندازہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ جو حی و قیوم ہے اس نے ہم کو اسلام عنایت فرمایا اور غوث الثقلین نے اس کو دوبارہ زندہ کیا، غوث الثقلین کے معنی ہی یہ ہیں کہ جنات اور انسان سب اس کی پناہ میں آتے ہیں، چنانچہ میں بیکس ومحتاج بھی ان ہی کی پناہ کا طلبگار اور ان ہی کا درباری غلام ہوں، مجھ پر ان کی عنایت و کرم ہے اور ان کی مہربانیوں کے بغیر کوئی فریاد رس نہیں ہے۔

مناجات

غوثِ اعظم دلیل راہ یقیں — کن یقیں رہبر اکابر دیں
شیخ دارین و ہادیٔ ثقلین — زبدۂ آل سیدی کونین!
بادشاہِ ممالکِ قربت — راہ نورد مسالکِ قربت
اوست درجملہ اولیاءٔ ممتاز — جو پیمبر در انبیاء ممتاز
اولیاء بند باش از دل و جاں — قدم او بگردن ایشاں
وصف تعریف اوزمن نہ نکوست — خود کراماتِ او معرّف اوست
من کہ پروردۂ نوال ویم — عاجز از مدحت کمال ویم
ہمہ دم غرق بحرِ احسانم — اے فدائے درش دل و جانم
در دو عالم باوست امیدم — ہست بادے امید جاویدم

امید ہے کہ اگر کبھی راہ سے بھٹک جاؤں تو وہ رہبری کریں اور اگر ٹھوکر کھاؤں تو وہ مجھے سنبھال لیں، کیونکہ انہوں نے اپنے دوستوں کو بشارت دی ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ایک رجسٹر بنا دیا ہے جس میں قیامت تک ہونے والے مریدوں کا نام لکھا ہوا ہے، نیز حکم الٰہی ہو چکا ہے کہ میں نے ان سب کی بخشش کر دی ہے اور ان کے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں، کاش میرا نام بھی آپ کے مریدوں کے رجسٹر میں ہو ایسی صورت میں مجھے کیا غم ہے کیونکہ میری حسب مرضی کام پورا ہو گیا ہے، میں نامراد بھی حضرت غوث الثقلینؒ کا مرید بن گیا ہوں، قبول کرنا یا انکار کر دینا یہ ان کے ہاتھ میں ہے۔ میں ان کے خواہشمندوں میں ہوں اور ان کا چاہنا یہ ان کے اختیار میں ہے، حقیقی طور پر مرید ہونا یہ مجھ مجازی آدمی سے کیسے ہو سکتا تھا، کسی بے نمازی کے درود شریف پڑھتے رہنے سے ہمیشہ فائدے نہیں ملا کرتے ہیں، چونکہ میں نے خود کو ان کی جانب منسوب کر لیا ہے اور ان ہی کی بارگاہ میں پناہ کا طلبگار ہوں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ جبکہ ازل سے یہ سعادت میری قسمت میں تھی تو لازماً ابد تک میرے ساتھ ہی رہے گی اور میری حالت یہ ہی کہ جس زمانے میں مجھے عقل و شعور نہ تھا اس زمانے سے میں اپنے لوح دل پر آپ کا اسم گرامی لکھتا ہوں۔

ما بعشقِ تو نہ امروز گرفتار شدیم
کہ گرفتاریٔ ما با توز روز ازل است

ان کا جذبہ محبت خود ہی مجھے کھینچ رہا ہے جس کی مجھ میں سکت نہیں اور ان کا کرشمۂ

عنایت خود ہی مجھے مخاطب کر رہا ہے جس کا مجھے عقل و شعور تک نہیں ہے۔

ہنوز از دم ہستی اثر نبود مرا
کہ جذب عشق تواز خویش می ربود مرا

یہ آپ ہی کا فیض باطن ہے جس نے میرے ظاہر و باطن کو محفوظ رکھا ہے اور اول سے آخر تک بچائے رکھا ہے، والد ماجد بھی آپ ہی کے در کی خاک تھے اور اسی نسبت کے زیر اثر تربیت دیتے اور تقویت پہنچاتے تھے۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اس بادشاہ عالم کی جناب بغیر کسی وسیلہ کے بڑھنا چاہا لیکن وسیلہ کے بغیر کوششیں رائیگاں ہوئیں، مجھے اکثر و بیشتر بشارت ہوئی کہ وابتغوا الیہِ الوسیلہ اور اس فضیلت کے حاصل کرنے کے لئے جس وسیلہ و نسبت کی ضرورت ہے وہ سلسلۂ ارادت ہے، میں نے بہت کوشش کی تھی کہ کسی سے باطنی طور پر اسلامی نسبت قائم کروں اور قرابت جسمانی کو رشتۂ روحانی سے منسلک کروں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی پوری زندگی اس کے قدموں میں گزاروں، چنانچہ آخر کار میری سچی نیت نے کام کیا اور میرا درخت مراد بار آور ہوا اور جس طرح یرزقہٗ مِنْ حیثُ لا یحتسب۔ اللہ تعالیٰ بغیر شان و گمان کے رزق پہنچا دیتا ہے بالکل اسی طرح اللہ نے میرے پاس اس عیسیٰ کو بھیجا جس کی ہر سانس میں آسمان معرفت کے دستر خوان بچھتے اور عیش و نشاط کے جمگھٹے ہوتے، وہ موسیٰ مقام تھے جن کا جمال آتشی شجر وحدت کا طلوع تھا اور طور حقیقی کی درخشانی ان کا نور تھا وہ باقی رہنے والے دوست، جس کے رخسار زیبا میں باغوں کی بہار اور باغ ملت اسلامیہ کے پھول کھلے ہوئے تھے، وہ مصطفیٰ جمال جن کا چہرہ نمکدان خوان انا املح تھا اور ان کی زبان قرآن کی بہترین فصاحت واضح کرتی تھی، وہ مرتضیٰ کمال تھے جن کا دل دروازۂ شہر علم اور ان کے ضمیر پر دروازۂ اسرار و کشف کھلے ہوئے تھے، وہ حسن صورت جو خلق عظیم کی وراثت کے مرتبہ اور مسلمانوں پر مہربانی کے مرتبہ پر فائز تھے، وہ حسین سیرت تھے جو آیت تطہیر اور مودت قربیٰ کے مصداق تھے ان کا اسم گرامی زین العابدین و امام الصادقین سید تقی نقی علوی، علی المہدی حضرت کلیم اللہ تھا جو محبوب حبیب خدا تھے۔

احمد خوئے کہ عالمے بندۂ اوست
یوسف روئے کہ ماہ شرمندۂ اوست
عیسیٰ نفسے کہ جان ودل زندۂ اوست
موسیٰ کہ لقائے دوست خواہندہ اوست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

قرآن کریم میں جو صفت آئی ہے وہ آپ پر صادق آتی ہے اور آپ کی حالت کے عین مطابق ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو موسیٰ کا دل دیا گیا ہے مگر آپ دراصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ ہیں۔

اے دیدہ بیا بقائے منظور بہ بیں
آں جبہہ وآں جمال وآں نور بہ بیں
در وادیٔ ایمن محبت بگذر!
ہم موسیٰ وہم درخت وہم طور بہ بیں

آپ حمیدہ صفات جانشین حامد ووارث مقام محمود ہیں اور ایسے حامد وحمد کرنے والے ہیں کہ آپ کی تعریف وتوصیف میں زبان سے بے اختیار نا قابلِ شمار تعریف نکلتی ہے، غرض کہ یہ آفتاب دولت دنیا ودیں جب طلوع ہوا تو میں نے یقین کر لیا کہ یہ میرے ہی مقدر میں ہے اور جوں ہی ان کے جمال جہاں نما سے آنکھیں روشن ہوئیں تو دل میں بجھا اور ہی نور وسرور جلوہ گر ہوا، پہلی ہی ملاقات میں دل ہاتھوں سے جاتا رہا اور میں ان کے قدموں پر گر پڑا۔

مدتے بود کہ مشتاق لقایت بودم
لاجرم روئے ترا دیدم وازجا رفتم

کچھ عرصہ کے بعد میں نے اپنی کیفیت عرض کرنے کی جسارت کی لیکن میرے عرض کرنے سے پہلے ہی انہوں نے اپنے صفائے باطن کے ذریعہ میرے حالات معلوم کر لئے تھے اور میرا مطلب و مقصود سمجھ گئے تھے لیکن میری صداقت کی بھوک پیاس کی تفتیش و تحقیق کی خاطر پھر میرے حالات دریافت فرماتے ہوئے کہا، اے پیاسے سنو! ہم تم سب ایک ہی نہر کے پیاسے ہیں اور ایک ہی دریا کی نہریں ہیں، مجھے یقین ہے کہ تم سمندر کے طلبگار بن کر میرے پاس آئے ہو اور میری حالت یہ ہے کہ میں بھی دوسروں کی طرح خود کو دریا کی ایک نہر کہتا ہوں، تم جس نہر کو زیادہ شیریں اور اس کے پانی کو زیادہ صاف شفاف سمجھو اس کی طلب میں کوشش کرنا اور اگر یہ نہیں چاہتے کہ اپنے اختیار کو کام میں لاؤ اور صرف امتحان مدِ نظر ہو تو پھر خود کو سمندر کے حوالہ کر دو اور اس کی توجہ کے منتظر رہو تا کہ وہ تمہیں جس راہ سے چاہے بلائے اور جہاں چاہے پہنچا دے، اس جملہ کو سن کر میں نے ایک چیخ لگائی اور عرض کیا کہ میں حیران و پریشان ساحل حیرت پر پڑا ہوا ہوں سمندر کو مجھ سے کیا واسطہ ہے جو میری آواز سنے اور اس کو کیا پڑا ہے جو میری چیخ و پکار پر کان دھرے، میں نے خود کو آپ کے حوالہ کر دیا ہے، اب آپ جہاں چاہیں پہنچا دیجئے، ارشاد فرمایا، مایوس نہ ہو تم کو سمندر سے خاص واسطہ و تعلق ہے اور بفرض محال اگر کوئی شناسائی نہ ہو تب بھی وہ دریائے رحمت تمام پر محیط ہے چاہے کوئی چھوٹا ہو یا بڑا۔ ناقص ہو یا کامل، یاد رکھو! وہ ضرورت کے وقت فریاد رسی کرتا ہے اور تنگی کے زمانے میں دستگیری کرتا ہے۔

غرض کہ میں آپ کے اشاروں پر تیزی سے گامزن ہو گیا اور پہلی ہی رات میں میرا مطلب حاصل ہوا، چنانچہ بے اختیار ہو کر بغیر کسی توقف کے میں نے ان کی بیعت کر لی اور ان کی خدمت کرنے لگا، یہ ٦ رشوال ٨٩٥ھ کا واقعہ ہے اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، علاوہ ازیں ایک اور سعادت اور عظیم ترین نعمت حاصل ہوئی جس کو ظاہر کئے بغیر صبر نہیں کر سکتا، اگر چہ وہ رازہائے سربستہ ہیں جن کو چھپایا ہی جاتا ہے۔

لیکن از شوقِ حکایت بزباں می آید

سنئے! جب سعادت ازلی نے مجھے یہ نعمت ابدی سرفراز فرمائی تو میں ہمیشہ اسی اشتیاق میں رہا کہ میرے مقصود کی مجھے بشارت مل جائے تا کہ تسلی و اطمینان کے ساتھ راہِ سلوک میں تیزی سے آگے قدم بڑھاؤں اور اگر طلب فرقت کی سوزش ہے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کتنی بڑی آرزو ہے اور مقصد کتنا عظیم الشان ہے۔

من و وصال تو ہیہات بس عجب ہوس است
ہمیں کہ نام توام برزباں رود نہ بس است

ہمیشہ اسی خیال میں رات دن کاٹ رہا تھا کبھی راتوں کو اس لئے بیدار رہتا کہ بارقہ جمال نظر آئے اور دن کو یہی جستجو رہتی کہ خواب و خیال ہی میں اس کے وصال کی نشانی مل جائے۔

اگر تو وعدہ وصلم دہی بہ بیداری
حرام باد سرخود اگر بخواب آرم
دگر بخواب نمائی جمال خود یکدم
بروز حشر نخواہم کہ سر ز خواب آرم

اور یہ حالت اس وقت تک رہی جبکہ عقل کا پردہ اور طلب کی خواہش درمیان سے اٹھ گئی اور اللہ کے فضل وکرم نے اپنا کام کر دکھایا، مجھ غریب کو براہ راست اپنی چوکھٹ پر پہنچا دیا اور بیداریوں کے نتیجہ میں وہ خواب دیکھا جو ہزار بیداریوں سے بہتر و برتر ہے۔

بخیالے زتو راضی و بخوابے خوشنود
حاصل .از وصل تو خوابی و خیالے دارم

یہ اس واقعہ کا اجمالی ذکر ہے جس کو زبان قلم سے ادا ہی نہیں کیا جا سکتا۔

حقابیان شوق بپایاں نمی رسد
کوتاہ ساز قصۂ درد دراز را

اب مجھ فقیر کی درگاہ رب العزت میں ایک مناجات ہے اور ایک حاجت ہے جسے میں اس کی بارگاہ میں پیش کر رہا ہوں جس میں سے چند جملے ان اوراق میں لکھ رہا ہوں تاکہ جب چاہوں انہیں پڑھ کر اپنا دل خوش کرلوں اور اگر کسی دوسرے شخص کی بھی میری ہی جیسی حالت ہو تو وہ بھی اس سے اپنا وقت خوش کر سکے اور عین ممکن ہے کہ وہ میرے لئے بھی دعا کرے جو حصول مقصد کا سبب بن سکے اور اللہ تعالیٰ قریب و مجیب ہے۔

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

اے اللہ تو میرے ساتھ وہی سلوک کر جو ایک کریم ومحسن آقا اپنے کمزور مجرم نوکر کے ساتھ کیا کرتا ہے اور وہ سلوک نہ کر جو ایک منصف و با اقتدار حاکم اپنے مفسد و عیار و بدکار

ڈاکوؤں کے ساتھ کرتا ہے۔

اے پروردگار! اگر تو ہم کمزوروں کے ساتھ انصاف کرے گا تو ہم تیرے حضور اپنی عاجزی اور پیمانۂ صبر کو پیش کریں گے اگر چہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی، لیکن کیا کریں سوائے عاجزی کے ہمارے پاس اور کیا ہے، اے اللہ! تو نے اپنے بندوں کو پیدا ہی اس طرح کیا ہے کہ اپنا ہی نفع چاہتے ہیں، مخلوق میں یہ خصلت تو نے ہی بخشی ہے جس کے استعداد، قابلیت اور ماہیت بیان کرنے کی ہم میں سکت نہیں ہے، اے اللہ! ہم نے قرآن کریم میں پڑھا اور تیرے حبیبِ پاک نے ہمیں بتایا ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے فنا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، اے اللہ! تو نے اپنا یہ فرمان ہمارے دل نشین کر دیا ہے ''مجھ سے مانگو، میں قبول کروں گا'' اے اللہ! تیری صفت حیّ و کریم ہے، تو اپنی تخلیق میں تبدیلی نہیں کرتا اور جو کچھ ہونے والا ہے اسے تیرا قلم لکھ کر خشک ہو گیا، تیرے افعال کی بابت کسی میں تجھ سے وجہ معلوم کرنے کی کوئی قوت نہیں ہے اور تیری بارگاہ میں کوئی بات بدلی نہیں جاتی، تو بڑا ہی رحیم و کریم ہے، اگر تو نے انسان میں فاعل ہونے کی قدرت رکھی ہے اور اسے شرط اولین قرار دیا ہے تو اس بیمار کا قیامت تک علاج نہیں ہو سکتا، اے پروردگار! تیرے ہی لئے یہ امر سزاوار ہے کہ تیرے دربار میں کوئی دردمند نہ رہے گا، اے اللہ! تو ہم پر رحم کر، کرم کر۔

اے اللہ! ہم کو اطمینان قلب نصیب فرما کیونکہ اس کے سوا کوئی اور چیز مفید نہیں اور وہ کشادگی اور فارغ البالی دے جس کے ذریعہ دنیا اور آخرت کے تمام مقصود پورے ہو جائیں، استغفر اللہ! مجھے ان باتوں سے کیا مطلب، میں تو نہایت کمزور فقیر بھیک منگا ہوں، مجھے یقین کی قوت عنایت کر اور وہ سرمایہ دے کہ پھر مخلوق کی حاجت نہ رہے اور ایسی بخشش کر کہ میرا ظاہر و باطن آباد ہو جائے۔

اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرے دل میں کتنی امیدیں اور آرزوئیں ہیں اور ساتھ ہی مجھے اپنی کمزوری اور بے بسی کا یقین بھی ہے، میں اپنا کوئی نصب العین مقرر نہیں کر سکتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ میرے مقصد کے خلاف ہی میں فائدہ ہو لیکن آخرت کے درجات جو مقرر ہیں ان کا آرزومند ہوں، کبھی دل میں خیال آتا ہے کہ یہ خواہش بھی طریقۂ بندگی سے دور ہے، بندہ کو کوئی آرزو نہ کرنا چاہیے لیکن یہ بہت بڑی بات ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بندہ سراسر عاجز، آرزومند ہے، اے اللہ! مجھے یقین ہے کہ تمام دنیاوی خواہشوں کے درمیان موت

حائل ہے جو بالکل ہیچ ہے اسی لئے میں تجھ سے رضا مندی کا طلبگار ہوں، تیرے راستے میں ثابت قدمی، حق پرستی، قوت یقین اور شک و شبہ کو زائل کرنے کے لئے عقل و شعور کا خواہشمند ہوں، مرنے کی محبت دے تاکہ دنیا سے کوچ کرنا دشوار معلوم نہ ہو، فقیروں کی محبت عنایت کر تاکہ موت سے الفت ہو سکے۔

اے اللہ! اسباب و سامان جمع کرنے کی قوت نہیں اور بغیر کسی سامان کے کوئی کام نہیں ہوتا، مجھ غریب کے کام بغیر سبب کے پورے کر اور اگر بغیر سبب کے نہیں کرنا چاہتا تو اسباب آسان کر دے۔

یا مفتح الابواب اور یا مسبب الاسباب! ہمارے لئے سامان فراہم کر دے جن کے حاصل کرنے کی ہم میں سکت نہیں ہے، اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرے کاموں کی بنیاد کی تکمیل کی امید نظر نہیں آتی، صرف تیرے ہی دربار سے امیدوار ہوں کہ تو اپنے خاص لوگوں کے وسیلہ سے بغیر کسی انسانی کوشش کے پورا کر دے، اے اللہ! اگر مخلوق کے متوقعہ خیالات پورے نہ ہوں تو اپنی بے صبری اور بے طاقتی سے ہلاک ہو جائیں گے، اے اللہ! وہ حالات پیدا کر جو دل کی گرہ کھول دیں، دل باغ باغ ہو جائے اور دلوں کو فراغت نصیب ہو، اے سب سے زیادہ رحم و کرم کرنے والے جنات اور انسان کی دستگیری کرنے والے اور اے بہترین مددگار اللہ تعالیٰ! تو ہی مدد کر، اے اللہ! ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے لیکن اس سے پہلے بشارت دے دے تاکہ دل خوش ہو جائے اور تکلیفیں دور ہو کر یقین کی دولت مل جائے، اے اللہ! تمام دنیاوی کام ہمارے لئے آسان کر دے اور ان کے وجود و عدم کو یکساں کر دے، اے اللہ! تو دنیا کو میرا مقصود اعلیٰ نہ بنا، دنیا میں گرفتار نہ رکھ، دنیاوی علم و تعلیم میں ہم کو مقید نہ کر، ان لوگوں کو ہم پر مسلط نہ کر جو کہ ہم پر رحم نہیں کرتے ہیں، اے اللہ! میں نے تجھی پر بھروسہ کیا ہے اور تیرے ہی دربار میں عاجزانہ دعا کر رہا ہوں۔

اے اللہ! توکل کے معنی سمجھ میں جب آتے ہیں کہ تیرے کمال معرفت اور شہود کا علم ہو، معرفت و شہود ایک مقام ہے کہ جس کی ہم ناقص اور ناکارہ طلب نہیں کر سکتے۔ مجھ جیسا اندھا، بے دست و پا تنہا اس جنگل میں پڑا ہوا ہے جسے مصیبتیں گھیری ہوئی ہیں، اے اللہ! میں اندھا، بے اختیار اور مجبور تیرے دربار میں فریاد کر رہا ہوں، اب تو ہی دستگیری کر اور فریاد رس بن جا۔ اگر بفرض محال دستگیری نہیں کی جا سکتی تو میں اندھا، استغاثہ و گریہ وزاری کے سوائے کیسے صبر کر سکتا ہوں۔

اے اللہ! بندہ اگر تجھ سے دور ہے تو کیا؟ تو خود تو پاس ہے، ہماری فریادرسی فرما۔
اے اللہ! تو جانتا ہے کہ اسباب وسامان فراہم ہونے سے پہلے میرے دل میں کیسی کیسی امیدیں تھیں لیکن اب سامان پر نظر پڑتی ہے تو پرانے خیالات میں کوتاہی نظر آتی ہے اور قدم ہمت سست ہوجاتا ہے۔

اے پروردگار! ہماری پرانی امیدیں نئے سرے سے نئی کردے اور بجھے ہوئے دل میں تازگی دے دے، جو چیز دینے کے قابل نہیں اس کی خواہش ہمارے دل سے دور کردے اور جو چیز دینے کے قابل ہے اس کے لئے ہمت دے تاکہ کوشش کریں اور یقین عنایت کرتا کہ وقت سے پہلے جلدی نہ کریں۔

اے اللہ! جوانی میں جہالت اور فطرت کی وجہ سے ہر طرح دنیا سمیٹنے کی فکر تھی اب آخرت کا غم ہے۔ دنیا اور آخرت کا غم یکجا ہوگیا ہے، دنیا اس طرح عنایت کر جس سے دین میں کوئی خلل اور خرابی پیدا نہ ہوسکے اور دل سے آخرت کا غم نہ نکلے اور آخرت کا غم اس طرح عنایت فرما کہ آخرت کے غم کے سوائے کوئی اور غم نہ ہو اور میں اپنے سینہ کو اپنے ناخنوں سے نہ چھیلوں۔

اے اللہ! میرے کاموں میں ترقی دے اور تنزل وذلت ہم سے دور کردے۔ اے اللہ! تیری رضا مندی درکار ہے جس طرح چاہے اپنی خوشنودی سے ہمیں مالا مال کردے، اگر کبھی ہم اپنی جلد بازی اور طبیعت کے میلان کی وجہ سے کوئی ایسی چیز طلب کریں جو ظاہر میں مفید اور باطن میں مضر ہو تو ہماری مدد کر اور جسے تو پسند کرتا ہے اس کی توفیق دے اور جسے تو ناپسند کرتا ہے اس سے دور رکھ، اے اللہ! تجھ پر ہر کام آسان ہے، آسان کیا معنی بلکہ ہر قسم کی نعمت جس کا تصور کیا جاسکتا ہے وہ تو نے اپنے بندوں کو عنایت کی ہے، دنیاوی عزت، شان وشوکت، عظمت ورفعت، مذہب وملت، علم وہدایت، حق ومعرفت اور قرب وکرامت سب ہی تو نے اپنے بندوں کو دیئے ہیں، میں کس چیز سے مایوس ہوں اور کیوں مایوس ہوں البتہ مشیت تیرے ہاتھ میں ہے جس کو جتنا چاہتا ہے دیتا ہے خواہش دراصل تیری ہی خواہش ہے، مجھے یقین ہے کہ تیری خواہش کے بغیر کسی انسان میں کوئی خواہش پیدا نہیں ہوتی اور کوئی فائدہ بھی نہیں دیتی اس پر بھی انسان بے چارہ مجبور ہے۔ وہ اپنی خواہشات پر صبر نہیں کرسکتا اور آرزو بھرا دل تیرے حضور پیش کرتا ہے۔

اے اللہ! میں تیرے قرآن کریم اور تیرے محبوب کی سنت کے وسیلہ سے دعا کررہا

ہوں تو میری دعا قبول فرما۔

اے اللہ! میں جب دعا کی قبولیت کی شرطوں کو دیکھتا ہوں تو مایوس ہو جاتا ہوں اور دعا کرنے میں سستی کرتا ہوں لیکن اگر تیرا یہی آخری فیصلہ ہے کہ بغیر شرائط دعا کے تو کوئی دعا قبول نہیں کرتا، تو مجھے شرائط دعا کی جلداز جلد توفیق عنایت کر اور پھر میری دعائیں قبول فرمالے اور میرے جرائم پر نظر کئے بغیر گوہر مقصود سے میرا دامن بھر دے۔

اے اللہ! جب تک تو میرے مطلوب کی بشارت دلیل اور یقین سے عنایت نہیں کرے گا اس وقت تک تیرا یہ کمترین بندہ دربار میں اسی طرح چیخ و پکار اور گریۂ وزاری کرتا رہے گا کیونکہ روئے بغیر دل کو قرار ہی نہیں آتا اور اگر میری دعائیں تیری بارگاہ میں قبول نہ ہوئیں تو پھر افسوس ہی افسوس اور مایوسی ہی مایوسی ہوگی۔

اے اللہ! تو مجیب الدعوات ہے ہماری دعائیں قبول کر اور تو ہی کریم و رحیم ہے اس لئے اپنے ذلیل بندے کی عاجزی قبول فرمالے۔

اے اللہ! نفس و شیطان کے خوف سے میرے اوقات کو تشویش سے بچا۔ جب نفس و شیطان غلبہ کرے تو اس وقت قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی توفیق دے تاکہ تلاوت کلام پاک کے ذریعہ تمام رنج وغم دور ہو کر قلبی راحت میسر ہوتی رہے۔

اے اللہ! اپنے کلام سے الفت و محبت عنایت کر تاکہ اس میں مستغرق رہوں اور تیرے ذکر کے علاوہ ہر چیز سے دست بردار ہو جاؤں۔

اے اللہ! میرے غم کی کیفیت و حقیقت تیرے سوا کوئی نہیں جانتا ، میں جس سے اپنی مشکلات بیان کرتا ہوں وہ حقیقت حال پر غور کئے بغیر وہ بات کہتا ہے، جو میرے لئے کارآمد نہیں اور میرے درد کا علاج نہیں، نیز اکثر لوگ میری تکالیف سن کر کچھ دوسری غرض سمجھتے ہیں۔

اے اللہ! تو میری حقیقی حالت، میری غرض، میرے مقصد، میرے مطالب اور میری نیت سے بخوبی واقف ہے، میں اپنی سچی نیت کا تو دعویٰ نہیں کرتا کیوں کہ تجھ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے، اس پر بھی میں اپنی سچی نیت اور اچھے اعمال کا تجھ رحیم و کریم سے سوال کر رہا ہوں۔

اے اللہ! میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جسے آپ کے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں، میرے تمام اعمال میں فساد نیت موجود رہتی ہے، البتہ مجھ حقیر فقیر کا ایک عمل صرف تیری ذات پاک کی عنایت کی وجہ سے بہت شاندار ہے اور وہ یہ ہے کہ مجلس میلاد کے موقع میں کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت ہی عاجزی وانکساری اور محبت و خلوص کے

ساتھ تیرے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتا رہا ہوں۔

اے اللہ! وہ کون سا مقام ہے جہاں میلاد مبارک سے زیادہ تیری خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے؟ اس لئے اے ارحم الراحمین مجھے پکا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی بیکار نہیں جائے گا بلکہ یقیناً تیری بارگاہ میں قبول ہوگا اور جو کوئی درود وسلام پڑھے اور اس کے ذریعہ دعا کرے وہ کبھی مسترد نہیں ہوسکتی۔

اے اللہ! میرے شوق طلب کو اور زیادہ کر اور صداقت کی پیاس زیادہ بڑھا۔ تو نے جو نعمتیں دی ہیں انہیں نہ چھین اور جو رزق دیا ہے وہ واپس نہ لے۔ تو نے جو بشارت دی ہے اسے پر اثر بنا، کیونکہ تو ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! میری خواہش ہے کہ ہر لمحہ ایک نئے طرز سے تیرے دربار میں سوالی بن کر حاضری دوں اور جو کچھ دل میں ہے وہ زبان پر لاؤں، تو نے میرے دل میں اپنا جو ورد رکھ دیا ہے اسے مجھ سے زیادہ تو ہی خوب جانتا ہے اور انجام کار جو چیز میرے دل میں نہیں سماتی اس سے بھی تو ہی اچھی طرح واقف ہے۔

اے اللہ! میں اپنی گریہ وزاری سے تجھ پر کوئی حکم نہیں چلاتا بلکہ جو کچھ عرض کر رہا ہوں وہ سب عاجزی، خاکساری، بے بسی اور مجبوری ہے کیونکہ انسان کو کمزور فطرت عطا کی گئی ہے۔

اے اللہ! نیک لوگ چلے گئے اور جوانمرد رخصت ہو گئے، اب وہ زمانہ آیا ہے، جس میں نیک بن کر رہنا دشوار ہو گیا ہے بلکہ نیکی کا تصور بھی محال ہے لیکن اگر تو قوت دے دے اور تائید فرمادے تو ہر مشکل کام آسان ہے، اے اللہ! جو تھوڑے سے نیک لوگ باقی ہیں ان کی حفاظت فرما تاکہ وہ نیکی پھیلاتے رہیں، ان کی نیکی سے نیکی کی مزید شاخیں اور پھل پیدا کر، ہماری امیدوں کو شاخ در شاخ اور ہمارے دلوں کو اس طرح باغ باغ بنا دے جیسا تو نے شجرۂ طیبہ کی جڑ مضبوط کر کے اس کی شاخیں آسمانوں میں پھیلا دی ہیں جن کے پھل تیرے احکام کے بموجب نیک لوگ کھا رہے ہیں۔

آخر میں دعا ہے اے اللہ! تمام تعریف تیرے ہی لئے ہے، تو تمام جہانوں کا رب ہے، میں نے اپنے کام تیرے سپرد کر دیا ہے اور تو اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

اور درود وسلام ہو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ کے آل و اصحاب پر اور سب نیک لوگوں پر، آمین ثم آمین۔ پیدائش محرم ۹۵۸ھ، وفات ۱۰۵۲ھ۔

(شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی تصنیف اخبار الاخیار کا ایک باب) ♦♦♦

شانِ اولیاء

مقامِ اولیاء نظروں سے جس کی دور ہو جائے
یہ امکاں ہے کہ اس کی زندگی بے نور ہو جائے

عظیم الشان ہیں کیا شان ہیں یہ اولیاء اللہ
اگر انسانیت ہے جسم تو جان ہیں یہ اولیاء اللہ

ہمارے حق میں تو ایمان ہیں یہ اولیاء اللہ
ہمارے حق میں تو عرفان ہیں یہ اولیاء اللہ

محمد مصطفٰےؐ کی شان ہیں اور آن ہیں گویا
محمد مصطفٰےؐ کی جان ہیں یہ اولیاء اللہ

ولی آتے رہیں گے حشر تک اُمت میں احمدؐ کی
یہ شانِ احمدیؐ کی آن ہیں یہ اولیاء اللہ

نبوت ختم ہے تو ولایت ہوگئی جاری
یہی تو خوبیوں کی کان ہیں یہ اولیاء اللہ

ولی اللہ ہے فرمان ہے یہی قرآں کا
یہ دوست اللہ کے ذیشان ہیں یہ اولیاء اللہ

زمانہ فیض پاتا ہے سدا ان کی چوکھٹ سے
فقط فیضان ہی فیضان ہیں یہ اولیاء اللہ

محمدؐ آپ کے مدح خواں ہیں یہ اولیاء سارے
محمدؐ آپ کے دربان ہیں یہ اولیاء اللہ

ہیں گنج علمِ لدنی کے جو سینے اولیاء اللہ
یہی تو حاملِ قرآن ہیں یہ اولیاء اللہ

قسم اللہ کی ظلمت میں ان سے نور پھیلا ہے
جو شمع احمدیؐ کی شان ہیں یہ اولیاء اللہ

وہی تو باخدا ہیں اُن سے بس اللہ نظر آیا
محمدؐ آپ پہ قربان ہیں یہ اولیاء اللہ

وہ الفقر فخری کی خودی میں شان رکھتے ہیں
زمانے بھر کے وہ سلطان ہیں یہ اولیاء اللہ

ولی اللہ ہے ولیوں کا یہ بابؔر سلسلہ جاری
جو دوست اللہ کے فیضان ہیں یہ اولیاء اللہ

محمد ظہیر الدین بابؔر

حل المشکلات

آپ پوچھئے ہم جواب دیں گے، کسی بھی سوال پوچھنے والے کا نام شائع نہیں کیا جائے گا۔
نوٹ: ہدیٰ میں شائع ہونے والے ہر عمل ''حل المشکلات'' سے ہر ضرورت مند کو استفادہ کی اجازت ہے۔

سرائے یا گودام کی تعمیر

سوال: خواب میں دیکھا کہ ہمارا ایک سرائے (گودام یا منڈی ہے) وہ حقیقت میں بھی کچا ہے، صرف دو کمرے پکے ہیں باقی سب کچا ہے۔ مشرق کی طرف کے کچے برآمدے کا کچھ حصہ گرا ہوا ہے یا پہلے سے گرا تھا۔ میں نے سوچا یہ تو گرا ہوا ہے، میں نے اکیلے کام شروع کیا، پہلے چار ستون سیمنٹ کے ساتھ پکی اینٹوں کے ساتھ بنائے جس طرح کمرے کے لئے چار کونوں میں کھڑا کرتے ہیں، پھر چار ستونوں پر شہتیر ڈال کر اوپر سے لکڑی اور چٹائی ڈال دی یعنی ڈھانپ دیا، مٹی یا لپائی نہیں کی۔ پھر آنکھ کھل گئی؟

جواب: آپ کا خواب اچھا ہے اور کسی رکے ہوئے کام میں انشاء اللہ غیب سے مدد ہوگی۔ آپ ہر نماز کے بعد ''یاناصر'' 21 بار پڑھ لیا کریں۔

رشتہ طے نہیں ہوتا

سوال: تین سال ہوگئے ہیں، رشتے آتے ہیں، بات آگے بڑھتی ہے، لوگ پسند کا اظہار بھی کرتے ہیں لیکن بات طے نہیں ہوتی۔ اب میری زندگی کے حالات ایسے ہوگئے ہیں کہ جلد سے جلد رشتہ ہوجانا چاہیے۔ پہلے یہ بات باعث تشویش نہ تھی لیکن اب حالات نے مجھے مجبور کردیا ہے کہ جلد اس کا فیصلہ کرلیا جائے۔ والدین کا انتقال ہوگیا ہے اور میرے علاوہ سب بہنوں کی شادیاں ہوگئی ہیں۔ دو سال پہلے کسی نے مجھے پسند کیا اور میں بھی اس سے متاثر ہوگئی لیکن کوشش کے باوجود ہمارا رشتہ نہ ہوسکا۔ پھر وہ دوسرے شہر چلا گیا۔ بدلتے حالات نے ہمیں ایک دوسرے سے دور کردیا۔ ذہنی طور پر الجھ کررہ گئی ہوں؟

جواب: نماز فجر اور نماز عشاء کے بعد سورۂ توبہ کی آخری آیت گیارہ بار پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کریں۔ اس وظیفے پر کم از کم نوے دنوں تک ضرور عمل کریں اور جن دنوں میں کسی مجبوری سے نہ پڑھ سکیں، وہ شمار کر کے آخر میں پورا کر کے دنوں کی تعداد پوری کر لیں۔ انشاء اللہ قدرت کی طرف سے آپ کے حق میں بہتر حالات جلد پیدا ہو جائیں گے۔

شک وشبہ

سوال: مجھے اپنی بیوی پر شک اور شبہ ہے۔ میں نے کئی مرتبہ اس سے پوچھا بھی ہے مگر اس نے کچھ بھی نہیں بتایا۔ بتایئے میں کیا کروں؟

جواب: بیوی پر بلاوجہ شک وشبہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ شریعت مطہرہ نے اس کی بڑی سخت سزا دی ہے اور زندگی بھر اس مرد کی گواہی قابل قبول نہیں رکھی۔ اسے انتہائی ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ اس لئے آپ بلاوجہ اپنی بیوی پر شک وشبہ نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور توبہ کریں اور اپنی بیوی سے بھی معافی مانگیں کہ میں نے بلاوجہ تم پر شک وشبہ کیا ہے اور اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

مشابہت

سوال: بہت سے مرد آج کل عورتوں کی طرح سے سر پر بال رکھتے ہیں اور چٹیا بناتے ہیں۔ اسی طرح بہت سی عورتیں بھی مردوں کی طرح کے بال بناتی ہیں۔ اس سلسلے میں شرعی حکم کیا ہے۔ کیا اس طرح کی مشابہت جائز ہے؟

جواب: حضور اکرم ﷺ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورت کی طرح کی شکل وصورت بنائیں اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی جو مردوں کی سی شکل وصورت بنائیں اور ان سے مشابہت اختیار کریں۔

عیسائی لڑکی سے نکاح

سوال: کیا کسی مسلمان لڑکے کی شادی عیسائی لڑکی سے ہو سکتی ہے؟ وہ لڑکی اس پر راضی ہے لیکن شادی کے بعد بھی وہ اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہتی ہے۔ کیا شرعاً ایسا ممکن ہے؟

جواب: مسلمان لڑکی کا نکاح تو اہل کتاب لڑکے سے نہیں ہو سکتا۔ البتہ اہل کتاب لڑکی کا نکاح مسلمان مرد سے ہو سکتا ہے۔ اگرچہ یہ افضل اور بہتر نہیں اور یہ نکاح بھی اسی وقت جائز ہے جبکہ وہ واقعی عیسائی ہو۔ اگر صرف نام کی عیسائی ہو اور عقائد ملحدانہ ہوں تو پھر اس سے بھی نکاح جائز نہیں۔ اس لئے ایک مسلمان مرد کو مسلمان لڑکی ہی سے نکاح کرنا چاہئے کیونکہ اس سے (عیسائی عورت سے شادی) اولاد کی تعلیم و تربیت پر بہت برا اثر پڑتا ہے البتہ اگر وہ عیسائی لڑکی اسلام قبول کر لے تو اس کے بعد اس سے نکاح کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔

گلاب کے پھول

سوال: خواب میں دیکھا کہ میں ایک گھر کی گیلری میں ہوں (مگر وہ گھر ہمارا نہیں ہے کوئی دوسرا ہے) پھر گیلری میں جہاں میں ہوں وہاں اذان کی آواز آنے لگتی ہے اور گیلری میں ٹیپ ریکارڈ بھی چل رہا ہوتا ہے، تو میں اسے بہت مشکل سے بند کرتی ہوں۔ اتنے میں میری بڑی بہن آجاتی ہے، پھر میں اپنی بہن کے ساتھ اندر چلی جاتی ہوں جو ایک بہت بڑا ہال ہے۔ وہاں ہال میں ٹیبلوں پر بہت سارے گلابی اور اورنج رنگ کے گلاب سجے ہیں اور ایک تھال میں پانی میں بھی گلاب ہیں۔ وہ گلاب بہت بڑے بڑے ہیں اور میں نے آج تک ایسے گلاب نہیں دیکھے۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ سارے گلاب میری بہن کے شوہر لائے ہیں اور میری بہن نے سجائے ہیں۔ پھر میں اور میری بہن ٹیبل پر بیٹھے ہوتے ہیں تو وہاں بھی ایک اورنج رنگ کا گلاب رکھا ہوتا ہے، مگر وہ اتنا تازہ نہیں ہوتا ہے۔ وہ پھول میری بہن کی بیٹی لینے لگتی ہے تو میں اسے منع کر دیتی ہوں کہ بچوں کو پھول نہیں دیتے۔ پھر میری آنکھ کھل جاتی ہے؟

جواب: آپ کا خواب بہت مبارک ہے۔ انشاء اللہ آپ کو خوشیاں ملنے کا اشارہ ہے۔ آپ بعد نماز عشاء (یالطیف) 1291 بار پڑھ کر دعا کر لیا کریں۔

قرض کا بوجھ

سوال: چھ سات برس سے ہمارا گھرانہ معاشی مسائل کا سامنا کر رہا ہے۔ اچانک پے در پے نقصانات کے بعد ہم قرض لینے پر مجبور ہو گئے۔ اب حالات ایسے ہیں کہ قرض کی ادائیگی بہت مشکل دکھائی دے رہی ہے۔ ہم اپنی مالی حیثیت کے مطابق صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ میرے رشتے سے متعلق ہے۔عمر گزرتی جارہی ہے لیکن کوئی مناسب رشتہ نہیں مل رہا ہے؟

جواب: نماز عشاء کے بعد آیت کریمہ ایک سو ایک بار اور نماز فجر کے بعد آیت الکرسی گیارہ بار اول آخر درود شریف کے ساتھ پڑھ کر دعا کی جائے۔ مزید قرض لینے سے گریز کریں اور محنت، دیانت اور مستقل مزاجی سے کام لیا جائے، اللہ فضل فرمائیں گے۔ رشتے کے لئے نماز عشاء کے بعد اول آخر درود شریف کے ساتھ اکیس بار سورۂ اخلاص پڑھ کر دعا کیا کریں۔

درود شریف کی برکات

سوال: خواب میں دیکھا کہ میرا گھر نہیں ہے، میں کسی اور کے گھر میں کھڑی ہوں، میرے سامنے کوئی غیر انسانی شکل کی انسان نما چیز ہے، میں اسے دیکھ کر بہت ڈرتی ہوں تو غیب سے میرے دماغ میں آواز آتی ہے کہ درود شریف پڑھو، میں درود شریف پڑھتی ہوں تو وہ غیر انسانی چیز آہستہ آہستہ پگھلنے لگتی ہے، جیسے شمع پگھلتی ہے اور اس کا مواد نیچے زمین پر اکٹھا ہونے لگتا ہے اور اس مواد کے اندر بلبلے سے بن رہے ہیں۔ وہ مواد راکھ کے کلر کا ہوتا ہے اور پھر وہ غیر انسانی شکل بالکل ختم ہو جاتی ہے اور میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ کچھ ہی عرصے بعد میں نے دیکھا کہ اپنے گھر کے برآمدے میں کھڑی ہوں، میرے ساتھ دونوں بیٹے جن کی عمریں 20 سال اور 15 سال ہیں، کھڑے ہیں اور ہمارے سامنے نیچے زمین پر ایک لاش پڑی ہے، جس کے اوپر سفید چادر پڑی ہے، شکل نظر نہیں آتی اور مجھے یہ خیال ہے کہ اس آدمی کو میرے دونوں بیٹوں نے قتل کیا ہے، میں بہت پریشان ہوں اور سوچ رہی ہوں کہ ابھی پولیس آئے گی اور میرے بیٹوں کو پکڑ کر لے جائے گی، پھر دل میں سوچتی ہوں کہ کاش یہ خواب ہوتا، لیکن پھر یہ خیال آتا ہے کہ خواب کیسے ہوسکتا ہے۔ میرے سامنے تو لاش پڑی ہے اور پھر پہلے خواب کی طرح بالکل میرے دماغ میں آواز آتی ہے کہ درود شریف پڑھو، میں جیسے ہی درود شریف پڑھتی ہوں، میری آنکھ کھل جاتی ہے؟

جواب: آپ کے خواب میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ کے درود شریف کثرت سے پڑھنے کے معمول سے آپ کو متعدد بار بڑی آفات اور پریشانیوں سے محفوظ رکھا ہے، آپ اس معمول کو

جاری رکھیں۔ انشاء اللہ دینی اور دنیاوی ترقیاں آپ کا مقدر بنیں گی۔

حرام کمائی

سوال: ایک شخص کی کمائی حرام کی ہے، کسی کو کھانے یا چائے پینے کی دعوت دے تو کیا ایسی دعوت قبول کی جاسکتی ہے؟

جواب: اگر کسی کی آمدنی کا زیادہ حصہ حرام کا ہے تب تو اس کی کھانے پینے کی دعوت قبول نہیں کرنی چاہیے اور اگر آمدنی کا زیادہ حصہ حلال کا ہے تو ایسی صورت میں اس کی دعوت قبول کی جاسکتی ہے۔

محافلِ میلاد میں مخلوط اجتماعات

سوال: میلاد، گیارہویں، مجالسِ وعظ، قرآن خوانی اور ایصال ثواب کی محافل میں بے پردہ عورتیں بھی مردوں کے ساتھ شریک ہوتی ہیں۔ اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: ایسی تمام محافل، شادی بیاہ کی محافل یا سماجی تقریبات جہاں مرد وزن کا ایسا مخلوط اجتماع ہو جس میں خواتین غیر محرم مردوں کے ساتھ بے تکلف اور بے حجاب گھل مل جائیں، شریعت کی رو سے یہ جائز نہیں ہے۔ خاص طور پر وہ تقاریب یا اجتماعات جو نیک مقاصد کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے منعقد کی جاتی ہیں، ان میں شریعت کی پاس داری کا زیادہ اہتمام ہونا چاہیے۔

بیروزگاری

سوال: میری عمر انیس سال ہے۔ کئی مسائل کا سامنا کر رہا ہوں، جس میں سب سے بڑا مسئلہ معاشی ہے۔ میں کام کرنا چاہتا ہوں لیکن بیروزگار ہوں۔ میں معاشی مشکلات کے حل میں اپنا کردار ادا کرنا چاہتا ہوں لیکن ناکام ہوں۔ میرا تعلیمی سلسلہ بھی رکتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ میں مسلسل ذہنی دباؤ کا شکار ہوں۔ ہر طرف سے پریشان ہوں اور مسائل نے گھیرا ہوا ہے؟

جواب: نماز فجر کے بعد سورۂ اخلاص تین بار پڑھیں۔ یہ عمل کم از کم چالیس دنوں تک کیا جائے۔ نماز عشاء کے بعد اول آخر درود شریف کے ساتھ تین بار آیت الکرسی پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور کم از کم نوے دنوں تک اس وظیفے پر کاربند رہیں۔

دوران ایام

سوال: دوران ایام کیا عورت دعا مانگ سکتی ہے؟

جواب: دوران ایام دعا مانگی جا سکتی ہے۔

سوال: دوران ایام کوئی وظیفہ پڑھا جا سکتا ہے؟

جواب: اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی سا اسم مبارک مثلاً ''یارحمٰن یارحیم'' پڑھا جا سکتا ہے۔

ریلوے اسٹیشن

سوال: خواب میں دیکھا کہ ہمارے ایک جاننے والے، ان کی پوری فیملی اور میرے ساتھ میرے بچے ہوتے ہیں، ہم سب پنجاب جانے کے لئے ایک ریلوے اسٹیشن پر کھڑے ہیں کہ اب ریل گاڑی آئے گی اور ہم سب پنجاب جائیں گے (حقیقت میں پنجاب میں ہمارا کوئی عزیز نہیں ہے) اتنے میں ٹرین آتی ہے سب لوگ ریل گاڑی میں بیٹھ جاتے ہیں اور ریل گاڑی چلی جاتی ہے لیکن میں اور میرے دو بچے اسٹیشن پر رہ جاتے ہیں پھر میں دیکھتی ہوں کہ میری جوتی گم ہو جاتی ہے میں اپنی جوتی کو ڈھونڈنے لگ جاتی ہوں اور اپنے بچے سے بھی کہتی ہوں کہ میری جوتی کہاں ہے؟ میری جوتی ڈھونڈو، وہاں پر بہت ساری جوتیاں پڑی ہوتی ہیں، میں سوچتی ہوں کہ ان میں سے کوئی پہن لوں تو کوئی چھوٹی ہوتی ہے کوئی بڑی اور کوئی ٹوٹی ہوئی ہوتی ہے۔ پھر میں کہتی ہوں کہ چلو ایسے ہی چلتے ہیں، پھر کہتی ہوں کہ دوسری ریل گاڑی آئے گی تو اس میں بیٹھ جائیں گے۔ پھر میں سوچتی ہوں کہ پتا نہیں وہ لوگ کہاں اتریں گے اور میں کہاں اتروں گی، یہ سوچ کر میں اپنے گھر واپس جاتی ہوں اور اپنے بچوں کے ساتھ باتیں کر رہی ہوتی ہوں تو اچانک پتہ نہیں کہاں سے ایک بچہ سامنے کھڑا ہوا نظر آتا ہے۔ میں اس بچے کے ساتھ کھیلنے لگ جاتی ہوں، پھر میری آنکھ کھل جاتی ہے؟

جواب: آپ کے خواب کے مطابق آپ پر بندش کروائی گئی ہے، جس کی وجہ سے آپ کے اکثر کاموں میں رکاوٹیں حائل ہوتی ہیں۔ آپ (معوذتین) سورۂ فلق، سورۂ الناس روزانہ بعد نماز مغرب 313 بار پڑھ کر پانی میں دم کر کے پی لیا کریں۔ تمام گھر والوں کو یہی پانی پلائیں اور اسی پانی کے چھینٹے گھر کے چاروں کونوں پر بھی ڈالیں، یہ عمل کم از کم 41 دن کریں۔

حصولِ صحت

سوال: والدہ صاحبہ کی صحت ٹھیک نہیں رہتی۔ وہ سالوں سے تو مستقلاً کسی نہ کسی تکلیف میں مبتلا ہیں۔ کبھی جسم میں درد ہوتا ہے اور کبھی نظام ہضم خراب ہو جاتا ہے۔ دوا کے مستقل استعمال سے طبیعت وقتی طور پر ٹھیک ہو جاتی ہے لیکن پھر وہی شکایت شروع ہو جاتی ہے۔ ہاتھوں، پیروں میں کھنچاؤ اور اینٹھن رہتی ہے۔ ذرا سا چلنے سے دل ڈوبنے لگتا ہے۔ نیند بھی کم ہوگئی ہے۔ کمزوری بہت ہے۔ والدہ کہتی ہیں کہ کسی نے ان کا دل مٹھی میں لیا ہوا ہے۔ ڈاکٹروں نے معائنے کے بعد کہا ہے کہ دل کا مسئلہ نہیں ہے۔ بعض ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ کمزوری اور ڈپریشن کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے۔ والدہ مختلف باتیں سوچتی رہتی ہیں۔ اپنی صحت کی خرابی کی وجہ سے زیادہ متفکر اور سنجیدہ رہتی ہیں؟

جواب: علاج ہر صورت میں جاری رکھیں۔ صبح شام پانی پر ایک بار سورۂ فاتحہ اور گیارہ بار سورۂ حشر کی آیت 23 دم کر کے پلائیں۔ والدہ سے کہیں کہ وہ جب بھی فارغ ہوں، زیادہ سے زیادہ "یاحفیظ یاسلام" کا ورد کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ شفائے کاملِ عطا فرمائیں گے، ان شاء اللہ۔

ہیپاٹائٹس سی کی مریضہ کے شوہر کا عقد ثانی

سوال: ایک شخص کی شادی چار پانچ سال قبل ہوئی تھی، اس کے تین بچے بھی ہیں۔ اس کی بیوی کو ہیپاٹائٹس سی ہے۔ ڈاکٹر نے سخت پرہیز بتایا ہے۔ کیا اس صورت میں مرد کو دوسری شادی کی اجازت ہے؟ وہ مرد اپنی پہلی بیوی اور بچوں کی کفالت کی ذمے داری قبول کر رہا ہے۔ اگر کوئی بیوی اور اس کے والدین دوسری شادی کی اجازت نہیں دیتے تو مرد کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: مرد اگر اپنی ازواج کے حقوق ادا کرنے میں عدل سے کام لیتا ہے اور مساوات برتتا ہے تو اسے شرعاً دوسری شادی کی اجازت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، ”تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں، ان سے نکاح کرو، دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے، پس اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ تم (ان میں) عدل نہیں کرسکو گے تو صرف ایک سے نکاح کرو۔“ (النساء:3)

اس آیت میں دلیل ہے کہ جو شخص مالی اور جسمانی طور پر متعدد بیویاں رکھ سکتا ہو، بشرط یہ کہ وہ عدل وانصاف سے کام لے تو ایک سے زیادہ نکاح کرسکتا ہے۔ اور اگر وہ عدل وانصاف کے تقاضے پورے نہ کرسکے تو وہ صرف ایک بیوی کو نکاح میں رکھے۔

مفتیان کرام سے جب دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت سے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب میں لکھا تھا، ”قرآن کریم میں آزاد مرد کو ایک سے زائد شادیاں کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس میں پہلی بیوی کی رضامندی یا عدمِ رضامندی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ ہاں یہ تاکید فرمائی ہے کہ جب ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان میں عدل کرے، سب کے ساتھ یکساں برتاؤ اور بود وباش رکھے اور اگر برابری نہیں کرے گا تو اس پر حدیثوں میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔“

صورت مسؤلہ میں شرعاً وہ شخص دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی کی اجازت کا پابند نہیں ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلی بیوی سے مشاورت کرلے اور پہلی بیوی کو چاہیے کہ خوش دلی سے اسے اجازت دے دے تاکہ باہمی احترام اور محبت کا تعلق قائم رہے اور اولاد کے دل میں بھی والد کا احترام قائم رہے، جس کے لئے ماں ہی انہیں قائل کرسکتی ہے اور اگر ضبط نفس کی قدرت رکھتا ہو اور بیوی اور اولاد کے لیے خواہش نفس کی قربانی دے سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر پائے گا، لیکن اگر گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے تو نکاح کرلے۔ ازدواجی تعلقات میں مساوات سے متعلق علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں، ”(جس کی ایک سے زائد بیویاں ہوں) اس پر عدل فرض ہے یعنی ہر ایک کو اس کا پورا حق ادا کرے، لباس اور نان ونفقہ اور رہنے سہنے میں ہر ایک کا حق پورا ادا کرے (اور جو بات اس کے اختیار میں نہیں، اس میں مجبور و معذور ہے، مثلاً ایک سے محبت زیادہ ہے اور دوسری سے کم) اس میں ماہر ڈاکٹر کی رائے بھی لینا ضروری ہے کہ آیا طبی اعتبار سے ایسی صورت ممکن ہے کہ اپنی بیوی سے ازدواجی تعلق بھی قائم رکھے اور موذی مرض سے بھی بچا رہے کیا وہ بعض احتیاطی تدابیر کرکے مرض سے بچ سکتا ہے۔



شہزادۂ غزل، شہباز ندیم ضیائی

تحریر: قمر سنبھلی

شاعری کا تعلق وہبی صلاحیتوں سے ہے۔ بہت زیادہ لیاقت قطعاً اس کی ضامن نہیں کہ وہ شعر کہنے کی اچھی صلاحیت پیدا کردے۔ ہاں اچھی تعلیمی لیاقت شعر گوئی میں معاون ضرور ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ لاتعداد ایسے اچھے اور معتبر شاعر گزرے ہیں جو خداداد شعری صلاحیتوں کی وجہ سے عروج پر پہنچے۔ آج بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔

عزیز گرامی شہباز ندیم ضیائی کا تعلق ایسے ہی طائفے سے ہے جو بے شک نصابی اعلیٰ تعلیم کے مدارج تو طے نہیں کر سکا، نہ اسے ورثے میں ہی علم و شعر کی دولت مل سکی۔ البتہ فطرت کی طرف سے اسے شعری ذوق عطا ہوا ہے۔ وہ جس قدر بھی ابتدائی تعلیم حاصل کر سکا اس کی مدد سے اس نے اس تعلیم کی کمی کو پیہم مطالعے، مشق و ریاض، اہلِ علم کی صحبتوں اور ان کی ذہنی قربت و تربیت سے اپنے ذوق کی بالیدگی کا سامان فراہم کیا یہی سبب ہے کہ آج اس کا ادبی قد اپنے سے کہیں زیادہ تعلیمی ڈگریاں رکھنے والے بہت سے شعراء کے قد سے اونچا نظر آتا ہے۔ اس میں جہاں عطیۂ خداوندی کا دخل ہے وہیں اس کی توفیق پر شہباز کی محنت، مسلسل انہماک، اپنے بزرگوں اور ساتھیوں سے بھی کچھ نہ کچھ پوچھتے رہنے کی عادت، اچھی محفلوں میں تواتر کے ساتھ شرکت کر کے کچھ حاصل کرنے کا جذبہ........ ان سب نے مل کر معاصرین میں اسے اعتبار پانے اور اپنی شناخت قائم کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ شہباز ندیم کے اب تک پانچ شعری مجموعے "جذبوں کی زبان" (۱۹۸۲ء) دو ایڈیشن۔ "شہباز" (۱۹۹۵ء) "وصالِ موسم" (۱۹۹۷ء کراچی سے) "معجزہ" نعتیہ کلام (۲۰۰۱ء) اور "اِک چراغ تنہا سا" (۲۰۰۳ء) منظرِ عام پر آ کر نہ صرف مقبولیت حاصل کر چکے ہیں بلکہ شہباز ندیم ضیائی کی شاعری کے حوالے سے ایک الگ پہچان قائم کرا چکے ہیں اور یہ بڑی بات ہے شناخت بڑی مشکل سے قائم ہوتی ہے ورنہ کتنے مجموعے آ رہے ہیں لیکن اپنی شناخت سے محروم لہجوں کی بھیڑ میں گم ہو

جاتے ہیں۔شہباز کے ان پانچ مجموعوں کے علاوہ ان کا چھٹا شعری مجموعہ بھی ''گلاب چہرہ'' کے نام سے طباعت کی منزلوں میں ہے۔

اردو اکیڈمی دہلی کی حالیہ ایک دستاویزی کتاب ''بیسویں صدی کے شعرائے دہلی'' دوسری جلد کے صفحہ 752 کے مطابق ''.........۱۹۷۰ء کے آس پاس دہلی کے شعری منظر نامے پر ابھرنے والے......شاعر شہباز ندیم ضیائی.........کا خاندانی نام محمد فاروق انصاری ہے۔ یہ ۲۱ر اکتوبر ۱۹۵۱ء کو دہلی کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے ان کے والد صوفی رحمۃ اللہ انصاری مرحوم سلسلۂ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے تھے.......ایک زمانے میں ان کا بک بائنڈنگ کا کاروبار بہت وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا تھا.........شہباز اپنے اسی خاندانی کاروبار میں مصروف ہیں.........جلد سازی کے لئے آئے ہوئے ادبی و نیم ادبی رسالے و کتابیں پڑھ کر شہباز کے یہاں شاعری کا انکر پھوٹا.........خدا نے تخلیقی ذہن اور موزوں طبیعت ودیعت کی تھی اس پر ضیا خورجوی کی تربیت اور شعری اصلاح و مشوروں نے محمد فاروق انصاری کو شہباز ندیم ضیائی بنادیا.........''

شہباز ندیم اسی نسبت سے ضیائی لکھتے ہیں۔ بے شک شہباز فیاضِ سخن حضرت ضیا خورجوی کے شاگرد ہیں لیکن انہوں نے اپنی راہ خود نکالی ہے۔وہ ہمیشہ استاد کے رنگ سے بالکل الگ خود اپنی شناختِ بنانے کی فکر میں رہے اور کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس میں کامیاب نظر آتے ہیں۔

شہباز نے برصغیر ہندو پاک کے بیشتر دانشورانِ شعر و ادب اور صاحبانِ نقد و نظر کی توجہ اپنی شاعری کی طرف کھینچنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ان کی شعری صلاحیتوں کا جن مشاہیر صاحبانِ قلم نے تحریری اعتراف کیا ہے ان میں حضرت قمر مرادآبادی، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، جناب مشیر جھنجھانوی، استاد ضیا خورجوی، جناب مخمور سعیدی، پروفیسر نثار احمد فاروقی، حضرت قتیل شفائی، قتیل راجستھانی، جناب احسن سلیم (پاکستان) خواجہ رضی حیدر (پاکستان) حضرت تابش دہلوی (پاکستان) پروفیسر مظفر حنفی، پروفیسر شمیم حنفی اور مجروح سلطانپوری جیسے معتبر نام شامل ہیں۔

شہباز ندیم ضیائی نے گزشتہ پچیس تیس برسوں میں شعری افق پر جو تابانیاں بکھیری ہیں اور گلشن ادب میں جو شعری گل بوٹے کھلائے ہیں وہ ان کی ذہانت اور طبع رواں کے مظہر ہیں۔وہ 'بسیار گو' بھی ہیں اور 'زود گو' بھی۔ لیکن ان کی یہ زود اور بسیار گوئی انہیں معیار سے گرنے نہیں دیتی۔وہ حتی الامکان فن اور زبان کا خیال بھی رکھتے ہیں۔ان کے یہاں بہت زیادہ فارسی زدہ

ترکیبیں نہیں ہیں نئی نئی ہندی ترکیبوں سے جملے تراشنا اور نئی لفظیات کی جستجو نیز نئی زمینوں اور مشکل قوافی کی تلاش بھی ان کے ہنر کا حصہ ہے وہ جہاں اپنی شاعری میں ''جملہ سازی'' کے لئے معروف ہیں وہیں محفلوں میں ''جملہ بازیوں'' کے لئے بھی مشہور ہیں بات سے بات پیدا کرنے اور محفلوں کو پرلطف بنانے کا فن بھی شہباز کو خوب آتا ہے۔

شہباز نے جہاں روایتی شاعری کا مطالعہ غور سے کیا ہے وہیں معاصر ادب پر بھی ان کی نگاہ ہے۔ غم دوراں کے ساتھ غم جاناں کی زلفوں کے بھی اسیر ہیں۔ ان کی غزلوں میں ہجر و وصال کی حکایات بھی ہیں اور تلخی روزگار کے تذکرے بھی مگر نئے انداز و اسلوب کے ساتھ عشق و محبت کی دھیمی دھیمی آنچ ان کی غزل میں حسن و بانکپن کا انوکھا رچاؤ پیدا کر کے انہیں ہم عمروں میں ممتاز و ممیز کرتی نظر آتی ہے۔ شہباز کا آبائی تعلق یوں تو امروہہ سے ہے۔ لیکن ان کی پیدائش دہلی میں ہوئی یہیں تمام زندگی گزار دی اس لئے ان میں تمام تر خصوصیات اور بانکپن دہلی کا ہے۔ ربع صدی سے دہلی کی ادبی فضا پر اپنی بھرپور موجودگی کا انہوں نے احساس کرایا ہے۔ انجمن سازی اور مشاعروں کے انعقاد کا بھی سلیقہ و تجربہ ہے۔ اپنی تازہ کار شاعری، محبوب شخصیت اور دوست نوازی کے سبب محفلوں کی جان سمجھے جاتے ہیں اگر انہیں ''شہزادۂ غزل'' کہا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا۔ ابھی الحمدللہ شہباز کا شعری سفر جاری ہے اور یقین ہے وہ اس راہ میں کچھ اور نئے سنگ میل قائم کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ شہباز کی خوش نصیبی یہ بھی ہے کہ غزل کے ساتھ انہیں نعت کہنے کی توفیق ملی اور نعتوں کا مستقل ایک مجموعہ ''معجزہ'' منظرِ عام پر آ کر اس میدان میں بھی انہیں سرخرو ہونے کا شرف بخش گیا پہلے چند شعر نعت کے دیکھیں۔

لالہ و گل نہ کسی تازہ کلی کی خوشبو
چاہئے مجھ کو رسولِ عربیؐ کی خوشبو

سخن طراز ہوا دل برائے مدحِ نبیؐ
جہاں زباں ہوئی ''آمادہ'' ثنائے رسولؐ

کب لائقِ سند تھی مری فکر اے ندیم
ذکرِ نبیؐ سے ہوگئے اشعار معتبر

[illegible] ہم ان کے غزلیہ کلام سے لطف اندوز ہوں۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ شہباز

کے یہاں غمِ دوراں اور غمِ جاناں دونوں کا حسن ہے ان کی غزلوں میں جمالیات کا عنصر خاصا گہرا اور بالیدہ ہے جس نے ان کی غزل کو نئی لفظیات کے حوالے سے روایت سے مربوط رکھا ہے۔ دیکھیں غزل کے یہ شعر۔

جمالِ حسنِ مکمل کا سلسلہ ہے کہ تو
یہ میرے سامنے کیا شے ہے آئنہ ہے کہ تو

مرے سخن کی عبارت ہے یا ترا چہرہ!!
مری غزل کا کوئی تازہ قافیہ ہے کہ تو

غزل کا حسن ان کی سخت اور مشکل زمینوں میں بھی برقرار رہتا ہے اور وہ سنگ لاخ زمینوں اور مشکل قوافی میں بھی بڑی سلامت روی سے گزرتے نظر آتے ہیں۔

دور نظروں سے ابھی حسنِ فلق ہے جاناں!
پھر بھلا چہرۂ شب کس لئے فق ہے جاناں!

میری آنکھوں میں ہے روشن تری آنکھوں کی چمک
میرے رخ پر ترے چہرے کی شفق ہے جاناں

اور یہ انداز بھی ذرا دیکھیں جس میں دل کی کسک بھی شامل ہوگئی ہے اور نزاکتِ خیال کی جلوہ ریزی بھی۔

ابھی تو یادیں سسکتی ہیں میرے سینے میں
ابھی تو آنکھیں رہیں گی لہو لہو کچھ دیر

جمالِ شعلۂ احساس بجھ نہ جائے کہیں
تو میری سانسوں کو اپنے نفس سے چھو کچھ دیر

حساس شاعر کے یہاں جہاں زمانے کے دکھ آئینہ بن جاتے ہیں وہیں دل کے معاملات اور درد کی کائنات بھی اسے اپنی ذات کی تلاش اور جستجو کے لئے اکساتی رہتی ہے اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

درد کی کائنات میں نصف صدی گزر گئی
مجھ کو تلاش ذات میں نصف صدی گزر گئی

دل کے معاملات کا مسئلہ حل نہ ہو سکا
دل کے معاملات میں نصف صدی گزر گئی

شہباز واقعی ''دل'' اور ''کائنات'' کے مسائل سے جوجھتے زندگی کی نصف صدی گزار آئے ہیں اور جب وہ وقتِ رفتہ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو یادیں انہیں اداس کر جاتی ہیں۔

گزشتہ یادوں کو خود میں سمیٹ کر کل شب
اداس بیٹھا رہا میں کنارِ جُو کچھ دیر

اور پھر خود کلامی کے انداز میں اور اپنے دل میں مکیں محبوبہ سے یوں مخاطب نظر آتے ہیں۔

سہل مت جان کہ ہم اہلِ وفا جانتے ہیں
مرحلہ عشق کا کس درجہ ادق ہے جاناں

شاعر دل اور کائنات کے غموں سے اکتا کر جھنجھلاہٹ یا مایوسی کا شکار نہیں ہوتا وہ حدِ ممکنات بھی پار کر جانے کا حوصلہ رکھتا ہے۔

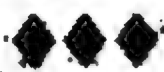
میں نکل آیا تو ہوں حدِ گماں سے آگے
مجھ کو جانا ہے ابھی اور یہاں سے آگے
اے مرے تیز نفس ایسی بھی عجلت کیا ہے
اک مقام اور بھی ہے منزلِ جاں سے آگے

شہباز ندیم ضیائی جہاں نئی زمینیں تلاش کر کے انہیں سیراب کرتے ہیں وہیں قدیم استادوں کے نقوشِ قدم کو بھی آنکھوں سے لگانے کو سعادت سمجھتے ہیں تبھی وہ اس طرح کے اشعار کہہ کر ان قدیم اساتذۂ فن کو گویا خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

یہ اور بات کہ مثلِ گل رمیدہ نہیں
ہجومِ غم میں بھی شہباز آبدیدہ نہیں

جو میرے شانوں پہ روشن ہے میرا اپنا ہے
یہ چہرہ میں نے کسی اور سے خریدہ نہیں

یہ اپنا چہرہ اور اپنی آواز رکھنے والا شاعر! ابھی محوِ سفر ہے۔ یقیناً شعر و ادب کی وہ نئی منزلیں سر کرے گا۔ (انشاءاللہ)





قارئین ہدیٰ کے مراسلات

اسلامی معاشرے میں مسجد اور مدرسہ کا کردار

میں قارئین کی توجہ مساجد کے تحفظ کی طرف دلانا چاہتی ہوں۔ مسجد اور مدرسہ کو اسلامی معاشرے میں مرکزی اور کلیدی حیثیت دی گئی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ میں آکر سب سے پہلے مسجد تعمیر کرائی تھی، یہی مسجد عدالت، مکتبہ، مشاورت اور جنگ کے بعد مال غنیمت کی تقسیم کی جگہ تھی اور اصحاب صفہ کی تعلیم بھی وہیں جاری رہتی تھی۔ اسی مسجد اور مدرسہ سے سوجھ بوجھ حاصل کر کے صحابہ کرامؓ نے دنیا فتح کی۔ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ یہ علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ مدارس اور مساجد کو مضبوط کریں۔ مدارس اور مساجد سے دوسرے بہت سے اہم کام بھی لئے جاسکتے ہیں جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے کر کے دکھایا۔ اسلامی اسپرٹ کے مطابق معاشرے کی تشکیل میں مسجد اور مدرسہ کے کردار کو موثر بنانے کی کوشش کریں۔

(مبین ندیم......دہلی)

احتساب کی ضرورت

قارئین! آج کے اس پر آشوب دور میں اگر ہم من حیث القوم اپنا احتساب کریں تو ہمیں خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ ہمیں کیا ہو گیا ہے۔ ہم ہر نماز میں بار بار یہ اعتراف کرتے ہیں کہ اے اللہ تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں لیکن عملی طور پر ہمارا کردار کیا ہے......! دولت کی ہوس نے ہمیں اندھا کر دیا ہے۔ ہم مسلمان ہیں لیکن ہماری زندگی غیر اسلامی ہے۔ ہم قرآن کو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب مانتے ہیں لیکن اس پر عمل کرنے کو تیار نہیں۔ ہم ہادی برحق ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے ہیں لیکن ہمارے طرز زندگی سے منافقت ٹپکتی ہے۔ ہمیں اس

بارے میں سوچنا ہوگا اور اپنی ترجیحات بدلنا ہوں گی، اپنی زندگی کا ضابطۂ عمل تبدیل کرنا ہوگا۔ اخوت ومحبت، بھائی چارے، سادگی اور مساوات کو فروغ دینا ہوگا، تبھی جاکر معاشرے میں اعتدال قائم ہوگا اور ہم دونوں جہانوں میں کامیاب وکامران ہوں گے۔ والسلام

(ایم جمیل دانش............حیدرآباد)

بگڑتے ہوئے ثقافتی رخ

مکرمی! میں ھدیٰ کی وساطت سے اپنے ہم وطن بھائیوں کی توجہ ایک اہم مسئلہ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ آج ہماری قوم بالخصوص نوجوان اپنی روایات، تاریخ اور ثقافت سے بیگانے نظر آتے ہیں۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا لباس، گفتار اور چال ڈھال بے حیائی کے سانچے میں ڈھل کر فحاشی کی حدوں کو چھو رہی ہے۔ ان کا کوئی رخ ایسا نہیں جو انہیں کسی صالح قوم کے باکردار افراد ثابت کر سکے۔ ہمارا نوجوان طبقہ فکر ونظر کے اس تضاد کا شکار ہے جس کا مقصود آوارگی ہے۔ یہی حرکات زوال آمادہ اقوام وافراد کی ہوا کرتی ہیں۔ ہمارے معاشرے کے اس بگڑتے ہوئے ثقافتی انداز میں سب سے نمایاں ہاتھ ذرائع ابلاغ کا ہے۔ اس ضمن میں ٹیلی ویژن کا کردار سب سے زیادہ قابل اعتراض ہے۔ ہمارا دین چادر اور چار دیواری کے تحفظ کا ضامن ہے مگر ٹیلی ویژن اور فلموں میں حوا کی بیٹی کو جس انداز سے پیش کیا جارہا ہے وہ اہل دل کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

(محمد عظیم شہزاد، کانپور)

حقوق نسواں اور مغرب

قارئین ھدیٰ! اسلام سے پہلے عورت کو جو حیثیت حاصل تھی اور پھر ہمارے دین نے اسے کیا مرتبہ دیا، اس سے ہم سب واقف ہیں۔ سورۂ النساء اور سورۂ حجرات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ نے مرد وزن کو ایک نفس سے پیدا کیا اور اس کے جوڑے پیدا کئے۔ اس طرح یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام نے معاشرے میں مرد اور عورت دونوں کو یکساں مقام دیا ہے۔ مرد کو محض مرد ہونے کی بنا پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے، عورت کو بھی اپنی عزت نفس، آزادئ رائے اور دیگر امور پر مرد کے برابر حقوق حاصل ہیں۔ اسلام نے عورت کو ہر طرح کے حقوق سے

نوازا ہے، اس کی کفالت کی ذمہ داری مرد کے سپرد کردی گئی ہے، جنت ماں کے قدموں تلے رکھ دی گئی ہے، کیا ایسا درخشاں نظام کوئی اور ہو سکتا ہے.............؟ اس کے برعکس مغرب میں عورت اور مرد کی مساوات کے غلط تصور نے عورت کو اس کی فطری خوبیوں سے بے بہرہ کر دیا ہے، وہاں مرد عورت کی کفالت کی ذمہ داری لینے کو تیار نہیں، خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر ختم ہو چکا ہے۔ اب مغرب کی نظریں ہمارے درخشاں نظام پر ہیں اور آزادیٔ نسواں کا نعرہ لگا کر ہماری عورت کو بھی گہری پستیوں میں ڈھکیلنے کا عزم کر لیا گیا ہے۔ یہ زہر ہمارے معاشرے میں سرایت کرنے لگا ہے۔ یہ بے راہ روی کا راستہ ہے، جہاں اعتدال اور انسانیت نظر نہیں آتی کیوں کہ توازن اور بقا صرف اور صرف اسلامی نظام حیات ہی میں ہے۔

اللہ ہمیں راہ ہدایت عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام

صبا ارم، الہ آباد (یوپی)

حجاب کیوں ضروری ہے

مکرمی!

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں اگر ہم اپنے معاشرے پر نگاہ ڈالیں تو افسوس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ آج ہمارے معاشرے میں فحاشی، بے پردگی، عریانیت اس حد تک گھر کر گئی ہے کہ ہر گھر میں اس کا مظاہرہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ آج کل کی خواتین پردے کو بوجھ محسوس کر رہی ہیں۔ حالانکہ پردہ ہی عورت کی زینت اور اس کی عزت و عصمت کا نگہبان ہے اور عورت کو پردے ہی میں رہنا بہتر اور مناسب ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ''اور مسلمان عورتوں کو حکم دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں مگر جتنا خود ہی ظاہر ہو۔'' لیکن آج معاملہ اس کے برعکس نظر آتا ہے۔ شریعت نے جسے پردے میں رہنے کا حکم دیا ہے وہ آج بے پردہ ہو کر گھومتی ہے اور عریاں لباس پہن کر لوگوں کے سامنے اپنا بناؤ سنگھار ظاہر کرتی ہے۔ آج کل کی خواتین نقاب بھی لگاتی ہیں تو برائے نام لگاتی ہیں کھلے اور ننگے سر بازار اور سڑکوں پر گھومتی رہتی ہیں جو بہت ہی افسوسناک بات ہے۔ آج کل ایسی خواتین کے ساتھ عصمت دری کے واقعات زیادہ رونما ہوتے ہیں جو بے پردہ رہتی ہیں اگر وہ پردے میں رہیں تو اتنا ضرور ہے کہ اس کی عزت و عصمت محفوظ رہے گی۔ ضرورت

اس بات کی ہے کہ مسلم خواتین موجودہ دور کی بے حیائی اور عریانیت سے اجتناب کریں اس لئے کہ موجودہ دور کی بے حیائی قیامت کے تصور سے کم نہیں ہے۔

محمد ضیاء المصطفیٰ صدیقی
جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو، یوپی

کشفِ علوم نمبر

جناب راہی انکل السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ رب العزت کے فضل سے ہم لوگ خوشحال ہیں۔ اللہ کے فضل سے ہدیٰ کا پورا اسٹاف بخیر ہوگا۔ ماہ فروری کا خاص نمبر موصول ہوا۔ اصحاب رسول نہایت قابلِ احترام ہے۔ ہم سب کو ہدیٰ کا بہت انتظار رہتا ہے۔ والدین اور بہن بھائی ہدیٰ کے مطالعہ کے بہت شوقین ہیں۔ خاص نمبر اور ماہنامہ کی خاص لائبریری تیار ہو چکی ہے۔ اللہ رب العزت آپ سبھی کو دنیا و آخرت میں عزت کا مقام عطا فرمائے۔

آپ کی جو نیک کاوشیں ہیں خاص نمبر کے ہدیٰ، آپ کی محنت قابلِ تعریف ہے۔

خاص نمبر میں :ا۔ فہم حدیث نمبر۔۲۔ امامِ اعظم نمبر۔۳۔ دیدارِ نبی نمبر۔۴۔ فہم القرآن نمبر۔۵۔ عظیم نقدس نمبر۔۶۔ توبہ استغفار نمبر۔۷۔ عہد ساز نقوش اسلام نمبر۔۸۔ فہم سیرت رسول نمبر۔۹۔ ملائکہ نمبر۔۱۰۔ علامت قیامت نمبر۔۱۱۔ لبیک اللھم لبیک نمبر۔۱۲۔ شیخ عبدالقادر جیلانی نمبر۔۱۲۔ احوال قبور نمبر۔۱۳۔ عظیم اولیاء نمبر مکمل دس حصے۔۱۴۔ جنت الفردوس نمبر۔۱۵۔ جنات اور شیاطین نمبر۔۱۶۔ دین وفہم دین نمبر۔ اور بھی نمبر ہیں جو ہمارے پاس موجود نہیں۔ ان نمبروں کی اشاعت آپ کی دن رات شدید محنت کا پھل ہے۔ اب اصل بات کی طرف آتے ہیں۔

اس سال (کشف علوم) کشفِ علوم نمبر کی تیاری کر کے کشفِ علوم نمبر شائع کیجئے۔ اس کشف علوم کے واقعات اور ولی اللہ کے خاص قصے اور فضیلت کے بارے میں بتائیے ہم آپ کے بہت ممنون اور مشکور رہیں گے۔ آمین۔ اپنی دعاؤں میں والدین بہن بھائی ہم سب کو یاد رکھئے۔

فقط
صدیقی نسرین اقبال۔ آمبہ جوگائی

جتنا ہی دباؤ گے اتنا ہی یہ ابھرے گا

مکرمی!

آہ دل کی دنیا بدل گئی، چین وسکون کھو گیا، زبان افسردہ قدم لرزیدہ ہو گیا، سانسیں رک گئیں، جب حیدرآباد کی مکہ مسجد میں نماز جمعہ کے دوران شدید بم دھماکہ ہوا، اسی افراتفری کے دوران مشتعل لوگ مسجد سے باہر نکلنے لگے تو پولس کے عملہ نے فائرنگ کی جس کی وجہ سے پتھراؤ کی نوبت آئی اور حیدرآباد کی سرزمین معصوموں کے خون سے رنگین ہوگئی۔ افسوس صد افسوس آئے دن مسلمانوں کے ساتھ اس طرح کی وارداتیں اور حادثے مختلف شکلوں میں رونما ہوتے رہتے ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اسلام کی بیخ کنی اور اس کے فرزندوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے اسلام دشمن عناصر کیسے کیسے حربے اور سازشیں اختیار کرتے ہیں۔ کبھی تو بابری مسجد کو شہید کرکے مسلمانوں کے دلوں پر زخم لگاتے ہیں، تو کبھی حیدرآباد کی مکہ مسجد میں بم دھماکہ کے ذریعہ ان کے زخموں پر نمک چھڑکتے ہیں اور ان ہی جیسے کارناموں سے ہندو مسلم اختلاف اور نفرت و عصبیت کو پروان چڑھاتے ہیں۔ مسلمانوں پر دن دہاڑے ظلم، کھلے عام دھماکے، ملت اسلامیہ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی سازش کس رو سے حق ہے؟ کیا یہ ظلم اور دہشت گردی نہیں ہے؟ سہراب الدین اور کوثر بی کا قتل انصاف کا گلا گھونٹنا نہیں ہے۔ حیدرآباد کی مکہ مسجد کو معصوم مسلمانوں کے خون سے سیراب کرنا ظلم نہیں ہے؟ پروین توگڑیا کی تبلیغی جماعت کے خلاف بیان اور ان پر امریکہ کے ورلڈ ٹریڈ پر ہوئے حملے کی بہتان تراشی قابل مذمت نہیں ہے؟ ان سب کے باوجود ہماری حکومت ہمارے دشمنوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا رہی ہے۔ ہم ارباب حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ اس فرقہ وارانہ فساد پھیلانے والے ناپاک عناصر کو ختم کرنے کی سعی پیہم اور اس کے ملزمین کو کیفر کردار تک پہنچانے کی انتھک کوششیں کریں۔

ابو اللیث الحسنی گھنڈیاوی
دارالعلوم دیوبند، اتر پردیش

"ہدیٰ" کے عظیم نمبر

محترم ایڈیٹر صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کرتا ہوں کہ آپ مع خاندان حضورؐ پاک کے صدقہ میں خیر و عافیت سے ہوں گے۔
پروردگار عالم اپنے حبیب پاک کے صدقے میں آپ کو سنت اور جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل کو ہر مسلمان کی نظروں میں اس ''ہدیٰ عظیم'' کے ذریعہ عطا کریں اور آپ کو جناب رسولؐ پاک کے صدقے میں آپ سب خاندان کو اپنے نور پاک سے مالا مال کریں۔ آمین۔
محترم مولانا صاحب میں نے ہدیٰ خریدنے کے لئے چار سو روپے روانہ کئے ہیں۔ M.O. کے ذریعہ جس میں ھدیٰ کے جن عظیم نمبروں کی ضرورت ہے ان کو لکھ دیا ہے۔ مہربانی فرما کر آپ ضرور روانہ کریں اور دوسری کتابیں ہدیٰ کی جو بھی ہوں ان سے مطلع کریں کیوں کہ مدراس میں بک ڈپو برابر اس ''ہدیٰ'' کو نہیں خریدتے ہیں۔

والسلام

Dr. Abdul Nasir
No. 10 Sasi Nagar
VE LACHEERY
CHENNAI-42

کہاں کا انصاف؟

مکرمی السلام علیکم!
گزشتہ جمعہ ۱۸ مئی ۲۰۰۷ء کو مکہ مسجد میں ہوئے بم دھماکے میں مسلمانوں پر پولس کی طرف سے ہوئے ظلم کی تصاویر آنکھوں سے گزری ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اگر اس ظلم کی داستان کو حیوان دیکھ لیتے یا محسوس کر لیتے تو وہ بھی شرم سے گردن خم کر دیتے۔ مسلمانوں کی لاشیں بم دھماکے سے خون میں تربتر تھیں، جس میں لوگ تو زخمیوں کو ہسپتال پہنچانے میں لگے تھے۔ ان پہنچانے والوں کو پولس نے اپنی بندوق کا نشانہ بنایا جس سے مسلمانوں کی ہلاکتوں میں اضافہ ہوا۔ ان نمازیوں پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے پتھراؤ کیا ہے۔ یہ سراسر غلط ہے۔ کسی بھی نیوز اور کسی بھی ویڈیو میں پتھراؤ کرتے نہیں دکھایا گیا۔

ہاں البتہ اپنے رنج و غم کا اظہار چپلیں پھینکتے ہوئے کیا تو ان چپلوں سے کتنی پولس زخمی ہوئی اور کتنوں کو چوٹ آئی؟ اور ان چپلوں کا جواب بندوق سے دینا کس حکومت کا انصاف ہے؟ بنا لاٹھی چارج اور آنسو گیس چھوڑے ڈائریکٹ بندوق سے مسلمانوں کے ساتھ درندہ جیسی حرکت کیا

معنی رکھتی ہے۔ مسلمانوں ہی کے ووٹ حاصل کر کے مسلمانوں ہی کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر مسلمانوں ہی کے خون کو پانی سے بھی زیادہ بے قیمت کر کے بہانا کہاں کا انصاف ہے؟

ابن عبدالماجد رحیمی قاسمی
سہارنپور، اتر پردیش

دین وملت کا شاہکار

محترم واجب الاحترام راہی صاحب قبلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دین وملت کا شاہکار ماہنامہ ھدیٰ حسب معمول مطالعہ میں آرہا ہے۔ حمد ونعت کی محفل میں بڑا لطف آرہا ہے، اگر آپ ان دونوں کالموں کے صفحات رنگین کردیں تو تھوڑی سی چاشنی اور بڑھ جائے گی۔ خواتین کے صفحات میں دینی اشعار بھی شامل کریں، بچوں کے لئے لطائف، سائنسی معلومات اور پہیلیوں کے صفحات کا بھی اضافہ فرمائیں۔ مستقل کالموں میں تبدیلی لائیں، درس قرآن اور ارشاداتِ رسولؐ کے صفحات محدود ہیں ان کو بھی وسیع کریں۔ پرانے سیٹنگ گیٹنگ میں بھی تبدیلی کی اشد ضرورت ہے۔ محترم اب ہر جگہ تبدیلی آگئی ہے کمپیوٹر کا زمانہ ہے۔ میں یہ بھی مانتا ہوں کہ کتابت طباعت میں خرچ زیادہ آئے گا مگر اس کمی کو تو دور کرنا آپ کا ہی کام ہے۔ میں تو بار بار آپ کو اپنے نیک مشوروں سے نوازتا رہوں گا، ھدیٰ میں ایک اور کالم جو دور حاضر کا تقاضہ ہے وہ یہ کہ انعامی مقابلہ جس میں کم سے کم پانچ اسلامی سوالات ہوں یہ انعامی مقابلہ بھی ھدیٰ کے لئے میل کا پتھر ثابت ہوگا۔ ھدیٰ پڑھنے والوں کی تعداد کئی گنا زیادہ بڑھنے کے ساتھ ساتھ ایک نئے دور کا آغاز ہوگا اور نئی نسل بھی اس سے فیضیاب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ادارے کے اندر ایک نئی روح پھونک دے۔ ادارہ جن مالی بحران کا شکار ہے اللہ پاک آپ کے اندر حوصلہ اور توانائی عطا فرمائے۔

غلام نبی
میر شیکار ٹولہ، دربھنگہ (بہار)

نئی نسل کے لئے مشعل راہ

مکرمی جناب راہی صاحب ایڈیٹر ھدیٰ السلام علیکم!

گزارش یہ ہے کہ میں ایک مشائخ گھرانے کا سپوت ہوں اور میرے گھر کا ماحول بھی یہی ہے میں تقریباً بائیس سال سے پابندی سے ہدیٰ لیتے اور پڑھتے آرہا ہوں اور پڑھنے تک چین نہیں پڑتا۔ یہ نئی نسل کے لیے مشعلِ راہ ہے اور جانکاری کے لئے توبہ استغفار ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہدیٰ کی شان وشوکت کو سلامت رکھے اور برکت دے اور خصوصاً خاص نمبر بہت ہی اچھے ہوتے ہیں اور ان میں اولیاء نمبر اور بھی بہت اچھا ہوتا ہے پڑھنے کے بعد ایمان بیدار ہو جاتا ہے اور تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ سوچنے پر دل پسیج جاتا ہے جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ بغداد سے لے کر ہندوستان، پاکستان، افغانستان اور بنگلہ دیش کے گوشے گوشے تک سینکڑوں تذکرے، بیشمار عجیب وغریب حکایات اور داستانیں ہیں۔ مگر اس شہر حیدرآباد ضلع ورنگل موضع قاضی پٹھہ کا ذکر نہیں ہے اور سید شاہ افضل بیابانیؒ کا نام اور تذکرہ ابھی تک نہیں دیکھا۔ آپ موضع قاضی پٹھہ میں مدفون ہیں یہ دنیا کا تیسرا ہرا گنبد ہے اور روزانہ عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا ہے اور دور دور سے لوگ آتے ہیں اور ماہ صفر میں ان کا عرس ہوتا ہے۔ صندل چراغاں ہوتے ہیں۔ آٹھ دن عرس ہوتا ہے اور یہ ہندوستان کا تیسرا بڑا عرس ہوتا ہے۔ میرے والدان کے بیٹے کے خلیفہ ہیں اور میں ان کے پوتے کا جاننے والا ہوں۔ میرا بچپن یہیں گزرا اور اب مستقل حیدرآباد میں ہوں اور میرے والد نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں شجرۂ خاندان بیابانی اور ضیاء بیابانی اور پنج گنج لکھی ہے افضلِ کرامات ہیں۔ جیسا کہ پنج گنج کو کلکتہ اردو اکیڈمی سے پانچ ہزار روپیہ انعام بھی ملا ہے، اور اب (عرفانِ افضل) کے نام سے ایک کتاب چھپی ہے ان کے پورے حالات اور کرامات مکمل اس میں ہیں۔ یہ ہدیٰ کے سائز کی کتاب ہے اگر اجازت دیں تو (عرفانِ افضل) رجسٹری پوسٹ کردوں آپ کے کتب خانے میں اضافہ ہوگا اور ان کے حالات سے پوری جانکاری ہوگی۔ اس کے بعد آپ سمجھتے ہیں ان کے حالات کا ذکر آئندہ اولیاء نمبر میں آئے گا تو مجھے بہت خوشی ہوگی اور مسرت سے سرشار ہو جاؤں گا چونکہ نسبت مجھے انہیں سے ہے اور ہدیٰ کا خانہ اولیاء نمبر سے پر ہو جائے گا۔

میر صابر علی
سول انجینئر
وجے نگر کالونی، حیدرآباد

(نوٹ: ضرور بھیجئے اگر ہدیٰ میں شائع نہیں ہوا ہے تو ضرور شائع کیا جائے گا۔)

دین مبین کی خدمت

محبِ گرامی احمد مصطفیٰ راہی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

الحمدللہ بخیر ہوں، آپ کی خدمت میں پہلی بار شرف ملاقات کی خاطر گفتگو بار ہوں۔ ھدیٰ کا لگ بھگ ۲۵ سال سے مطالعہ کر رہا ہوں۔ ادھر مصروفیت زیادہ تھی اس لئے لگ بھگ سال بھر سے اس کے مطالعہ سے محروم ہوں۔ آج ہی اپریل کا شمارہ لایا اور اس کے مطالعہ کے بعد یہ خیال آیا کیوں نہ آپ کا بھی دوسرے ادبی اور مذہبی رسائل کی طرح عملی تعاون کروں۔ اس شمارہ میں قمر سنبھلی وغیرہ کی تخلیق دیکھی۔ قمر سنبھلی صاحب اچھے نعت گو شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ خاکسار بھی کئی رسائل میں نعت کے حوالہ سے یاد کیا جاتا ہے۔ چند تخلیقات اس امید پر ارسال کر رہا ہوں کہ اشاعت ہونے کی صورت میں اس کی ایک کاپی ضرور ارسال کریں گے۔ ایسی صورت میں آپ کے ایما پر مزید اپنی نثری اور شعری تخلیقات آپ کے معیاری مذہبی رسالہ کو ارسال کروں گا۔

قابل مبارک باد ہیں آپ اور آپ کے اراکین جو ھدیٰ کے توسط سے دین مبین کی خدمت کے ساتھ ساتھ اردو کی اشاعت وترویج میں حصہ لے کر دونوں کا حق جزوی طور پر ادا کر رہے ہیں۔ عظیم اولیاء نمبر کے اعلان سے یک گونہ خوشی ہوئی۔ خاکسار کا تعلق شہر شہباز یہ سے ہے۔ امید ہے کہ سراج اولیاء مولانا شہباز علیہ الرحمہ کی شخصیت پر بھی کوئی مضمون ہوگا۔ آپ کا حکم ہوگا تو میں ایک مختصر خاکہ (مضمون) آپ کو لکھ کر بھیج دوں گا۔ امین احسن اصلاحی کا مختصر مضمون قابل قدر ہے۔ تمام مشمولات قریب قریب معیاری ہیں۔ کاغذ کا معیار البتہ کم ہے۔ آپ کو رابطہ کے لئے ذاتی نمبر (موبائل نمبر) ارسال کر رہا ہوں۔ آپ اگر مناسب سمجھیں تو اپنا ذاتی نمبر عنایت فرمائیں تو مزید آپ سے تفصیلی گفتگو کر سکوں۔ دعاؤں کا طالب

محمد فرحت حسین خوشدل

شعبہ اردو + ۲ اسکول، ہزاری باغ۔ 825301

ذرا اپنے ملک کو بچاؤ

مکرمی!

فرضی انکاؤنٹر میں اگر ملک کے محافظ ہی ملوث ہو جائیں تو ملک کو کیسے بچایا جا سکتا ہے۔

ہر شخص مودی کو قتل کرنے آ رہا ہے۔ لیکن کیوں؟ یہ لیڈر کہلانے کے لائق نہیں جو معصوم عورتوں سے بھی خائف ہے۔ ان کی جیبوں سے پرچے بھی نکلتے ہیں کہ یہ کون تھے اپنی پہچان اپنے ساتھ لئے پھرتے ہیں۔ دیش بھکتی کے نام پر معصوم کے خون سے نہا رہا ہے یہ انسان۔ یہ انسان نہیں درندہ ہے۔ گجرات میں انسانیت اور جمہوریت کا جنازہ نکل چکا ہے۔ پولس والوں کو تفتیش کی ضرورت ہی نہیں کیوں کہ مرنے والے خود ہی بتا دیتے ہیں کہ ہم کون تھے کیوں آئے تھے؟ اس کے بعد انعامات کے حقدار ہو جاتے ہیں۔ اس معاملے میں میڈیا کا رول قابل تعریف ہے جو حقیقت کو سامنے رکھ دیتے ہیں۔

گجرات کے نہ جانے کتنے بے گناہ بچے اور خواتین شامل ہیں جو فرضی مڈبھیڑ میں ماری جاتی رہی ہیں۔ ہندوستان میں حساس اور سیکولر شہریوں کا سر شرم سے جھک جاتا ہے کہ ہمارے ملک میں یہ کیا ہو رہا ہے۔ آئے دن جیش محمد اور لشکر طیبہ کا نام لے کر بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ یہ انسان نہیں بلکہ انسانیت کے نام پر بدنما داغ ہیں، جو صرف خون ہی کرنا جانتے ہیں۔ کیا ایسے رہنماؤں کو ملک کی قیادت کا حق حاصل ہے؟ بالکل نہیں۔ معصوموں کا خون ضرور رنگ لائے گا انسان ابھی زندہ ہے۔ جمہوریت نے دم نہیں توڑا ہے۔

اس انسان کو دیش بھکت کہا جاتا ہے جس کے ہاتھوں معصوموں کے خون سے رنگے ہوں۔ لعنت ہے ایسے محافظوں پر، اپنی ہی ماں بیٹیوں کی عزت تار تار کرنے سے نہیں چوکتے اور پھر انہیں جلا بھی دیتے ہیں تاکہ ثبوت بھی مٹ جائے۔ پولس والے ایسا جرم کرتے ہوئے اس حلف کو بھلا دیتے ہیں جو انہیں دیش کے لوگوں کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ جموں و کشمیر اور گجرات کی داستانیں رونگٹے کھڑے کر دیتی ہیں۔ جہاں ہزاروں شہری لاپتہ ہیں۔ ان کی مائیں اپنی اولاد کی شکل دیکھنے کو تڑپ رہی ہیں۔ عوام کو اس ظلم کے خلاف آواز اٹھانی چاہئے۔ ان واقعات نے انسانیت کو جھنجھوڑ دیا ہے۔

سنجیدہ رحمان
816، چھتہ شیخ منگلو، جامع مسجد۔ دہلی۔6

قتل ہم کیوں ہوئے

مکرمی!

ملک کی موجودہ صورت حال اور اس میں ملک کی ایک بڑی اقلیت کے ساتھ ہونے

والے سلوک پر رونا آتا ہے اور موجودہ حکومت اور ریاستی حکومتوں اور پولیس و قانون کے طریق کار کو دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ آج مظلوم ہونا بھی سب سے بڑا جرم ہے۔

حال ہی میں حیدرآباد کے بم دھماکہ کے بعد وہاں کی پولیس کے ظالمانہ رویہ پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے۔ بم دھماکہ مسجد میں ہوا، اس پر جذبات سے مغلوب ہو کر احتجاج کرنے والوں پر پولیس کی فائرنگ سے مسلمان مرے حیرت تو یہ ہے کہ لوگوں پر پولیس نے گولیاں چلائیں۔

جانچ ایجنسیاں گھوم پھر کر مسلمانوں ہی کی نشاندہی کرتی ہیں لشکر طیبہ یا کسی اور نام سے منسوب کچھ مسلمان نوجوانوں کو پکڑ لیا جائے گا۔

پچھلے دنوں دہلی کی ایک کالونی میں مدرسہ کے ایک استاد مولانا کمال الدین کو پولیس نے جس درندگی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا اس پر مرکزی حکومت، ریاستی حکومت کے کسی ذمہ دار نے اظہار ہمدردی کے الفاظ نہیں کہے ہاں یہ ضرور ہوا کہ جب بعض تنظیموں کے ذمہ دار مقتول کے گھر والوں سے ملنے گئے تو پتہ چلا کہ مقتول کی بیوی اور سالے اور دوسرے رشتہ داروں کو پولیس نے تھانہ میں حراست میں رکھا ہوا ہے۔

گجرات ۲۰۰۲ کے دنگے کی گونج کسی کے کانوں میں نہیں پڑی۔ لیکن مرکزی حکومت اسی گجرات کے وزیر اعلیٰ نریندر مودی کو بہترین وزیر اعلیٰ کا خطاب عطا کرتی ہے۔ آج سپریم کورٹ میں گجرات حکومت اعتراف کر رہی ہے کہ سہراب واس کی بیوی کو پولیس نے قتل کیا لیکن اس اعتراف کے بعد بھی مرکزی حکومت خاموش ہے۔

وزیر اعظم منموہن سنگھ وزارت عظمیٰ پر بیٹھے ہوئے ہیں تو ان کو ۱۹۸۴ء کے ہندو سکھ دنگوں میں مارے جانے والے افراد کو معاوضہ دلانا یاد رہتا ہے لیکن ملیانہ ہاشم پورہ کے لوگوں کو پی اے سی کے ذریعہ قتل کیے جانے کی خونیں واردات یاد نہیں آتی۔

قانون، انصاف، عدل، مساوات، حقوق و دادرسی جیسے الفاظ کتابی الفاظ بن چکے ہیں۔

سالک دھامپوری
E/35B، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر نئی دہلی۔ ۲۵ ◆◆◆

ماہنامہ ہدیٰ ڈائجسٹ کو دیکھ کر؟

رہنمائے قوم و ملت ماہنامہ ہے ہدیٰ
وقت حاضر کی ضرورت ماہنامہ ہے ہدیٰ
یہ علمبردارِ ملت ماہنامہ ہے ہدیٰ
صاحبِ ہر شان و عزت ماہنامہ ہے ہدیٰ
شاہکار ربط و الفت ماہنامہ ہے ہدیٰ
آئینہ دارِ اخوت ماہنامہ ہے ہدیٰ
خوب صحافت خوبصورت ماہنامہ ہے ہدیٰ
مردِ میدان صحافت ماہنامہ ہے ہدیٰ
پوچھتے ہو کیا ہے اس کا ساری دنیا میں مقام
مردِ میدان شجاعت ماہنامہ ہے ہدیٰ
اے بہارِ باغِ دل دینِ حق کے ترجمان
رہبرِ راہِ ہدایت ماہنامہ ہے ہدیٰ
زیب و زینت دین کی راہی ہیں احمد مصطفٰے
صاحب اہل بصیرت ماہنامہ ہے ہدیٰ
تھے جناب عبدالوحید وہ ہدیٰ کے سرپرست
آدمی تھے نیک دل اور تھے وہ مست مست
جنت الفردوس میں ہو اے خدا ان کا مقام
نور سے پر نور ہوں ہر روز ان کے صبح و شام
معلوماتِ دینی اس میں آپ کو مل جاتے ہیں
قارئین سب پڑھنے والے گیت اس کے گاتے ہیں
کل جرائد میں اسے اک فوقیت سی مل گئی
اس کی عزت اور عظمت بھی بہت ہی بڑھ گئی
ہے یہی دل سے ظہیر الدین بابر کی دعا
اے خدا اس کو محبت کے فلک پر تو چلا

ظہیرالدین بابر

نئی کتاب

نامِ کتاب: نئی کتاب (سہ ماہی جریدہ)، ایڈیٹر: شاہد علی خاں، پتہ: ڈی 24، کالندی کنج مین روڈ، ابوالفضل انکلیو پارٹ ا، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵، سائز: ڈمائی آکٹووو، صفحات: 248، قیمت: فی شمارہ -/50 روپے، سالانہ -/200 روپے، مبصر: مودود صدیقی

شاہد علی خاں اردو دنیا کا جانا پہچانا نام ہے۔ نصف صدی سے زیادہ مدت تک وہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ سے جڑے رہے ہیں اور اس طرح کتابوں، اردوں کتابوں کے کاروبار کے اتار چڑھاؤ سے گزرے ہیں۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اس اشاعتی ادارے میں انہوں نے اپنی زندگی بطور ایک کارکن شروع کی تھی لیکن اپنی صلاحیتوں کی اساس پر ترقی کی منزلیں تیزی سے طے کیں اور مکتبہ جامعہ کی دہلی اور پھر ممبئی برانچ کے منیجر ہوئے جنہیں انہوں نے اپنی محنت اور کاوشوں سے اردو کتابوں کے کاروبار کے اہم مرکز بنا دیے۔ ممبئی میں تھے جب دہلی مکتبہ کے حالات میں کمزوری آنے لگی تو انہیں دہلی بلایا گیا اور مکتبہ کو سنوارنے اور اس کی کاروباری بنیاد کو مضبوط بنانے کے لئے انہیں اپنی صلاحیتوں کو آزمانے کا موقع دیا گیا۔ شاہد علی خان نے مکتبہ کی ذمہ داری بھی سنبھالی اور مکتبہ کے پریس لبرٹی آرٹ پریس کو اپنی محنت سے فعال کیا اور دونوں کو مالی اور کاروباری طور پر مضبوط بنایا۔ وہ ورکنگ آورز کے مطابق کام نہیں کرتے تھے بلکہ کام کی تکمیل میں لگ جاتے تھے۔ ان کا وقت صبح سویرے شروع ہوتا تھا اور رات دیر گئے تک جاری رہتا تھا۔ ستمبر 2006ء میں وہ مکتبہ کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے لیکن چونکہ عملی آدمی ہیں، متحرک شخصیت ہیں تو ریٹائر ہونے کے بعد گھر میں تو نہیں بیٹھ سکتے تھے اور وہ اپنے کاروباری تجربات سے دنیا کو فائدہ ہی پہنچانا چاہتے ہیں، اس لیے انہوں نے نئی کتاب پبلشرز کے نام سے ذاتی ادارہ قائم کیا ہے اور چند ہی مہینوں میں اس ادارے سے اہم موضوعات پر کئی کتابیں شائع کر ڈالی ہیں۔ زندگی بھر ماہنامہ 'کتاب نما'

اور 'پیغام تعلیم' کی ادارتی ذمہ داریاں بھی سنبھالی ہیں تو اس سلسلے کو جاری رکھنے کے لئے ہم اردو والوں کی فرمائش پر زیر تبصرہ سہ ماہی جریدہ کا اجرا کیا ہے۔اس جریدے کو اردو کے پہلے ہی شمارہ میں اہم قلمکاروں کا تعاون حاصل ہو گیا ہے۔ موجودہ دور نامور نقاد، شاعر اور فکشن نگار شمس الرحمٰن فاروقی 'نئی کتاب' کی مجلس ادارت کے صدر ہیں اور مجلس ادارت میں دنیا بھر سے اردو کے بڑے بڑے نام شامل ہیں۔ ایسوسی ایٹ ایڈیٹر ایس اے رحمٰن ہیں جو نیشنل بک ٹرسٹ کے سابق ایڈیٹر اور مصنف، مؤلف، مترجم اور مبصر بھی ہیں۔ نئی کتاب کے زیرِ نظر شمارے میں مختلف موضوعات پر مشاہیر اردو کے بہترین مضامین شامل ہیں۔ قلمکاروں میں شمس الرحمٰن فاروقی، پروفیسر عبدالحق، پروفیسر شکیل الرحمٰن، رؤف پاریکھ، احمد صغیر صدیقی، شمیم طارق، پروفیسر عبدالستار دلوی، پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی، محمد افسر رہبین (کلچرل کونسلر افغانستان ایمبیسی)، ڈاکٹر اعجاز علی ارشد، ڈاکٹر وہاب قیصر، ڈاکٹر احمد محفوظ، ڈاکٹر توقیر احمد خاں، ڈاکٹر طارق احمد صدیقی، ڈاکٹر محمد نعمان خان، عمیر منظر اور ڈاکٹر خالد محمود ہیں تو یادِ رفتگان کے تحت انور سدید نے خامہ بگوش کی یادوں کو جگایا ہے تو کشمیری لال ذاکر نے احمد ندیم قاسمی کے ساتھ اپنی یادوں کو۔ طنز و مزاح میں مجتبیٰ حسین نے اپنے منفرد اسلوب کا جادو جگایا ہے تو اسد رضا نے سالِ نو کی شگفتگی کو اپنا مزاحیہ اسلوب دیا ہے۔ کہانیاں قیصر تمکین، آصف فرخی، صغرا مہدی، یٰسین احمد، وسیم صدیقی اور زیبا صدیقی کی ہیں جنہوں نے فکشن میں حقائق اور مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ خاص طور پر کہانی 'لکھنؤ والے' تو میرے لیے بہت متاثر کن ہے کیونکہ اس میں شخصی اور علاقائی اقدار کو ابھارا گیا ہے۔ شعری حصہ بھی بہت جاندار ہے جس میں مظفر حنفی، مخمور سعیدی، ظفر احمد نظامی، ظفر گورکھپوری، ہمایوں ظفر زیدی، احمد صغیر صدیقی، خالد بن سہیل، خالد محمود، ملک زادہ جاوید وغیرہم نے کنٹری بیوٹ کیا ہے۔ کتابوں اور رسالوں پر تبصروں کا حصہ بھی متوجہ کرتا ہے جس میں تین اہم مطبوعات اور چار رسائل و جرائد پر اردو کی جانی پہچانی شخصیتوں کے تبصرے شامل ہیں۔ اس جریدے کا اداریہ شمس الرحمٰن فاروقی کے قلم سے ہے جس میں انہوں نے اس جریدے کی اشاعت کی وجہ پر گفتگو کی ہے۔



اخبار ملت

محمد خاتمی کا مسیحی اور اسلامی معاشرہ کو اتحاد کا مشورہ

ویٹیکن سٹی (رائٹر): سابق صدر ایران محمد خاتمی نے پاپائے روم بینڈکٹ سے ملاقات کے بعد مسیحی اور اسلامی معاشرے کو محبت اور انصاف پر انحصار کرتے ہوئے مل کر تشدد اور دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا۔ مسٹر خاتمی نے کہا کہ اگر دونوں معاشرے ان بنیادی اصولوں کی طرف لوٹتے ہیں تبھی دونوں معاشروں کے زخم بھرنے کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔ پوپ سے ملاقات سے قبل مذہبی مذاکرات میں حصہ لیتے ہوئے مسٹر خاتمی نے کہا کہ کسی کو بھی جنگ اور نفرت کے لئے اللہ کا نام لینے یا بے سوچے سمجھے صلیبی جنگ کی بات کرنے کا حق نہیں۔ انہوں نے کہا کہ دونوں مذاہب کو قیام امن اور دہشت گردی اور جنگ سے نجات کے لیے سنجیدہ عملی مذاکرات شروع کرنا چاہیے۔

حیدرآباد میں مسلمانوں پر پولس فائرنگ کی سی بی آئی انکوائری سے انکار کیوں: مولانا ارشد مدنی

کولکاتہ: (ایجنسیاں) جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا ارشد مدنی نے حیدرآباد کے حالیہ سانحہ کی بابت چیف منسٹر آندھرا پردیش کی مرکزی حکومت سے مکہ مسجد بم دھماکہ کی سی بی آئی کے ذریعہ انکوائری کی سفارش پر اظہار اطمینان کیا ہے لیکن پولس فائرنگ کی انکوائری سی بی آئی سے نہ کرا کر عدالت کے ذریعہ کرائے جانے کے چیف منسٹر کے اعلان کو تشویش ناک قرار دیا ہے۔ مولانا نے اپنے بیان میں کہا کہ ہم شروع سے کہتے رہے ہیں کہ پولس اور انتظامیہ کا رویہ مسلمانوں کے تعلق سے فسادات میں ہمیشہ جانبدارانہ اور انتہائی وحشیانہ رہا ہے۔ اس وقت بھی جس طرح نہتے مسلمانوں پر گولیاں چلا کر مارنا اسی سلسلے کی ناپاک کڑی ہے۔ مولانا مدنی نے مرکزی حکومت اور آندھرا پردیش سرکار سے مطالبہ کیا ہے کہ پولس فائرنگ کی بھی انکوائری سی بی آئی سے کرائی جائے تاکہ ان امن وامان کے دشمنوں کی صحیح تصویر سامنے آسکے، اور یہ واضح

ہو جائے کہ ملک کے سیکولر کردار کو مجروح اور داغدار یہی لوگ بناتے اور ملک کے جمہوری دستور کی دھجیاں اڑاتے رہے ہیں۔

مسلمانوں کے تعلق سے یورپی یونین کی نئی گائڈ لائن

لندن: یورپی یونین نے نئی گائڈ لائنز تیار کی ہیں اور حکومتوں کے ترجمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنے بیانات میں اسلام کا دہشت گردی سے تعلق جوڑنے سے اجتناب کریں، یورپی میشن کے حکام نے تصدیق کی ہے کہ انہوں نے ایک ہینڈ بک تیار کی ہے جس میں دل آزاری نہ کرنے والی اصطلاحات شامل ہیں جو سرکاری ترجمان انسداد دہشت گردی آپریشن اور دہشت گردی کے حملوں کے بارے میں استعمال کریں گے، جن اصطلاحوں پر پابندی لگائی گئی ہے ان میں جہاد، اسلامی یا بنیاد پرست جیسی اصطلاحات شامل ہیں، لفظ جہاد کو بالکل استعمال نہ کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے کیونکہ مسلمانوں کے لئے یہ ایک اخلاقی زندگی گزارنے کی ذاتی جدو جہد ہے، یورپی یونین کے ایک ترجمان نے کہا ہے کہ گائڈ کا مقصد مذہب اسلام کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے سے اجتناب اور یورپ میں مسلمانوں کو تنہا کرنے سے بچانا ہے، ترجمان نے کہا کہ گائڈ میں روزمرہ استعمال ہونے والی متعدد اصطلاحات ہیں اور یونین کے ممبر ملکوں کے ترجمان انہیں عام استعمال کرتے ہیں جن سے غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں، برطانوی حکومت نے کہا ہے کہ گائیڈ چیزوں کو صحیح تناظر میں پیش کرے گی، برطانوی حکومت اس کی حامی ہے۔

سات ریاستوں میں مسلمان زیادہ تعلیم یافتہ

نئی دہلی: عام تاثر یہ ہے کہ مسلمان تعلیم کے میدان میں دوسرے طبقوں کے مقابلے میں بہت پیچھے ہیں، لیکن ۲۰۰۱ء کی مردم شماری رپورٹ کے مطابق ملک کی سات ریاستوں میں مسلم طبقہ کے مرد و عورت دونوں ہی تعلیم کے میدان میں اپنے مقابل ہندوؤں سے بہتر ہیں اور کچھ ریاستوں میں تو یہ فرق بہت زیادہ ہے، وہ ریاستیں جہاں مسلمان تعلیم میں ہندوؤں سے زیادہ ہیں وہ آندھرا پردیش، گجرات، مدھیہ پردیش، چھتیس گڑھ، کرناٹک، اڑیسہ اور تامل ناڈو ہیں۔

مسلم آفیسر خاتون کا اپنے چیف سے ہاتھ ملانے سے انکار

لندن: ایک مسلم پولس آفیسر خاتون نے برطانیہ میں مذہبی روایات اور پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے درمیان خط فاصل قائم کرتے ہوئے اپنے فورسیز چیف سے ہاتھ ملانے سے انکار

کردیا، مذکورہ آفیسر کو گریجویشن کے ایک پروگرام میں مذہبی روایات کے لئے استثنائی اجازت سے منع کردیا جو اسلامی عقیدے کے خلاف ہو، اسلامی عقیدے کی رو سے عورت کا اپنے شوہر کے علاوہ غیر مرد سے ہاتھ ملانا یا بوس و کنار کرنا صحیح نہیں ہے۔

منشیات استعمال کرنے والے کو قرآن مجید حفظ کرنے کا حکم

جدہ: ایک سعودی کورٹ نے منشیات استعمال کرنے والے ایک شخص کو سزا کے طور پر قرآن کریم حفظ کرنے کا حکم دیا ہے، کورٹ نے کہا ہے کہ اگر وہ چھ مہینے میں قرآن کریم حفظ کر لیتا ہے تو اس کو صرف چھ ہی مہینے جیل میں رہنا ہوگا اور اگر وہ چھ مہینے میں حفظ نہیں کر پاتا ہے تو اس کو ایک سال تک جیل میں رہنا ہوگا، فاضل جج نے سزا کا حکم سناتے ہوئے کہا کہ ملزم کو اندرون جیل کلاسیز میں حاضر ہو کر قرآن کریم حفظ کرنا ہوگا، جس کی یومیہ حاضری اور پروگرس کی رپورٹ مجھے دی جاتی رہے گی۔

جرمن زبان میں اسلامی پروگرام کا آغاز

جرمنی: جرمنی کے ایک براڈ کاسٹر Suedwestrund frunk (SWR) نے یہ اعلان کیا ہے کہ وہ جرمن زبان میں وہاں کے مسلمانوں کے لئے فورڈ آف اسلام، کے نام سے ایک نیا پروگرام شروع کر رہا ہے، ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اسے آئندہ ماہ سے انٹرنیٹ پر بھی دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ واضح رہے کہ مذکورہ براڈ کاسٹر جنوب مغربی جرمنی میں ریڈیو اور ٹی وی کی خدمات انجام دے رہا ہے، مذکورہ براڈ کاسٹر کا کہنا ہے کہ اس نے جرمن کونسل آف مسلمز کے جنرل سکریٹری ایمن مزیک اور اسلامک یونین آف ریجس سنٹرز کے بکر ابوغہ کی خدمات بحیثیت فلمکار حاصل کرلی ہیں، اسے ایسی دو مسلم خواتین کی بھی تلاش ہے جو اس پروگرام کے لئے مواد تیار کرسکیں۔

روس میں اسلام کی مقبولیت میں اضافہ

ریاض: حال ہی میں ریاض میں منعقدہ ایک پروگرام میں تاتارستان کے صدر منیتمر شائمیوں کو اسلام کی نمایاں خدمات انجام دینے کی بنیاد پر سعودی حکومت کی جانب سے کنگ فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا ہے، شاہ عرب کے ہاتھوں سے ایوارڈ قبول کرنے کے بعد تاتارستان کے صدر نے کہا کہ روسی عوام میں اسلام کے تئیں بیداری پیدا ہو رہی ہے، نیز انہوں نے کہا کہ یہ فیڈ روسی فیڈریشن، اس کے عالمی کردار اور بیس ملین (دو کروڑ) مسلمانوں کے لئے تشکر کے جذبات کا اظہار کرتا ہے۔

◆◆◆

همدردان ملت، معاونین و محسنین سے

ضروری التماس

قرآن وحدیث اور توحید وہدایت کی روشنی پھیلانے میں ہمارا ہاتھ بٹائیے آج کے ماحول اور معاشرہ کو اسلامی تعلیمات سے سنوارنا وقت کا سب سے بڑا مشترکہ ملی فریضہ ہے!

 تعلیمات اسلامی کے روشن سفیر ''ہدیٰ'' کو 

گھر گھر متعارف کرا کر اور مندرجہ گزارشات پر عمل پیرا ہو کر اس مشترکہ فریضہ کی ادئیگی میں ملت کا ہر چھوٹا بڑا ہماری مدد کر سکتا ہے۔

(۱) عام فہم اردو زبان میں اسلامی تعلیمات، اسلامی روایات، اسلامی تاریخ، مجاہدین اسلام کے کارناموں اور اولیاء اللہ وصوفیائے کرام کے روحانی فیوض پر طبع زاد اور غیر مطبوعہ مضامین بلا معاوضہ ارسال فرما کر۔

(۲) انفرادی طور پر خود اس کے سالانہ خریدار بنیں اور دوسرے دوست احباب، اسکول، کالجوں، لائبریریوں، اداروں اور جماعتوں کو اس کا خریدار بنوائیں۔

(۳) آپ کے حلقے اور شہر میں اگر ''ہدیٰ'' کی ایجنسی نہیں ہے، یا کسی وجہ سے بند ہے، تو ایجنٹ حضرات کو توجہ دلا کر ایجنسی قائم کرائیں اور موجودہ ایجنسیوں کو وقت پر بلوں کی ادائیگی کی طرف متوجہ رکھیں۔ اس میں اس شمع ہدایت کو باد مخالف سے محفوظ رکھ کر ......روشن رکھنے کی طاقت اور استحکام پوشیدہ ہے......!

MONTHLY HUDA ISLAMIC DIGEST NEW DELHI
R.N.I. No. 16261/68. Regd. No. DL-(S) 01/3124/2006-08
POSTED AT NDPSO. 2,3 PER MONTH (ADVANCE)
VOL. 40 AUG. 2007 ISSUE NO. 471